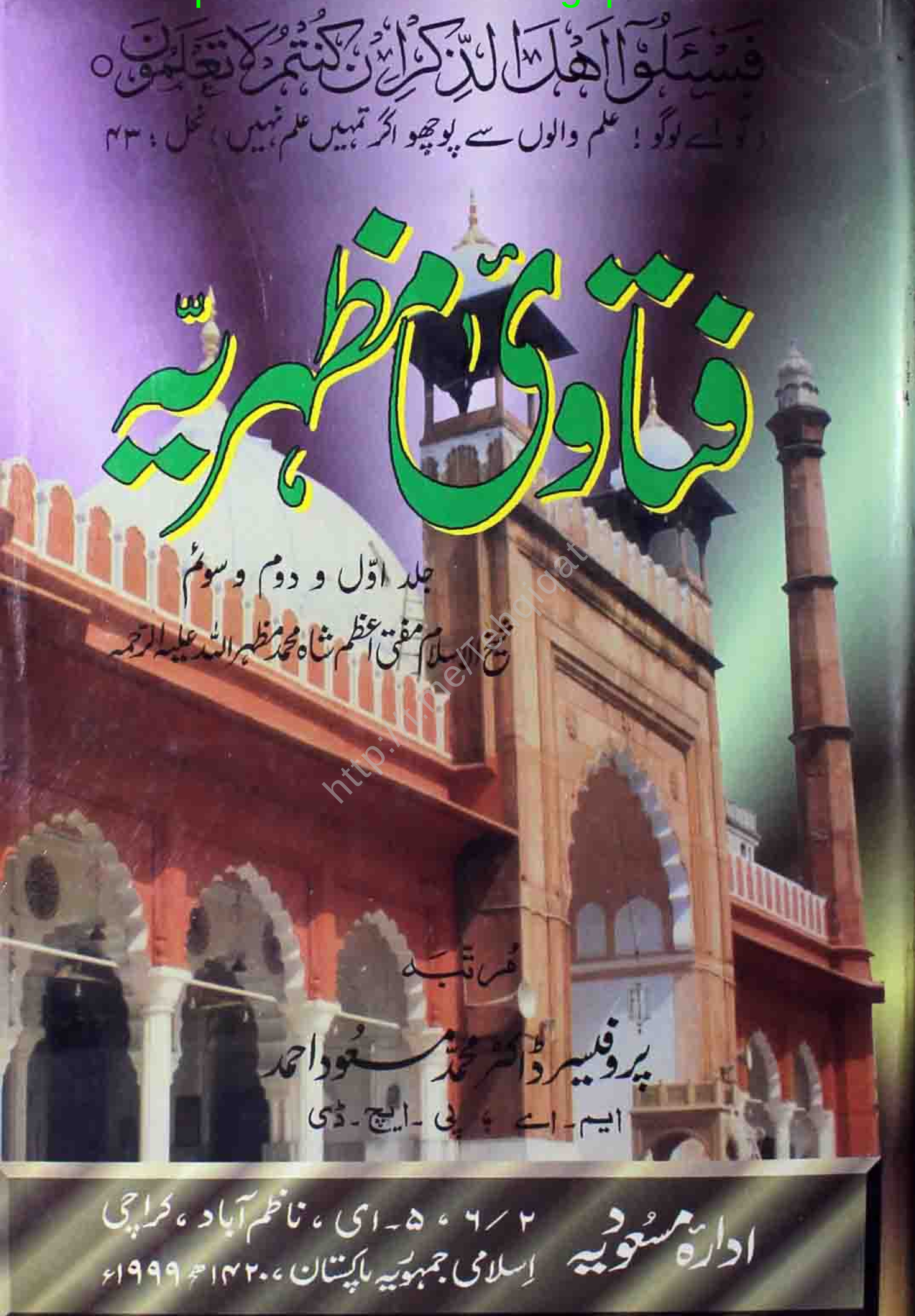


فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) نحل : ۴۳

فتاویٰ مظہریہ

جلد اوّل و دوم و سوم

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی

ادارہ مسعودیہ

۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) نحل : ۴۳

فتاویٰ مظہریہ

جلد اوّل و دوّم و سوم

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارہ مسعودیہ ۲/۶، ۵۔ ای، ناظم آباد، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

کتاب ________ فتاوئ مظہریہ
مصنف ________ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
کاتب ________ محمد عبدالباقی بلوچ
طابع ________ حاجی محمد الیاس
ناشر ________ ادارۂ مسعودیہ ۔ کراچی
مطبع ________ شاہکار پریس ۔ کراچی
طباعت ________ ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء
تعداد ________ گیارہ سو
قیمت ________ [redacted] روپے

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ، ۶/۲، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی
۲۔ مختار پبلی کیشنز، ۲۵۔ جاپان مینشن، ریگل، صدر، کراچی
۳۔ مکتبۂ غوثیہ، سبزی منڈی، کراچی
۴۔ مکتبۂ رضویہ، آرام باغ، کراچی
۵۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
۶۔ شبیر برادرز، دربار مارکیٹ، گنج بخش، لاہور
۷۔ مکتبۂ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

زبدۃ الاولیاء، قدوۃ العلماء، اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ (جد امجد حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ) کے نام نامی، جن کی علمیت و روحانیت سے مسجد جامع فتحپوری (دہلی)، سرچشمۂ علم و حکمت بنی، اور طالبانِ شریعت و طریقت فیض یاب ہوئے ؎

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

صلوٰة عليه وآله

يا سيد السادات جئتك قاصدا
أرجو رضاك واحتمي بحماك

أنت الذي لولاك ما خلق امرؤ
كلا ولا خلق الورى لولاك

أنا طامع بالجود منك ولم يكن
لأبي حنيفة في الأنام سواك

صلى الله عليك وعلى آلك وأصحابك وسلم دائما أبدا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہارِ تشکر

منعمِ حقیقی کا صد ہزار شکر ہے کہ اس نے ان اوراقِ پریشاں کی شیرازہ بندی کے لئے ہمت و وقت عطا فرمایا، ان محسنین و مشفقین، اور محبین و مخلصین کا بھی ممنون ہوں جن کے دلی تعاون نے راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

مولینا جمیل احمد نعیمی (کراچی)، مولینا عبدالحلیم چشتی (کراچی)، ڈاکٹر زوار زیدی (کراچی)، جناب مشفق خواجہ (کراچی)، جناب حکیم محمد تقی (کراچی)، جناب فضل احمد (کراچی)، حضرۃ العلامہ مفتی محمد محمود (حیدر آباد)، جناب حاجی عبدالخالق (حیدر آباد)، مولینا محمد ہاشم جان مجددی فاروقی (ٹنڈو سائیں داد)، مولینا محمد اسحاق جان مجددی فاروقی (میرپور خاص)، سیف الاسلام مولینا محمود حسین (لاہور)، جناب محمد احمد قریشی (لاہور)، جناب مظہر الدین (لاہور)، مولینا حکیم مختار احمد اشرفی (گجرات)، مولینا عبدالقدوس ہاشمی (راولپنڈی)، مفتی محمود حسن (کوئٹہ)، مولینا عبدالباقی (کوئٹہ)، ڈاکٹر محمد سعید احمد (دہلی)، مولینا محمد آصف جاہ (دہلی)، مولینا محمد مکرم احمد (دہلی)، مولینا عبدالرحیم (بڈیڈ)، ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)، اور ڈاکٹر پیٹر ہارڈی (لندن)۔

احقر محمد مسعود احمد
کوئٹہ


وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

تقریباً تیرہ سال قبل (۱۹۵۶ء) حضرۃ العلامہ مفتی محمد محمود صاحب دامت برکاتہم العالی (حیدرآباد) نے فتاویٰ مظہری کی تدوین کی طرف راقم کو متوجہ فرمایا، چناں چہ جب اسی زمانے میں راقم دہلی حاضر ہوا تو اپنے برادرزادہ عزیزم مولینا حافظ قاری محمد آصف جاہ سلمہٗ (ابن حضرت مولینا مفتی محمد مشرف احمد صاحب مدظلہ) کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ وہ حضرت علیہ الرحمہ کے فتاوے کی نقول محفوظ کرنے کا اہتمام کریں فاضل موصوف نے نہایت مستعدی کے ساتھ ۱۹۵۶ء سے فتووں کی نقول جمع کرنی شروع کیں اور اس طرح حضرت علیہ الرحمہ کی وفات (نومبر ۱۹۶۶ء) تک آخری دس سالہ دور (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۶ء) کے بعض اہم فتوے محفوظ کر لئے گئے ——— حضرت علیہ الرحمہ کے بعض فتووں کی نقول دوسرے برادرزادہ عزیزم مولینا حافظ محمد مکرم احمد سلمہٗ (ابن حضرت مولینا محمد احمد صاحب مدظلہ) نے بھی محفوظ کی تھیں، اس کے علاوہ تقسیم ہند سے قبل کے بعض فتووں کے مبیضات و مسودات برادرم ڈاکٹر محمد سعید احمد (دہلی) کی تحویل میں تھے ——— حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد فروری ۱۹۶۸ء میں جب راقم دہلی حاضر ہوا تو یہ سارا علمی سرمایہ اپنے ساتھ لیتا آیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی زمانے (تقریباً چالیس سال قبل) کے بعض فتووں کی نقول ایک کتاب میں محفوظ کی گئیں تھیں جو کتب خانہ مظہری (دہلی) میں موجود ہے لیکن چوں کہ دہلی میں راقم کا قیام بہت مختصر رہا اس لئے یہ مجموعہ تلاش کیا جا سکا، انشاء اللہ تیسری جلد کی تدوین میں اس سے استفادہ کیا جائے گا۔

بہرکیف متذکرہ بالا مآخذ کے علاوہ بعض دوسرے مآخذ سے بھی استفادہ کیا ہے، ان تمام مآخذ کی تفصیل یہ ہے:

(۱) حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ذاتی مبیضات و مسودات۔

(۲) حضرت علیہ الرحمہ کے مکاتیب گرامی۔

(۳) مختلف حضرات کے ذاتی فائل مثلاً صوفی فضل احمد (کراچی)، حاجی عبدالخالق (حیدرآباد)، ڈاکٹر محمد سعید احمد (دہلی)، مولینا محمد آصف جاہ (دہلی)، مولینا محمد مکرم احمد (دہلی) وغیرہ وغیرہ۔

(۴) نقول فتاوے کے متعدد مجموعے۔

(۵) مطبوعہ فتاوے مثلاً کشف الحجاب، تحقیق الحق، قمر السماء، انتقاد الحال، ... گم گشتہ وغیرہ وغیرہ

(۶) رسائل و اخبارات اور اشتہارات مثلاً ماہنامہ الرشید (دہلی)، ماہنامہ آستانہ (دہلی)، ماہنامہ اذان (کراچی)، اخبار دعوت (دہلی)، اخبار غریب نواز (دہلی) وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام مآخذ کو جمع کر کے تدوین کے دوسرے مرحلے میں فتووں کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے ابواب کا تعین کیا، تیسرے مرحلے میں فتوے انتخاب کر کے ہر باب کے تحت جمع کئے، چوتھے مرحلے میں ابواب کے ذیل جتنے فتوے جمع کئے تھے ان کی داخلی ترتیب کو درست کیا، اس شیرازہ بندی کے بعد پانچویں مرحلے میں تمام فتاوے صاف کرنے شروع کئے اور بفضلہ تعالیٰ سات ماہ (مئی ۱۹۶۸ء تا نومبر ۱۹۶۸ء) کی سعی مسلسل کے بعد کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں مبیضہ تیار کر لیا گیا، پھر چھٹے مرحلے میں مولینا عبدالباقی نے کتابت شروع کی اور مسلسل چھ ماہ (جنوری ۱۹۶۹ء تا جولائی ۱۹۶۹ء) کے بعد کوئٹہ ہی میں کتابت کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

جس طرح حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا دائرہ مکاتیب وسیع تھا اسی طرح فتاوے کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا، پاک و ہند میں شرق سے لیکر مغرب تک اور جنوب سے لے کر شمال تک پھیلا ہوا تھا، لیکن مکاتیب شریف تو اہل محبت نے جان سے لگا کر رکھے (چناں چہ مکاتیب مظہری کی پہلی جلد تو پیش بھی کردی گئی ہے) مگر فتوے اس طرح محفوظ نہ رکھے جا سکے اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اہل حاجت نے وقتی ضرورت کے تحت فتوے حاصل کئے اور جب ضرورت باقی نہ رہی تو ان کی حفاظت کا اہتمام نہ کیا گیا، چناں چہ ناظم جمعیۃ العلماء ہند (ضلع گڑگانو) مولینا عبدالرحیم صاحب حضرت علیہ الرحمہ کے محامد و محاسن بیان کرتے ہوئے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:-

> حضرت مفتی صاحب جامع الکمالات شخص تھے، ان کا علمی تبحر اور فتویٰ نویسی میں مہارت، مسلّم خوبیاں تھیں، بیشتر مسائل میں حضرت مفتی اعظم ہند مولینا کفایت اللہ صاحب حضرت مفتی مظہر اللہ صاحب کے فتاوے سے اتفاق فرماتے تھے، احقر راقم الحروف نے بہت سے فتاوے حضرت مفتی صاحب مرحوم و مغفور سے حاصل کئے مگر افسوس کہ ان کے محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ ہو سکا۔
>
> (محررہ ۱۹۶۷ء، از بڈیڈہ)

اس اقتباس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت علیہ الرحمہ کے بیشمار فتاوے دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے، لیکن بعض حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے فتاوے کا کافی ذخیرہ جمع کیا تھا مگر افسوس تقسیم ہند کے بعد ان حضرات کا شیرازہ بھی بکھر گیا، جو بچ رہے ان کی طرف رجوع کیا گیا۔

نہ معلوم کتنے علمی خزانے اخلاف کی غفلت شعاری و لاپرواہی سے نابود ہو گئے، مہر و محبت کے انداز بدل گئے، اسلاف اٹھتے جا رہے ہیں اور اخلاف ان کے ان علمی کارناموں سے اغماض نظر

کر رہے ہیں جو برسوں کی کاوش و جاں کاہی کا نتیجہ ہیں، قومی مزاج کی اس ابتری کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے مشہور صحافی اور سیاست داں پیر علی محمد راشدی نے صحیح لکھا ہے :-

> ہماری بدقسمتی کہ ہم اِن کاموں میں اب تک باقی دنیا سے بہت پیچھے ہیں، حالات کچھ ایسے ہیں کہ ہماری ذہنیت حد سے زیادہ کاروباری بن گئی ہے، جب تک فوری مالی منفعت یا دنیوی ترقی کی امید پیش نظر نہ ہو ہم کسی علمی کام کو ہاتھ لگانے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم ایک قوم ہیں مگر جن چیزوں کی مدد سے قومیں مستحکم ہوتی ہیں اور ان میں پختگی آتی ہے ان چیزوں کی طرف ہم توجہ دینے سے گھبراتے ہیں۔
>
> (اخبار جنگ (کراچی)، ۲۳ نومبر ۱۹۶۷ء، ص-۱۲، ک-۱ و ۲)

مولیٰ تعالیٰ کا شکر و انعام ہے کہ اس نے راقم کو ہمت و قوت عنایت فرما کر ان اوراق پریشاں کی شیرازہ بندی کی سعادت عطا فرمائی، توجہ نہ کی جاتی تو وہ معدوم یا مفقود ہو جاتے ؏

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

حضرت علیہ الرحمہ کے فتاوے دہلی اور بیرونِ دہلی کی عدالتوں میں بھی تسلیم کئے جاتے تھے اس لئے یقین ہے کہ بکثرت فتوے عدالتوں کے ریکارڈ میں محفوظ ہوں گے، اسی طرح تقسیم ہند سے قبل مختلف سیاسی تحریکوں کی طرف سے بہت سے فتوے لئے گئے خصوصاً مسلم لیگ کی جانب سے اس لئے قیاس یہی کہتا ہے کہ ان تحریکوں کے ریکارڈ میں بھی کافی ذخیرہ محفوظ ہوگا - کراچی یونیورسٹی (مغربی پاکستان) کے لائبریری کے ساتھ ہی ایک شعبۂ مسلم لیگ قائم کیا گیا ہے جس میں اس تحریک سے متعلق جملہ لٹریچر جمع کیا گیا ہے جس میں فتووں کا ایک عظیم ذخیرہ ہے، راقم نے استفادہ کرنا چاہا لیکن چوں کہ سارا ذخیرہ ابھی تک منتشر حالت میں ہے اور دسترس سے بالاتر بھی اس لئے استفادہ نہ کیا جا سکا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر زوار زیدی (جو لندن یونیورسٹی سے متعلق رہے ہیں) سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں تحریک آزادی سے متعلق جملہ ریکارڈ انڈیا آفس لائبریری، لندن میں محفوظ کیا گیا ہے جس میں بکثرت مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فتاوے بھی ہیں، عین ممکن ہے کہ اس ذخیرے میں بھی حضرت علیہ الرحمہ کے فتاوے ہوں، راقم نے اس سلسلے میں لندن یونیورسٹی کے فاضل ڈاکٹر پیٹر ہارڈی کو لکھا ہے وہ جستجو کر رہے ہیں، ان ذرائع سے اگر فتاوے دستیاب ہوئے تو انشاءاللہ تیسری جلد میں شامل کر لئے جائیں گے۔

اس وقت قارئین کرام کے سامنے جو مجموعۂ فتاوے پیش کیا جا رہا ہے اس میں صرف ۳۰۱ فتوے شامل کئے گئے ہیں، بعض فتووں کے سوالات بہت طویل تھے اس لئے اجمال کی خاطر ان کو مختصر کر کے لکھا گیا اور اس کا خاص خیال رکھا کہ سوال کی اصل روح باقی رہے، لیکن اگر علماء کرام کہیں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے جوابات کو سوالات کے مطابق نہ پائیں تو اس کو راقم کے تسامح پر محمول کرتے ہوئے

سوال میں اصلاح فرماکر مطلع فرمائیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کے فتاوے کے اس سرمایہ کو مجموعی سرمایہ سے کوئی نسبت نہیں، حضرت علیہ الرحمہ نے تقریباً ساٹھ سال فتوی نویسی کے فرائض انجام دیئے اور روزانہ دن کا تقریباً نصف حصہ فتوی نویسی میں صرف ہوتا تھا اس طرح اوسطاً پانچ فتوے روزانہ تحریر فرماتے اس حساب سے ساٹھ سال کی طویل مدت میں حضرت علیہ الرحمہ نے ۱۰۹۵۰۰ (ایک لاکھ نو ہزار پانچ سو) فتوے تحریر فرمائے، اگر یہ سارا سرمایہ جمع کیا جاتا تو پیش نظر سائز کے ۵۰۰ صفحات کی ضخامت کی ۳۶۲ مجلدات مرتب ہوتیں جو تاریخ فتاوی میں بڑا وقیع اضافہ ہوتا۔ مگر افسوس صد افسوس یہ عظیم سرمایہ ہماری غفلت شعاری سے یا تو تلف ہو گیا یا مفقود الخبر ہو گیا۔ ع آنچہ ما کردیم بر خود ہیچ نابینا نہ کرد۔

فتاوی کے عام مجموعوں کے برخلاف اس مجموعے میں بعض رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، بعض مصالح کی بنا پر اس کی ترتیب بھی عام مجموعوں سے قدرے مختلف ہے، اس مجموعے کو دو جلدوں پر تقسیم کیا گیا ہے، جلد اوّل سات ابواب پر مشتمل ہے اور جلد ثانی چار ابواب پر، دوسری جلد میں عقائد سے متعلق چند فتووں میں ابہام محسوس ہوا اس لئے اس جلد کے شروع میں "سخن ہائے گفتنی" کے عنوان سے بعض ضروری توضیحات کردی گئی ہیں، ممکن ہے کہ ایک مسلک کے بعض علماء اور ان کے متبعین اس میں تلخی محسوس کریں لیکن ہم نے نیک نیتی کے ساتھ ضرورۃً ایسا کیا، ہم ان حضرات سے خلوص دل سے معذرت خواہ ہیں۔

ان مجلدات کے تقریباً نصف فتاوے ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۶ء کے درمیان تحریر کئے گئے باقی اس سے قبل چالیس سال کے اندر اندر تحریر میں آئے، بعض فتووں کے آخر میں تاریخ و سنہ وغیرہ مذکور ہے مگر اکثر فتاوے اس سے محروم ہیں، لیکن جن فتاوے پر تاریخ و سنہ نہیں ان کے زمانے کا تعین حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے دستخطوں سے ہو جاتا ہے جن کو ہو بہو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو دستخط عام دستخطوں سے ذرا مختلف ہیں ان کا زمانہ تقسیم ہند سے چار پانچ برس قبل سے لے کر تقریباً تیس سال کے درمیان ہے، باقی ۱۹۴۲ء اور ۱۹۶۶ء کے درمیان تحریر میں آئے۔

قارئین کرام کی سہولت کے لئے سوالات کے مضامین کی ایک جامع فہرست ابتداء میں شامل کردی ہے، ہر باب کے ذیل میں سوالات کی ترتیب کے مطابق ان کے موضوعات کو بیان کر دیا گیا ہے۔ سوالات کے نمبرات دونوں جلدوں کے ابواب میں مسلسل و مربوط ہیں، اس طرح اس مجموعہ سے مطلوبہ سوال نمبر دیکھ کر آسانی سے نکالا جا سکتا ہے فہرست میں قاری کو تلاش صفحات سے بے نیاز کر دیا ہے۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی مختصر سوانح بھی شامل کردی گئی ہے، لیکن اس اجمال سے سوانح کے [illegible] مفصل سوانح "تذکرہ مظہر مسعود"

(مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۶۹ء) مطالعہ فرمائیں۔

مقدمہ میں فتوے کی لغوی تحقیق، تاریخ فتاوے اور آداب المفتی وغیرہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اس سلسلے میں راقم ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) کا ممنون ہے کہ انہوں نے باوجود کثرت مشاغل راقم کی درخواست پر فرانس سے بعض باتیں تحریر فرما کر بھیجیں جو شکریہ کے ساتھ مقدمہ میں شامل کر لی گئیں، کہیں من وعن عبارت نقل کردی گئی ہے اور کہیں اس کا مفہوم بیان کر دیا گیا ہے، دونوں صورتوں میں واوین سے نمایاں کر دیا گیا ہے۔

افتتاحیہ کے تیسرے اور چوتھے حصے (خصائص الفتاوی اور آداب المفتی) میں جن آداب اصول اور خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے ان کی روشنی میں فتاوی مظہری پر سیر حاصل بحث کی ضرورت تھی لیکن سرکاری مصروفیات نے اس تفصیل کی مہلت نہ دی، مزید برآں اس خیال سے بھی اس بحث کو ترک کر دیا گیا کہ فتاوے قارئین کرام کے سامنے ہے، مقدمہ کے آئینے میں وہ خود بہتر طور پر پرکھ سکیں گے، تاہم بعض مقامات پر فتاوی مظہری کے اقتباسات پیش کر کے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی صفات حمیدہ کو اجاگر کیا گیا ہے، جس سے بحیثیت مفتی آپ کی حقیقی عظمت اور بے داغ کردار کا پتا چلتا ہے۔

آخر میں "ماخذ و مراجع" کے عنوان سے تقریباً دو سو (۲۰۰) کتابوں کی جامع فہرست شامل کر دی ہے جن سے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے استفادہ فرمایا۔ فتاوے نقل کرتے وقت راقم نے تمام حوالے علیحدہ مرتب کر لیے تھے، لیکن چونکہ حضرت علیہ الرحمہ نے نہایت ہی اجمال سے کام لیتے ہوئے مصنف یا تصنیف کا اشارۃً ذکر فرمایا ہے اس لئے ماخذ و مراجع کی جامع فہرست مرتب کرنا مشکل ہو گیا بہر کیف ان اجمالی اشاروں سے مصنفین اور ان کی تصانیف کے متعلق تفصیلات مہیا کی گئیں، یہ اہم کام جو بجائے خود ریسرچ سے کم نہ تھا محترم مولانا عبدالقدوس ہاشمی (ادارۂ تحقیقات اسلامیہ، راولپنڈی) نے انجام دیا، بعض حوالوں کے متعلق تفصیلات مکرمی مولانا عبدالحلیم چشتی (شعبۂ عربی، کراچی یونیورسٹی لائبریری) نے بھی فراہم کیں، فجزاہما اللہ احسن الجزاء۔ اگرچہ جدید اصول تحقیق کے مطابق مفصل کتابیات کی ضرورت تھی یعنی سنہ اور مقام طباعت وغیرہ دینا بھی ضروری تھا لیکن چونکہ یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے کونسی اشاعت سے استفادہ کیا ہے اس لئے یہ اہتمام نہ کیا جا سکا، تاہم ایک اور چیز کا اہتمام کیا گیا ہے جو عام طور پر کتابیات میں نہیں ملتی اور جو فنی اور تاریخی حیثیت سے زیادہ اہم ہے، بیشتر مؤلفین و مصنفین کے سنین وفات دے دئے گئے ہیں، اس سے تصنیف و تالیف کے عہد کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا "ماخذ و مراجع" کے بعد راقم نے ———— ان کتابوں کی فہرست بھی شامل کر دی ہے جن سے مقدمہ یا تعلیقات و حواشی میں استفادہ کیا گیا۔

حکیم محمد تقی صاحب دہلوی (مالک مشہور آفسٹ پریس، کراچی) جو اس سے قبل سلسلۂ مظہریہ کی چار

کتابیں چھپوا چکے ہیں یعنی مظہر الاخلاق، ارکان دین، تذکرہ مظہر مسعود، اور مکاتیب مظہری، اب یہ پانچویں کتاب فتاویٰ مظہری نہایت اہتمام کے ساتھ چھپوا رہے ہیں، مولیٰ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے ایک جلیل القدر عالم دین اور ولی کامل کے تعارف اور ان کی تعلیمات کی اشاعت سے خدمت دین کا حق ادا کیا۔

احقر محمد مسعود احمد
کوئٹہ (مغربی پاکستان)

۱۸ صفر ۱۳۸۹ھ
۶ مئی ۱۹۶۹ء



مشمولات

تو همی دانی که آئین تو چیست؟

زیر گردوں سرّ تمکین تو چیست؟

آں کتاب زندہ، قرآن حکیم؟

حکمت او لایزال است و قدیم

حرف او را ریب نے تبدیل نے

آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

نوع انساں را پیام آخریں

حامل او رحمۃ للعالمین

اقبال

فتاوی مظہری

جلد اوّل

التحیات ناتمام رہ جانا (۲۸) مقتدی کا چوتھی رکعت میں قعدۂ اخیرہ نہ کرنا (۲۹) جماعت کے وقت سنتیں پڑھنا (۳۰) "تراجعون" کی جگہ "لا یرجعون" پڑھنا۔ (۳۱) سلام پھیرنے میں مقتدی کا امام پر سبقت لیجانا (۳۲) مقتدی اور سجدۂ سہو (۳۳) مقتدی کا امام کے ساتھ سجدۂ سہو نہ کرنا، لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء کا حکم ــــــ نماز (۳۴) صحن مسجد میں جماعت ثانی کرنا (۳۵) مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا (۳۶) مسجد کی چھت پر نماز جمعہ وغیرہ پڑھنا (۳۷) نماز اور متعلقات نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا (۳۸) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز پڑھانا (۳۹) گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین کا حکم (۴۰) قبر کے سرہانے نماز پڑھنے کا حکم (۴۱) شہر کی چھوٹی مسجد میں بغیر خطبہ نماز جمعہ کا حکم (۴۲) ایک ہی روز دو بار وتر پڑھانا (۴۳) شبینہ کا حکم (۴۴) میت کی تدفین سے قبل دو نمازیں اور تدفین کے بعد ایک نماز پڑھنا۔

باب ۲ (ب) عبادات ۱۲۹

رویت (۴۵-الف) ریڈیو وغیرہ آلات جدیدہ سے رویت ہلال کے اعلان کا حکم (۴۵-ب) رویت ہلال کے بارے میں جمعیۃ العلماء ہند کے فیصلے کا جواب (۴۶) امام کا ریڈیو کے ذریعہ ثبوت رویت تسلیم نہ کرنا (۴۷) آل انڈیا ریڈیو سے اعلان رویت قابل اعتبار نہیں ــــــ روزہ (۴۸) حالت سفر میں روزہ رکھنے کا حکم (۴۹) ۲۷ رجب کے روزے کا حکم (۵۰) غیر مسلم کے مال سے سحر و افطار کرنے کا حکم ــــــ حج (۵۱) زر مبادلہ کی کمی کی وجہ سے حکومت اسلامیہ کا عازمین حج کو حج سے باز رکھنا (۵۲) حوائج کے حج پر جانے کی صورت (۵۳) ضعیف العمر خاتون کا حج بدل کرانے کا حکم ــــــ قربانی (۵۴) جس شخص کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس پر قربانی کا حکم (۵۵) ایک شہر کے باشندے کی طرف سے دوسرے شہر کے باشندوں کا قربانی کرنے کا حکم (۵۶) مدرسہ اسلامیہ میں زکوٰۃ اور کھالوں کی رقم دینے کا حکم (۵۷) قربانی کی کھالوں کا امام یا مؤذن وغیرہ کو دینا (۵۸) قربانی کی کھالوں کے اصل مستحقین، قربانی کی کھالوں کی رقم نام نہاد انجمنوں کو دینے کا حکم (۵۹) خود بکرا خصی کر کے اس کی قربانی کرنے کا حکم (۶۰)

باب ۴ معاملات (بین المسلمین) ۲۰۱

فتاویٰ مظہری

جلد دوم



حیاتِ مظہری

از

پروفیسر محمد مسعود احمد


قد افلح من زكىها

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حیاتِ مظہری

شمس علیٰ قطب الکمال مضیئۃ بدر علیٰ فلک العُلیٰ سیرانہ

(۱)

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز[1] پاک و ہند کے سربرآوردہ علماء و صوفیہ میں سے تھے۔ آپ دہلی کے ممتاز عالم و فقیہ حضرت شاہ محمد مسعود[2] رحمۃ اللہ علیہ (م- ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء) کے نامور پوتے اور حضرت مولینا محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م- ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ نسباً فاروقی اور ہندوستان کے مشہور صوفی حضرت جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے تھے[3]، مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ (مطابق ۱۷ اپریل ۱۸۸۶ء) دہلی میں ہوئی[4] ۴ سال کی عمر میں یتیم و یسیر ہو گئے تو جد امجد علیہ الرحمہ نے کفالت فرمائی، دو سال بعد وہ بھی وصال فرما گئے تو جدِّ امجد اور عم محترم حضرت مولینا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ (م- ۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۴ھ) نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ اس طرح ابتداء ہی سے حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آنے لگی

ع صَبَاغۃ صبغ المحب حبیبہٗ

(۲)

حضرت علیہ الرحمہ نے حفظ قرآن کریم کے بعد معاصرین علماء سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی اور پھر

---

[1] حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر حضرتؒ کے نام نامی اسم گرامی کا آئینہ دار ہے ؎

جان در اول مظہر درگاہ شد جان جاں مظہر اللہ شد

[2] آپ کے تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل مآخذ کا مطالعہ کیا جائے :-

(۱) المعارف (لاہور)، نومبر ۱۹۶۷ء (مقالۂ راقم "شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ")

(۲) تذکرۂ مظہر مسعود، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء (۱۲) امیر الدین: تفسیر ابرکرم (۱۳۰۶)، ص- ۱۰۴

[3] شاہ محمد مسعود : نور العرفان، قلمی ص- ۱۰۲ لیکن آپ کی ایک تصنیف درۃ الیتیم فی القرآن العظیم (مؤلفہ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صدیقی ہیں۔

[4] عقیدت، (نئی دہلی) اگست ۱۹۶۴ء، (مقالہ "مفتی اعظم"، از علامہ اخلاق حسین دہلوی) حضرت علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات کے لئے مطالعہ کریں :- (۱) تذکرۂ مظہر مسعود حصہ دوم مطبوعہ کراچی (ب) مکاتیب مظہری جلد اول مطبوعہ کراچی۔

ذاتی مطالعہ سے وہ کمال حاصل کیا کہ بایدوشاید۔ فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض اور علم المواقیت میں مہارت تامہ حاصل تھی، دیگر علوم مثلاً تجوید و قرأت، تفسیر، اصول تفسیر، عقائد و تصوف، منطق و فلسفہ، صرف ونحو، ادب و شاعری، خطاطی اور عملیات وغیرہ میں بھی بڑی دستگاہ تھی، ہر مسلک فکر کے علماء آپ کے وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کے دل سے معترف تھے۔

(۳)

حضرت علیہ الرحمہ تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں مشرقی پنجاب (بھارت) کے مشہور و معروف بزرگ حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ[۱] (م۔ ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) کے صاحب زادے حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) سے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ کا مزار مبارک مکان شریف (رتر چھتر) ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب، بھارت) میں واقع ہے، سرحد پاکستان سے مقبرہ شریف کا منظر بڑا دل فزا معلوم ہوتا ہے۔ آپ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید تھے اور حضرت ممدوح آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ کے اجلّہ خلفاء میں سے تھے۔

چوں کہ بیعت کے دوسرے ہی سال حضرت صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا تھا اس لئے بعد میں حضرت علیہ الرحمہ کی روحانی تربیت آپ کے جد امجد علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور مشہور صوفی حضرت شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ[۲] (م۔ ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) نے فرمائی، اور موصوف ہی نے تمام سلاسل میں اجازت مرحمت فرما کر خلافت سے نوازا۔ حضرت شاہ صاحب، صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کی تصنیف رسالۂ رکن دین تو بقائے دوام حاصل کر چکی ہے، آپ کا مزار مبارک الور (راجستھان، بھارت) میں واقع ہے۔

علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد حضرت علیہ الرحمہ نے سلسلۂ بیعت و ارشاد کا آغاز فرمایا اور بیشمار لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، آپ کے مریدین و معتقدین پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں، بلکہ بلاد اسلامیہ میں بھی موجود ہیں۔

---

[۱] آپ کی تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کی جائیں:۔
ا۔ تذکرۂ مظہر مسعود، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء (مؤلفہ راقم)
ب۔ صوفی ابراہیم: خزینۂ معرفت، ۱۹۳۱ء، ص۔ ۱۱۴
ج۔ محمد امین شرقپوری: اولیاء نقشبند، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۳ء، ص۔ ۱۵۷

[۲] آپ کے تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں مطالعہ کی جائیں:۔
ا۔ مفتی محمد محمود: مصباح السالکین فی احوال رکن الملۃ والدین، مطبوعہ دہلی، ۱۹۳۶ء
ب۔ محمد مسعود احمد: تذکرۂ مظہر مسعود، حصہ اول، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء

حاز الجمال فصلہ یشھد صوتہ
فیھا وکما ارتوی العطاش شرابھا

حضرت علیہ الرحمہ کے سفراء و خلفاء کی تعداد بھی کافی ہے اور یہ بھی پاک و ہند کے مختلف شہروں میں موجود ہیں، حضرتؒ کے دست حق پرست پر بیشمار غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے، سیرت مبارکہ کے اسی اعجاز کو دیکھ کر جناب کوثر صدیقی (لاہور) آپ کی مدح میں فرماتے ہیں :-

نگاہیں فیض کا چشمہ ہیں رخ انور ہے نورانی
بُرے سے انساں کو بھی بہتر سے بہتر کر دیا جس نے

(۴)

مسجد جامع فتحپوریؒ (دہلی) کی امامت و خطابت کا سلسلہ شاہان مغلیہ کے زمانے سے حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان میں چلا آرہا تھا چنانچہ آپ کے جد امجد علیہ الرحمہ بہادر شاہ ظفر کے عہد حکومت میں منصب امامت و خطابت پر فائز ہوئے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولینا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م - ۱۳۱۱ھ) آپ کے جانشین ہوئے، اور ان کے وصال کے بعد چوتھے صاحبزادے حضرت مولینا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ (م - ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء) جانشین ہوئے - جب حضرت علیہ الرحمہ جوان ہو گئے تو یہ عہدۂ امامت و خطابت آپ کو تفویض کر دیا گیا اور حضرت مولینا عبدالرشید صاحب گوشہ نشین ہو گئے، حضرت علیہ الرحمہ تقریباً ستر سال اس منصب پر فائز رہے، آپ کی ذات گرامی سے مسجد فتحپوری کی عظمت و شوکت دوبالا ہو گئی، اور علوم ظاہری و باطنی کا ایک ایسا مرکز بن گئی جو اپنی نظیر آپ تھی، حجاز کا ایک شاعر محمد شریف المکی آپ کی مدح میں کہتا ہے ؎

امام کامل یدعی بحق — محمد مظہر اللہ الامینا
امام المسجد المشہور قدما — فتحپوری مقام الدن اکرمنا

لہ یہ مسجد ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء میں شاہجہان بادشاہ کی اہلیہ فتحپوری بیگم نے تعمیر کرائی تھی جو عرصہ دراز سے علمیت و روحانیت کا مرکز ہے، تحریک آزادیٔ ہند کے زمانے میں اس مسجد کو مرکزیت حاصل رہی ہے ـــ تفصیلات کے لئے مندرجہ ذیل ماخذ مطالعہ کریں :-

ا - سر سید احمد خاں : آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۷ء، ص - ۵۶
ب - بشیرالدین احمد : واقعات دارالحکومت دہلی، مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۹ء، ص - ۲-۲۲۲
ج - منشی بلاقی داس : غنچہ عشرت، مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۶ء
د - میرزا حیرت دہلوی : چراغ دہلی، مطبوعہ دہلی، ۱۹۰۳ء، ص - ۲-۳۵۱

حضرت ضیاء القادری بدایونی نے بھی حضرت علیہ الرحمہ کی منقبت میں ——— امامت وخطابت اور عظمت و شہرت کا اس طرح ذکر کیا ہے ؎

گو خطیب باصفا مسجد فتحپوری میں ہیں
ایشیاء میں آپ کی عزت مگر ہے بیکراں

(۵)

حضرت علیہ الرحمہ فقیہ النفس تھے، فتوی نویسی میں ید طولیٰ حاصل تھا، گوشۂ مسجد فتحپوری اہالیان پاک وہند کا مرجع نظر و مرکز نگاہ تھا، دور دراز علاقوں سے فتوے آتے تھے، اپنے اور بیگانے سب آپ کے تعمق نظر اور تفقہ فی الدین کے معترف تھے اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چناں چہ اسی حقیقت کو حضرت ضیاء القادری بدایونی اس طرح بیان فرماتے ہیں ؎

آپ کے ہیں معترف سب عالمان ارض پاک
آپ کی تقدیس کے قائل ہیں سب پیر و جواں

ہم نے مقدمہ میں فتوی نویسی میں حضرتؒ کی بعض خصوصیات کا ذکر کیا ہے جس سے فقاہت میں آپ کے رتبۂ عالی کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

(۶)

حضرتؒ کی ذات گرامی پر عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم محیط تھا، اسی عشق نے اتباع سنت کی معراج پر پہنچا دیا تھا۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، ہنسنا بولنا، غرض کوئی ادا ایسی نہ تھی جو ادائے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہو، مختلف شعراء نے آپ کی اس صفت خاص کا ذکر کیا ہے چناں چہ حضرت زیبا نارووی فرماتے ہیں ؎

شریعت کا جو حامل ہے، طریقت میں جو کامل ہے
رسول اللہ کی سچی محبت جس کی منزل ہے

اور جناب کوثر صدیقی فرماتے ہیں ؎

گل شریعت کے جس میں کھلتے تھے
وہ گلستان تھے مظہر اللہ شاہ

عبادات کا یہ حال تھا کہ چودہ سال کی عمر سے کبھی نماز تہجد ترک نہیں فرمائی، گویا ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء سے ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء تک تقریباً ستر سال مواظبت کے ساتھ نماز تہجد ادا فرمائی، جب سنن کی ادائیگی کا یہ اہتمام تھا تو پھر فرائض کی پابندی کا کیا عالم ہوگا؟

ولا یقظان الا اهل الحق   مع الرحمٰن هم فی کل حال

حظوا بالذات فی الاوصاف طراً   تعاظم شانہم فی ذی الجلال

اخلاقیات میں حضرتؒ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر کامل تھے، دوست تو دوست دشمن بھی آپ کی عنایات و نوازشات سے محروم نہ تھے، آپ عملاً ان کی مدد فرماتے اور اُن کی زیادتیوں سے مسلسل درگزر فرماتے جناب گلزار دہلوی نے حضرتؒ کی اسی جذبۂ صلہ رحمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

اپنے تو پھر اپنے ہیں اپنوں کا ذکر کیا
غیروں کی زباں پہ بھی شہرہ تمہارا ہے

معاملات کی یہ کیفیت تھی کہ سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ فرماتے، اپنے و بیگانے کی رعایت فرماتے بلکہ اولاد سے زیادہ مریدین و محبین پر مہربان تھے، چناں چہ ایک مکتوب میں اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں :-

"میرا حال یہ ہے کہ میں دوستوں کو اپنی اولاد ہی کی جگہ سمجھتا ہوں بلکہ خدانخواستہ اگر اولاد میں کوئی نافرمان ہو جائے جب تو تم میرے نزدیک ایسی اولاد سے بڑھ جاؤ گے۔"

(بنام ذاکر الرحمٰن - کراچی، مرسلہ ۸، مارچ ۱۹۵۷ء)

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی

کوئی محفل ایسی نہ تھی جو محبت و عشق کی جھلک سے خالی ہو، خصوصاً وہ مجالس جو جمعہ کے دن مسجد فتحپوری کے جنوب مغربی گوشے میں حجرہ شریف میں منعقد ہوتی تھیں اور اس مجلس پاک کی تو عجب شان ہوتی جو ۱۲ ربیع الاول کی شب کو ہر سال مسجد فتحپوری میں منعقد ہوا کرتی تھی، محفل کیا ہوتی عشق سراپا ہوتی۔

کلا ولا تنس الحدیث فجہم
قصص الصبابۃ لم تزل قرآنہ

جمعۃ المبارک کی محافل میں نعت خوانی اور قرأت کے دوران عجب رقت انگیز عالم ہوتا اور جب حضرت ارشادات گرامی سے نوازتے تھے تو ایک ایک حرف قلب و جگر کے پار ہوتا تھا ؎

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

(۷)

حضرت علیہ الرحمہ ۱۹۴۹ء/ ۱۳۶۹ھ میں حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے، عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کشاں کشاں پہلے مدینہ منورہ لے گیا، دیار حبیب میں ایک ماہ قیام فرمایا، پھر مکہ معظمہ تشریف لائے یہاں آکر استغراق و محویت کا عجیب عالم نظر آیا جو نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا ؎

صاحب قلبی قط شیئا غیرکم
فلا ولیس سواکم مطلوبہ

اس سفر مبارک میں جو حضرتؒ کے رفقاء تھے وہ بتاتے تھے کہ حضرت کے لوح دل سے اور تو اور اولاد تک کے نام محو ہو چکے تھے، چناں چہ جب حضرتؒ نے صاحبزادگان کے لئے عمرہ کرایا اور معلم نے سندات کے لئے نام دریافت کئے تو حضرتؒ چھ صاحبزادگان میں سے کسی ایک کا نام نہ بتا سکے ؎

وانی المحب فزارہ محبوبہ
بشرا لہ یا بشرا لہ ذا مطلوبہ

(۸)

پاکستان میں حضرتؒ کے بکثرت مریدین و معتقدین ہیں چناں چہ ۱۹۶۱ء / ۱۳۸۱ھ میں حضرتؒ پہلی بار پاکستان تشریف لائے، کراچی، حیدر آباد، لاہور غرض ہر جگہ شاندار استقبال کیا گیا، اور بیشمار لوگ مستفیض ہوئے، محبین نے جب پاکستان میں مستقل سکونت کے لئے درخواست کی تو آپ نے فرمایا:
"دہلی کے بیکس اور غریب مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے"
شاعر مشرق نے خوب کہا ہے ؎

خدا کے بندے ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

بیشک یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جو اپنی ہر آسائش و راحت کو دوسروں کے لئے قربان کر دیتے ہیں ۱۹۶۸ء / ۱۳۸۸ھ میں حضرت دوسری بار پاکستان تشریف لائے، یہ حضرت کا آخری سفر تھا چناں چہ ایک عزیز کو الوداع کہتے وقت خود فرمایا:
"اب انشاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی"
اس مرتبہ حضرتؒ نے باوجود نقاہت و کمزوری کے محبین و مخلصین کی دلداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اور پاکستان کے مختلف شہروں میں تشریف لے گئے مثلاً کراچی، حیدر آباد، میرپور خاص، بہاولپور، ملتان خانیوال، ساہیوال، لاہور، شرقپور، راولپنڈی، مری وغیرہ۔ آخر وہ وقت آیا جب حضرتؒ لاہور کے فضائی مستقر سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے، عجیب رقت انگیز سماں تھا، سینکڑوں عقیدت مند عقیدت کے آنسو بہا رہے تھے، دل تھے کہ سینوں سے نکلے جا رہے تھے، حرماں نصیبی سی حرماں نصیبی تھی
ع وداع صحبت ساقی سے میخانہ غم خانہ ہے

(۹)

حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کا اصل جوہر عزیمت پسندی میں نظر آتا ہے، حضرتؒ کی حیات طیبہ

ایسے جواہر سے مزین ہے، یہاں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں :۔

ا ۔ نواب عثمان علی خاں مرحوم (تاجدار حیدر آباد دکن) نے دہلی کے ممتاز علماء کے نام وظیفہ جاری کرنا چاہا، اس سلسلے میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کے ذریعہ حضرت کو بھی پیغام بھیجا اور حیدر آباد دکن آنے کی دعوت دی، حضرت علیہ الرحمہ نے جواباً خواجہ صاحب سے فرمایا :۔

"فقیر کو ملاقات کی ضرورت نہیں، اگر ان کو خواہش
ہے تو غریب خانے پر تشریف لے آئیں"۔

ب ۔ دوسری مرتبہ دہلی کے زمانۂ قیام میں نواب صاحب نے کسی علمی مسئلے کے بارے میں استفسار کے لئے اپنی قیام گاہ حیدر آباد ہاؤس (نئی دہلی) میں حضرت کو بلایا مگر اس مرتبہ بھی حضرت نے صاف جواب دے دیا :۔

"ضرورت ان کو ہے انہیں کو آنا چاہیئے"۔

ج ۔ ۱۹۴۵ء / ۱۳۶۵ھ میں جب حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں شاہ سعود کی طرف سے شاہی دستر خوان پر مدعو کیا گیا، مگر آپ نے فرمایا :۔

"جو شہنشاہ حقیقی کے دربار میں آیا ہے اس کو کسی
اور دربار میں حاضری کی ضرورت نہیں"۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو   عجب چیز ہے لذت آشنائی

د ۔ ستمبر ۱۹۴۷ء / ۱۳۶۷ھ میں دہلی کے خونیں فسادات کے زمانے میں جب کہ ناموس مسلم کا سوائے حق جل مجدہ کے کوئی محافظ نہ تھا مسجد فتحپوری چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں تھی، مسجد میں حضرت علیہ الرحمہ موجود تھے: اور حضرت ہی کی استقامت کو دیکھتے ہوئے چند ملازمین اور طلبہ بھی ٹھہرے ہوئے تھے مگر سہمے ہوئے تھے، فسادات کے دوران ایک ایسا وقت آیا کہ زندگی کے تمام آسرے ٹوٹ گئے، ہر شخص سراسیمہ، موت کا منتظر تھا، لیکن اس اضطراب عظیم کے عالم میں جب اس مرد کامل کو حجرہ شریف میں دیکھا تو سکون قلبی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل میں مصروف پایا ــــــ معلوم ہوتا تھا کہ غار ثور سے بلند ہونے والی صدائے ازلی لا تحزن ان اللہ معنا دل تھامے ہوئے ہے ۔ معیت الٰہی کا احساس ہو تو اس کمال کا ــــــ اسی قیامت کی گھڑی میں مولینا حفظ الرحمٰن مرحوم (ممبر پارلیمنٹ) آپہنچے کہ فوج کی معیت میں مسجد کے بیکس و مجبور مسلمانوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے، مگر جب اہالیانِ مسجد نے حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا :۔

"آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، فقیر
کو یہیں رہنے دیں، کل قیامت کے دن اگر مولیٰ تعالیٰ نے

فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا تو اس کو کس کے
رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا، تو فقیر کیا جواب دے گا؟"

ع ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا۔

چناں چہ حضرتؒ تشریف نہیں لے گئے اور مسجد فتحپوری میں رہ کر تمام شدائد و مصائب کا استقامت و پامردی کے ساتھ مقابلہ فرمایا اور مسجد پر آنچ نہ آنے دی، حق جل مجدہٗ کی طرف سے بھی اس وفاشعاری اور عزیمت پسندی کا وہ صلہ ملا کہ قیامت تک کے لئے خانۂ خدا کی مہمانی کے شرف سے نوازا گیا:-

ثم جزاء الجزاء الاوفی وان الی ربك المنتهی

(۱۰)

حضرت علیہ الرحمہ کا وصال ۲۴ر شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ (مطابق ۸ر نومبر ۱۹۶۶ء) بروز پیر شام پانچ بج کر بیس منٹ پر دہلی میں ہوا۔ جب آل انڈیا ریڈیو سے یہ جاں کاہ خبر سنائی گئی تو پاک و ہند میں حضرت کے مریدین و محبین کے حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی، اکثر مقامات پر فاتحہ خوانی کا اہتمام کیا گیا، اخبارات و رسائل نے خراجِ عقیدت پیش کیا، جیسا کہ اخباری اطلاعات سے معلوم ہوا حضرت کے جلوس جنازے میں تقریباً پچاس ہزار سوگوار شریک تھے۔ جلوس جنازہ مسجد فتحپوری سے روانہ ہوا اور جامع مسجد شاہ جہانی میں نماز جنازہ ادا کی گئی، دہلی کے مشہور و معروف عالم اور صوفی حضرت زید ابو الحسن دامت برکاتہم نے امامت فرمائی نماز کے بعد جلوس جنازہ دوسرے راستے سے واپس مسجد فتحپوری آیا اور یہاں اس پیکر قدسی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آغوشِ رحمت میں لٹا دیا گیا ؎

آستاں پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو   پھر تو اے جانِ جہاں تو بھی تماشائی ہو

حضرت کا مزار مبارک صحن مسجد میں شمال مغربی سمت درگاہ حضرت میراں شاہ نانو رحمۃ اللہ علیہ کے وسط میں زیارتگاہ خلائق ہے ع

فاح الشمال بعطر وجنوبہ

حضرت علیہ الرحمہ کے سانحۂ وصال پر پاک و ہند کے بعض اخبارات و رسائل میں مناقب و قصائد اور قطعات تاریخ وفات شائع ہوئے تھے، مثلاً قمر سنبھلی کے دو قطعات:-

(۱)

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے   یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج
دم سے روشن تھی جس کے راہ سلوک   اے قمر شمع وہ خموش ہے آج
۱۳۸۶ھ

(ب)

مظہر علم و فقیہ عصر   آہ دنیا سے ہو گیا روپوش

لکھ قمرؔ عیسوی میں سالِ وصال   ہائے شمعِ تصوف اب ہے خموش

۱۹۶۶ء

(پیامِ مشرق، دہلی، ۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء)

جناب سردار جوگندر سنگھ (اسسٹنٹ ڈائرکٹر شعبۂ السنہ، مشرقی پنجاب، پٹیالہ) نے حضرت کی شان میں یہ فارسی منقبت تحریر فرمائی ہے:-

مظہرِ ذاتِ کبریا توئی   مرکزِ نورِ مصطفےٰ توئی
برتو نازد ہند و پاکستان   لاجرم فخرِ ایشیا توئی
عقدۂ معرفت کشائش یافت   کاشفِ رازِ لا الٰہ توئی
نقشبندی، مجددی، چشتی   برگزیدہ ز اولیاء توئی
زاں کہ پیغمبر است ظلِ خدا   ظلِ پیغمبرِ خدا توئی
سجدہ ریزاند بردرت ہمہ وقت   مرجعِ جملہ اصفیا توئی
اندریں دہر کشتیٔ دیں را   نیست خطرہ کہ ناخدا توئی
کس ندانست شانِ پیغمبر   واقفِ رمزِ ما طغےٰ توئی
حافظ و مفتی و فقیہ و خطیب   راستی، پیرِ رہنما توئی

جذب و مستی عنایتم فرما
برگ کاہم و کہربا توئی

اخبار غریب نواز (دہلی) کے مفتیٔ اعظم نمبر (نومبر ۱۹۶۸ء / رجب ۱۳۸۸ھ) میں جناب درخشاں عباسی امروہوی کی یہ منقبت ملتی ہے:-

مفتی مظہر اللہ ہیں جو دوستی کے پھول   دیتے ہیں آج بھی مہک اس رہنما کے پھول
قسمت پہ اس کی رشک ہو کس لئے مجھے   چومے ہیں جس نے آپ کی بند قبا کے پھول
اے سرزمین فتح پوری جاگا ترا نصیب   ہیں عطر بیز تجھ میں جو بدر الدجیٰ کے پھول
جو گل کھلے مدینے میں خوشبو ہے ہند میں   ہیں مرقدِ مظہر پہ پڑھے والضحیٰ کے پھول
روشن بھی ہیں مہک بھی ہے جاری ہے فیض بھی   دیکھے ہیں تم نے ایسے کہیں پر ضیا کے پھول؟

مظہر خدا کے، مظہر شانِ مجددی
شانِ محمدی کے ہیں شانِ عطا کے پھول

حضرت کی مدح میں جو مناقب و قصائد وغیرہ شائع ہوئے یا قلمی صورت میں دستیاب ہو سکے وہ بالتفصیل تذکرۂ مظہر مسعود (مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء / ۱۳۸۹ھ) کے حصہ دوم میں مناقب کے باب میں شامل کر دیئے گئے ہیں

(۱۱)

حضرت علیہ الرحمہ کے ہاں سات صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں، جن میں پانچ صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں بقید حیات ہیں اور سب صاحب اولاد ہیں۔ صاحبزادگان میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولینا مفتی حافظ قاری محمد مظہر احمد صاحب ہیں۔ آپ حکمت اور فن فتویٰ نویسی میں ید طولیٰ رکھتے ہیں ۱۹۴۷ء سے قبل مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں تقریباً ۲۵ سال نیابت فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے آجکل کراچی میں مقیم ہیں، دوسرے صاحبزادے حضرت مولینا الحاج حافظ قاری مفتی محمد مشرف احمد صاحب ہیں آپ بھی حکمت اور فن فتویٰ نویسی میں پوری مہارت رکھتے ہیں، مسجد فتحپوری میں نائب مفتی کی حیثیت سے ایک عرصہ خدمات انجام دیں، حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بھی فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں، تیسرے صاحبزادے حضرت مولینا الحاج حافظ قاری محمد احمد صاحب بھی عالم اور ڈاکٹر ہیں، فنی معتبر فیات کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی مسجد فتحپوری میں ۳۰ سال نیابت کے فرائض انجام دیئے، آخر میں جب حضرت علیہ الرحمہ بہت ہی ضعیف و نحیف ہو گئے تو امامت کے فرائض کلیۃً آپ نے انجام دیئے حضرت علیہ الرحمہ کے وصال سے چند یوم قبل دہلی وقف بورڈ نے آپ کو امامت کے فرائض تفویض کر دیئے جس کی توثیق عدالت عالیہ نے بھی کر دی، چوتھے صاحبزادے مولینا منور احمد رحمۃ اللہ علیہ اور پانچویں صاحبزادے مولینا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما چکے ہیں اول الذکر کا مزار دہلی میں اور ثانی الذکر کا مزار حیدر آباد (مغربی پاکستان) میں ہے، دونوں بڑے نیک متقی اور جید عالم تھے۔ چھٹا صاحبزادہ یہ راقم الحروف ہے، آج کل گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ (مغربی پاکستان) میں بحیثیت پروفیسر و صدر شعبۂ اردو کام کر رہا ہے، ساتویں صاحبزادے ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب ہیں جو آجکل دہلی میں پریکٹس کر رہے ہیں۔

(۱۲)

حضرت علیہ الرحمہ کے خلفاء و مستفیدین پاک و ہند میں پھیلے ہوئے، جن حضرات کے اسماء گرامی معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں :-

خلفاء

پاکستان

(۱) حضرت مولینا مفتی حافظ قاری محمد مظہر احمد صاحب (کراچی)

(۲) حضرت الحاج حافظ قاری سید حفیظ الرحمٰن صاحب (بھاولپور)

(۳) جناب مولینا ابوالخیر محمد زبیر صاحب (حیدر آباد)

ھندوستان

(۱) حضرت مولینا مفتی حافظ قاری الحاج محمد مشرف احمد صاحب (دہلی)

(۲) حضرت مولانا عبدالکریم چیتوڑی رحمۃ اللہ علیہ (چیتوڑ)
(۳) حضرت مولانا مفتی مقبول الرحمن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ (سیوہارہ)
(۴) جناب ابوالکمال ضیاء الدین احمد شمسی کاظمی طہرانی (علی گڑھ)
(۵) جناب محمد عثمان صاحب (ٹونک)

سفراء

پاکستان

(۱) جناب صوفی محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (کراچی) (۲) جناب صوفی بشیر الدین رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)
(۳) جناب صوفی فضل احمد صاحب (کراچی) (۴) جناب محمد یوسف صاحب (کراچی)
(۵) جناب حکیم محمد ذاکر صاحب (کراچی) (۶) جناب حافظ محمد صالحین صاحب (کراچی)
(۷) جناب سید نواب علی صاحب (حیدرآباد) (۸) جناب سید صفدر حسن صدیقی (لاہور)
(۹) جناب محمد احمد صاحب قریشی (لاہور)

ہندوستان

(۱) جناب حکیم محمد عاقل صاحب مظہری (دھام پور)
(۲) جناب مولانا غلام احمد مظہری (ٹونک)

لہ مفتی صاحب مرحوم کے ایک مرید با اخلاص سردار جوگندر صاحب نے (جو ایک عابد زاہد نومسلم تھے) آپ کی شان میں یہ منقبت لکھی ہے۔

خدا وندا بکنزم آفریدی — وبا نازکا فرانم برگزیدی
نمودی چہرہ مہر آگین نگاہے — بساچوں نوعروس ازمن رمیدی
جوانی صرف شد در بند عصیاں — بہ پیری در بہ فریادم رسیدی
بکردی بیعت مقبول ختنم — ازاں روزے کہ جاں در تن دمیدی
مرا بر پشت خود اسوار کردہ — تو اے مقبول برگردوں پریدی

ندا آمد کہ با مقبول اصغر
مبارک عہد پیری و مریدی

(نوٹ) پانچویں شعر میں ایک خواب کی طرف اشارہ ہے جو سردار صاحب نے دیکھا تھا کہ مفتی صاحب اپنی پیٹھ پران کو بٹھا کر آسمان کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔

(۱۴)

حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف میں ترجمہ و تفسیر قرآن، بعض کتابیں اور چند علمی رسائل ہیں، تلاش و جستجو کے بعد چند تصانیف کا علم ہو سکا جو یہ ہیں :-

(۱) ارکان دین[۱]	مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی	سنہ ۱۹۱۲ء	سنہ ۱۳۳۱ھ
(۲) مظہر العقائد[۲]	" "	"	"
(۳) مظہر الاخلاق[۲]	" "	"	"
(۴) کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء و القباب،	مطبوعہ دہلی	سنہ ۱۹۲۵ء	سنہ ۱۳۴۴ھ
(۵) تحقیق الحق	مطبوعہ دہلی	سنہ ۱۹۲۷ء	سنہ ۱۳۴۶ھ
(۶) رسالہ در علوم توقیت[۳] (قلمی)	تالیف	سنہ ۱۹۳۱ء	سنہ ۱۳۵۰ھ
(۷) ترجمہ و تفسیر قرآن[۴]	مطبوعہ دہلی	سنہ ۱۹۴۱ء	سنہ ۱۳۶۱ھ

---

[۱] یہ رسالہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے دوسری بار سنہ ۱۹۶۹ء میں شائع کر دیا ہے۔

[۲] یہ رسالہ بھی مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے دوسری بار سنہ ۱۹۶۹ء میں شائع کر دیا ہے۔

[۳] علم توقیت میں حضرت کی ایک وقیع عظیم الشان تصنیف ہے۔ یہ حضرت کے چھوٹے صاحبزادے ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب کے پاس قلمی صورت میں محفوظ ہے۔

[۴] سنہ ۱۹۶۸ء / سنہ ۱۳۸۷ھ میں محترم سید مظہر الدین صاحب (لاہور) نے مطلع فرمایا کہ ان کے والد مرحوم سید محمد شفیع الدین صاحب نے ایک مترجم و محشی قرآن پاک طبع کرایا تھا جس میں ترجمہ اور تفسیری حواشی حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمائے تھے، لیکن ساتھ ہی ہدایت فرمادی تھی کہ یہ خدمت محض رضائے الٰہی کے لئے انجام دی ہے اس لئے اس کی تشہیر نہ کی جائے، چناں چہ اس قرآن کریم میں نہ مترجم کا نام ہے اور نہ مفسر و محشی کا، حضرت کا یہ علمی کارنامہ ابتک مخفی تھا، راقم جناب مظہر الدین صاحب کا ممنون ہے کہ انہوں نے اس راز کو افشا فرما کر کرم فرمایا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

یہ قرآن کریم (مع ترجمہ و تفسیری حواشی) سید محمد شفیع الدین مرحوم تاجر کتب و مالک اقبال پرنٹنگ پریس دہلی نے اپنے ہی پریس میں نہایت اہتمام سے ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ میں چھپوایا تھا، اس کا سائز ۶ × ۹ ہے اور کل صفحات تقریباً ۸۰۰ ہیں، ابتداء میں قرآن کریم کی سورتوں کی فہرست، فہرست مضامین قرآن، مختصر اوراد قرآن، ترکیب استخارہ، مختصر ضروری مسائل، تعویذات سور، سیرت نبوی، معجزات فرامین وغیرہ کا بیان ہے اس کے بعد متن قرآن کریم (مع ترجمہ و حواشی) شروع ہوتا ہے۔

اس میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، دوسرا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے

(۸) خزینۃ الخیرات	مطبوعہ دہلی	۱۹۴۷ء / ۱۳۶۶ھ
(۹) استغناء المحالی فی رویت الہلال	" "	۱۹۵۰ء / ۱۳۷۰ھ
(۱۰) قصد السبیل	" "	۱۹۵۹ء / ۱۳۷۹ھ
(۱۱) مکاتیب مظہری	مطبوعہ کراچی	۱۹۶۹ء / ۱۳۸۹ھ
(۱۲) فتاوی مظہری	" "	۱۹۷۰ء / ۱۳۹۰ھ
(۱۳) مواعظ مظہری	" "	" "

(۱۴)

حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد آپ کا عرس شریف پاک و ہند کے مختلف مقامات پر ہوتا ہے، مثلاً، دہلی دھام پور، لاہور، حیدر آباد، کراچی؛ وغیرہ ان اعراس کے موقع پر جو قصائد و مناقب پیش کئے جاتے ہیں اور علمائے کرام کی جو تقاریر ہوتی ہیں اگر ان کو قلم بند کر کے محفوظ کیا جائے تو حضرتؒ کے محامد و محاسن پر ایک مستقل تالیف ہو سکتی ہے۔ دہلی میں حضرتؒ کا دوسرا سالانہ عرس شریف ۱۴ شعبان ۱۳۸۹ھ (مطابق ۴ نومبر ۱۹۶۹ء) کو ہوا، اس موقعہ پر اخبار غریب نواز مفتی اعظم نمبر شائع کیا اور اپنے خصوصی اداریہ میں حضرت کو خراج عقیدت پیش کیا، ہم حیات مظہری کے اس مختصر تذکرے کو اسی اداریے پر ختم کرتے ہیں :۔

(بقیہ حواشی صفحہ ۴۰) فارسی ترجمہ سے حضرت علیہ الرحمہ نے اردو میں منتقل فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ حواشی میں تفسیر تحریر فرمائی ہے، اس تفسیر میں ان تفاسیر سے مدد لی گئی ہے۔ تفسیر ابن عباس، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن حاتم تفسیر کبیر، تفسیر مدارک، تفسیر ابن کثیر، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر حسینی، تفسیر موضح قرآن، تفسیر عزیزی، احسن التفاسیر، تفسیر حقانی وغیرہ وغیرہ —— تفسیر کے ساتھ ساتھ آیات کا شان نزول بھی بیان کیا گیا ہے اور محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، مکی و مدنی آیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے، متن قرآن کے ساتھ ساتھ جو حواشی چل رہے ہیں ان کے علاوہ آخر میں تقریباً ۱۰۶ کئی کالمی صفحات پر بقیہ حواشی بیان کئے گئے ہیں، یہ حواشی اتنی باریک قلم سے لکھے گئے ہیں کہ بمشکل تمام پڑھے جاتے ہیں، اگر ان تمام حواشی کو متوسط قلم سے علیحدہ بڑے سائز میں لکھا جائے تو ایک ہزار صفحات سے کم نہ ہوں گے چنانچہ ان کو تفاسیر مظہری کے نام سے ایک مستقل تصنیف کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی تو یہ تفسیر بھی مرتب کر کے پیش کی جائے گی۔

(مرتب)

ترے نقشِ قدم تو آج بھی راہِ ہدایت ہیں

حضرت مفتی اعظم کی یاد میں

۱۴ر نومبر کو دہلی میں حضرت قبلہ مفتی اعظم الحاج علامہ مفتی محمد مظہر اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا سالانہ عرس مبارک منایا جارہا ہے۔ حضرت قبلہ کی ذات گرامی پر کسی قسم کا تبصرہ کرنا سورج کے مقابلے میں ایک چراغ روشن کرنے کی سعی ناکام کوشش کرنا ہے، علم تصوف کے اس حقیقی شہنشاہ نے دولت و ثروت، لالچ وطمع اور شہرت و اقتدار جیسی ظاہری طاقتوں پر لات مار کر معبود حقیقی کی رضا و خوشنودی کے لئے جامۂ فقیری میں مخلوق خدا کی جس طرح رہنمائی فرمائی، بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لئے بددینی اور بدعقیدگی کی لعنت کے خلاف جو ناقابل فراموش جدوجہد کی، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ خدا کے اس شیر نے ہر اس موقعہ پر جب کہ مسلمانوں پر یا ان کے دین پاک پر کسی بھی قسم کا ناپاک حملہ ہوا ہو ——— اوقاف کی آڑ میں یا مسلم پرسنل لاء کے بہانے سے یا کسی بھی چور دروازے سے ——— جب بھی اسلامی قوانین کے خلاف ورزی کرنے کے ناپاک ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بڑے بڑے ابن الوقت اور کھدر پوش ملا بھی میدان میں نکلے تو خدا کے اس شیر نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر ان کو للکارا اور حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا بلکہ حق کا ڈنکا پیٹنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

حضرت کی یہی ایک صفت تھی جس کی بنا پر بڑے بڑے فرعون صفت لوگوں کو بھی حضرت کے مقابلے میں ناکامی کا شرمناک منہ دیکھنا پڑا، اور یہی وجہ تھی کہ ہندو پاکستان میں جب بھی شریعت اسلام کے تحفظ اور احکام شریعت کی حرمت کو برقرار رکھنے اور اس کی تقدیس کا لوہا منوانے کا نازک مسئلہ کھڑا ہوا تو اس وقت بڑے بڑے علمائے کرام ومفتیان عظام حضرت کی ظاہری و باطنی خدمات لینے پر مجبور ہوتے اور حضرت کی رائے گرامی کو ہمیشہ سے یہ امتیازی مقام حاصل رہا کہ مخالف کے بڑے سے بڑے رہنماؤں کو حضرت کے عظیم الشان فتاووں کی تصدیق کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ علم وعمل کے اس پیکر مجسم نے اپنی ۸۰ سالہ مقدس زندگی میں شریعت و طریقت کے مقدس میدانوں میں جو عظیم الشان فتوحات حاصل کی ہیں وقت آنے پر وہ تاریخ کا سنہری باب بنیں گی۔ کون نہیں جانتا کہ مسجد فتحپوری کے حجرے کو اس بوریہ نشین فقیر کی بدولت ہند و پاکستان میں اسلام و سنیت کا مرکز تصور کیا جاتا تھا اور ہر نازک موقعہ پر یہ حجرہ کروڑوں بندگان خدا کی نگاہوں کا مرکز بنا رہتا تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت کی عملی زندگی نے کروڑوں بندگان خدا کے دلوں پر اپنی حکومت کا سکہ جما رکھا تھا۔ اس دن ان کی یاد آتے ہی آنکھیں خون کے آنسو رونے لگتی ہیں، جس دن موت نے ہم سے شریعت و طریقت کے اس آفتاب کو چھین کر

آغوشِ رحمت میں سُلایا تھا۔

آج جب کہ حضرت قبلہ ظاہری طور پر ہمارے درمیان نہیں ہیں، ان کی مقدس زندگی ہمارے لئے نشانِ راہ ہے، آج جب کہ ہم حضرت قبلہ کا دوسرا سالانہ عرس مبارک منا رہے ہیں ان کی بارگاہ میں سب سے بڑا نذرانۂ عقیدت یہی ہو سکتا ہے کہ ہم سب ان کے نقشِ قدم پہ چلیں اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کریں (آمین)

(پندرہ روزہ غریب نواز، دہلی، مفتی اعظم نمبر، یکم نومبر ۱۹۶۸ء، ص-۲، ک-۱)

احقر محمد مسعود احمد
کوئٹہ (مغربی پاکستان)

۶ صفر ۱۳۸۹ھ
۲۴ اپریل ۱۹۶۹ء





افتتاحیہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

و

پروفیسر محمد مسعود احمد



افتتاحیہ

تحقیق الفتوی

(۱)

فقہ اسلامی میں "افتاء، استفتاء، فتویٰ، اور مفتی کی اصطلاحیں بہت قدیم ہیں۔ عربی لغتوں میں اس کا مادہ ف، ت، و دیا جاتا ہے اور اسی مادّے سے فتیٰ اور فتوت کے الفاظ بھی دیئے جاتے ہیں جن کے معنی نوجوان، جواں مرد اور جواں مردی کے ہوتے ہیں نیز فیاضی و شرافت کے"۔ لوئیس معلوف نے المنجد میں "فتوۃ" کے معنی کرم و سخا، زیرکی اور شباب کے بھی لکھے ہیں اور اسی ذیل میں لکھا ہے :-

الفتوۃ = تفاتوا الی العالم : تحاکموا الیہ فی الفتوی

(عالم سے شرعی فیصلہ طلب کرو) (شرعی فیصلے کے لئے اس کی طرف رجوع کرو)

اور پھر اس کی یہ مختلف صورتیں تحریر کی ہیں :-

(۱) اَفتیٰ، اِفتاء = فلاناً فی المسألۃ : ابان الحکم فیہا و اخرج لہ فیہا فتوی

(فتوی دیا، فتوی دینا) (فلاں عالم نے مسئلے میں شرعی فیصلہ دیا) (مسئلے کے بارے میں حکم ظاہر کیا اور اس کیلئے شرعی فیصلہ صادر کیا)

(۲) استفتی، استفتاء = العالم فی المسألۃ : سألہ ان یفتیہ فیہا

(فتوی طلب کیا، فتوی طلب کرنا) (عالم سے مسئلے کے بارے میں شرعی فیصلہ طلب کیا) (عالم سے درخواست کی گئی کہ وہ اس مسئلے کے متعلق شرعی فیصلہ صادر کرے)

(۳) الفُتوی و الفَتوی و الفُتیا = اسم، من افتی العالم اذا بین الحکم

(شرعی فیصلہ) (جب عالم کوئی شرعی حکم بیان کرتا ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ عالم نے

(جمع) الفتاوِی و الفتاوَی

(۴) المفتی = الفقیہ الذی یعطی الفتوی و یجیب عما القی علیہ من مسائل المتعلقۃ

(وہ دانا عالم کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے)

ابی القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ / ۱۱۰۸ء) نے اپنی تالیف المفردات فی غرائب القرآن میں فتوی اور فتیا کے ذیل میں لکھا ہے :-

---

ل لویس معلوف : المنجد، مطبوعہ بیروت، ۱۹۵۱ء، ص ۵۹۰

مشکل حکم کا جواب ۔ "استفتیته فافتانی" میں نے حکم پوچھا اس نے حکم دکھایا یا دیا۔[۱]

(۲)

یہ لفظ قرآن کریم میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے مثلاً مندرجہ ذیل آیات میں ان معانی میں استعمال ہوا ہے، حکم دینا، تحقیق چاہنا، خواب کی تعبیر بتانا، جواب طلب کرنا، مشورہ دینا وغیرہ وغیرہ

ا۔ ویستفتونک فی النسآء قل اللّٰہ یفتیکم فیھن الآیہ[۲]

اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے اللّٰہ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں۔

ب۔ یستفتونک، قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالہ الآیہ[۳]

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللّٰہ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے۔

ج۔ قضی الامر الذی فیہ تستفتیان[۴]

فیصل ہوا وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے۔

د۔ یا ایھا الملاء افتونی فی رءیای[۵]

اے دربار والو! میرے اس خواب کے بارے میں تعبیر بتاؤ۔

ہ۔ یوسف ایھا الصدیق افتنا[۶]

اے یوسف، اے صدق مجسم! آپ ہم لوگوں کو اس کا جواب دیجئے۔

و۔ قالت یا ایھا الملؤا افتونی فی امری[۷]

کہنے لگی اے دربار والو! مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں۔

تاریخ الفتاوی

(۱)

تاریخ فتاوی کا اگر بنظر تعمق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز عہد نبوی سے ہو گیا تھا رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کے زمانے میں کس نے کس امر کے متعلق سب سے پہلا فتوی پوچھا، اس کے

---

۱ امام راغب اصفہانی : المفردات فی غرائب القرآن، (ترجمہ اردو) مطبوعہ پشاور، ۱۳۹۲ھ، ص ۔ ۳۲

۲ القرآن الحکیم، سورۂ نسآء، آیت ۔ ۱۲۷ ۳ القرآن الحکیم، سورۂ نسآء، آیت ۔ ۱۷۶

۴ القرآن الحکیم، سورۂ یوسف آیت ۔ ۴۱ ۵ القرآن الحکیم، سورۂ یوسف، آیت ۔ ۴۳

۶ القرآن الحکیم، سورۂ یوسف آیت ۔ ۴۶ ۷ القرآن الحکیم، سورۂ نمل، آیت ۔ ۳۲

متعلق تو کچھ کہنا مشکل ہے لیکن کتب سیرت میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، پوچھنے والوں میں مرد بھی رہے ہیں، عورتیں بھی، حضرت علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) جیسے فاضل لوگ بھی ان میں نظر آتے ہیں، بیچاری کم علم، ان پڑھ بوڑھی عورتیں بھی ـــــ فتویٰ طلبی کے خطوط بھی آتے (مثلاً گورنروں کے پاس سے) اور ان کے تحریری جوابات جاتے ـــــ اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ خود رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک زمانے میں جب لوگ فتوے پوچھنے آتے اور آپ مصروف ہوتے تو فرماتے کہ جاؤ (حضرت) ابوبکر سے پوچھو"۔

"عورتوں کو بعض زنانہ مسائل کے متعلق مردوں سے کچھ پوچھتے شرم آتی ہے، عورتیں عورتوں ہی سے بے تکلف پوچھ سکتی ہیں، چناں چہ سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات امہات المومنین کے فرائض میں اس کا اس طرح ذکر آتا ہے :۔

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من اٰیٰت اللہ والحکمۃ[1]

تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت کا جو بیان ہوتا ہے اسے بیان کیا کرو۔

اس میں مذکورہ قسم کے زنانہ فتوے بھی شامل ہیں اور دیگر عام احکام کے متعلق بھی، ابن حزم نے اپنی سیرت نبویہ میں مفتی عورتوں کی جو فہرست دی ہے ان میں زیادہ تر امہات المومنین اور ان کی پروردہ عورتیں نظر آتی ہیں، حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے متعلق حدیث مشہور ہے کہ ان سے آدھا علم سیکھ سکتے ہو، حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے خلافت کے زمانے میں اہم اور پیچیدہ مسئلوں میں امہات المومنین سے اکثر مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

المختصر پہلا مجموعۂ فتاویٰ تو قرآن کریم ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ سے مترشح ہوتا ہے :۔

ولا یأتونک بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا[2]

اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا عنایت کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم کے بعد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لیکن چوں کہ یہ امور فقہیہ و غیر فقہیہ، مسئولہ و غیر مسئولہ پر محتوی ہے اس لئے جزوی طور پر فتاویٰ کا ذکر ملتا ہے، بعد میں رفتہ رفتہ فتویٰ نویسی نے ایک فن کی حیثیت اختیار کر لی اور بکثرت کتب فتاویٰ منظر عام پر آئیں۔

---

[1] القرآن الحکیم، سورۂ احزاب، آیت ۔ ۳۴

[2] القرآن الحکیم، سورۂ فرقان، آیت ۔ ۳۳

(۲)

چونکہ فتاوے کا تعلق براہِ راست علم فقہ سے ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مختلف ادوار کا مختصراً ذکر کر دیا جائے۔ علامہ محمد الخضری نے اپنی تالیف "تاریخ التشریع الاسلامی" میں فقہ اسلامی کے یہ چھ ادوار قائم کئے ہیں :-

(۱) فقہ بعہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) فقہ بعہد صحابۂ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

(۳) فقہ بعہد صغار صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(یہ عہد پہلی صدی ہجری یا اس کے کچھ دنوں بعد ختم ہو جاتا ہے)

(۴) وہ عہد جب فقہ نے مستقل علم کی شکل اختیار کر لی۔

(یہ دور دوسری صدی کے اوائل سے شروع ہو کر تیسری صدی کے آخر میں ختم ہو جاتا ہے)

(۵) وہ عہد جس میں ائمہ فقہاء کے مابین مسائل فقہیہ پر بحثیں ہوئیں، اور نہایت کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے۔

(یہ دور خلافت عباسیہ کے زوال اور تاتاری غارت گری کے کچھ دنوں بعد ختم ہو جاتا ہے)

(۶) فقہ بزمانۂ تقلید۔ (یہ دور پانچویں دور کے بعد شروع ہوا اور آج تک قائم ہے)[۱]

(۳)

مذکرہ بالا ادوار میں بکثرت مفتیوں کا پتا چلتا ہے، تفصیلات کے لئے کتاب مذکور کا مطالعہ کیا جائے یہاں ہم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فوراً ہی بعد کے بعض مفتیوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو تاریخ فتاوٰے کی اولیات کا علم ہو جائے۔

مفتیانِ مدینہ منورہ

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م۔ ۵۷ھ) (۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م۔ ۷۳ھ)
(۳) حضرت ابوہریرہؓ (م۔ ۵۸ھ) (۴) حضرت سعید بن المسیب المخزومی، (م۔ ۹۴ھ)
(۵) حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام الاسدی (م۔ ۹۴ھ) (۶) حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰنؓ (م۔ ۹۴ھ)
(۷) حضرت علی بن الحسینؓ (م۔ ۹۴ھ) (۸) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ، (م۔ ۹۸ھ)

---

[۱] علامہ محمد الخضری: تاریخ التشریع الاسلامی (ترجمہ اردو)، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء، (ص۔ ۲)

مفتیانِ مکہ معظمہ

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رض (م ـ ۶۸ھ) (۲) حضرت مجاہد بن جبیر رض، (م ـ ۱۰۴ھ)
(۳) حضرت عکرمہ ابن عباس رض (م ـ ۱۰۷ھ) (۴) حضرت ابو الزبیر محمد بن مسلم رض (م ـ ۱۲۸ھ)

مفتیانِ کوفہ

(۱) حضرت علقمہ بن قیس رض (م ـ ۶۲ھ) (۲) حضرت مسروق بن الاجدع رض (م ـ ۶۳ھ)
(۳) حضرت شریح بن الحارث رض (م ـ ۷۸ھ) (۴) حضرت سعید بن جبیر رض (م ـ ۹۵ھ)
(۵) حضرت عامر بن شراحبیل رض (م ـ ۱۰۴ھ)

مفتیانِ شام

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن الغنم الاشعری رض (م ـ ۷۸ھ) (۲) حضرت رجاء بن حیوۃ الکندی (م ـ ۱۱۲ھ)

مفتیانِ مصر

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض (م ـ ۶۵ھ) (۲) حضرت یزید بن ابی حبیب رض م ـ ۱۲۸ھ

مفتیانِ یمن

(۱) حضرت طاؤس بن کیسان الجندی رض (م ـ ۱۰۶ھ) (۲) حضرت وہب بن منبہ الصنعانی رض (م ـ ۱۱۴ھ)[1]

(۴)

پہلی صدی ہجری کے بعد فقہاء کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا اس مختصر مقدمہ میں سمانا مشکل ہے۔ ان علماء و فقہاء نے کتب فقہ مدون کیں اور بعض نے کتب فتاویٰ مرتب کیں۔ خالص فتاوے کے تحریری مواد

---

[1] جن صحابہ صغار و کبار نے بحیثیت مفتی اپنے فرائض انجام دیئے ان کے تفصیلی حالات مندرجہ ذیل مآخذ میں مطالعہ کئے جائیں :-

۱- علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) : اسد الغابہ (ترجمہ اردو محمد عبدالشکور) ، مطبوعہ لکھنو ۔
۲- علامہ ذہبی : تجرید اسماء الصحابہ
۳- محمد بن سعد کاتب الواقدی : طبقات کبیر (ترجمہ اردو عبداللہ عمادی) مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء

کی تاریخ بھی عہدِ صحابہ ہی سے شروع ہوتی ہے چناں چہ "تاریخوں میں اکثر اس کا ذکر آتا ہے کہ ایک شخص ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے فتووں کا مجموعہ لایا، انہوں نے پڑھ کر اس کی چند چیزوں کو تو برقرار رکھا اور باقی کو میٹ دیا اور فرمایا کہ یہ حضرت علی کی طرف غلط منسوب ہے، وہ ہرگز ایسا فتوے نہیں دے سکتے۔ یہ واقعہ حضرت علی کی وفات کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ بھی ایک صحابی ہیں اس لئے اوّلین کتاب فتاویٰ گویا عہدِ صحابہ کی یادگار ہے۔ ابوالحسین البصری (م۔ ۴۳۶ھ) نے اپنی کتاب المعتمد فی اصول الفقہ (ج۔۲، ص۔ ۲۹ ۷ ۔ ۷۳۰) میں حضرت علی ہی نہیں حضرت زید بن ثابتؓ کے فتووں کا بھی ذکر کیا ہے جو ظاہر کتابی صورت میں پانچویں صدی ہجری تک پائے جاتے تھے، یقیناً دیگر فقیہہ صحابہ حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ نے بھی بہت سے فتوے دئے ہوں گے جو ممکن ہے کہ جمع بھی ہوئے ہوں ــــــــ تابعین کے زمانے میں سب سے زیادہ خدمت اس علم کی قاضی کر سکتے تھے ان کے پاس ہر روز مقدمے پیش ہوتے اور وہ اپنے فیصلوں کا بحذفِ تکرار انتخاب کر سکتے۔ ایسا ایک مجموعہ امام ابو یوسفؒ کی طرف بھی منسوب ہے، ان کے شریک درس امام محمد شیبانی کی کتاب الرّقیات اب نہیں ملتی جو کہتے ہیں کہ ان کے شہر رقّہ کی قضاوت کے زمانے کے فیصلوں کا مجموعہ تھی۔"

اسلام کے جلیل القدر فقیہہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی بعض معاصرین صحابہ کرام سے فتوے پوچھے ہیں چناں چہ تاریخوں میں ان صحابہ کے نام آتے ہیں :۔

(۱) حضرت انسؓ (م۔ ۹۳ھ) (۲) حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ (م۔ ۸۷ھ) (۳) حضرت واثلہ بن الاسقعؓ (م۔ ۸۵ھ) (۴) حضرت سہل بن ساعد (م۔ ۸۸ھ) (۵) حضرت عامر بن واثلہ (م۔ ۱۰۲ھ) وغیرہ وغیرہ۔

لہ فقہا اور فقہائے اسلام کی تاریخ کے لئے مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کی جائیں :۔

(۱) انتظام اللہ شہابی : فقہائے اسلام، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۸ء

(۲) سبحان بخش : تاریخ فقہائے اسلام، مطبوعہ ، ۱۸۵۱ء

(۳) ظہور الحسن : تاریخ فقہ، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۱ھ

(۴) عبدالاوّل : تاریخ الفقہ، مطبوعہ دہلی

(۵) عبدالسلام ندوی : تاریخ فقہ اسلامی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۳۴۶ھ

(۶) نعیم الانسان : تاریخ علماء الفقہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۵ء

(۵)

الغرض کتب فتاویٰ کی تاریخ عہد صحابہ و تابعین سے شروع ہوتی ہے۔ حاجی خلیفہ نے اپنی تالیف کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" میں، اسماعیل پاشا البغدادی نے اپنی تالیف ھدیۃ العارفین، آثار المؤلفین والمصنفین" میں اور بروکلمان نے تاریخ ادبیات عربی میں کتب فتاویٰ کا مفصل ذکر کیا ہے، موخر الذکر نے فتاویٰ کے نام کی ایک سو دو (۱۰۲) کتابوں کا ذکر کیا ہے، یہاں ہم کشف الظنون سے بعض کتب فتاویٰ کا ذکر کریں گے جن کا تعلق تیسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک ہے دیگر ماخذ سے بعض دوسری کتب فتاویٰ کا بھی ذکر کریں گے۔

تیسری صدی ہجری

(۱) فتاویٰ ابی بکر (۲) فتاویٰ ابی القاسم

چوتھی صدی ہجری

(۱) فتاویٰ ابن قطان (۲) فتاویٰ ابی اللیث (۳) فتاویٰ ابن الحدّاد

پانچویں صدی ہجری

(۱) فتاویٰ ابن الصباغ (۲) فتاویٰ الاسبیجابی (۳) فتاویٰ خواہرزادہ (۴) فتاویٰ شمس الائمہ (۵) فتاویٰ الفضلی (۶) فتاویٰ الجندی۔

چھٹی صدی ہجری

(۱) فتاویٰ ابن ابی عصرون (۲) فتاویٰ ابی النسر (۳) فتاویٰ الارغیانی (۴) فتاویٰ التمرتاشی (۵) فتاویٰ حسام الدین (۶) فتاویٰ الدیناری (۷) فتاویٰ الرشیدی (۸) فتاویٰ سراجیہ (۹) فتاویٰ ظہیریہ (۱۰) فتاویٰ قاضی خاں (۱۱) فتاویٰ الکبریٰ (۱۲) فتاویٰ نسفیہ (۱۳) فتاویٰ واسطیہ (۱۴) فتاویٰ شہاب الدین (۱۵) فتاویٰ الصغریٰ

ساتویں صدی ہجری

(۱) فتاویٰ ابن ابی الدم (۲) فتاویٰ ابن رزین (۳) فتاویٰ ابن الصلاح (۴) فتاویٰ ابن عبد السلام (۵) فتاویٰ ابن مالک (۶) فتاویٰ صوفیہ (۷) فتاویٰ الغریبہ (۸) فتاویٰ موہوب (۹) فتاویٰ الوالوالجی۔

آٹھویں صدی ہجری

(۱) فتاویٰ ابن عقیل (۲) فتاویٰ ابن فرکاح (۳) فتاویٰ جلال الدین (۴) فتاویٰ حنفیہ (۵) فتاویٰ الزرکشی (۶) فتاویٰ السبکی (۷) فتاویٰ نووی (۸) فتاویٰ طرسوسیہ

نویں صدی ہجری

(۱) فتاوی ابن ابی شریف (۲) فتاوی حنبلی زادہ (۳) فتاوی قاسمیہ ۔

دسویں صدی ہجری

(۱) فتاوی ابن الشلبی (۲) فتاوی ابی سعود (۳) فتاوی زینیہ (۴) فتاوی الشبلی (۵) فتاوی عدلیہ ۔

گیارہویں صدی ہجری

(۱) فتاوی رضائی (۲) فتاوی شیخ الاسلام[1] (۳) مجمع الانہر[2] وغیرہ وغیرہ

بعض دیگر کتب فتاوی کا بھی پتا چلتا ہے، مثلاً

(۱) جواہر الفتاوی (۲) فتاوی عبداللہ ابن عباس (۳) فتاوی مہدیہ (۴) فتاوی خیریہ لنفع البریۃ (۵) معین المستفتی عن سوال المفتی (۶) عقود الدریۃ فی تنقیح فتاوی الحامدیۃ (تالیف ۱۲۳۸ھ) (۷) فتاوی ابن تیمیہ (۸) فتاوی برہنہ[3]

(۲)

پاک و ہند میں کتب فتاوی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اس برّ اعظم پر مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں پہنچ چکے تھے۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف کے زمانے میں کچھ خاندان ہندوستان کے جنوبی سواحل پر آباد ہو گئے، بعد میں تجارت کے فروغ سے یہاں عرب تاجروں کی مستقل آبادیاں قائم ہو گئیں۔ ادھر سندھ میں عربوں کی فاتحانہ پیش قدمی نے یہاں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس علاقے میں عربوں کا اثر و رسوخ بھاول پور و ملتان تک چوتھی صدی ہجری تک رہا۔ بہرکیف جب اس برّ اعظم میں آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں تو فتووں کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ جگہ جگہ مدارس و مساجد میں علمائے کرام موجود تھے جو فتوے دیا کرتے تھے، مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں نے بھی شریعت اسلامیہ کے بارے میں استفسارات کیے ہیں چنانچہ اسی قسم کے استفسارات کا حال

---

[1] حاجی خلیفہ: کشف الظنون، جلد دوم، ص ۱۲۱۸ تا ۱۲۳۰

[2] مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، عبدالرحمن بن شیخ محمد بن سلیمان المدعو بہ شیخ زادہ کی تالیف ہے۔ بلدۂ آورنہ (روم) میں ۱۹ رجمادی الآخرہ سنہ [illegible]ھ میں مکمل ہوئی، اور ۱۲۶۷ھ میں ترکی میں شائع ہوئی، پاک و ہند میں کتب فتاوی کی مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

[3] شیخ نصیر الدین مینائی کی تالیف ہے، اس کا دوسرا اڈیشن سنہ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں نور کشور پریس، لکھنؤ میں چھپا تھا، یہ کتاب بھی کتب فتاوی کی مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

بزرگ بن شہریار کی کتاب عجائب الہند سے معلوم ہوتا ہے۔ بزرگ بن شہریار ایک عرب جہاز ران محمد حسن نامی کی زبانی تیسری صدی ہجری کا یہ واقعہ نقل کرتا ہے :۔

> میں ۲۸۸ھ میں منصورہ میں تھا، وہاں مجھ سے ستنا، بزرگوں نے بیان کیا کہ الرا کے راجہ نے جو ہندوستان کا بڑا راجہ تھا اور جس کی حکومت کشمیر بالا اور کشمیر زیریں کے بیچ میں تھی اور جس کا نام مہروک بن رائق تھا، ۲۷۰ھ میں منصورہ کے بادشاہ عبداللہ کو لکھا کہ وہ اسلام کی شریعت کا کچھ حال زبان ہندیہ میں اس کو بتا دیئے۔[1]

چناں چہ ایک عراقی الاصل سندھی عالم نے اس 'استفتاء' کا جواب لکھا جو ایک منظوم نظم کی صورت میں تھا۔

(۷)

پاک ہند کے مسلمان بادشاہوں اور امیروں کو نہ صرف فقہ اسلامی سے دل چسپی تھی بلکہ انہوں نے اس فن میں تصانیف بھی چھوڑی ہیں چناں چہ سلطان محمود غزنوی فقہ اسلامی کا زبردست عالم تھا، اس نے ایک کتاب "التفرید فی الفروع" لکھی تھی جو بلاد غزنہ میں بہت مقبول ہوئی، اس میں شافعی مذہب کے مطابق بکثرت مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ امام مسعود بن شیبہ جو اعیان فقہاء میں سے تھے انہوں نے سلطانی نسخہ سے اس کو نقل فرمایا تھا۔[2] اسی طرح ظہیر الدین بابر بادشاہ نے بھی اصول مذاہب پر ایک کتاب لکھی تھی[3]، خوندمیر نے بادشاہ ہمایوں کے ایماء پر قانون ہمایوں کے نام سے فقہ پر ایک کتاب لکھی۔[4]

پاک ہند میں جو ممتاز کتب فتاوی نظر آتی ہیں وہ بھی مسلمان بادشاہوں اور امیروں کی مرہون منت ہیں، تاریخ کے مطالعہ سے ان کتب فتاوی کا پتا چلتا ہے :۔

(۱) فتاوی فیروز شاہی (۲) فتاوی ابراہیم شاہی
(۳) فتاوی اکبر شاہی (۴) فتاوی عادل شاہی
(۵) فتاوی تاتار خانی (۶) فتاوی عالمگیری۔ وغیرہ وغیرہ

---

[1] بزرگ بن شہریار : عجائب الہند، مطبوعہ لیڈن، ۱۸۸۶ء بحوالہ "ہندوستان عربوں کی نظر میں"، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۶۰ء، ص ۴-۱۹۳۔

[2] (ا) الجواہر المضیئہ، جلد دوم، ص ۱۵۷
(ب) نزہۃ الخواطر، جلد اول، ص ۹۵

[3] سید نوشہ علی : مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۱۷۴

[4] ابوالفضل : اکبر نامہ، ص ۱۷۶

فیروز شاہ بادشاہ کو فقہ اسلامی سے بڑی دلچسپی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ حکومت احکام شرعیہ کے مطابق چلائی جائے چنانچہ اس کے ایماء پر فتاوی فیروز شاہی مرتب کی گئی۔ اس کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مثلاً

(۱) انڈیا آفس لائبریری، لندن

(۲) ایشیا ٹک سوسائٹی، بنگال، کلکتہ

(۳) مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

فتاوی فیروز شاہی مولانا محمد یعقوب مظفر کرمانی نے زبان عربی میں لکھی تھی، ان کے انتقال کے بعد سلطان فیروز شاہ نے مزید اضافوں کے ساتھ دوبارہ مرتب کرایا اور اس کا فارسی ترجمہ بھی کرایا گیا۔[1]

سلطان ابراہیم شرقی کے عہد (۱۴۰۲ء — ۱۴۴۰ء) میں فتاوی ابراہیم شاہی مرتب کیا گیا۔[2] "عتیق اللہ بن اسماعیل بن شیخ قاسم نے فتاوی اکبر شاہی لکھی۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن میں ہے فتاوی عادل شاہی بھی مشہور ہے۔"

سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں امیر تاتار خان نے یہاں علماء کی مشارکت سے تفسیر تاتار خانی لکھوائی وہاں فتاوی تاتار خانی بھی مرتب کرایا۔[3] اس کی تیاری میں کتب خانہ تاتار خان سے مدد لی گئی، جس کے مہتمم عالم بن علاء تھے۔[4]

فتاوے کے سلسلے میں سب سے اہم کام اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ نے کیا۔ انہوں نے فتاوی عالم گیری تیار کرائی جو آٹھ سال کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل تک پہنچی اور جس پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے خرچ آیا۔

عالم گیر کی خواہش تھی کہ برِ اعظم پاک و ہند میں صحیح معنوں میں اسلامی حکومت نافذ ہو۔ اس خواہش کے پس منظر میں حضرت مجدد الف ثانی اور ان کی اولاد امجاد نے بڑا اہم کردار ادا کیا جو ایک مستقل مقالہ کا متقاضی ہے، بہر کیف اسی خواہش کے پیش نظر انہوں نے فتاوی عالم گیری تیار کرایا۔ اس منصوبے

(۲۱-میم)

[1] معین الحق : معاشرتی و علمی تاریخ، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۵ء، ص ۱۰۷ و ۴۰۴

[2] نوشہ علی : مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۷۴ بحوالہ آثار رحیمی

[3] (الف) عبد الحئی : نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۱۰۸ و ۱۹

(ب) مناظر احسن گیلانی : مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، حصہ اول، ص ۳۸

[4] ان عربی کتب فتاوی کا ذکر بھی تاریخوں میں ملتا ہے جو پاک و ہند میں مدون کی گئیں:۔
① فتاوی سراجیہ (۷ویں یا ۸ویں صدی ہجری) ② فتاوی قاری الھدایہ ③ فتاوی الحمادیہ (۸ویں یا ۹ویں صدی ہجری) ④ فتاوی جامع البرکات (۱۱ویں صدی ہجری) ⑤ فتاوی النقشبندیہ (ایضاً) ⑥ فتاوی مختصر شافعی۔

کی نگرانی شیخ نظام برہان پوری فرما رہے تھے، دہلی کے نامی گرامی علماء و فقہاء کے علاوہ اطراف و اکناف کے بکثرت علماء کو بلایا گیا تھا۔[1] ایک اندازے کے مطابق پچاس سے زائد علماء اس کام کے لئے مختص تھے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی تدوین میں ملا حامد کے معاون تھے لیکن بعد میں عزلت پسندی کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے۔[2]

فتاویٰ عالم گیری اصل عربی میں لکھی گئی تھی۔ اس کے بعد خود عالم گیر نے مولینا چلپی عبداللہ رومی سے اس کا فارسی زبان میں ترجمہ کرایا، مولانا موصوف روم سے ہندوستان وارد ہوئے تھے[3] ___ بختاور خان نے مرآۃ العالم میں آپ کی بہت تعریف لکھی ہے ___ فتاویٰ عالم گیری عرب و عجم میں مقبول ہے، مصر سے بھی اس کے اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں مولینا امیر علی لکھنوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہے۔

"یہ تو شاہی سرپرستی کی کتابیں ہیں، خانہ نشیں اہل علم کے نجی فتووں کے مجموعے بھی ہر شہر میں ملیں گے کیوں فتویٰ طلبی کی ضرورت ہر اس مقام پر ہوتی ہے جہاں دیندار مسلمان رہتا ہو ___ پارس کی مسجد میں استفتاء آتے ہیں تو فتوے فرانسیسی میں دئے جاتے ہیں، انگلستان میں آجکل اُناسی (۷۹) مسجدیں ہیں اور تعداد الحمدللہ ترقی پذیر ہے۔ وہاں کے اسلامی رسالوں میں باب الاستفتاء بھی اب نظر آنے لگا ہے۔"

(۸)

پاک و ہند کے اسلامی دورِ حکومت میں چونکہ ایسی عدالتیں قائم تھیں جو قانونِ وقت اور قانون شریعت کے مطابق مقدمات فیصل کرتی تھیں اس لئے نجی فتووں کے زیادہ تر مجموعے اس وقت نظر آتے ہیں جب مسلمان دورِ غلامی میں داخل ہوئے، چنانچہ ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل اور بعد میں مختلف زبانوں میں عموماً اور اردو زبان میں خصوصاً اس قسم کے مجموعوں کا پتا چلتا ہے، چنانچہ قاموس الکتب اردو (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء) میں اردو کتب فتاویٰ کی ایک ناقص فہرست دی ہے، ہم وہاں سے اور دیگر مآخذ سے بعض اردو کتب فتاویٰ کا ذکر کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ زبان اردو میں اس فن میں کس قدر سرمایہ موجود ہے۔

---

[1] (ا) محمد کاظم : عالم گیرنامہ، ص ۔ ۱۸۷
(ب) صباح الدین : بزم تیموریہ، ص ۔ ۲۳۸

[2] شاہ ولی اللہ : انفاس العارفین، ص ۔ ۶۹

[3] معین الحق : معاشرتی و علمی تاریخ، ص ۔ ۴۰۸

(۸)

کتب فتاوی (اردو)

(۱) احمد حسین خاں : فتاوی محبوبیہ، مطبوعہ دہلی، ۱۳۱۶ھ (۲) احمد رضا خاں[1]، مولینا : العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ (تین جلدیں)، مطبوعہ بریلی، ۱۳۱۰ھ (۳) احمد رضا خاں، مولینا : احکام شریعت (۴) ایضاً : عرفان شریعت، (۵) احمد یار خاں، مفتی : فتاوی نعیمیہ (۶) ارشاد حسین رام پوری فتاوی ارشادیہ، مطبوعہ ۱۹۵۵ء (۷) اشرف علی تھانوی، مولینا : امداد الفتاوی، مطبوعہ کراچی[2]، (۸) اصغر حسین : فتاوی محمدیہ (۹) اعزاز علی، مفتی : اعزاز الفتاوی (قلمی)، (۱۰) امجد علی، مولینا : فتاوی امجدیہ (۱۱) امداد علی، ڈپٹی : امداد الفتاوی، مطبوعہ آگرہ، ۱۸۷۰ء، (۱۲) امیر الدین گوپاموی، مفتی : فتاوی امیریہ، (قلمی)، ۱۸۵۰ء (۱۳) امیر علی لکھنوی : فتاوی ہندیہ (ترجمہ فتاوی عالمگیری)، مطبوعہ لکھنو، ۱۹۳۲ء (۱۴) برکت علی فرنگی محلی : ترجمہ اردو فتاوی مولینا عبدالحئی لکھنوی (قلمی)، ۱۳۴۵ھ (۱۵) رحیم الدین : فتاوی صدارت العالیہ حیدر آباد دکن، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۶ھ (۱۶) رشید احمد گنگوہی، مولینا : فتاوی رشیدیہ، مطبوعہ ۱۳۶۲ھ (۱۷) رکن الدین، مفتی : فتاوی نظامیہ، مطبوعہ حیدر آباد دکن، (۱۸) زاہد القادری، مولینا : فتاوی آستانہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۶ء (۱۹) صدیق حسن خاں، نواب : مجموعۂ فتاوی، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۰۷ھ (۲۰) ظفر احمد، مولینا : امداد الاحکام (قلمی)، (۲۱) عابد علی کسمنڈوی : مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحئی، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۱۱ھ (۲۲) عبدالباری فرنگی محلی : فتاوی قیام الملۃ والدین، مطبوعہ لکھنو (۲۳) عبدالحفیظ، مفتی : مجموعہ فتاوی (قلمی)، (۲۴) عبدالرحمٰن میر : فتاوی علماء اہل السنت و الجماعۃ، مطبوعہ دت پرشاد پریس۔ (۲۵) عبدالرزاق مکی حیدر آبادی :

---

[1] حضرت مولینا احمد رضا خاں صاحب جو "اعلیٰ حضرت" کے لقب سے مشہور ہیں، بڑے متبحر عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے، آپ کے بیشمار فتوے کتابچوں کی صورت میں شائع ہوئے ہیں جو ضخیم کتب فتاوی کے علاوہ ہیں آپ کے تفصیلی حالات کے لئے مولانا رحمان علی کا تذکرۂ علماء ہند مطالعہ کیا جائے۔

[2] ۱۲۹۶ھ میں جب مولینا اشرف علی دار العلوم دیو بند میں تحصیل علم کے لئے تشریف لائے تو اس زمانے کے بیشتر فتاوے مولینا محمد یعقوب (مفتی مدرسہ دیو بند) نے آپ سے لکھوائے۔ ان کی نقول مولانا اشرف علی نے اہتمام کے ساتھ رکھیں۔ چناں چہ بعد میں یہ فتوے اور دیگر فتاوے امداد الفتاوی کے نام سے شائع ہوئے، اس کے تین حصے تھے، حصہ اول ۱۳۰۱ھ کے فتوے، حصہ دوم میں ۱۳۰۳ھ سے ۱۳۱۴ھ تک کے فتوے (بزمانہ قیام کانپور) اور تیسرے حصے میں ۱۳۱۵ھ کے بعد کے فتوے (بزمانہ قیام تھانہ بھون) لکھے گئے، اس حصے کے بیشتر فتووں میں مولینا رشید احمد گنگوہی سے مراجعت کی گئی ہے۔

فتاوی السنۃ، مطبوعہ بریلوی، سنہ ۱۳۱۶ھ (۲۶) عبدالعزیز، مولینا : فتاوی عزیزالمکرم (قلمی) (۲۷) عبدالغفار لکھنوی، مولینا : فتاوی بے نظیر، سنہ ۱۲۹۰ھ (۲۸) عبدالفتاح، مفتی : جامع الفتاوی، مطبوعہ سنہ ۱۳۰۳ھ (۲۹) عبدالقدوس شاہ : شرح الفتوی، مطبوعہ سنہ ۱۲۹۰ھ (۳۰) عبدالکریم، مولینا : امداد المسائل (قلمی) (۳۱) عبدالواحد سیوستانی، علامہ : فتاوی واحدی، مطبوعہ لاہور، سنہ ۱۳۲۶ھ (۳۲) محمد شفیع، مفتی : امداد المفتین مطبوعہ کراچی، سنہ ۱۹۴۶ء[۵۱] (۳۳) محمد قاسم، مولینا، فتاوی قاسمیہ مطبوعہ لاہور سنہ ۱۳۵۳ھ (۳۴) محمد مسعود شاہ مفتی : فتاوی مسعودی (قلمی)، سنہ ۱۲۹۷ھ تا سنہ ۱۳۰۲ھ[۵۲] (۳۵) مراد خاں : ترجمۂ فتاوی عزیزی، مطبوعہ سنہ ۱۳۱۲ھ (۳۶) مہر علی شاہ گولڑوی : مجموعہ فتاوی (قلمی) (۳۷) نذیر حسین دہلوی، مولینا : فتاوی نذیریہ مطبوعہ دہلی (۳۸) نظام الدین حنفی : فتاوی نظامیہ، مطبوعہ لاہور، سنہ ۱۹۲۰ء (۳۹) نواب علی یعنی عبدالجلیل : ترجمہ فتاوی عزیزی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، سنہ ۱۳۱۳ھ۔

مندرجہ بالا فتاوی کے علاوہ بعض فتاوے وہ ہیں جن کے صرف نام معلوم ہوسکے، مثلاً فتاوی غوثیہ، فتاوی سعدیہ، فتاوی عثمانیہ، فتاوی مفتی محمد رمضان، فتاوی مفتی نثار احمد کانپوری وغیرہ وغیرہ

---

[۵۱] اس کا سلسلۂ اشاعت سنہ ۱۳۵۴ھ سے شروع ہوگیا تھا، سنہ ۱۳۸۶ھ تک آٹھ جلدیں تیار ہوئیں، اس کا ضمیمہ بھی زیر تدوین ہے جس کا نام اختیار الصواب فی جمیع الابواب ہے۔

[۵۲] حضرت مولینا مفتی محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ، صاحب فتاوی مظہری کے جد امجد ہیں۔ آپ کے فتاوے بڑے فاضلانہ و محققانہ ہیں۔ ایک قلمی مجموعہ راقم کے پاس محفوظ ہے اور بعض اہم فتووں کی نقول حضرت العلامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ (حیدرآباد، مغربی پاکستان) کے پاس ہیں۔ فتاوی مسعودیہ کے متعلق کچھ تفصیلات تذکرۂ مظہر مسعود (حصہ اول مطبوعہ کراچی، سنہ ۱۹۶۹ء) میں دے دی گئی ہیں حضرت مولینا مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ کی بعض تصدیقات فتاوی رشیدیہ میں موجود ہیں مثلاً فتاوی رشیدیہ (مطبوعہ کراچی) کے یہ صفحات ملاحظہ ہوں ۷۴، ۷۵، ۱۳۰، ۱۳۴، ۲۷۸ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحب کا تعلق نہ مسلک دیوبند سے تھا اور نہ مسلک بریلوی سے۔ آپ کے فتاوے میں میانہ روی ہے جس طرح مکتوبات امام ربانی سے ملک حسن علی نے مسلک دیوبند سے متعلق مسائل جمع کرکے "تعلیمات مجددیہ" (شرقپور) کے نام سے شائع کی اور محمد سعید نقشبندی نے مسلک بریلوی سے متعلق مسائل جمع کرکے "مسلک امام ربانی" (لاہور) کے نام سے شائع کی اسی طرح فتاوی مسعودیہ سے مسائل اخذ کئے جاسکتے ہیں مگر یہ افراط و تفریط کی راہ ہے۔ اصل راہ میانہ روی ہے جو فتاوے کے بالاستیعاب مطالعہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

(۹)

پاک و ہند کے بکثرت علماء ایسے بھی ہیں جنہوں نے بیشمار فتاوے دیئے مگر یا تو وہ جمع نہ ہوسکے یا وہ ہمارے علم میں نہیں ہیں، ان علماء کرام کی فہرست بھی بڑی طویل ہے، چند اسماء گرامی یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

پاکستان

(۱) حضرت مولینا مفتی محمد مظفر احمد صاحب (فرزند ارجمند صاحب فتاوی مظہری) ، کراچی
(۲) حضرت مولینا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ، کراچی
(۳) حضرت علامہ مفتی صاحب داد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ، کراچی
(۴) حضرت مولینا مفتی مرشد علی صاحب ، کراچی
(۵) حضرت مولینا مفتی شجاعت علی صاحب ، کراچی
(۶) حضرت مولینا مفتی ظفر احمد عثمانی ، کراچی
(۷) حضرت مولینا مفتی محمد محمود صاحب حیدرآباد
(۸) حضرت مولینا مفتی مسعود علی صاحب ، ملتان
(۹) حضرت مولینا ابوالبرکات سید احمد صاحب ، لاہور
(۱۰) حضرت مولینا مفتی احمد یار خاں صاحب ، گجرات
(۱۱) حضرت مولینا مفتی محمود حسن صاحب وغیرہ وغیرہ ، کوئٹہ

ہندوستان

(۱) حضرت مولینا مفتی مصطفےٰ رضا خاں صاحب ، بریلی
(۲) حضرت مولینا مفتی محمد مشرف احمد صاحب (فرزند ارجمند صاحب فتاوی مظہری) ، دہلی
(۳) حضرت مولینا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب ، دہلی
(۴) حضرت مولینا حشمت علی صاحب ، بمبئی
(۵) حضرت مولینا مفتی محمد اجمل صاحب ، سنبھل
(۶) حضرت مولینا مفتی محمد نعیم الدین وغیرہ وغیرہ مرادآباد

خصائص الفتاوی

(۱)

اس سے پہلے کہ ہم فتاوے کی اہمیت اور خصائص پر بحث کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قانون شریعت کی اہمیت کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔

"مسلمانوں کو اس قانونیاتی امتیاز پر فخر ہے جس کا فرنگستان میں اب تک وجود نہیں اور وہ ہے قانون سازی کی آزادی، آج کل پارلیمنٹیں حکومت کی مرضی کے خلاف کوئی قانون نہیں بنا سکتیں، مجالس مقننہ کی کارکردگی پر برسرکار حکومت یا وزارت ہی کا عمل دخل رہتا ہے، ایک وزارت کے بعد دوسری وزارت آئے تو وہ اپنے پیشرو حکمرانوں کے بنائے ہوئے قانون کو جتنا چاہے بدل سکتی ہے اور بدل دیتی ہے لیکن اسلامی روایات یہ ہیں کہ قانون سازی ایک غیر سرکاری اور غیر سیاسی عملیت ہے، ہر شخص جس نے فقہ کی تعلیم کی تکمیل کی ہے اس میں آزاد ہوتا ہے، اسلامی قانون کا قریب قریب سارا ہی ذخیرہ ان غیر سرکاری، خانہ نشیں، خدا ترس اہل علم کی نجی سرگرمی کا نتیجہ ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ مستبد سے مستبد حکمراں کو بھی اسلام میں یہ حق نہیں کہ جو قانون چاہے بنا سکے یا جس قانون کو چاہے بدل سکے، فقہا کی رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے، ان کے اختلافی بیانات کو کھنگال کر مرجح آراء کو جمع کرنا بھی پرائیویٹ علماء کا کام رہا ہے، چاہے قانون مسلمان کے متعلق ہو یا غیر مسلم رعایا کے متعلق، اس میں سیاسیات کا کبھی دخل نہیں ہوتا اور اسلامی قانون میں غیر مسلم (ذمی) رعایا کو جتنا اطمینان رہتا ہے اور قانون کے بدل نہ سکنے کا یقین رہتا ہے وہ فرنگی اصول میں ممکن ہے اور نہ کسی اور غیر اسلامی نظام میں جہاں رواج پرانا ہو جائے تو وہ صریح قانون کو بھی منسوخ کر دیتا ہے" سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرے کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہاں قانون عوام کی دسترس میں ہوتا ہے۔ غیر دینی قوانین کا یہ مسلّمہ ہے کہ "قانون سے ناواقفیت مجرم کے لئے عذر گناہ نہیں بن سکتی" یہ بات اس وقت معقول ہو سکتی ہے جب کہ قانونی معلومات کی فراہمی کے لئے ممکنہ سہولتیں فراہم کی گئی ہوں، اسلام میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک مسلم معاشرے میں یہ سہولتیں حاصل ہیں، اور یہ اہم کام مساجد و مدارس وغیرہ میں علماء و فقہا انجام دے رہے ہیں۔

یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ مسلم معاشرے کے افراد خواہ وہ مسلم حکمرانوں کی رعایا ہوں یا غیر مسلم حکمرانوں کی ان کے دلوں کی گہرائی میں قانون شرعیہ کی بالادستی قائم رہتی ہے اور وہ اکثر و بیشتر قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں، حکومت وقت کے ضابطۂ قانون سے یہ بے نیازی کسی معاشرے میں نہیں دیکھی گئی، دور جدید میں کسی حکومت میں بیک وقت دو ضابطۂ ہائے قانون کی عملداری نہیں مگر مرد مسلم کے لئے قانون شریعت ہر قانون سے بالاتر ہے فتاویٰ کا وجود خود ہمارے اس خیال کی تائید کرتا ہے۔ غیر منقسم ہندوستان میں بعض ایسے متدین اور متقی جج صاحبان بھی تھے جو برطانوی قانون کے ساتھ ساتھ شرعی قوانین کا پاس و لحاظ رکھتے تھے، چناں چہ دہلی میں ایک سیشن جج، صاحب فتاویٰ مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے اکثر و بیشتر استفسار فرمایا کرتے تھے خصوصاً فوجداری مقدمات کے فیصلوں میں، بہر کیف مسلم معاشرے

کا یہ جرأت مندانہ اقدام کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، قرآن کریم کی یہ آیت مسلمانوں کے لئے آزادی اور غلامی میں مشعلِ راہ ہے :۔

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔[۵۱]

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جوان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے ۔

(۲)

اگر فتاوے کے تمام سرمایہ کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو مختلف حیثیات سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے جہاں یہ ادبی اور لسانی حیثیت سے فتاوے خاص اہمیت رکھتے ہیں، آسان و سلیس اردو میں اہم قانونی مسائل و دفعات کی تشریحات ایک طرف خود زبانِ اردو کی وسعت اور دوسری طرف زبان پر مجیب و مفتی کی کمال قدرت کی آئینہ دار ہے ، علماء میں بکثرت ایسے اصحاب نظر آتے ہیں جنہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے ہیں، مگر اس خصوص میں صاحبِ فتاوی مظہری، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ بالکل ممتاز نظر آتے ہیں، معاصرین کے جوابات میں وہ ایجاز و اختصار اور وضاحت نظر نہیں آتی جو آپ کے ہاں ہے اس لحاظ سے یہ فتاوے اردو کے قانونی ادب میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں

مزید برآں چوں کہ فتاوے کا موضوع کسی مسئلے کے بارے میں تحقیق ہوتا ہے جس کے لئے مفتی مختلف مطبوعہ و غیر مطبوعہ ماخذ سے استفادہ کرتا ہے اس لئے ہم اس ذریعہ سے ان کتابوں رسالوں اور اخباروں کے متعلق بھی معلومات حاصل کر سکتے ہیں جو امتداد زمانہ کی وجہ سے یا تو معدوم ہو گئے یا مفقود۔ اس طرح قاموس الکتب کی تدوین اور صحافتی ادب کی تاریخ میں فتووں سے مدد لی جا سکتی ہے ۔

(۳)

فتاوے کو فنی لحاظ سے بھی اردو میں اہم مقام حاصل ہے ، مقالہ نگاری (خصوصاً تحقیقی مقالات) دور جدید کی ایجادات میں شمار کی جاتی ہے لیکن اگر اس نقطۂ نظر سے فتووں کا جائزہ لیا جائے تو بعض فتوے بلند پایہ علمی و تحقیقی مقالات معلوم ہوتے ہیں، فرق صرف تہذیب و تزئین کا ہے اور وہ کوئی بڑا فرق نہیں ؛ اد۔ ب

---

۵۱ القرآن الحکیم ، سورۂ نساء ، آیت ۔ ۶۵

اردو میں مقالہ نگاری کو علی گڑھ تحریک کا مرہونِ منت خیال کیا جاتا ہے حالاں کہ اس تحریک سے بہت پہلے اور بعد میں کتب فتاویٰ میں اکثر ایسے فتوے نظر آتے ہیں جن کو اردو کے بہترین مقالات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ طبقۂ علماء فقہاء میں بیشتر حضرات اس تحریک کے مخالف رہے ہیں اس لئے ان حضرات نے بعد میں بھی جو کچھ لکھا اس کو اس تحریک سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ فتاویٰ مظہری کے بعض جوابات معیاری مقالات میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

(۴)

لسانی حیثیت سے بھی فتووں کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان کے ذریعہ عہد بعہد کے لسانی تغیرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور چوں کہ فتووں کا تعلق اسلامی فقہ سے ہے اس لئے اس راستے سے عربی زبان کے جو قانونی الفاظ اردو زبان میں داخل ہوئے ان کا سراغ بھی لگایا جا سکتا ہے، ویسے زبان اردو پر عربی زبان کے اثرات کے سلسلے میں قرآن کریم کی ہمہ گیر تعلیم و تدریس نے اہم کردار ادا کیا ہے، اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

(۵)

فتووں کے ذریعہ علماء اسلام کی ادبی خدمات کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے، انہیں علماء کی تعلیم و تدریس اور تحریر و تقریر سے زبان اردو کو بڑا فروغ حاصل ہوا، بیرونی ممالک خصوصاً ایشیائی ممالک میں اردو کی اشاعت میں علماء کرام نے اہم خدمات انجام دی ہیں، یہ موضوع بھی ایک بسوط مقالہ کا متقاضی ہے

(۶)

ایک خاص ملک یا ایک خاص علاقے کے فتووں سے ہم مسلمانوں کے ایک طبقے کے مزاج عقلی اور نفسیاتی خصائص کا اندازہ لگا سکتے ہیں، قرآن کریم میں جو ارشاد ہے :-

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم[۱]

خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔

تو فتووں میں کسی خاص قوم کے "ما بانفسھم" کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، جس کو علم النفس کی اصطلاح میں نفسیاتی تجزیہ (Psycho - Analysis) بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۷)

فتاوے تاریخی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتے ہیں، چوں کہ تاریخ، اقوام و افراد کے احوال کا مجموعہ ہے اس لئے فتاوے جو کسی قوم کے اجتماعی و انفرادی احوال کی جزئیات پیش کرتے ہیں، تاریخ

---

[۱] القرآن الحکیم: سورۂ رعد، آیت - ۱۱

سازی میں بہت معین ہو سکتے ہیں" کسی ملک اور کسی عہد کے سماجی معاملات، قومی ذہنیت اور اسی طرح کی تاریخی معلومات کو معلوم کرنے کا ایک بہت بڑا ماخذ کتب فتاوی ہیں، ان میں ایسی ایسی تفصیلیں ملتی ہیں کہ تاریخ کی عام کتابوں میں ان کا کوئی اشارہ تک نہیں ہوتا، اس ماخذ معلومات سے مؤرخوں نے اب تک کم ہی استفادہ کیا ہے۔"

انسانی روح کی طرح قوم کی بھی ایک روح ہوتی ہے اور وہ اس کے مخصوص اخلاق وخواص ہیں جو درحقیقت اس قوم کے حرکات ترقی وتنزل کے محور ہیں، مشہور فلسفی ڈاکٹر لیبان کے نزدیک صرف نظام اخلاق ہی ہر قسم کے تاریخی انقلابات پیدا کرتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اقوام قدیمہ کے انقلابات تغیرات کی علت ان کے اخلاق وروحانیت کے انحطاط ہی کو قرار دیا ہے، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم فتاوے کی روشنی میں ملت مسلمہ کی ترقی و انحطاط کی داستان لکھ سکتے ہیں۔

فتاوے کے ذریعہ ہم کسی علاقے کے مسلمانوں کے رسم ورواج کے متعلق بھی بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ رسم ورواج جو بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تمدن کی جان ہیں، گویا فتاوے کی روشنی میں ہم تہذیبی وتمدنی معلومات بھی فراہم کر سکتے ہیں۔

(۸)

سوانحی مواد میں فن سوانح نگاری کے ماہرین نے فتاوے کا ذکر نہیں کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم ومفتی کے حالات کی تدوین میں مکاتیب ودیگر تصانیف سے زیادہ فتاوے اہم ہیں، اس میں مجیب ومفتی کی شخصیت اور ذہن کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، صاحب فتاوی مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سوانح تذکرۂ مظہر مسعود میں بعض ابتدائی مجبوریوں کی وجہ سے ہم فتاوے سے استفادہ نہ کر سکے بہر کیف اس مقدمے میں اس خامی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے ـــــــ اگر تذکرۂ علماء مرتب کیا جائے تو فتووں کے ذریعہ ایسے ایسے علماء کا پتا چل سکتا ہے جن کے ناموں سے بھی اب کوئی واقف نہ ہوگا، خصوصاً وہ علماء جنہوں نے فتاوے کے علاوہ کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی۔

(۹)

نظریاتی اور طبقاتی میدان میں دور متوسط اور دور مابعد میں فتووں کی بڑی گھماگھمی نظر آتی ہے، مختلف افراد یا جماعتوں نے بتقاضائے غیرت مذہبی یا محض ردعمل کے طور پر ایک دوسرے کے خلاف ناقدانہ فتوے لکھوائے ہیں اور بسا اوقات اس قسم کے فتوے جانبین کی تشہیر کا سامان بھی بن گئے ہیں

ع میری وحشت تری شہرت ہی سہی

اس قسم کے فتووں سے کسی خاص علاقے کے مسلمانوں کی نظریاتی کشمکش کی تاریخ مدون کی جا سکتی

ہے اور مختلف مذہبی و سیاسی تحاریک کے بارے میں جزئیات فراہم کی جا سکتی ہیں ۔

(۱۰)

اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں ملکی سیاست میں خصوصاً مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں میں فتووں نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے، غیر متدین رہبر کی ہزاروں تقریریں ایک طرف اور متدین و متقی مفتی کا ایک فتوی دوسری طرف مسلم معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کے لئے کافی تھا، اس قسم کے مناظر انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل اور تقسیم ہند سے قبل تحریک آزادی کے زمانے میں دیکھے گئے، خود تحریک پاکستان میں انہیں فتووں نے نئی روح پھونکی تھی، اس گئے گزرے زمانے میں بھی جب کبھی کوئی مخلصانہ سیاسی فتوی دیا جاتا ہے تو اپنا پورا پورا اثر دکھاتا ہے ۔

(۱۱)

دور جدید میں فتووں نے اقتصادی و معاشی اہمیت بھی حاصل کر لی ہے، بلکہ سیاسی تحریکوں کے زمانے میں جب کبھی مختلف جماعتوں میں اقتصادی مقاطعہ کی نوبت آئی تو فتووں کا سہارا لیا گیا ۔ تحریک آزادئ ہند کے زمانے میں انگریز حاکموں سے جب ترک موالات کیا گیا تو یہی فتوے روح رواں تھے، فتووں سے بعض افراد اور جماعتوں نے اقتصادی فائدے بھی حاصل کئے، چنانچہ جب ایک شخص نے سر سید سے تنگدستی کی شکایت کرتے ہوئے ملازمت کے لئے سفارش کی درخواست کی تو انہوں نے اس کو مخلصانہ مشورہ دیا کہ میرے خلاف کوئی کتابچہ لکھ دو یا فتوی شائع کر دو انشاء اللہ تنگدستی کی شکایت نہ رہے گی، گو کہ یہ بات مزاحًا معلوم ہوتی ہے مگر ایک حقیقت ہے ———
دور حاضر میں جب کہ ہر نیکی بدولت و ثروت کے ارد گرد گھومتا نظر آرہا ہے حتی کہ قرآن و حدیث اور وعظ و نصیحت جیسی عظیم چیزوں کو فروغ تجارت کا آلۂ کار بنا لیا گیا ہے فتاوے بھی اقتصادی و تجارتی مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں چنانچہ بیمہ کمپنیوں کے نمایندے بیمہ کے حق میں بعض مفتیوں کے فتوے پیش کرتے نظر آتے ہیں ۔

آداب المفتی

(۱)

دور جدید میں مفتی کی حیثیت، اس کے خصائص، اس کی ذمہ داریوں اور فن فتوی نویسی کی ماہیت و حقیقت پر صاحب فتاوی مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ایک مختصر نوٹ تحریر فرمایا تھا جو غالبًا کسی سوال کا جواب ہے اور آخری دور کی یادگار ہے، اس میں حضرت تحریر فرماتے ہیں :-

فتوی دینا حقیقتہً مجتہد کا کام ہے اور وہ اس زمانے میں مفقود ہے، اب علماء کا کام صرف مجتہدین کے اقوال کا نقل کر دینا ہے تو حقیقتہً فتوی دینا نہ ہوا ۔ اب مفتی ناقل کیلئے ضروری

ہے کہ معتبر کتاب سے اخذ کر کے بغیر اپنی رائے کے دخل کے نقل کرے لیکن اب یہ دیکھا جا رہا ہے کہ عام علماء بغیر اپنی رائے کو دخل دئے ہرگز نقل نہیں کرتے تو ایسے علماء کا ہرگز فتویٰ قابل اعتبار نہیں ہوتا، عام لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے علماء (کی طرف) کان نہ دھریں، محتاط علماء کے فتوے پر عمل کریں[1] — ہر عالم فتوے دے سکتا ہے جب کہ قواعد فقہ پر عمل کرے اور اپنی رائے کو دخل نہ دے، شہر کا مفتی وہ ہو سکتا ہے جس کو اہل شہر بالاتفاق مفتی قرار دے لیں ورنہ جو جس کا معتقد ہو وہ اس کا مفتی ہے۔ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ فاسق نہ ہو، فاسق سے فتویٰ پوچھنا جائز نہیں کہ علم شریعت ایک نور ہے جو تقویٰ والوں پر فائز ہوتا ہے اور بیدار مغز ہونا چاہیئے کہ سوال کو اچھی طرح جانچ کر فتویٰ دے اور واقعہ کی تحقیق کرے بس جو فتوے دینے کا اہل ہے وہ فتویٰ دے سکتا ہے بشرطیکہ مسائل کے باب میں اپنے (مقصود) کی رعایت نہ کرے۔

(۲)

حضرت مولینا مفتی محمد محمود حسن صاحب (تلمیذ رشید مولینا انور شاہ کشمیری) نے مفتی کے فنی آداب سے متعلق بعض باتیں مختلف کتابوں سے جمع فرمائی تھیں، موصوف نے یہ قلمی مجموعہ ازراہ کرم راقم کو عنایت فرمایا۔ اسی مجموعے سے چند فنی آداب کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۱) مسائل مسئولہ کے جوابات میں مفتی سب سے پہلے آیات قرآنیہ سے استدلال کرے گا، پھر احادیث صحیحہ سے، پھر اجماع امت اور اس کے بعد قیاس ائمہ مجتہدین سے۔

(۲) جب ائمہ احناف کا کسی اجتہادی مسئلے میں اختلاف واقع ہو اور ائمہ ترجیح میں سے کسی قول کی ترجیح ثابت نہ ہو تو مفتی کو پہلے امام ابو حنیفہ، پھر بقول ابو یوسف پھر بقول امام محمد پھر بقول زفر ابن زیاد فتوے دینا چاہیئے (شامی)

(۳) اگر مسئلہ اجتہادیہ نہ ہو تو جب تک اصحاب ترجیح سے کسی کی ترجیح ثابت نہ ہو فتوے مطلقاً بقول ابو حنیفہ دینا چاہیئے۔ (شامی)

---

[1] حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مطبوعہ فتوے کے آخر میں بڑی دل سوزی کے ساتھ یہی وصیت فرمائی ہے، آپ نے فرمایا:
"مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تشریف لے جا چکے ہیں اب فقیر بھی اپنی عمر پوری کر چکا ہے، آج نہیں کل اپنے مولیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائے گا، اس لئے تمہیں وصیت کرتا ہے کہ تم ایسے امور میں ان علماء کی پیروی کرنا جو مجتہد اور سند و ش نہیں جا رہے بلکہ سلف صالحین کے پیرو ہیں۔" (۲۲ مارچ ۱۹۵۹ء) (فتویٰ رویت ہلال، مطبوعہ جید پریس دہلی)۔

(۴) اگر اصحابِ ترجیح نے قولِ صاحبین کو ترجیح دی ہو تو امام ابو حنیفہ کے قول پر ہرگز فتویٰ نہ دیا جائے۔ (شامی)

(۵) امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دینا بمذہب الغیر نہیں کیوں کہ صاحبین کا قول امام صاحب ہی کا قول ہوتا ہے (شامی، جلد سوم، ص ۔ ۵۱۶)

(۶) جہاں مسئلے میں اختلاف ہو تو اکثر کا اعتبار ہوگا (بیری)

(۷) مفتی اپنی دانست میں جس صورت کو اصلح سمجھے اس پر فتوے دے[1]۔

(۸) مفتی اپنے مذہب کے مطابق فتوے دیگا نہ مستفتی کے مذہب کے مطابق[2]۔

(۹) اگر مسئلے میں مختلف اقوال صحیح پائے جائیں تو اگر ان صحیح اقوال میں بعض زیادہ مؤکد ہوں تو اس پر فتوے دینا چاہیئے اور کسی قسم کی ترجیح موجود نہ ہو تو اپنی بصیرت سے جس پر فتویٰ دے گا، درست ہوگا، ایسی صورت میں جس طریقہ میں اصلحیت اور سہولت کا پہلو غالب ہو اس کو ترجیح دی جائے[3]۔

(۱۰) اگر ظاہر المذہب کے خلاف عرف کی ترجیح علماء سے ثابت ہو تو ایسی صورت میں ظاہر المذہب پر فتویٰ نہ دینا چاہیئے[4]۔

(۱۱) جواب معلوم ہونے کے باوجود مفتی کو جواب دینے میں عجلت نہ کرنی چاہیئے جب تک کہ متعدد مقامات سے جواب کا تیقن حاصل نہ کرے[5]۔

(۱۲) اس زمانے میں بوجہ غلبۂ جہل مفتی کو مفصل جواب لکھنا چاہیئے[6]

---

[1] شامی، جلد دوم، ص ۔ ۴۹۵

[2] فتاوی تاتارخانیہ، فتاوی عالمگیری جلد پنجم، ص ۔ ۳۷۲

[3] شامی، جلد سوم، ص ۔ ۵۱۷

[4] تنقیح حامدیہ، جلد اول، ص ۔ ۳

[5] ایضاً، ص ۔ ۳

[6] فتاوی ابن چلپی و تنقیح حامدیہ، جلد اول، ص ۔ ۳

(نوٹ) جوابات میں صاحب فتاوی مظہری کا انداز تفہیم و تحقیق بڑا فاضلانہ ہے، ایام جوانی میں بیشتر فتاوے مفصل و محقق تحریر فرماتے لیکن آخری ایام میں بالعموم مختصر و مجمل، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ضعف و نقاہت کی وجہ سے حوالوں کا فراہم کرنا مشکل تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان ایام میں حضرت اس مقام فقاہت پر فائز تھے جہاں حضرت کا قول برہانِ قاطع تھا، مستفتی کو بھی کسی استدلال کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن پھر بھی بلاغت و جامعیت اس ۔

(۴)

پاکستان کے مشہور و معروف شخصیت جسٹس کیانی مرحوم نے معاشرے کے صحت مندارتقاء کے لیئے ججوں کی حیثیت اوران کی ذمہ داریوں پر بڑے بصیرت افروز پیرائے میں روشنی ڈالی ہے جو باتیں مرحوم نے ججوں کے لئے کہی ہیں وہی مفتیوں پر بھی منطبق ہوسکتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا:۔

"سوسائٹی کے صحت مندانہ ارتقاء کے لئے ضروری ہے کہ بعض بااختیار لوگ اس بات کے اہل ہوں کہ وہ بشرط ضرورت تنبیہ و تادیب کرسکیں، اس فرض کی بجا آوری کے لئے جج اور منصف ہی موزوں ہوسکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ تنبیہ معقول ہو، مبالغہ سے مبرا ہو، غیر منتقمانہ ہو، اس سے وقار و بلندیٔ خیال مترشح ہورہے ہوں، کسی کی دل آزاری مطلوب نہ ہو تاکہ لوگ تنبیہ ڈر کے مارے نہیں بلکہ اس کی معقولیت اور حقانیت سے متاثر ہوکر بہ طیب خاطر قبول کرلیں[۱]۔"

اس میں شک نہیں کہ سوسائٹی کے ارتقاء کے لئے حق گو اور منصف مزاج ججوں کی ضرورت ہے مگر صحت مند ارتقاء اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب حق و انصاف مظلوم کی دسترس سے اتنا بلند نہ ہو کہ وہ مایوس ہوجائے بلکہ اتنا قریب ہو کہ ظالم کو ظلم کی جرأت بھی نہ ہوسکے۔ اس سلسلے میں حق پرست مفتیوں نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، وہ مظلوم کے جتنے قریب ہیں، سوسائٹی کا کوئی دادرس ادارہ اتنا قریب نہیں —— ایک مظلوم جب دادرسی کے لئے وکیل کے ذریعہ عدالت کا رخ کرتا ہے تو بسا اوقات اس کو اتنا زیر بار ہونا پڑتا ہے کہ اس کی ہمت جواب دے جاتی ہے، فیسوں کا لامتناہی سلسلہ ہے جو ختم ہونے پر نہیں آتا اور مظلوم اقتصادی طور پر پسا چلا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس علماء فقہاء کرام ہیں جو بغیر کسی ادنیٰ معاوضہ کے فتووں کے جوابات میں وہ محنت اٹھاتے ہیں کہ بایدوشاید محض ایک دینی اور مذہبی فرض سمجھ کر، خوش حال معاشرے کی تشکیل کے لیئے اسی للّٰہیت کی ضرورت ہے جو آج کل ناپید ہوتی جارہی ہے۔

دور گزشتہ میں بالخصوص مسلم حکومتوں میں تین چیزیں نہایت ارزاں تھیں، علم، علاج اور انصاف اور دور جدید میں یہی تینوں چیزیں نہایت گراں ہوگئی ہیں اور صحت مند معاشرے کی تشکیل میں یہ تینوں اہم کردار ادا کرتی ہیں، جس معاشرے کے استاد، طبیب اور دادرس طلب زر میں اس حد تک معروف ہوجائیں کہ کام تو کام باتوں کے بھی مول ہونے لگیں تو نہ صحت مند معاشرے کی تشکیل ہوسکتی ہے اور نہ ارتقاء، خود غرضی اور نفسی نفسی کے اس ماحول میں مفتی و فقیہ ہی ایک ایسا فرد نظر آتا ہے جو

---

[۱] روزنامہ جنگ (کراچی)، ۲۲ر نومبر ۱۹۶۸ء (مضمون پیر علی راشدی)، ص-۱۲، ک-۳

بے غرضی کے ساتھ مخلوق خدا کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔

(۴)

مفتی وفقیہہ کی فنی ذمہ داریوں اور آداب کے ساتھ ساتھ کچھ شخصی صفات وخصائص بھی ہوتے ہیں، جن میں سے بعض خصائص کا ذکر کیا نی مرحوم کے متذکرۂ بالا اقتباس میں آگیا ہے اور بعض خصوصیات کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

غیر مذہبی علاالتوں کے ججوں کے برعکس شریعت اسلامی کے عالم ومفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ شارع علیہ السلام سے کمال عشق ومحبت رکھتا ہو۔ دنیا کے کسی جج کے لئے لازم نہیں کہ وہ مقنن پر بھی ایمان رکھتا ہو، اس کو قانون اور اس کے اطلاقات سے سروکار ہے ——— لیکن ایک مسلم قاضی ومفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شارع علیہ السلام سے والہانہ محبت رکھتا ہو اور اپنے اسلاف کی عظمت سے زیادہ شارع کی عظمت ورفعت کا محافظ ونگہباں ہو، یہ چیز عام مسائل کے حل میں بھی موثر اور مثمر ہے لیکن وہ مسائل جن کا تعلق عقائد وایمانیات سے ہے وہ اسی وقت فیصل ہو سکتے ہیں جب شارع علیہ السلام سے محبت وعشق ہو، ورنہ صحیح فیصلے تک پہنچنا مشکل ہے اور ایسے فیصلے جو محض عقل وشعور کی روشنی میں کئے گئے بسا اوقات فتنہ بداماں ثابت ہوئے ہیں ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع ودیں بت کدۂ تصورات

(۵)

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دیانت دار ہو۔ دیانت کا مفہوم ہمارے ہاں صرف روپوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے ورنہ فی الحقیقت یہ لفظ معنی کے اعتبار سے بڑا وسیع ہے، دیانت کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں مثلاً قولی، فعلی، عملی، خیالی، ارادی، اضطراری وغیرہ وغیرہ۔ مفتی کو چاہیئے کہ ہر قسم کی خیانت سے اپنا دامن امانت بچائے رکھے، اس موقعہ پر صاحب فتاویٰ مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے وہ واقعات نقل کرتا چلوں جو اگرچہ بہت معمولی ہیں مگر ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مرحوم کو دیانت کا کتنا قوی احساس تھا۔

ایک مرتبہ راقم دہلی حاضر تھا، کسی صاحب نے راقم کے نام لفافہ ارسال کیا مگر پتے میں صرف حضرت کا اسم گرامی تحریر کیا، چناں چہ یہ لفافہ حضرت نے اپنا سمجھ کر چاک کر دیا، لیکن سرنامہ پر نظر پڑی تو فوراً لفافہ بند کر کے راقم کے پاس بھیجدیا اور ساتھ ہی یہ معذرتانہ الفاظ بھی کہلوائے "چوں کہ میرے نام تھا اس لئے میں نے کھول لیا مگر پڑھا نہیں" ——— حضرت سے راقم کو نسبت فرزندی تھی، اگر پڑھ بھی لیتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن دیانت کا تقاضہ تھا کہ وہ لفافہ بجنسہٖ مجھ تک پہنچایا جاتا چناں چہ پہنچایا گیا۔

راقم اکثر حضرت علیہ الرحمہ کے نام جو مکتوب ارسال کرتا اس میں دہلی کے احباب کو سلام بھی لکھ دیا کرتا اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ "سلاموں کی امانت میرے سپرد نہ کیا کرو، اگر سلام نہ پہنچاؤں تو خیانت صدور میں آئے" ——— ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک دیانت و خیانت اپنے معنی کے اعتبار سے کتنے وسعت رکھتے ہیں۔

(۶)

مفتی کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اس کا دامن صداقت جماعتی رنگ میں رنگا ہوا نہ ہو، بلکہ اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، ومن احسن من اللہ صبغۃ؟ ——— وہ طبقاتی کشمکش سے بالکل علیحدہ ہو اور ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر، نظری اختلافات سے قطعیت پر آمادہ نہ ہو جائے، علامہ ابن حزم نے میانہ روی کے اس طریقہ کی بڑے موثر پیرایہ میں وضاحت کر دی ہے، انہیں خیالات کا صاحب فتاوی سنکری نے بھی فتاوے میں ذکر فرمایا ہے، علامہ ابن حزم فرماتے ہیں :-

"بہتر یہی ہے کہ ان تمام احکامات پر پابند رہا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نہایت واضح زبانِ عربی میں میں تصریح فرما دیا ہے جس میں کوئی شے (از قبیل ہدایت) نہیں چھوڑی۔ ہدایت کی ہر شے کا واضح بیان ہے، اس کے پابند رہو جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً اور سنداً بذریعہ روایت ثقات ائمہ حدیث رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت ہے، بس یہی دو راستے ہیں جو تمہیں تمہارے پروردگار کی رضا تک پہنچائیں گے"[1]

(۷)

یہ میانہ روی اخلاص عمل کا نتیجہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مفتی مخلص ہو، یہی اخلاص مسائل دینیہ کے سمجھنے میں بصیرت و نورانیت عطا کرتا ہے، استاد ابو زہرہ مصری نے حضرت امام ابو حنیفہ رح کے متعلق لکھا ہے :-

امام صاحب طلب حق میں مخلص تھے اور یہی وہ صفت کمال تھی جس نے ان کے قلب و بصیرت کو منور کر رکھا تھا کیوں کہ جس شخص کا دل اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو وہ خواہشات نفسانی اور خود غرضی سے بلند ہو کر فہم مسائل دینیہ کی سعی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں اپنی طرف سے نور معرفت ڈال دیتا ہے جس سے اس کے مدارک فہم روشن ہو جاتے ہیں اور اس کے عقل و فکر میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے اور صحیح طور پر ان سے آگاہ ہو جاتا ہے[2]

---

[1] ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الاندلسی : النصائح المنجیہ من فضائح المخزیہ والقبائح المردیہ۔ (بحوالہ الملل والنحل لابن حزم، مطبوعہ مصر ۱۳۴۷ھ، جلد دوم، ترجمہ اردو مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۴۴ھ ر ۱۹۲۵ء، ص ۱۰۰ تا ۱۱۱

[2] ابو زہرہ : امام ابو حنیفہ، ص ۱۰۰

جب کسی مفتی کے اعمال وافکار کی بنیاد اخلاص پر ہوتی ہے تو اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہو سکتا جو روح اخلاص کے منافی ہو، سب سے کٹھن مرحلہ وہ ہوتا ہے جب مفتی اپنے مخالف کے بارے میں قلم اٹھاتا ہے، اس پہلو سے اگر صاحب فتاوی مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے مخالفین کی ایذا رسانی کے باوجود ان کے خلاف قلم نہیں اٹھایا اور تو اور ان کے حق میں فیصلے کئے ہیں۔ اس سلسلے میں فتاوی مظہری سے چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

(ا) ۱۹۵۹ء میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا، عید کے موقعہ پر دہلی کے بعض علماء نے حضرتؒ کے فیصلے کے خلاف اپنے فیصلہ کا اعلان کیا اور اس سلسلے میں بعض ناعاقبت اندیش حضرات نے حضرتؒ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، جب اس صورت حال کے متعلق ایک سائل نے سوال کیا تو حضرت نے تحریر فرمایا :-

"اس کی اصل وجہ جو میرے نزدیک ہے وہ تو نہیں بتلا سکتا کہ وہ ایک عالم کی بدنامی کا باعث ہوگی"۔ سوال ۴۵ (ب)

(ب) دہلی کے مشہور عالم ومفتی حضرت مولینا محمد کفایت اللہ مرحوم سے حضرت نے بارہا اختلاف کئے ہیں، مگر کبھی تہذیب وشائستگی کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ چنانچہ مذکورہ بالا جواب میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

مدت ہوگئی کہ ان کے ساتھ (مفتی محمد کفایت اللہ) رویت ہلال کے جلسے میں شرکت ہوتی، بعض مسائل میں اختلاف بھی ہوا لیکن نہایت تہذیبانہ انداز میں، آج کی سی صورت کبھی واقع نہ ہوئی۔

(ج) ۱۳۷۵ھ میں محمد یونس خالدی نے بمبئی سے ایک فتوی بھیجا تھا جس میں مولینا محبوب علی صاحب مرحوم (خطیب جامع مسجد بمبئی) کے خلاف ایک استفسار کیا تھا، مولینا محبوب علی مرحوم، بریلوی مسلک کے مشہور متشدد عالم مولینا حشمت علی مرحوم کے بھائی تھے۔ یہ حضرات، حضرتؒ کے متعلق کچھ اچھی رائے نہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی طرف حق دیکھتے ہوئے حضرت نے ان موافق فیصلہ صادر فرمایا اور آخر میں تحریر فرمایا :-

جو کچھ میں نے عرض کیا اس کو اس پر ہرگز محمول نہ کیا جائے کہ مجھے ان علی برادران (مولوی محبوب علی ومولوی حشمت علی) سے کچھ تعلق ہے۔ مولوی محبوب علی صاحب کا تو صرف میں نے نام ہی سنا تھا، ـــــ مولینا حشمت علی صاحب کا اسم گرامی سننے کے ساتھ ایک عرصہ سے ان کے کچھ اوصاف بھی سنتا رہا ہوں کہ اپنے کو بریلوی کہتے ہیں اور مزاج میں نہایت درجہ تشدد ہے جس کی اکثر اہل سنت کو بڑی شکایت ہے ـــــ بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ اسی بنا پر تیرے متعلق بھی اچھا خیال نہیں رکھتے اور وہ مجھے بھی اپنا مخالف سمجھتے ہیں ـــــ جب وہ مجھے مذہبا

اپنا مخالف خیال فرمائیں گے تو لامحالہ ان کے مخالفین میں شمار کیا جاؤں گا اور اس صورت میں اگر مولیٰ تعالیٰ نفس کی شرارت سے محفوظ نہ رکھے تو جذبۂ انتقامی کی خواہش یہ ہوگی کہ میں بھی بجائے اس آگ کے بجھانے کے اور اس کو ہوا دوں، لیکن الحمد للہ علیٰ احسانہ میں نے مخالف کی طرف حق دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت سے دریغ نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے قلب میں میری محبت راسخ ہوگئی، اسی طرح اپنے دوست کی طرف سے باطل دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت نہ کی اگرچہ وہ اس کی وجہ سے دشمن ہوگیا لیکن مجھے نہ اس کی دوستی کی کچھ پرواہ رہی نہ اس کی دشمنی کا کچھ خوف۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

(دار الافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۳۵۵ھ، ۱۹۰۲ء)

(۸)

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے اظہار حق میں کبھی پس و پیش نہ فرمایا۔ اور جس عالم نے اظہار حق میں اپنے و بیگانے کی پرواہ نہ کی اس کی تعریف فرمائی اور مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ وہ اس قسم کے متقی علماء کے مل جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کریں۔ چناں چہ اظہار حق پر استقامت کے سلسلے میں ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

"اللہ کے بندوں نے اگر یہ خیال کیا ہے کہ ایسی حرکات سے مجھے حق کہنے سے روک دیں گے تو یہ خیال ان کا باطل ہے" (فتوی رویت ہلال، مطبوعہ دہلی، ۱۳۷۶ھ)

عید الفطر کے موقعہ پر رویت ہلال کے سلسلے میں ایک سوال آیا جس میں تحریر تھا کہ جامع مسجد متھرا کے امام صاحب نے غیر شرعی شہادتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، عوام الناس اور متولیان مسجد نے اصرار کیا مگر پھر بھی وہ نہ مانے اور فیصلے پر مستقیم رہے۔ اس فتوے کے جواب میں حضرت ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

مسلمانوں کو اپنے مولیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ ان کا ایک متقی اور فاضل امام ہے ورنہ اس زمانے میں تو سیاسی انقلاب نے اپنے لپیٹے میں مذہب کو بھی نہیں چھوڑا، اس کے مسائل میں انقلاب رونما ہونے لگا ـــــــ اور بڑا تعجب اس انقلاب پر ہے کہ پہلے عالم عوام کو حکم دیتے تھے، اب عوام عالم کو حکم دینے کی جرأت کرتے ہیں ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی اسی حق پسندی و حق گوئی کو دیکھتے ہوئے مفتی آستانہ (دہلی) حضرت مولانا زاہد القادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

دنیائے اسلام کے ارباب فضل و کمال اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم کا دامن، تحقیق کے جواہر پاروں سے مالا مال ہے، حضرت کے صحیفہ حیات میں حق شناسی

کا باب نہایت ہی روشن ہے۔

(دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ، مطبوعہ دہلی ۱۳۴۶ھ، ص ۲۵)

(۹)

جب مفتی اپنی حق شناسی اور حق پسندی میں مخلص ہوتا ہے تو اس کے فیصلوں کے بارے میں کسی بھی طرف سے اگر کوئی معقول تنقید ہوتی ہے یا بعد میں وہ خود اپنی غلطی پر آگاہ ہوتا ہے تو وہ خواہ مخواہ اپنے فیصلوں کی صحت پر اصرار نہیں کرتا بلکہ پہلی فرصت میں رجوع کر لیتا ہے، اس سے مفتی کی وسعت قلبی، وسعت ذہنی اور حق پسندی کا پتا چلتا ہے۔

"فتویٰ دینا ہمیشہ آسان نہیں ہوتا، ایسے مشکل اور پیچیدہ سوال بھی بعض وقت پوچھے جاتے ہیں جن سے سر ٹکرا جاتا ہے، فاضل سے فاضل شخص بھی ششں و پنج میں رہتا ہے، پہلے کوئی رائے قائم کرتا ہے پھر رائے بدل بھی دیا کرتا ہے، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری، (رضی اللہ عنہ) کو آداب قضاءت پر جو ہدایت نامہ بھیجا تھا وہ محفوظ ہے اور اس میں انہوں نے یہ صریح حکم دیا ہے کہ کوئی فیصلہ کر لینے کے بعد اگر معلوم ہو کہ اس میں ناانصافی ہوئی ہے تو فیصلہ بدل دو کہ :-

"حق کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے، باطل پر برقرار رہنے سے"

چناں چہ اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

ہر بات سن کر ضبط تحریر میں نہ لے آیا کرو کیوں کہ میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل اس سے رجوع کر لیتا ہوں، کل ایک رائے قائم کرتا ہوں اور پھر اس سے رجوع کر لیتا ہوں[1]

ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا :-

اگر کوئی شخص اس سے بہتر رائے پیش کرتا ہے تو پھر وہ رائے اولیٰ اور اقرب الی الصواب ہے[2]

ایسے حق پسند علماء بھی تھے کہ اگر ان کی عالمہ و فاضلہ بیویاں کسی مسئلے میں ان کی غلطی نکالتیں تو فوراً رجوع کر لیتے۔" چناں چہ حنفی فقہ کے ایک ممتاز ترین فرد کاسانی گزرے ہیں جو صاحب تصنیف بزرگ تھے ان کی کتاب بدائع الصنائع سات جلدوں میں نفیس ترین کتابوں میں سے ہے، ان کی ذہانت دیکھی تو ان کے استاد فقیہہ علاء الدین السمرقندی نے اپنی بیٹی فاطمہ ان کو بیاہ دی، یہ فاطمہ بڑی فقیہہ تھیں، سوانح نگار لکھتے ہیں کہ بارہا اپنے شوہر کاسانی کے فیصلوں کو کاٹ دیتیں تھیں کہ اس میں فلاں غلطی ہے اور حق پسند شوہر اسے تسلیم بھی کر لیتے تھے۔"

---

[1] محمد ابوزہرہ مصری : امام ابوحنیفہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۱ (بحوالہ تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۴۰۲)

[2] ایضاً، تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۳۵۲

(۱۰)

اس پہلو سے جب ہم صاحب فتاوی مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو دیکھتے ہیں تو آپ کے ہاں رجوعیت کا باب درخشاں نظر آتا ہے جس سے آپ کے اخلاص اور صحیح معنوں میں حق پسندی کا اندازہ ہوتا ہے، اس دور میں تو یہ صفت علماء وفقہاء میں عنقا ہو گئی ہے، اہل علم اپنوں کی جائز تنقید سے چراغ پا ہو جاتے ہیں اغیار کا تو ذکر ہی کیا ہے، لیکن صاحب فتاوی مظہری کی زندگی میں ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ آپ نے اپنے اور بیگانے ہر ایک کی تنقید کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

رجوعیت کے سلسلے میں ہم فتاوی مظہری سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(ا) لاؤڈ اسپیکر پر جو امام نماز پڑھاتا ہے اس کی اقتداء حضرت کے نزدیک جائز نہ تھی لیکن جب اس میں کچھ تردد محسوس کیا تو اس کا برملا اظہار فرما دیا۔ چنانچہ سوال ۳۲ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :-

پہلے میرے نزدیک ایسے امام کی اقتداء صحیح نہ تھی لیکن بعض روایتیں ایسی بھی نظر سے گزریں جو صحت اقتداء کی مقتضی ہیں اس لئے مجھے اب اس میں تردد ہو گیا ہے لیکن اب بھی ایسے امام کی اقتداء بہتر نہیں جانتا لقولہ تعالیٰ :-

ولا تقف ما لیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك كان عنه مسئولا ؕ

ولقولہ علیہ السلام :-

دع ما یریبك الی ما لا یریبك ۔ (۱۷ اپریل ۱۹۶۰ء)

(ب) رؤیت ہلال کے بارے میں حضرت مفتی محمد محمود صاحب (مفتی حیدر آباد مغربی پاکستان) نے حضرت کو تحریر فرمایا ہوگا کہ قاضی القضاۃ اپنا فیصلہ تمام صوبوں میں نافذ کر سکتا ہے، اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا :-

جو آپ کا خیال ہے یہی مولانا عبدالحفیظ (مفتی آگرہ۔ بھارت) کا خیال ہے، جس کے جواب میں رسالہ آ گیا ہے، کیا کہیں آپ کی نظر سے گزرا کہ قاضی القضاۃ اگر اپنا فیصلہ تمام صوبوں میں نافذ کرے تو شرعاً نافذ ہو جائے گا ؟ بہت اچھا ہوتا اگر آپ اپنے خدشہ (پر) کچھ دلائل قائم کر کے بھیجتے تو یا تو ان کے جوابات رسالے (انتقاد المحال فی رویت الہلال) میں دیئے جاتے یا میں رجوع کر لیتا۔ (مکتوب مرسلہ ۲ نومبر ۱۹۵۱ء)

(ج) دہلی میں جمعیۃ العلماء ہند نے مولانا حفظ الرحمن مرحوم کی سرکردگی میں یہ فیصلہ کرنا چاہا کہ ریڈیو کے ذریعہ تمام ہندوستان میں بیک وقت عید کرائی جائے، اس سلسلے میں علماء کا اجلاس طلب کیا گیا،

اور حضرت کو بھی دعوت دی، حضرت نے جواباً جو کچھ تحریر فرمایا اس کا ذکر حضرت مفتی محمد محمود صاحب کے نام اپنے محولہ بالا مکتوب میں اس طرح فرمایا :-

> علماء کے جلسے میں مجھے طلب کیا گیا تھا، لیکن میں نے جواب لکھدیا کہ اس طرح یہ مسئلہ طے نہ ہوگا، آپ دلائل لکھیں اگر وہ آپ کی منشاء ثابت کریں گے تو رجوع کر لوں گا ورنہ جواب دے دیا جائے گا۔

(۵) طلب اصلاح کے لئے حضرت ہمیشہ تیار رہتے تھے، چناں چہ رویت ہلال کے متعلق ایک رسالے کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں :-

> چوں کہ عید الضحیٰ قریب تھی جس میں اختلاف کا اندیشہ تھا اس لئے بعجلت یہ جواب تحریر میں آیا ہے، حضرات اہل علم سے التماس ہے کہ اگر وہ کسی مقام پر سقم پائیں تو بعد اصلاح فقیر کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔[1]

(۱۱)

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صداقت شعار ہو، لفظ صداقت اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے بہت وسیع ہے، اس سے مراد اشیاء، جذبات، تصرفات، تمنیات، خیالات، حقوق، واقعات، حادثات اور کیفیات کا بقدر طاقت بشری کے صحیح صحیح معلوم کرنا ہے، صداقت اس وقت تک متحقق نہیں ہو سکتی جب تک اس میں یہ عناصر خمسہ پائے جائیں، صحت جذبۂ صداقت، صحت تحقق، صحت طرز بیان، صحت قوت قابلہ، اور صحت اصول تنقید- ان تمام عناصر میں صحت طرز بیان خاص اہمیت رکھتی ہے، جیسا کہ ایک قانون اخلاق کا عالم لکھتا ہے :-

> صداقت کے اظہار اور تبلیغ ایسے طور پر اور ایسے رنگ میں ہونی چاہیئے کہ اس میں کراہت اور درشتی کا پہلو بہت کم ہو اور سننے والوں پر اس کا اثر ایسے طور سے ہو کہ وہ اس میں ایک حلاوت اور سچی اصلاح کا احساس کریں۔[2]

(۱۲)

بعض وقت صداقت کے بیان میں یا صداقت کے استدلالی رنگ میں فرق آنے کی وجہ سے خود صداقت میں فرق آجاتا ہے، اور بعض وقت صداقت کے بیان کرنے میں ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اس سے صداقت کا اظہار توفی الواقعہ ہو جاتا ہے لیکن جس طرز سے وہ بیان ہوتا ہے اس

---

[1] مفتی محمد مظہر اللہ : انتقاد المحال فی رویت الہلال، مطبوعہ دہلی ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء، ص - ۲۷

[2] سلطان احمد : اساس الاخلاق، مطبوعہ امرتسر، ص - ۴۴۶

میں ایک ایسی کراہیت مستتر ہوتی ہے کہ سننے والے لوگ ایک گھبراہٹ میں پڑجاتے ہیں اور بجائے ایک مفید اثر کے عموماً برا اثر پڑتا ہے گو ایسے بیان سے نفس صداقت میں فرق نہیں آتا مگر ایک ایسے پیرایہ میں اس کا بیان کیا جاتا ہے کہ اس بیان صداقت سے ایک ور برائی یا کراہیت پیدا ہوجاتی ہے اس سلسلے میں تقویۃ الایمان کو مثالاً پیش کیا جاسکتا ہے، جس کے درشت لہجے نے ملت اسلامیہ پر کوئی اچھا اثر مرتب نہیں کیا۔

توحید سے بڑھ کر اور کونسی صداقت ہوگی مگر دعوت توحید کے لئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا:۔

ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ۔

اس نرم خوئی اور میانہ روی کا تعلق فطرت بشریہ سے ہے اسی لئے فرمایا:۔

ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولك۔

گویا اظہار صداقت اگر ترش روئی اور تنگی دل سے کیا جاتا تو صداقت، ایک عظیم صداقت، بے اثر ہوکر رہ جاتی، اور جو جاں نثار جمع ہوگئے تھے، جمع نہ ہوتے۔

جیسے جیسے اظہار صداقت کے پیرایے بدلتے جاتے ہیں، صداقت کے موثرات میں بھی تبدیلی آتی جاتی ہے، توحید ایک ایسی صداقت ہے جو عہد ابراہیمی سے برابر پیش کی جاتی رہی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف انبیاء کے تعلیمات کے اثرات ایک دوسرے سے مختلف رہے ہیں اس اختلاف میں جہاں اقوام کے قابلیت و صلاحیت کو دخل ہے وہاں اظہار صداقت کے پیرایوں کو بھی دخل ہے۔

شے کا حسن اسی وقت آشکار ہوتا ہے جب اس کو سلیقے سے پیش کیا جاتا ہے، نظام کائنات پر نظر تعمق ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے، حق جل مجدہٗ نے جس کمالِ سلیقہ سے ہر چیز رکھی ہے، اس نے ذرے ذرے میں قیامت کی کشش پیدا کردی ہے۔

قرآن کریم نے جہاں یہ فرمایا ہے خلق الانسان علمہ البیان تو اس سے حسن اظہار ہی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر ہم جب بیان کی مختلف منزلوں پر نظر ڈالتے ہیں تو کشش بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ بشرطیکہ کہنے والا یا لکھنے والا حسن اظہار کے گر سے واقف ہو۔

قرآن حکیم میں حق جل مجدہٗ نے عرب کے شعراء اور ادباء سے خطاب کرکے جو یہ فرمایا ہے کہ اگر تم سے ممکن ہو تو قرآن کریم جیسی ایک ہی آیت یا ایک ہی سورت بنا کر لاؤ تو یہاں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اظہار صداقت کا جو اسلوب ہم نے اختیار کیا ہے کائنات ارضی کا کوئی فرد یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس حسن اظہار تک رسائی حاصل کرسکے، اس کی نظیر پیش کرنا تو بڑی بات ہے خود قرآن عظیم کا جب ترجمہ کیا جاتا ہے تو پیرایہ بیان کے بدل جانے سے تاثیر میں کتنا بڑا فرق آجاتا ہے حالاں کہ صداقت وہی ہے۔

(۱۳)

اظہار صداقت کا سب سے کٹھن مرحلہ وہ ہوتا ہے جب کسی مختلف فیہ مسئلے کے بارے میں کسی مخالف کے خلاف قلم اٹھایا جائے حسن اظہار کے اصل جوہر یہیں کھلتے ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ سنجیدہ سے سنجیدہ اور فاضل سے فاضل انسان بھی ایسے مواقع پر اپنے جذبات قابو میں نہیں رکھتا اور اس کی تحریر میں صحت طرز بیان مفقود نظر آتی ہے، مثلاً اس قسم کی چند تحریروں سے یہ اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

(ا) مولینا احتشام الحق اور مولینا محمد شفیع صاحب کا فتوی در بارۂ شربت حسنین نظر سے گزرا جس میں انہوں نے اپنے خبث باطنی، بدمذہبی اور سوئے اعتقاد حضرات حسنین سے بنائی وہ اظہر من الشمس ہے ——— یہ لوگ حقیقت میں معتزلی خارجی ہیں ۔

(ب) شرح عقائد وغیرہ کتب معتبرہ اہل سنت و الجماعت وشروح احادیث عقائد متون میں ایصال ثواب کے احکام صریحہ موجود ہیں لیکن یہ دشمن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دشمن صحابہ، اہل بیت اور اولیاء کرام سے بغض و کینہ رکھنے والی جماعت ہمیشہ ان مستحسن طریقوں کو روکنے کی سعی کرتی رہتی ہے مسلمانوں کو ان مذاہب کے بھیڑیوں اور ملت کے ڈاکوؤں سے پرہیز لازم اور اتباع اہل سنت والجماعت ضروری ہے ۔

(ج) محمد شفیع واحتشام الحق تھانوی کا جواب تجاہل عارفانہ، جہل مرکب اور انتہائی بغض وعناد کے مترادف ہے، درحقیقت فرقۂ وہابیہ دیوبندیہ، کافرانہ ذہنیت وملحدانہ خیالات کے پیش نظر ہر جائز کار خیر کو حرام و بدعت ٹھہرانے کا عادی ہے، مسلمانوں کو ان کی مکاری اور سیاہ کاری سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیئے ۔

غرض اس قسم کا طرز بیان فتاوے کے لئے ہرگز مناسب نہیں، بالفرض مجیب اول کے استدلالات صحیح نہیں تو مجیب ثانی اپنے قوی استدلالات سے ان کو رد کر سکتا ہے لیکن فقیہانہ بردباری اور تحمل کے ساتھ جس سے اظہار صداقت کی زیبائی و رعنائی کو صدمہ نہ پہنچے ۔

(۱۴)

اگر اس پہلو سے صاحب فتاوی مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے فتاوے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے ایسے نازک موقعوں پر حسن اظہار کا اہتمام رکھا۔ ہم فتاوی مظہری سے یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں ۔

(ا) متشدد اہل حدیث اور غیر مقلدین، مقلدین کو مشرک سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں جب ایک سوال کیا گیا تو حضرت نے بڑے حزم واحتیاط کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا اسی جواب میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

علاوہ ازیں ان کا (غیر مقلدین) ائمۂ شریعت اور علماء ملت کے ساتھ طعن و توہین کے ساتھ پیش آنا اور تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک ٹھہرانا یہ وہ امر عظیم ہے جس نے ان کے فسق میں اصلاً کلام نہ چھوڑا۔ کسی مقلد کو اپنے گروہ میں داخل کرنے کی فرمائش کی جاتی ہے تو ان کلمات سے "مسلمان ہو جاؤ"۔ اب فرمائیے کہ مقلدین کو مشرک کافر کہنا پھر ایک کو نہ دو کو بلکہ گیارہ سو برس کے عامۂ مومنین کو جس میں کروڑوں محبوبانِ الٰہی داخل ہیں، یہ کیا کوئی معمولی بات ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

ایما امرئ قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما (متفق علیہ)

یعنی جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے گا تو ان دونوں میں سے ایک پر بلا ضرور پڑے گی۔ یعنی اگر جس کو کافر کہا گیا ہے وہ حقیقت میں کافر ہو گیا ہے تب تو وہ کافر ہے ہی ورنہ کہنے والا کافر ہو گا ——— لیکن حاشا ثم حاشا ہم کبھی ان پر ایسا حکم نہ لگادیں گے جب تک کہ قابلِ احتمال ضعیف سے ضعیف تاویل کی بھی گنجائش نظر آتی رہے گی کہ ہمیں امام عالی مقام کا ارشاد لانکفر احدا من اھل القبلۃ یاد ہے۔ یعنی ہم اہلِ قبلہ میں سے (جو ضروریاتِ دین کے منکر نہیں ہیں) کسی کو کافر نہیں کہتے[۱]۔

(ب) پاکستان میں ایک صاحب محمود عباسی نے خلافتِ معاویہ و یزید کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کے متعلق جب حضرت سے استفسار کیا گیا تو چونکہ مصنف نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے ناشائستہ الفاظ استعمال کئے تھے اس لئے فطرتاً تعلق و محبت کی بناء پر جواب میں قدرے درشتی و جذباتیت پیدا ہو گئی تھی لیکن حضرت نے اس کا پورا پورا احساس فرمایا اور آخر میں یہ معذرتانہ الفاظ تحریر فرمائے :-

میری اس تحریر میں میری عادت کے خلاف بعض نامناسب الفاظ ضرور آئے ہوں گے لیکن ناظرین مجھے معذور رکھیں کہ کیسا ہی کوئی بردبار کیوں نہ ہو لیکن جب اس کے جان نواز محبوب کو کوئی چھیڑتا ہے تو وہ بھی چیخ اٹھتا ہے۔ (۱۶ر دسمبر ۱۹۵۹ء)

(ج) معقول جواب پر اگر کوئی اعتراض وارد کرے تو اس کے جواب میں معقولیت و بردباری کو ہاتھ سے جانے نہ دینا اور حسنِ اظہار کو قائم رکھنا کمالِ فقاہت ہے، چنانچہ ایک مرتبہ صاحب فتاویٰ مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے ایک جواب پر حضرت مولانا ولایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری، دہلی) نے اعتراض وارد کیا، حضرت نے بڑے تحمل اور فقیہانہ بردباری کے ساتھ جواباً تحریر فرمایا :-

اس مسئلے میں اگرچہ تردد مجھ کو بھی تھا لیکن یہ مسجد کے وقف کا معاملہ ہے اس کو حتی الامکان آبگیاں

---

[۱] مفتی محمد مظہر اللہ :- القول الشافی علی امامۃ الفاسق، مطبوعہ دہلی، ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء، ص ۔ ۷

کرنے سے بچانا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، جب اس وقف کے باطل ہونے کا حکم کیا جائے گا تو پھر اس کی کیا حیثیت قرار دی جا سکتی ہے، کیا پھر اس کو اسی کسبی کو واپس کر دیا جائے یا حکومت کے حوالے کیا جائے؟ اور جب اس کی کسبی حرام ہے تو اسے کسی مسلمان کو کیسے کھلایا جا سکتا ہے، امید ہے کہ مجیب ایسی سخت گیری نہ فرمائیں گے۔ (سوال ۲۷۷)

(۵) دہلی کے ممتاز عالم اور صوفی حضرت زید ابوالحسن (سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ) نے داڑھی کے متعلق عربی زبان میں ایک رسالہ تالیف فرمایا تھا جو ملاحظہ کے لئے حضرت کو بھی پیش کیا، اس میں ثابت کیا گیا تھا کہ داڑھی کا بقدر قبضہ ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ مطلق داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ ہے حضرت کی نظر میں مؤلف ممدوح کے استدلالات صحیح نہ تھے چنانچہ آپ نے بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اس کا رد فرمایا۔ یہ بھی عرض کردوں کہ حضرت مؤلف، حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے خاص محبین میں ہیں، آپ جامعہ ازہر (مصر) کے فارغ ہیں۔ حضرت کے جواب سے بعض اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:-

(۱) فقیر نے جناب کا رسالہ دیکھا، ماشاء اللہ بہت ہی بہتر ہے، جس قدر جناب نے اس میں کوشش فرمائی بلاشبہ قابل تحسین ہے لیکن افسوس بہت سے مقامات پر فقیر کو شبہات واقع ہو گئے۔

(۲) جناب کو جو اس باب میں شبہ ہوا ہے وہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتح القدیر کی عبارت سے ہوا ہے، اسی نے فقہائے کرام کے تخطیہ پہ جرأت دلائی جس کی جناب سے ہرگز توقع نہ تھی یہ صرف جامعہ ازہر کی کرامت کا ظہور ہے، یا جامعہ ازہر کے نجوم فیضان کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے ورنہ میرا ظن غالب یہی ہے کہ جناب کی ذات ستودہ صفات ایسے مکروہ فعل سے بالکل بری ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کے ایسے مکائد سے جناب کو بری ہی رکھے، غرض اب جو کچھ عرض کروں گا اس میں میرے مخاطب وہی لوگ ہوں گے، آپ کے رسالے پر رد لکھنا مدنظر نہیں۔

اس کے بعد حضرت علیہ الرحمہ نے مصریوں کو خطاب کر کے اس رسالے پر عالمانہ تنقید فرمائی ہے مگر اس میں بھی حزم و احتیاط کا دامن نہیں چھوٹا اور آخر میں تحریر فرمایا:-

اس مسئلے میں مجھے کہنا تو بہت کچھ تھا لیکن صرف انہی چند کلمات پر اکتفا کرتا ہوں، اس لئے کہ مجھے اس ہی تحریر پر بہت کچھ شرمندگی ہے کہ آپ حضرات (اہل مصر) کی شان میں بعض نازیبا الفاظ صادر ہو گئے، لیکن امید ہے کہ مجھے معذور فرماتے ہوئے معاف فرمائیں گے۔

(۱۵)

حق پسندی و حق گوئی اور صداقت شعاری کے ساتھ ساتھ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ باغیرت اور باوقار

ہو، صاحب فتاویٰ مظہری حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں علم و فضل کے ساتھ ساتھ عزیمت و حمیت انتہا درجہ پر تھی، یہ جوہر علماء کرام میں نابود ہوتا جا رہا ہے، آج بعض علماء وزراء و نوابین کے دربار میں حاضری اور ان سے ملاقات اپنی سعادت و خوش بختی سمجھتے ہیں مگر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کا یہ حال تھا کہ جب نواب حیدر آباد دکن نے دہلی کے زمانہ قیام میں رویت ہلال کے مسئلے پر گفتگو کے لئے حضرت کو حیدر آباد ہاؤس میں یاد فرمایا تو آپ نے بڑی بے باکی سے فرمایا۔

"ضرورت ان کو ہے، انہیں کو آنا چاہیئے"

اس واقعہ کو ارتضیٰ حسین معروف بہ ملّا واحدی نے رسالہ ہمدرد (مارچ ۱۹۶۲ء) اور علامہ اخلاق حسین دہلوی نے رسالہ عقیدت (جولائی واگست ۱۹۶۲ء) میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حضرت کے حلم و تدبر کا ذکر کرتے ہوئے ملّا واحدی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ جس زمانے میں حضرت دہلی سنّی مجلس اوقاف کے ممبر تھے اور شہید ملّت لیاقت علی خاں صدر تھے۔ تو جب کبھی مجلس کی میٹنگ ہوتی تو حضرت عالمانہ وقار کے ساتھ خاموش بیٹھے رہتے، دیگر ممبران کی طرح غیر ضروری گفتگو نہ فرماتے اور جب کبھی کسی شرعی مسئلے میں رجوع کی ضرورت ہوتی تو ممبران آپ سے رجوع کرتے اور آپ نہایت متانت و سنجیدگی کے ساتھ جوابات مرحمت فرماتے۔

(۱۶)

مندرجہ بالا تمام فنی و شخصی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک متدین و متقی مفتی کے لئے ضروری ہے کہ جو کچھ اپنی قلم سے لکھے جب خود ان حالات سے دوچار ہو تو اس پر سختی سے عمل پیرا ہو، اور اس کا ہر ہر عمل اس کے قول پر گواہ ہو، درحقیقت یہی دلیل فضیلت ہے۔ عملیت کے اس پہلو سے جب ہم حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ آپ کے اقوال کی جیتی جاگتی تصویر معلوم ہوتی ہے، اس سلسلے میں یہ واقعہ ناقابل فراموش ہے۔

فوٹو کی حرمت کے بارے میں حضرت کا فیصلہ اٹل تھا، حضرت کے ایک نوجوان اور عالم صاحب زادے پاکستان آکر سخت علیل ہوئے اور بالآخر رحلت فرما گئے، مگر حضرت پاسپورٹ میں فوٹو کی اس قید کی وجہ سے تشریف نہیں لائے۔ اس کے بعد آپ کی جواں سالہ نواسی کا اچانک انتقال ہو گیا مگر اس موقعہ پر بھی اسی قید کی وجہ سے تشریف نہیں لائے، چنانچہ سوال ۲۱۲ میں فوٹو کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:-

فقیر اس فوٹو کی قید کی وجہ سے چودہ سال تک پاکستان نہ گیا حالاں کہ وہاں بچوں کی شادیاں ہوئیں، ایک احقر زادہ حمید عالم کا وہاں انتقال ہوا، وہ آخر وقت لوگوں سے کہتا رہا کہ کسی طرح مجھے اس کی شکل دکھلا دو اور لوگ مجھے لکھتے رہے لیکن میں نہ جا سکا، حکومت میں بلا پاسپورٹ کے درخواست کی گئی لیکن نامنظور ہوئی۔ ایک نواسی اور بعض مخلصین کا انتقال ہوا لیکن اسی قید کی وجہ سے نہ جا سکا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

احقر محمد مسعود احمد
کوئٹہ (مغربی پاکستان)

۱۴ صفر ۱۳۸۹ھ
یکم مئی ۱۹۶۹ء

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) نحل : ۴۳

فتاویٰ مظہریّہ

جلد اوّل

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

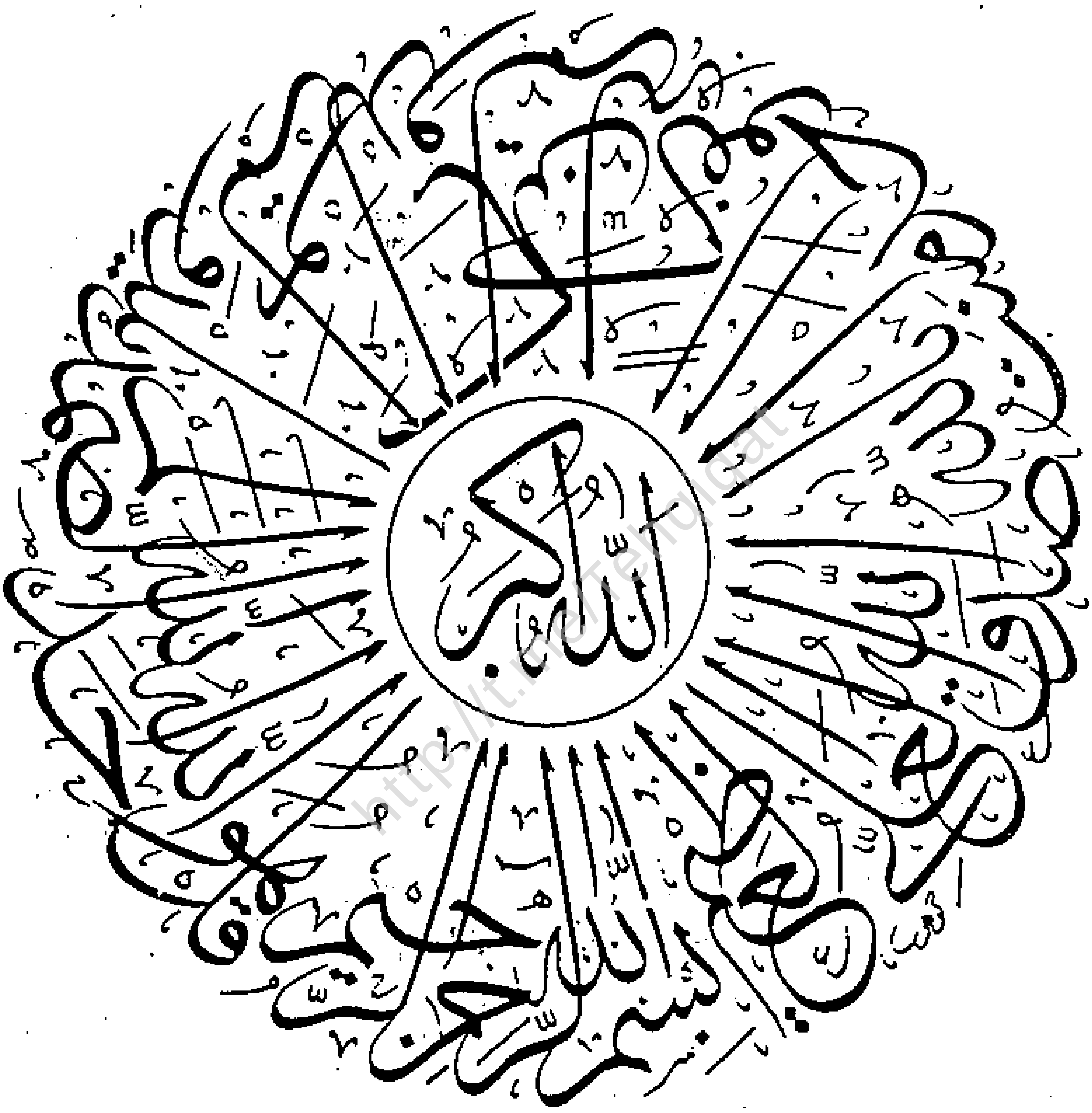
ادارہ مسعودیہ ۲/۶، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء



پہلا باب

۱

عبادات


الله اكبر
بسم الله الرحمن الرحيم

سمت قبلہ[له]

نمبر ۱

طول بلد کراچی	۰ — ۶۷ جہ	و عرضہ ۵۴ — ۲۴	
طول بلد	۰ — ۶۷		
طول حرم	۱۰ — ۴۰		
فضل طول	۵۰ — ۲۶	جیب التمام	۹٫۹۵۰۵۲۲
عرض حرم	۲۵ — ۲۱	+ ظل التمام	۱۰٫۴۰۶۴۵۸
قوس ظلہ	۱۶ — ۶۶	حاصل جمع	۱۰٫۳۵۶۹۸۰
تمام قوس	۴۴ — ۲۳	جیب التمام	۹٫۹۶۱۶۲۴
عرض بلد	۰ ۵۴ — ۲۴	+ ظل فضل طول	۹٫۷۰۴۰۳۶
تفاضل	۱۰ — ۱	محفوظ	۹٫۶۶۵۶۶۰
		− جیب −	۸٫۳۰۸۷۹۴
قوس ظلہ	۲۹ — ۸۷	تفاضل	۱٫۳۵۶۸۶۶
تمام قوس	۳۱ — ۲	پس قدر انحراف جنوبی دو درجہ اکتیس دقیقہ ہوا کہ عرض موقعہ سے عرض بلد زائد ہے۔	

مکرمی زید مجدہم

وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ۔ نامہ گرامی نہایت ہی مسرت کا باعث ہوا —————— ان فتاوے میں صرف حاجی محمد ظہور صاحب کا فتویٰ صحیح ہے میرے عمل میں اور ان کے عمل میں صرف پانچ دقیقوں کا فرق اس لئے ہے کہ میرے نزدیک انڈیکیں جو شائع ہوئی ہیں وہ معتبر نہیں اور انہوں نے کراچی کا عرض طول اسی سے لیا ہے لیکن یہ فرق کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں پس میرا اور ان کا قدر انحراف جنوبی تقریبًا ڈھائی درجہ پر اتفاق ہے باقی دونوں صاحبوں کے فتوے صحیح نہیں، پرانے ہیئت دانوں نے جو طریقہ لکھا ہے اس طریق پر انہوں نے نکالا ہے اور سرسری نظر میں وہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا اور تجربہ نے بتلایا کہ اس سے سمت قبلہ صحیح نہیں نکلتا۔ شاہی مسجد کو اگر ملاحظہ کریں گے تو میرا قول بخوبی ثابت ہوجائیگا۔

له سمت قبلہ کے لئے قدر انحراف کے سلسلے میں ایک فتویٰ علمائے دیوبند کے سامنے پیش کیا گیا تھا جس کا جواب مولوی بشیر احمد (مدرس مدرسہ دیوبند) نے لکھا تھا اور اس پر مولوی سید مہدی حسن (مفتی دارالعلوم دیوبند) مولوی محمد جمیل الرحمٰن (نائب مفتی) مولوی مسعود احمد وغیرہ کی تصدیقات تھیں۔ یہ جواب ۷ جنوری ۱۹۵۹ء کو لکھا گیا، جب حضرتؒ کے سامنے پیش کیا تو حضرت نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ جواب مرحمت فرمایا۔

آپ کو یہ فتاوے مولینا محمد ظفر الدین صاحب بہاری دامت برکاتہم کی خدمت میں ارسال کرنے چاہیئے تھے وہ دیوبندی فتوے کو ملاحظہ کرکے بڑے خوش ہوتے اور تعجب تھا کہ ان کی صنعت وثنا ایں کوئی رسالہ بھی تحریر فرمادیتے کہ میری نظر میں آج ہند میں اس فن میں ان کا ثانی کوئی نہیں ۔ قطب نما سے سمت قبلہ متعین کرنے کے لئے اوّل زمین پر ایک دائرہ بنائیں پھر اس کے مرکز سے صحیح قطب نما کے ذریعہ جنوبًا شمالًا اور شرقًا غربًا محیط تک خط کھینچ دیں اب جنوب مغرب کے قوس کو ۹ حصوں پر تقسیم کردیں پھر خط استواء کے قریب جو حصہ ہے اس کے دس حصے کرلیں ان میں ہر حصہ ایک درجہ ہوگا ۔ ان حصوں میں خط مغرب کے قریب کے ڈھائی درجوں پر ایک نشان کر دیجئے ۔ اب مرکز سے اس نقطہ کو قطع کرتا ہوا دوسرا خط کھینچیے جو دائرے سے باہر نکل جائے ۔ یہ خط صحیح قبلہ نما ہوگا ۔ پھر اس خط پر یمینًا شمالًا ایک ایسا خط کھینچیے جس سے صحیح دو زاویہ قائمے پیدا ہو جائیں پس اس خط پر جدار قبلہ کی بنیاد رکھی جائیگی ۔ عریضہ ہٰذا کی پشت پر اس کی مثال دی ہے ۔ نامۂ گرامی پرسوں شام کو پہنچا کل اتوار تھا اس لئے آج ارسال ہے فقط والسلام

(۲۱) محمد مظہر اللہ عفی عنہ

(۷ ہر جولائی ۱۹۵۹ء)

اوقات

(سوال نمبر ۲) آجکل عشاء کی اذان گھنٹوں کے حساب سے کس وقت دینی چاہیئے اور نماز کس وقت پڑھنی چاہیئے ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ غروب آفتاب سے ایک گھنٹے یا سوا گھنٹے کے بعد عشاء کا وقت ہوجاتا ہے ۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ نماز عشاء کا مستحب وقت کونسا ہے ۔ بینوا وتوجروا

الجواب هو الموفق للصواب

بصورت مسئولہ واضح رہے کہ اس امر میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اذان وقت میں دینا سنت ہے اگر غیر وقت دی جائے گی تو اس کا اعادہ ضروری ہے بلکہ چونکہ یہ نماز کی سنت ہے تو اس کا دینا بھی ایسے ہی وقت میں چاہیئے جس میں کہ نماز کا ادا کرنا مستحب ہے کما فی العالمگیریہ :-

تقديم الاذان على الوقت فى غير الصبح لا يجوز اتفاقا وفى در المختار وهو سنة فى وقتها ولو قضاء لانه سنة للصلوٰة حتى يبرديه لا للوقت فيعاد اذان وقع بعضه قبله (انتهى ملخصًا) ۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ وقت عشاء مذہب حنفیہ میں کس وقت ہوتا ہے سو اگرچہ امام اور صاحبین کے درمیان اس میں

اختلاف ہے لیکن محققین کے نزدیک مذہب ارجح امام ہی کا ہے چنانچہ اصحاب متون اس ہی طرف گئے ہیں۔

کما فی الکنز والمغرب منہ الی غروب الشفق وھو البیاض وفی القدوری واول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخر وقتھا ما لم تغب الشفق وھو البیاض الذی فی الافق بعد الحمرۃ۔

اور فتاوی قاضی خاں میں ہے:-

واول وقت العشاء حین یغیب الشفق لا خلاف فیہ انما اختلفوا فی الشفق قال ابو یوسف ومحمد والشافعی رحمھم اللہ تعالیٰ ھی الحمرۃ و قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ھو البیاض الذی یلی الحمرۃ حتی لو صلی العشاء بعد ما غابۃ الحمرۃ ولم یغب البیاض المعترض الذی یکون بعد الحمرۃ لا تجوز عندہٗ۔

اور اس ہی مذہب پر ایک زمانے سے تعامل چلا آرہا ہے بلکہ میرے خیال میں تو اس زمانہ میں بھی کوئی غیر محتاط عالم ہی مذہب صاحبین پر فتوے دیں ورنہ یہ امر مشکل ہے کیوں کہ اول تو یہ متون و شرح اور امام کے ظاہر مذہب کے مخالف ہے پس اس صورت میں مذہب صاحبین پر کیسے فتوی دیا جا سکتا ہے دوسرے علامہ ابراہیم حلبی کبیری شرح منیۃ المصلی میں اور محقق کمال الدین ابن الہمام رح فتح القدیر میں اور حزم علی صاحب نے غایۃ الاوطار میں ان مذاہب کی تحقیق کے بعد فرمایا ہے کہ ارجح امام ہی کا مذہب ہے اس کے خلاف پر فتوے دینا جائز نہیں پس میں نہیں سمجھ سکتا کہ علامہ کمال الدین ابن الہمام رح جیسے محقق کی تحقیق کے آگے کس کی قلم میں طاقت ہے کہ جنبش کرے گی —— اب یہ امر دیکھنا اور رہ گیا ہے کہ گھنٹوں کے حساب سے وقت عشاء کس وقت ہوتا ہے؟ سو بعض حضرات کا یہ فرما دینا کہ ہمیشہ غروب کے ایک گھنٹے یا سوا گھنٹے کے بعد وقت عشاء ہو جاتا ہے یہ تو قابل تسلیم نہیں۔ یہ امر اس صورت میں تو ممکن تھا کہ جب کہ طلوع و غروب کا درمیانی زمانہ ہمیشہ یکساں رہتا اور جب یہ نہیں ہے تو غروب آفتاب اور غروب شفق کا درمیانی زمانہ کیوں کر یکساں رہے گا پس وقت کے معلوم کرنے کے لئے یا تو مشاہدہ ہے ہر شخص جس کو ان میں نظر ہے ملاحظہ کر سکتا ہے ورنہ سب سے بہتر وقت معلوم کرنے کے لئے وہ نقشہ ہے جو خیر اللہ شاہ مہندس نے مرتب کیا ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی پسند فرمایا ہے اور اسی بنا پر نواب قطب الدین خاں صاحب نے مظاہر حق میں درج فرمایا ہے چنانچہ آج تک اس کو علماء پسند فرماتے اور عمل کرتے چلے آرہے ہیں اور اس ہی نقشے کی بنا پر مرزا سہارن پوری نے ایک جنتری مرتب کی ہے جو ہمیشہ کے لئے اوقات نماز معلوم کرنے کے لئے کافی ہے —— مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور اور جامع مسجد سہارن پور میں اس ہی پر عمل ہو رہا ہے احقر کے پاس بھی یہ جنتری موجود ہے جو صاحب چاہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں پس اس جنتری کی رو سے آجکل کہ ۲۱ یا ۲۲ شعبان ۱۳۳۵ھ ہوگی وقت عشاء ۹ بجے اور نماز سوا نو بجے ہونی چاہیئے۔ اس ہی پر احقر بھی کاربند ہے —— افسوس ان اشخاص پر آتا ہے کہ نماز عشاء وقت مستحب میں تو کیا

پڑھیں گے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ ہم اختلاف سے نکل کر اوّل ہی وقت میں پڑھیں پھر یہ نہیں ہے کہ انتظار صلوات میں وقت بیکار جا رہا ہو جس کا ان کو اتنا خیال ہے، نہیں نہیں اس میں بھی بموجب فرمان حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) لن تزالوا فی الصلوٰۃ ما انتظر تم الصلوٰۃ نمازہی کا ثواب مل رہا ہے مگر حصول ثواب کا شوق ہو تو اس پر عمل کریں وہاں تو مریہ سے بار ٹالنا ہے اور پھر وقت بھی ان کی مرضی کے خلاف زیادہ نہیں جا رہا صرف پندرہ منٹ جس کے لئے معرض خطر میں پڑنا منظور لیکن بات اور وضع میں فرق نہ آسکے اور امام کو غلام سمجھ کر اس پر حکومت کی جائے اور اس کی مخالفت میں شرع کو بھی بالائے طاق رکھ دیا جائے — افسوس صد افسوس! مسلم کی ایک روایت عبداللہ بن عمر سے ہے کہ :-

قال مکثنا ذات لیلۃ ننتظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العشاء الاخرۃ فخرج الینا حین ذھب ثلث اللیل او بعدہ فلا ندری اشیء شغلہ فی اھلہ او غیر ذالک فقال حین خرج انکم لتنتظرون صلوٰۃ ما ینتظر یا اھل دین غیرکم ولولا ان یثقل علی امتی لصلیت بھم ھذہ الساعۃ ثم امر المؤذن فاقام الصلوٰۃ وصلی -

اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ ان حضرات کا نماز عشاء کے موخر کرنے سے دم چرانا کوئی بعید نہیں - یہ تو مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے فدائیوں کو پہلے ہی فرما دیا کہ یہ عمل تو تم ہی جیسے دینداروں سے ہو گا اور نیز معلوم ہو گیا کہ ثلث لیل گزرنے پر نماز عشاء کا وقت مستحب ہے - نیز ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ہے :-

ولولا ضعف الضعیف وسقم السقیم لاخرت ھذہ الصلوٰۃ الی شطر اللیل -

یعنی اگر ضعیف کا ضعف اور بیمار کی بیماری نہ ہوتی تو اس نماز میں آدھی رات تک تاخیر کرتا -

بہرحال ان احادیث پر عمل کرنے والے گزر گئے لیکن اس زمانے میں بھی اس وقت مذکورہ سے پیشتر تو ہرگز نہ ہونا چاہیئے - البتہ اگر اپنی ہمم قاصرہ کی طرف نظر کرتے ہوئے رمضان شریف میں کہ اس میں معقول عذر ہے اذان صاحبین کے مذہب پر یعنی پونے نو بجے دلوا دی جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے اگرچہ ہے یہ بھی خلاف احتیاط مگر نماز بہرحال مذہب امام پر ہونی چاہیئے — فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری - دہلی

(نوٹ) — یہ فتویٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ایام جوانی کا ہے ۱۳۳۹ھ / ۱۹۱۶ء میں تحریر فرمایا جب کہ عمر شریف ۳۴ سال تھی۔

(سوال نمبر ۳) (۱) طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا کیسا ہے اگر مکروہ ہے تو طلوع آفتاب سے کس قدر پہلے رکنا چاہیئے اور طلوع آفتاب کے بعد کتنی دیر انتظار کرنا چاہیئے -

(۲) عصر و عشاء کے اوقات عند الاحناف کب شروع ہوتے ہیں ؟

الجواب

(۱) طلوع آفتاب سے قبل نماز مکروہ نہیں البتہ نفل مکروہ ہیں اور اگر فرض صبح پڑھ لئے گئے ہیں تو اس کے بعد سے طلوع آفتاب تک سنت صبح بھی مکروہ ہے اور آفتاب کا کنارہ چمکتے ہی ہر نماز ناجائز ہے تاوقتیکہ آفتاب پر نظر ٹھیر سکے اور اس کا اندازہ بیس منٹ کیا گیا ہے پس آفتاب کو نکلے ہوئے جب بیس منٹ گزر لیں جب نماز پڑھیں۔

(۲) عصر و عشاء کے اوقات میں مجتہدین کا اختلاف ہے لہٰذا احتیاط لازم ہے پس جب کسی شئے کا سایہ سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل ہوجائے اس سے پہلے پہلے ظہر ادا کرلی جائے اور جب دو مثل ہوجائے تب عصر پڑھی جائے۔ اسی طرح جب مغرب کی جانب آسمان کے کناروں پر سرخی غائب ہوجائے اس سے پہلے پہلے مغرب ادا کرلی جائے اور جب سپیدی بھی غائب ہوجائے اس وقت نماز عشاء پڑھی جائے۔ گھنٹوں کے اعتبار سے عصر و عشاء کا وقت معلوم کرنا ہو تو ہمارا نقشۂ اوقات نماز ملاحظہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام
جامع مسجد فتحپوری۔ دہلی

(سوال نمبر۴) (۱) ضحوی کبریٰ یا نصف النہار شرعی کس کو کہتے ہیں؟
(۲) اس وقت نماز نہ پڑھنے کی شرعاً کوئی دلیل ہے یا نہیں؟

مستفتی
قاری شریف احمد (دہلی)

الجواب

صبح صادق سے تا غروب آفتاب نہار شرعی ہے اور اس وقت ہر نماز مکروہ ہے لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الصلوٰۃ نصف النھار حتی تزول الشمس۔ ۲ و ۱۲۱ ابوداؤد۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام
مسجد جامع فتحپوری۔ دہلی
(۲۷ر دسمبر ۱۹۵۹ء)

اذان

(سوال نمبر۵) (۱) جمعہ کی خطبہ کی اذان کا صحیح وقت کیا ہے؟

(٢) اگر امام تقریر کر رہا ہے اور کسی نے یہ سمجھ کر کہ وقت ہوگیا ہے مؤذن کو اشارہ کر دیا اور اذان دے دی گئی لیکن امام برابر تقریر کرتا رہا۔ بعد میں جب وہ خطبے کے لئے ممبر پر بیٹھا تو دوبارہ اذان دلوائی گئی۔ اس میں شرعاً تو کوئی قباحت نہیں؟

(٣) گھڑیوں اور گھنٹوں میں دو چار منٹ کے فرق عموماً رہتے ہیں۔ اتفاقاً اگر جمعہ میں یہ صورت پیش آجائے اور خطبہ کی اذان کے مقررہ وقت سے چار یا پانچ منٹ زائد ہو جائیں تو انتظامی ذمہ داری کا خیال کرتے ہوئے متولیوں کو بحالت تقریر بلا امام کو اطلاع دیئے ہوئے اذان دلوانا درست ہے؟ بینوا و توجروا۔

(٢٨ ستمبر ١٩٦٣ء)

الجواب

(١) جب امام ممبر پر پہنچے۔

(٢) نہیں کوئی قباحت نہیں۔

(٣) متولی کو ایسا نہ چاہیئے تھا۔ امام سے پہلے تقریر موقوف کرانی چاہیئے تھی اور امام کو خود ہی ختم کر دینی چاہیئے تھی کہ اذان کے وقت تقریر جائز نہیں، گھنٹوں کا ایسا پابند نہ ہونا چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(امام) محمد مظہر اللہ غفرلہ

(نمبر ٦)

الجواب[1]

فتویٰ بر رسالہ جس کی سرخی "جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق شرعی فتویٰ" ہے دیکھا گیا، نفس مسئلہ کے متعلق جو اس میں تحریر ہے اس میں تو مجیب اور اس کے مصححین مجبور ہیں اس لئے کہ عبارت فقہا کا مطلب جو ان کے خیال میں آیا وہ تو اس ہی کے موافق تحریر فرمائیں گے لیکن اس پر یہ جرأت نہایت درجہ نامعقول ہے کہ جو احناف مسجد میں اذان دینے کو منع کرتے ہیں ان پر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کا الزام لگایا گیا اور اس کا دعویٰ کیا گیا کہ:۔

> تقریباً تیرہ سو برس گزر چکے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ نے اذان خطبہ کے لئے "عند المنبر" فرمایا تھا جس کی پابندی تمام دنیا میں اب تک ہو رہی ہے۔

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی میں حضرت امام اعظمؒ نے برخلاف عمل صحابہ اپنا یہ حکم جاری فرما دیا تھا۔ اس کے متعلق میں کیا عرض کروں، کسی مسلم جاہل سے پوچھ دیکھئے۔ اور مولوی محمد داؤد قاسمی نے تو غضب ہی کر دیا کہ

---

[1] مسودے کے رجسٹر میں اس جواب کا سوال تحریر نہیں تھا اس لئے نہیں لکھا گیا لیکن نفس مضمون سے سوال کی نوعیت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے بلکہ پہلی ہی سطر سے علم ہو جاتا ہے۔

مانعین احناف پر یہ اتہام لگایا کہ یہ لوگ معاذ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدعتی سمجھتے ہیں کہ جمعہ کی اذانِ اوّل انہی کی ایجاد کردہ ہے پس اس کے جواز کو تسلیم نہیں کرتے ۔ لیکن یہ نہ بتلایا کہ وہ کونسا حنفی ہے ؟ ۔ اس کے علاوہ اس کا نہایت واضح طور پر دعویٰ کیا ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کو مسجد میں امام کے قریب دینے پر صحابہ کا اور تمام علماء احناف کا عمل رہا ہے جو محض باطل ہے ۔ غرض اس فتوے کے یہ اجزاء تو نہایت درجہ قابلِ افسوس ہیں جن کا منشاء مسلمانوں کو فقط دھوکا دینا ہے اور کچھ نہیں پس اس کے متعلق تو کچھ تحریر کرنا میرے مسلک کے خلاف ہے جس کا کوئی معتد بہ فائدہ بھی نہیں علاوہ ازیں اس کے جواب کے لئے میرا پہلا فتویٰ بھی کافی ہے ــــــ اب رہا نفسِ مسئلہ جس کے متعلق پہلے فتوے میں لکھ چکا ہوں کہ ان حضرات کو بعض عبارات فقہاء سے اشتباہ واقع ہوگیا ہے ورنہ حقیقت میں ان عبارات کا منشاء بھی یہی ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی بھی مسجد کے ایسے مقام پر دی جائے جس پر خارجِ مسجد کا اطلاق آتا ہو پس حسن کی اس روایت کا (جس کو انہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے) بھی یہی مطلب ہے ۔

اس روایت میں لفظ "عند المنبر" سے اشتباہ ہوگیا ہے لیکن حقیقت میں یہ لفظ "عند" جس طرح قربِ مکانی کے لئے آتا ہے اسی طرح قربِ زمانی کے لئے یعنی بمعنی "اذا" اور بمعنی قربِ وقت بھی آتا ہے ۔ چنانچہ منجد میں ہے :۔

عند اسم لمکان الحضور ولزمان الحضور

نحو سافر عند مغیب الشمس ۔ انتہی

وہکذا فی القاموس :۔

ای اذا کان الشمس یغیب او وقت غروب

الشمس ۔

تو "عند المنبر" کے معنی "عند قعود الامام علی المنبر" ہوئے ولہٰذا مفسرین اس اذانِ ثانی کو انہی الفاظ سے بیان فرماتے ہیں چنانچہ سراج المنیر میں ہے :۔

والمراد بہذا النداء الاذان عند قعود الامام علی المنبر للخطبۃ لانہ لم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء سواہ ۔ انتہی ما فیہ

اور تفسیر کبیر میں ہے :۔

وقولہ تعالیٰ اذا نودی یعنی النداء اذا جلس الامام علی المنبر یوم الجمعۃ وھو قول مقاتل ۔ انتہی

اور خازن اور معالم التنزیل میں ہے :۔

والمراد بہذا النداء الاذان عند قعود الامام علی المنبر للخطبۃ ۔ انتہی

اور روح المعانی میں ہے :۔

والمعتبر فی تعلق الامر الاتی هو الاذان الاول فی الاصح عندنا لان حصول الاعلام به لا الاذان بین یدی المنبر وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم موذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ انتهی

اس عبارت میں علامہ نے جہاں اس اذان کو "بین یدی المنبر" کہا وہاں یہ بھی بتلا دیا کہ یہ وہ اذان ہوتی ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پر دی جاتی ہے، پس فقہا نے اسی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے تخفیفاً "عند المنبر" اور "علی المنبر" سے اس اذان کو متصف کیا لہٰذا یہ دونوں کلمے "عند قعود الامام علی المنبر" کے قائم مقام ٹھہرے اور اس لحاظ سے کہ حدیث میں "بین یدی رسول اللہ" آیا بعض نے اس حدیث کو "بین یدی الامام" اور "بین یدی المنبر" کہا اور چوں کہ حدیث سے "بین یدی الامام" کے معنی ظاہر تھے کہ یہ وہ اذان ہے جو دروازہ مسجد پر دی جاتی ہے اور عام طور پر مسلمان جانتے تھے کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت جو اذان دی جاتی ہے اسے "بین یدی المنبر" کہا جاتا ہے اس لئے فقہا کو کسی مزید قید کے بڑھانے کی ضرورت نہ ہوئی ہاں اس وقت جب کہ حدیث کے ایک حصے "علی الباب" سے قطع نظر کرلی گئی ہو اور "بین یدی" کا اطلاق اسی شخص پر کیا جانے لگا ہو جو گود میں یا گھٹنے سے گھٹنا لگائے بیٹھا ہو تو ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے اس طرح کے الفاظ نہ کہنے چاہئیں لیکن ان فقہائے کرام کو کیا معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے ورنہ وہ ضرور اس اذان کو ایسی صفت سے متصف کرتے جس میں کسی اشتباہ کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔ علامہ زمن حضرت ملا جیون رحمہم اللہ کے زمانے میں غالباً ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے اسی لئے انہوں نے اس اذان کے لئے ایسے کلمات کے استعمال کرنے سے احتراز فرمایا جو اذہان عامہ کے لئے موجب اشتباہ تھے چنانچہ فرماتے ہیں:-

(اذا نودی) انما هو النداء الاول الذی ثبت باجماع العلماء لا النداء الثانی الذی یتصل بقراءۃ الخطبة۔ انتهی

یاد رکھئے کہ "بین یدی" کے معنی تو صرف آگے کے ہیں۔ یہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے وہ خواہ سامنے ہو یا نہ ہو اور خواہ زمانہ حال میں موجود ہو یا نہ ہو بلکہ آئندہ آنے والا ہو اور اگر سامنے ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بخط مستقیم سامنے اور پاس کے نزدیک ہو جیسا کہ مولوی محمد داؤد صاحب کا بیان ہے۔ اگر ان کا بیان تسلیم کیا جاتا ہے تو ان آیات بینات کے معنی کیا ہوں گے؟

هو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته

اور

ان هو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید

اور یہ

یایها الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسوله

کہ ان میں تو قرب تو قرب جس شئے کے سامنے کا ذکر ہے اس کا فی الحال وجود ہی نہیں پایا جاتا اور "یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم" میں گو وجود پایا جاتا ہے لیکن اس میں اس وجود کی تخصیص نہیں جو مزعوم مصحح ہے۔ چنانچہ تفسیر سراج المنیر میں ہے :-

یعلم ما بین ایدیھم ای الخلق من امر الدنیا وما خلفھم ای من امر الآخرۃ قالہ مجاھد -

اسی لئے مولانا عبدالحی مرحوم عمدۃ الرعایہ میں مسئلہ مانحن فیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجہ والمسنون ھو الثانی -

یعنی یہاں "بین یدی" سے مراد موذن کا امام سے آگے ہونا ہے مسجد کے اندر امام کے آگے ہوگا تب بھی یہ معنی صادق آئیں گے اور خارج مسجد ہوگا جب بھی لیکن مسنون تو یہی ہے کہ مؤذن خارج مسجد امام کے آگے ہو۔ یہی مفاد امام المنبر کا ہے، غرض اذان ثانی کو ممبر کے سامنے اور اس کے نزدیک مسنون بتلانے کے لئے "بین یدی" سے استدلال کرنا اور یہ کہنا کہ "بین یدی" وغیرہ الفاظ اس معنی میں واضح اور غیر مشکوک الفاظ ہیں محض باطل ہے - ہاں اتنا کہہ سکتے تھے کہ ایسے الفاظ ایسے موذن کے لئے بھی کہے جاسکتے ہیں جو مسجد کے اندر امام کے سامنے اور اس کے قریب ہو اس لئے کیوں ایسے معنی نہ لئے جائیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنی اس لئے نہیں لئے جاسکتے کہ فقہا مسجد میں اذان کو منع فرماتے ہیں، چنانچہ عالمگیری میں ہے :-

وینبغی ان یوذن علی المأذنۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خان والسنۃ ان یوذن فی موضع عالی لیکون اسمع لجیرانہ - انتھی

نیز اس لئے کہ حدیث میں (جس کو میں اپنے پہلے فتوی میں لکھ چکا ہوں) صاف تصریح ہے کہ مسجد کے دروازے پر اس کا مقام ہے - یہاں مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے جس کا امام صاحب مرحوم جامع مسجد دہلی نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا، وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ولایت سے بہت بڑا انجینیر آیا اور اس نے جامع مسجد کے گوشہ گوشہ کو دیکھ کر متعجبانہ لہجے میں مجھ سے کہا :-

"ہم یہی خیال کرتے تھے کہ فن انجینیری کی تکمیل ابھی زمانے میں ہوئی ہے لیکن عمارت کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ شاہ جہاں کے زمانے میں بھی ایسے انجینیر موجود تھے جن پر ہم کو کوئی فوقیت نہیں ہوسکتی، میں نے اس عمارت میں کسی مقام پر بھی حرف زدن کی گنجائش نہ دیکھی لیکن اس مکبر نے اس عمارت کی خوبصورتی کو دھبہ لگا رکھا ہے، یہ یقیناً کسی بعد کے زمانے کا بنا ہے"

امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا پھر مؤذن اذان جمعہ کو کہاں دے؟ - کہنے لگا :-

"شاہجہان بیوقوف نہ تھا دیکھو شرقی دروازے پر جو (بالکنی) بنی ہوئی ہے یہی مؤذن کا مقام ہے"

فرماتے ہیں کہ "مجھے سخت حیرت ہوئی لیکن جب تجربہ کیا اور اس مقام پر اذان کہلوائی تو میرے پاس ایسا معلوم ہوا کہ ممبر پر اذان ہو رہی ہے"

میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ شاہجہان کے وقت تک اذان ثانی بطریقہ مسنون ہوتی تھی۔ پس یہ کہنا کہ صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک یہ اذان منبر کے سامنے اور اس کے نزدیک ہوتی چلی آئی ہے، غلط ہے بعض علماء نے اس کو "عند المنبر" ضرور کہا لیکن عند کا اطلاق بھی صرف اسی پر نہیں آتا جو سامنے اور نزدیک ہو اس لئے کہ یہ کسی قرب خاص کا مقتضی نہیں نہ اس کی کوئی خاص حد معین۔ شارع نے جس مقام پر جو حد معین فرمائی وہی معین ہوتی ہے یا بالقرینہ مقام جس پر یہ آیات بینات شاہد ہیں :-

ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام

اور

فاذکروا اللہ عند المسجد الحرام

اور

وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ

دیکھئے ان آیات مبارکہ میں اس قرب کا شائبہ بھی نہیں جو مزعوم مجیب ہے اور مسئلہ ما نحن فیہا میں بہ حدیث سائب بن یزید یہ قرب متعین ہے اور وہ وہ قرب ہے جو منبر سے دروازۂ مسجد کو ہوتا ہے اور فقہا کا قول "علی المنبر" تو صاف اس کا پتہ دے رہا ہے کہ یہ "عند قعود الامام علی المنبر" کا مخفف ہے ورنہ ظاہر ہے کہ "علی" استعلاء کے لئے آتا ہے حقیقی ہو یا حکمی چنانچہ رضی میں ہے :-

وعلی للاستعلاء اما حقیقۃ او مجازا وبمعنی مع نحو فلان علی جلالتہ یقول
کذا - انتھی

اور یہاں کوئی معنی بھی صحیح نہیں ہوتے ہاں اگر یوں کہا جائے کہ دروازۂ مسجد پر چوں کہ مؤذن یہ اذان دیتا ہے اور وہ ممبر سے اونچا ہوتا ہے اس لئے اس کو مجازاً علی المنبر کہا جا سکتا ہے تو یہ قول فی الجملہ کوئی گنجائش تو رکھتا ہے لیکن یہ مخالف کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔

الحاصل میرے نزدیک علی المنبر، عند المنبر، امام المنبر، بین یدی المنبر ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے ممبر کے سامنے اور اس کے نزدیک اذان کی مسنونیت پر استدلال کیا جا سکے جب کہ حدیث میں صراحۃً دروازۂ مسجد پر اذان کو "بین یدی الامام" بتلایا۔

جب یہ ذہن نشین ہو چکا کہ "عند المنبر" اذان وہ ہے جو دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے تو اب مجیب کی اس روایت

پر غور فرمائیں جو انہوں نے کفایہ سے نقل کی ہے اور اس کے ایک حصّے کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ :-

اذانِ ثانی جو منبر کے پاس دی جاتی ہے اگر اس کا انتظار کیا جائے تو سنت فوت ہو جائے گی۔ انتہی

مجیب نے اس روایت میں لفظ "عند المنبر" پر تو توجہ فرمائی ہو مایہ النزاع تھا لیکن لفظ "منتظر" پر کچھ بھی خیال نہ فرمایا جو اس نزاع کا رفع کرنے والا تھا اور لفظ "عند المنبر" سے قبل اور اس کے متصل ہی واقع ہوا تھا، ظاہر ہے کہ انسان انتظار اس شئے کا کیا کرتا ہے جس کا علم یا وجدان اس کے لئے ممکن ہوتا ہے، پس کوئی سوداگر اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ایسی اذان کا تو انتظار کر سکتا ہے جو دروازۂ مسجد پر دی جاتی ہو جس کو وہ سُن بھی سکتا ہے اور موذن کو دروازۂ مسجد پر کھڑا ہوا دیکھ بھی سکتا ہے، ایسی اذان کو کیسے سنے گا جو منبر کے متصل دی جاتی ہو جس کو حاضرینِ مسجد میں سے ہی بعض نہیں سن سکتے چہ جائے کہ بیرونِ مسجد کا ایک بیع و شرا میں مشغول سوداگر! پس اس کے لئے انتظار کیسے معقول کہا جا سکتا ہے؟ غرض مجیب اگر اس شئے پر غور کرتے تو ہرگز اس روایت کو ہاتھ نہ لگاتے کہ یہ روایت تو ان کے مخالف کے لئے دلیل ہے جو یوں کہتا ہے کہ "عند المنبر" وہ اذان ہے جو علی الباب ہوتی ہے اور مجیب کا یہ قول تو صحیح ہے کہ :-

ان دونوں اذانوں کے مقاصد علیحدہ علیحدہ ہیں لہٰذا ان کی جگہ بھی علیحدہ علیحدہ ہے ۔

بیشک اذان کی جگہ مینارہ ہے اور اذانِ ثانی کی جگہ دروازۂ مسجد اور دونوں کی جگہ اگر ایک ہی ہو تو موذنین کی تفریق سے اس کی تفریق ہو سکتی ہے۔ لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں کہ "اذانِ ثانی کا مقصد صرف حاضرینِ مسجد کو آگاہ کرنا ہے"۔ اس لئے اذانِ ثانی بھی حاضرین و غائبین دونوں ہی کو اطلاع کے لئے دی جاتی ہے چنانچہ عمدۃ الرعایہ میں ہے :-

وهذا الاذان لاطلاع الحاضرين واحضار الغائبين عن المسجد۔ انتهى

اسی لئے فقہاء نے جہاں جمعہ کی اذانِ اوّل کو متعدد مقامات پر متعدد موذنین کے لئے اذان دینے کی اجازت دی ہے یونہی اذانِ ثانی کے لئے متعدد اذانوں کی اجازت دی ہے تاکہ جامع مسجد کے اطراف میں سے ہر طرف بخوبی اذانوں کی آواز پہنچ سکے چنانچہ ہدایہ میں ہے :-

واذا صعد الامام المنبر وجلس اذن المؤذنون بين يدى المنبر بذلك جرى التوارث۔ انتهى

وقال فى العناية :-

ذكر المؤذنين بلفظ الجمع اخراجا للكلام مخرج العادة فان المتوارث فى اذان الجمعة اجتماع المؤذنين لتبليغ اصواتهم الى اطراف المصر الجامع۔ انتهى

تحریر المختار علی الدر المختار میں ہے :-

وقدمنا فى باب الاذان الكلام على اثبات ۔ ۔ ۔ اجتماعهم فى الاذان

بین یدی الخطیب مفصلۃ بادلۃ شافیۃ ۔ انتھی

ان عبارات سے جہاں یہ ثابت ہے کہ اذان ثانی سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ غائبین کو بھی اطلاع ہو جائے وہاں یہ بھی ثابت ہے کہ "بین یدی المنبر" سے "علی الباب" مراد ہے کہ غائبین عن المسجد کو اذان کی آواز کا پہنچنا اسی صورت میں منحصر ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ موذن کا بخط مستقیم امام کی ناک کی سیدھ میں ہونا ضروری نہیں کہ مقامات موذنین کے متعدد ہونے کے باوجود یہ شئے کیسے تصور ہو سکتی ہے اور یہاں سے جو یمیناً و شمالاً خط مستقیم دیوار مسجد تک فرض کیا جائے ان خطوں کے درمیان جہاں بھی موذن کھڑا ہوگا بین یدی الامام کہہ لایا جائے گا چنانچہ بعض تفاسیر میں اس کی تصریح نظر سے گزری جو اس وقت مستحضر نہیں ہے اس کے علاوہ فقہا کا مطلقاً مسجد میں اذان کو منع کرنا اور اس کو کسی اونچے مقام پر دینے کا حکم کرنا یہ بھی اسی معنی کے مقتضی ہے کہ اذان کا مقصد حاضرین و غائبین عن المسجد کو اطلاع کرنا ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے ۔

وینبغی ان یوذن علی المأذنۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خان والسنۃ ان یوذن فی موضع عال لیکون اسمع لجیرانہ کذا فی البحر۔ انتھی

یونہی تمام کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ اذان اونچے مقام پر دی جائے تاکہ مسجد جامع کے آس پاس کے لوگ اس کو بخوبی سن سکیں لیکن اس کے برخلاف اب یہ دیکھا جانے لگا ہے کہ امام سے دو تین ہاتھ آگے کہلواتے ہیں، اور وہ بھی پست آواز سے جو یقیناً احکام فقہ کے خلاف ہے اس لئے جو لوگ اس کو منع کرتے ہیں وہ حق پر ہیں اور جو لوگ فرش مسجد کو خارج مسجد کہتے ہیں اور اس میں اذان دینے کو خارج مسجد اذان دینا بتلاتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں ہاں بنائے مسجد خارج مسجد کے حکم میں ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الامام
محمد مظہر اللہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۷) (۱) بعض مساجد میں آجکل (ماہ رمضان المبارک میں) وقت سحر ختم ہونے کے ایک ہی منٹ بعد اذان ہو جاتی ہے اور صرف دس منٹ بعد نماز ہو جاتی ہے کیا اس طرح وقت سحر اور اذان فجر میں کچھ وقفہ نہ رکھ کر نماز ادا کرنا درست ہے ۔

(۲) طلوع آفتاب سے قبل نماز فجر ادا کرنے کے بعد بعض لوگ سو جاتے ہیں ان کا یہ فعل درست ہے یا نہیں۔

الجواب

وقت صبح صادق ہونے کے بعد خواہ کسی وقت اذان دی جانے درست ہے اور اس کے دس منٹ بعد نماز پڑھنے میں بھی مضائقہ نہیں اور رمضان المبارک میں نماز فجر کے بعد اس سے بہتر ہے کہ قبل نماز سوئیں اور نماز ہی قضا کر دیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۸) بعض لوگ دورانِ خطبہ سنتیں پڑھتے ہیں اور جس وقت خطبہ کی اذان ختم ہوتی ہے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں آیا یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

مستفتی
فضل احمد۔ (دہلی)

الجواب

ایسے وقت نہ سنت پڑھنا جائز ہے نہ زبان سے دعا مانگ سکتے ہیں خواہ ہاتھ اٹھا کر یا بلا ہاتھ اٹھائے ہر طرح مکروہ ہے۔

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

اقامت

(سوال نمبر ۹) ایک جامع مسجد میں یہ طریقہ رائج ہے کہ نماز کے وقت جب اقامت کہی جاتی ہے تو امام اور مقتدی بیٹھے رہتے ہیں اور جب موذن "قد قامت الصلوٰۃ" کہتا ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں اور فوراً صف بندی ہو جاتی ہے۔ کیا اس صورت میں یہ طریقہ درست ہے۔ مدلل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

مستفتی
ظفر احمد۔ کراچی

الجواب

مستحب تو یہی ہے کہ اگر امام مصلے پر موجود ہو تو جب اقامت کہنے والا "حی علی الفلاح" کہے اس وقت امام اور مقتدی اٹھیں۔ "قد قامت الصلوٰۃ" سے قبل امام تکبیر کہہ دے اور امام باہر سے آتا ہے تو جس صف سے گزرے اس کو کھڑا ہو جانا چاہیئے اور صفوں کے سامنے سے آتا ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب کو کھڑا ہو جانا چاہیئے لیکن صفوف کا سیدھا کرنا سنت موکدہ ہے۔ سرکار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے چنانچہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :-

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسوی صفوفنا حتی کانما یسوی به القداح حتی رای انا قد عقلنا عنه ثم خرج یوما فقام حتی کاد

ان یکبر فرای رجلا بادیا صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم۔ رواہ مسلم

یعنی حضور ہماری صفیں تیر کی طرح سیدھی فرماتے تھے یہاں تک کہ خیال فرمایا کہ ہم سمجھ گئے پھر ایک روز تشریف لائے یہاں تک کہ قریب تھا کہ تکبیر کہیں کہ ایک شخص کا صف سے سینہ باہر نکلا ہوا ملاحظہ کیا تو فرمایا کہ اللہ کے بندو ل صفیں برابر کرو ورنہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ اختلاف ڈال دے گا۔

"یخالفن اللہ" —— محشی لکھتے ہیں :۔

ای یحولھا علی ادبارکم ویمسخھا علی صورۃ بعض الحیوانات کالحمار مثلا والمراد بالوجوہ الذوات او وجوہ قلوبکم ای ---------- وفیہ غایۃ التھدید والتوبیخ ای واللہ لابد من احدھما الامرین لتسوینکم صفوفکم او ان اللہ تعالیٰ یخالف بین وجوھکم۔

اس کے علاوہ احادیث اس باب میں وارد ہیں جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں جو کم از کم اس کے سنت موکدہ ہونے پر دلیل ہیں۔ برخلاف اس کے "حی علی الفلاح" کے اوپر کھڑے ہونے کے متعلق کوئی ایک حدیث بھی میری نظر سے نہیں گزری بلکہ بعض احادیث اس کے مخالف بادیۃ النظر میں معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً "جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو حضور ہماری صفوف برابر کرتے ہیں جب برابر ہو جاتی تھیں تب تکبیر فرماتے تھے" —— اور روایت ہے کہ "حضور صف کے کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتے اور ہمارے مونڈھے یا سینہ پر دست مبارک پھیرتے"۔

الحاصل ہمارے تینوں ائمہ نے "حی علی الفلاح" کے نزدیک کھڑے ہونے کو چوں کہ مستحب کہا ہے اس لئے اگر صفوف سیدھی ہو جاتی ہیں تو اسی وقت کھڑا ہونا چاہیئے اور سیدھی نہ ہوتی ہوں تو اوّل ہی سے کھڑا ہونا چاہیئے کہ صفوں کے سیدھے نہ ہونے میں کراہت ہے اور "حی علی الفلاح" پر نہ کھڑے ہونے میں کراہت نہیں ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ امام باہر سے آئے کہ اس مستحب کے ترک کا بھی مرتکب نہ ہو لیکن جہاں یہ صورت ہو کہ فوراً ہی (صفیں) سیدھی کر لیتے ہیں اور بیچ میں مزوجہ بھی باقی نہیں رہتا وہاں یہی صورت متعین ہونی چاہیئے کہ "حی علی الفلاح" پر امام اور مقتدی کھڑے ہوں۔

میں مسجد میں حاضر نہیں ہو رہا اپنے ضعف کی وجہ سے اور کتابیں مسجد میں ہیں اس لئے اس سے زیادہ تحقیق نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

امامت

(سوال نمبر ۱) (۱) فاسق کے پیچھے نماز باجماعت فرض یا تراویح مقتدی کو پڑھنا درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو کس درجہ میں۔ (۲) امام غیر مقلد اور شخصی تقلید سے منکر، اس کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں اگر ہوگی تو کس درجہ میں۔ (۳) داڑھی منڈوانے والا اور کترانے والا یعنی قبضہ سے کم کرنا دونوں فسق میں برابر ہیں یا نہیں جواب قرآن پاک اور حدیث نبوی سے تحریر فرمائیے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب وھو الموفق للصواب

(۱) فاسق مجاہر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے خواہ فرض ہوں یا تراویح۔ ایسے شخص کو ہرگز امام نہ بنایا جاوے کہ امامت میں اس کی عظمت ہے حالاں کہ وہ شرعاً مستحق اہانت ہے اگر سہواً یا غلطی سے کوئی شخص فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لے تو اس پر واجب ہے کہ اُس نماز کا اعادہ کرے۔ اگرچہ نماز کا وقت جاتا رہے لقولہ تعالیٰ لا تقعد بعد الذکرىٰ مع القوم الظالمین یعنی یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو ولقولہ علیہ السلام لا یؤمن فاجر مؤمنا (اخرجہ ابن ماجہ) یعنی فاسق ہرگز نہ امامت کرے کسی مومن کی اور شامی حاشیہ درمختار میں ہے اما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یھتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً یعنی فاسق کے آگے کرنے میں جو کراہت ہے اُس کی فقہاء نے ایک تو یہ علت بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے دینی امور میں کوشش نہیں کرتا (لاپرواہی کرتا ہے) دوسری یہ علت بیان فرمائی کہ امامت کے لئے اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالاں کہ مسلمانوں پر شرعاً اس کی اہانت واجب ہے۔ علامہ محقق حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمۃ۔ انتھی یعنی اگر مسلمان کسی فاسق کو امامت کے لئے آگے کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اس لئے کہ اس کا مقدم کرنا مکروہ تحریمی ہے، درمختار میں ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ انتھی یعنی جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹانا واجب ہے بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے تو یہاں تک ہے کہ ان کے پیچھے اصلاً نماز ہی نہیں ہوتی۔ غنیہ میں ہے لم تجز الصلوٰۃ خلفہ اصلاً عند مالک ورو ایۃ عن احمد۔ انتھی پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ہرگز وہ کسی فاسق معلن کو اپنا امام نہ بنائیں، اور جہاں ایسا امام ہو اور اُس کے علیحدہ کرنے پر قادر نہ ہوں وہاں نماز نہ پڑھیں۔ فقط

(۲) غیر مقلدین کے پیچھے بھی نماز مکروہ تحریمی ہے کہ یہ مبتدعہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جو اہل سنۃ الجماعۃ

سے خارج ہے اور ہر مبتدعہ فرقہ کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ اُس کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں ورنہ اصلاً جائز نہیں ان حضرات کا اہل سنت سے خارج ہونا تو ظاہر ہے کہ جمہور اہل اسلام یعنی اہل سنت و الجماعت ایک زمانہ سے ائمہ اربعہ کی تقلید پر جمع ہیں اور یہ ان سے بیزار اور یہی ایک بڑی علامت ہے فرقہ مبتدعہ کی پہچان کی جس سے بدعتی فرقوں کی جانچ میں کسی طرح کا اشکال واقع نہیں ہو سکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ان کی اسی طرح نشان دہی اپنے ان ارشادات میں فرما دی کہ میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ پس بڑے گروہ کی پیروی کرنا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے، جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا۔ علیحدہ گیا دوزخ میں۔ چناں چہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور نے اتبعوا السواد الاعظم فمن شذ شذ فی النار (رواہ ابن ماجہ) اور انہیں سے دوسری روایت ہے کہ فرمایا حضور نے ان اللہ لایجمع امتی اوقال امۃ محمد علی ضلالۃ ویداللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار۔ رواہ الترمذی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ھذہ الامۃ ستفترق علی ثلث وسبعین فرقۃ ثنتان وسبعون فی النار وواحد فی الجنۃ وھی الجماعۃ (اخرجہ ابوداؤد واحمد کذا فی التیسیر والمشکوۃ) بیشک یہ اُمت عنقریب تہتر فرقے ہو جاوے گی بہتر فرقے ان میں سے دوزخ میں جائیں گے، اور ایک جنت میں اور وہ فرقہ (جنت میں جانے والا ہے جس پر) جماعت ہے۔

بلکہ اگر اللہ تعالیٰ فہم سلیم عنایت فرمائے تو خود قرآن نے بھی یہی فیصلہ فرمایا قال اللہ تعالیٰ جل اسمہ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔ یعنی جو شخص مسلمانوں کے برخلاف طریقہ پر چلے گا تو ہم بھی اُس کو اسی راستہ پر چلائیں گے جس پر وہ چلنا چاہتا ہے اور (آخر) اُس کو آگ میں ڈالیں گے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ اس آیت شریفہ کے تحت میں صاحب تفسیر مدارک فرماتے ہیں۔

ھو دلیل علی ان الاجماع حجۃ لا تجوز مخالفتھا کما لا تجوز مخالفۃ الکتاب والسنۃ۔ یعنی یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ کسی بات پر مسلمانوں کا، اجماع حجت ہے جس طرح کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی مخالفت جائز نہیں اسی طرح اس کی مخالفت بھی جائز نہیں۔

اس مطلب کو علامہ سید احمد مصری طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حاشیہ درمختار میں یوں ناقل ہیں :۔

من شذ عن جمھور اھل الفقہ والعلم والسواد الاعظم فقد شذ فیما یدخلہ فی النار فعلیکم معاشر المؤمنین باتباع الفرقۃ الناجیۃ المسماۃ باھل السنۃ والجماعۃ فان نصرۃ اللہ تعالیٰ وحفظہ وتوفیقہ فی موافقتھم وخذلانہ وسخطہ فی مخالفتھم وھذہ الطائفۃ الناجیۃ قد اجتمعت الیوم فی مذاھب الاربعۃ وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمھم اللہ

تعالیٰ ومن کان خارجا من ھٰذہ الاربعۃ فی ھٰذہ الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار۔
یعنی جو شخص جمہور اہل علم و فقہ و سواد اعظم سے جدا ہو جائے وہ ایسی چیز کے ساتھ تنہا ہوا جو اُسے تنہا دوزخ میں لے جاوے گی تو اے گروہِ مسلمین تم پر فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اور اس کا حافظ و کارساز رہنا اہل سنت کی موافقت میں ہے، اور اس کا چھوڑ دینا اور غضب فرمانا سنیوں کی مخالفت میں ہے، اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذہب میں جمع ہے جو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں، اس زمانے میں ان چار سے خارج ہونے والا بدعتی جہنمی ہے۔ انتہیٰ
بالجملہ ان کا مبتدع ہونا اظہر من الشمس ہے، اور اہل بدعت کی نسبت تمام کتب فقہ میں صریح تصریحیں موجود ہیں کہ ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، رد المحتار میں ہے المبتدع تکرہ امامتہ بکل حال انتہیٰ۔ علاوہ ازیں ان کے اکابر و اصاغر کا ائمہ شریعت اور علماء ملت کے ساتھ طعن و توہین کے ساتھ پیش آنا اور تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک ٹھیرانا یہ وہ اعظم امر ہے جس نے ان کے فسق میں اصلاً کلام نہ چھوڑا۔ کسی مقلد کو اپنے گروہ میں داخل ہونے کی فرمائش کی جاتی ہے تو ان کلمات سے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ اب فرمائیے کہ مقلدین کو مشرک و کافر کہنا پھر ایک کو نہ دو کو بلکہ گیارہ سو برس کے عامہ مومنین کو جس میں کروڑوں محبوبان الٰہی داخل ہیں یہ کیا کوئی معمولی بات ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایما امرئ قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما متفق علیہ یعنی جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے گا تو ان دونوں میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی۔ یعنی اگر جس کو کافر کہا گیا وہ حقیقت میں کافر ہو گیا ہے تب تو وہ کافر ہے ہی۔ ورنہ کہنے والا کافر ہوگا۔ اب ظاہر حدیث کے حکم سے کہ یہی ان کا مذہب ہے یہ حضرات غور فرمائیں کہ کس گھر کے رہے۔ اپنے مذہب اور نیز بہت سے اکابر کے مذہب کے موافق تو یہ خارج اسلام ہو چکے۔ لیکن حاشا ثم حاشا ہم کبھی ان پر ایسا حکم نہ لگا دیں گے (جب تک قابل احتمال ضعیف سے ضعیف تاویل کی بھی گنجائش نظر آتی رہے گی) کہ ہمیں اپنے امام عالی مقام کا ارشاد لا نکفر احدا من اھل القبلۃ یاد ہے یعنی ہم اہل قبلہ میں سے (جو ضروریات دین کے منکر نہیں ہیں) کسی کو کافر نہیں کہتے۔ یہ منہ زوریاں انہی حضرات کو مبارک رہیں۔ غرضیکہ ان کے فسق میں بھی کلام نہیں، اور فاسق کا حکم اوپر گذرا۔ پھر اگر ان امور سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو عقائد تو ایک طرف صرف اعمال ہی میں وہ کچھ اختلاف کہ بیان سے باہر ہے۔ چنانچہ فتح المبین اور جامع الشواہد میں ان کے بعض عملیات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے صرف نجاست و طہارت کے متعلق چند مسائل پیش کرتا ہوں۔
مسئلہ پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ و بو یا مزہ میں فرق نہ آئے (دلیل الطالب طریقہ محمدیہ)
مسئلہ شراب و مردار خون کی حرمت ان کی نجاست پر دلیل نہیں، جو انہیں ناپاک بتائے دلیل پیش کرے (روضہ ندیہ)
مسئلہ جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس کی نماز بغیر غسل کے درست ہے (ہدیہ قلوب قاسیہ)
اب فرمائیے کہ ان مسائل کے دیکھتے ان کی طہارت پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ حضرات تو اہل حق سے عداوت رکھنے

والے ہیں علماء نے تو خود اہل سنت کے اندر کلام کیا ہے کہ حنفی ایسے شافعی کی اقتدا نہیں کر سکتا۔ جو مذہب حنفی کی رعایت نہیں کرتا۔ چناں چہ عالمگیری میں ہے الاقتداء بشافعی المذہب انما یصح اذا کان الامام یتحامی مواضع الخلاف ولا یکون متعصبا انتہی یعنی شافعی المذہب امام کی اقتدا جب ہی صحیح ہے جب وہ مواضع خلاف میں بچتا ہو اور متعصب بھی نہ ہو۔ قاضی خان میں ہے قالوا لا باس بہ اذا لم یکن متعصبا۔ انتہی یعنی علماء نے فرمایا کہ شافعی المذہب کے پیچھے نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں جبکہ وہ متعصب نہ ہو پس جب علماء مذہب حنفی کی رعایت نہ کرنے والے اور متعصب شافعی کے پیچھے نماز جائز نہیں رکھتے تو غیر مقلدین کے پیچھے نماز کی اجازت کیوں کر دیجا سکتی ہے کہ ان کا تعصب تو حد سے گزر چکا الحاصل اہل سنت کو چاہیئے کہ ان کو امام بنانا تو درکنار ان کے ساتھ مخالطت و مجالست سے بھی پرحذر رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا ارشاد ہے مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبک من سوادہ اصابک من دخانہ (رواہ ابوداود) یعنی برے صاحب کی مثال لہار کی سی ہے کہ اگر اس کی بھٹی سے تیری احتیاط کرنے کی وجہ سے) تجھ کو اس کے کالونس نہ بھی پہنچے تو اس کا دھواں ضرور پہنچے گا (اس سے نہیں بچ سکتا) یہ حکم تو متعصبین غیر مقلدین کا گذرا۔ لیکن ان میں بعض ایسے بھی حضرات ہیں کہ اگرچہ وہ کسی امام معین کی تقلید نہیں کرتے لیکن بایں ہمہ ائمہ پر اور ان کے مقلدین پر طعن بھی نہیں کرتے۔ بلکہ لاعلی التعین ائمہ ہی کی تحقیق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس اگرچہ ایسے حضرات کا حکم متعصبین غیر مقلدین کے حکم سے کہیں ہلکا ہے۔ لیکن چوں کہ اول تو فارقین کی جماعت میں یہ بھی اہل ہیں کہ تقلید شخصی کو (جس پر اجماع مسلمین ہے) برا بلکہ حرام جانتے ہیں اور فارق جماعت کے لئے حضور کا صاف ارشاد ہے کہ من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام عن عنقہ (رواہ ابوداود) جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا اس نے گویا اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال ڈالی۔ دوسرے ایسے حضرات ہیں بھی نہایت قلیل جو بمنزلہ معدوم کے ہیں۔ تیسرے کوئی علامت بھی ان میں ایسی ظاہر نہیں جس سے غیر متعصبین کو تمیز کیا جا سکے کہ تعصب ایک امر قلبی ہے جس پر آدمی اطلاع نہیں پا سکتا۔ چوتھے یہ بھی یقین نہیں کیا جا سکتا کہ مواضع خلاف میں مذہب حنفی کی رعایت کرتے ہوں گے۔ اور ایسے مخالف حنفی کے پیچھے (جس کا مواضع خلاف میں رعایت کرنا متردد ہو) فقہائے احناف نماز پڑھنا مکروہ فرماتے ہیں اور اگر یقینا یہ معلوم ہو جائے کہ یہ رعایت نہیں کرتے تب تو اصلا جائز ہی نہیں قرار دیتے، چناں چہ درمختار میں ہے وکذا تکرہ خلف مخالف کشافعی لکن فی وتر البحران تیقن المراعاۃ لم تکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ۔ انتہی یعنی اسی طرح مذہب حنفی کے مخالف کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے جیسے شافعی کے پیچھے۔ لیکن بحر الرائق کی کتاب الوتر میں ہے کہ اگر امام کے مواضع خلاف میں رعایت کرنے کا یقین ہو تو مکروہ نہیں اور اگر نہ رعایت کرنے کا یقین ہو تو بالکل جائز نہیں۔ اور اگر اس میں شک ہو تو مکروہ ہے۔ پس امامت کے باب میں ان مذکورہ وجوہ سے ان حضرات کا حکم بھی متعصبین غیر مقلدین کے حکم سے جدا نہیں اور احتیاط اسی میں ہے کہ غیر مقلدین میں سے کسی کے پیچھے بھی نماز نہ پڑھی جاوے

تذکرۃ الرشید حصہ اوّل کے صفحہ ۹۷ پر مولٰنا رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے ایک جواب میں لکھتے ہیں "غیر مقلدین اس وقت کے جیسا صاحب شواہد نے نقل کیا لائق کہ فاسق ہوں گے اور جو غیر مقلد حنفی کو مشرک کہتے ہیں اور تقلید شخصی کو شرک بتاتے ہیں یہ بیشک فاسق ہیں۔ سو اُن کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور دانستہ اُن کو امام بنانا حرام ہے انتہی۔ پھر اسی صفحہ پر چند سطور کے بعد کہا وہ غیر مقلد عامل بالحدیث جو ہوائے نفسانی سے خالی اور محض لوجہ اللہ تعالیٰ انصاف اور صدق دل سے عمل کریں اور کسی مقلد کو برا نہ کہیں اور سب کو حق پر جانیں ظاہر میں نظر نہیں آتے کوئی مخفی ہوگا۔ انتہی

(۳) مرد کا داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنا خواہ منڈا کر یا کٹوا کر ہر طرح مکروہ تحریمی ہے اور تغییر خلق اللہ میں داخل شیطان لعین اسی کا ذمہ لے کر آیا ہے کہ میں ضرور تیرے بندوں کو حکم دوں گا کہ وہ ضرور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو اُس کی ہئیت اصلی سے بگاڑ دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اُس کے اس قول کو یوں بیان فرماتا ہے ولاٰمرنھم فلیغیرن خلق اللہ پس یہ ———— دونوں کے دونوں اُس لعین کے فرمانبردار اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نافرمان ہیں، جن سے حضور بیزار ہیں فقال علیہ السلام من رغب عن سنتی فلیس منی البتہ جس تغییر کی خود شارع علیہ السلام سے اجازت ثابت ہے وہ بلا شبہ جائز ہے، پس یک مشت سے زیادہ کا کٹوانا درست ہے، بلکہ حد سے زیادہ بڑھانا مکروہ و ناپسند ہے :-

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال خالفوا المشرکین وفروا اللحی واحفوا الشوارب وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض لحیتہ فما فضل اخذہ رواہ البخاری قال فی حدیث ابی ھریرۃ خالفوا المجوس وھو المراد فی حدیث ابن عمر فانھم کانوا یقصون لحاھم ومنھم من کان یحلقھا انتھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی داڑھی کو مٹھی سے پکڑ لیتے تھے پھر جو بال مٹھی سے زائد ہوتے تھے اُن کو تراش دیتے تھے روایت کیا اس حدیث کو بخاری نے عینی شارح بخاری نے فرمایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں خالفوا المجوس مروی ہے پس حضرت ابن عمر کی حدیث میں مشرکین سے مجوس ہی مراد ہیں۔ کیونکہ وہی داڑھیوں کو کٹواتے تھے اور اُن میں بعض منڈواتے تھے۔

درمختار میں ہے :-

الاخذ من اللحیۃ وھی دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم۔ فتح

اور داڑھی میں سے کسی قدر کا لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں پس اس کو کسی نے مباح نہیں کہا ہے اور کل کا لینا ہند کے کفار کا اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے۔

اور دوسرے مقام پر ہے :۔

یحرم علی الرجال قطع اللحیۃ

مردوں پر داڑھی کا کٹوانا حرام ہے

تنبیہ حرام اور مکروہ تحریمی میں فرق دربارۂ اعتقاد ہے، مگر عمل میں دونوں کا ایک حکم ہے کہ امتثال رجاء ثواب اور مخالفت میں استحقاق غضب و عذاب تنویر میں ہے کل مکروہ حرام عند محمد وعندھما الی الحرام اقرب انتہی یعنی ہر مکروہ (تحریمی) حرام ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور امام اعظم اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک حرام کے قریب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

نوٹ :۔ نظام الحق دہلوی نے یہ فتویٰ ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء میں علماء ہند کی تصدیقات کے ساتھ "القول الفائق علی امامۃ الفاسق" کے عنوان سے کتابی صورت میں مرتب کرکے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

(سوال نمبر ۱۱) (۲) ایک اعظم گڑھی مستند عالم ایک دوسرے دیوبندی مستند عالم کو کافر کہنے کی تائید کرتے ہیں یہ کہاں تک جائز ہے اور کیا ایسا عالم دیوبندی جس کو کافر کہہ دیا گیا ہو اس کا دیا ہوا فتویٰ قابل قبول ہے یا نہیں ؟

(۳) جو عالم، عالم دیوبند اور دیگر علماء دین کو کافر کہنے کی تائید کرے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

مستفتی

محمد انعام اللہ

سکریٹری انجمن اصلاح المسلمین - اندور

الجواب

(۲) کسی کو کافر کہنے میں سخت احتیاط درکار ہے، جب تک کسی کا قول یا فعل یقین کے ساتھ ایسا نہ ثابت ہو جائے جس میں کسی تاویل کی گنجائش ہی نظر نہ آئے اس وقت ہرگز کسی کو کافر کہنا جائز نہیں ہاں جو شخص کا فر ثابت ہو جائے اس کے فتوے کا کچھ اعتبار نہیں؛ اس میں سب برابر ہیں خواہ کسی مقام اور کیسے بڑے درجہ کا عالم کیوں نہ ہو۔

(۳) دوسرے جواب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دیکھنا چاہیئے کہ یہ عالم جس کے کفر کی تائید کر رہا ہے کیا حقیقت میں اس سے کوئی ایسا قول یا فعل صادر ہوا ہے جو موجبِ تکفیر ہے، اگر ہوا ہے تو تائید کرنے والا حق پر ہے اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اور نہیں ہوا تھا اگر ایسے قول کی وجہ سے اس کی تکفیر کی گئی ہے جس کا ماننا ضروریاتِ دین سے ہے تو ایسے کی تکفیر کی تائید کفر ہے جو شخص ایسے کی تکفیر کی تائید کرے اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں اور ایسے کی تکفیر کی تائید کی جس کا قول یا فعل بظاہر تو کفر تھا لیکن اس میں تاویل کی گنجائش تھی تو ایسے کی تکفیر کی تائید فسق ہے جو شخص ایسے کی تکفیر کی تائید کرے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(امام) محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
(۱۲ دسمبر ۱۹۵۵ء)

(سوال نمبر ۱۲) ایک امام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہتا ہے کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب

مولیٰ تعالیٰ ایسا حاضر و ناظر ہے کہ کائنات کے ہر ذرہ پر ہر آن حاضر و ناظر ہے پس اگر یہ شخص سرکار اقدس کو بھی ایسا ہی حاضر و ناظر خیال کرتا ہے تب تو یہ قابلِ امامت نہیں ورنہ اس کی امامت میں مضائقہ نہیں کہ حاضر و ناظر اس کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی کے حالات کی خبر رکھتا ہو اور بیشک ہمارے حالات کی حضور کو خبر دی جاتی ہے پس اس اعتبار سے حضور اقدس کو حاضر و ناظر سمجھنے میں مضائقہ نہیں۔ شامی میں ہے فان الحضور بمعنی العلم شائع اور مجمع البرکات میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

وے علیہ السلام بر احوال و اعمال امت مطلع است و بر مقربان و خاصانِ درگاہِ خود مفیض و حاضر و ناظر است۔

فقط واللہ اعلم

(امام) محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۱۳) ایک امام ضاد کی جگہ ظا پڑھتا ہے جس پر لوگ اس کے خلاف شور مچاتے ہیں۔ کیا نمازیوں کا یہ فعل صحیح ہے؟

الجواب

میرے نزدیک حرف ضاد کی جگہ نہ ظا پڑھنا صحیح ہے نہ دال، جب کہ ضاد کا مخرج تمام حروف سے علیحدہ ——

—— پہلوئے زبان کا کنارہ اور داڑھیں ہیں اور "ظا" کا مخرج —— نوک زبان اور آگے کے اوپر کے دیا مطلقاً (دو دانت) ہیں تو ظاہر ہے کہ دونوں کے مخرجوں میں بیّن فرق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ضاد کے پڑھنے میں "ظا" کی رنگت آ جائے۔ "ذال" یا "ظا" پوری طرح مشق نہ کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے پس امام کو چاہیئے کہ اس کی مشق کرے ورنہ لوگوں کا شور مچانا بیجا نہ ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۱۴) ایک مسجد کا امام الحمد کے بعد رب المشرقین ورب المغربین فبای آلاء ربکما تکذبان پڑھ کر رکوع میں چلا جاتا ہے اس صورت میں نماز ہو جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

مستفتی
قاری محمد سلیمان مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ
مسجد فتحپوری، دہلی

الجواب

صورت مذکورہ میں نماز تو ہو جاتی ہے لیکن امام کو ایسا نہ کرنا چاہیئے کہ خلاف سنت ہے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ

(سوال نمبر ۱۵) ایک امام صاحب امامت کے وقت عمامہ نہیں باندھتے جب کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ کونسی حدیث میں آیا ہے؟ یہ کوئی ضروری نہیں۔ عمامہ کے متعلق جو حکم شرع ہو تحریر فرماویں۔

مستفتی
نور محمد —— دہلی

الجواب

حدیث میں عمامہ باندھنے کا حکم وارد ہے چنانچہ فرمایا:-

علیکم بالعمائم فانہا سیماء الملائکہ (مشکوٰۃ)

کہ لازم پکڑو تم عمامہ باندھنے کو کہ وہ فرشتوں کی علامت ہے۔
اور اس کی فضیلت میں آیا کہ ستر رکعت بلا عمامہ سے دو رکعت عمامہ کے ساتھ بہتر ہیں۔ فقط واللہ اعلم

سوال نمبر ۱۶) ایک امام صاحب ہمیشہ ٹوپی سے نماز پڑھاتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ عمامہ باندھیں تو کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے نیز یہ کہ اس کے پہننے سے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ آیا ایسے امام کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اور کیا ان کا اس فعل کو بدعت کہنا درست ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر یہ صاحب اکابر و حکام کے پاس بلا عمامہ نہیں جاتے تب تو ان کے لئے نماز میں عمامہ نہ باندھنا مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے :۔

وکرہ صلوتہ فی ثیاب بذلتہ وقال الشامی قال فی البحر وفسرھا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولا یذھب بہ الی الاکابر۔

اور اگر یہ اسی ٹوپی سے اکابر کے پاس بھی جاتے ہیں تو اس صورت میں کراہت تو نہیں ہے لیکن پھر بھی تارک فضیلت ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ کبھی صرف ٹوپی کا بھی استعمال فرماتے تھے لیکن امامت کبھی بلا عمامہ نہ فرمائی، پس اس کے سنت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور سنت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں فضیلت کا انکار کیوں کر ممکن ہے؟۔

چناں چہ فردوس دیلمی میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے :۔

رکعتان بعمامۃ خیر من سبعین رکعۃ بلا عمامۃ

یعنی عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں بلا عمامہ ستر رکعتوں سے بہتر ہیں۔

پس اس کو بدعت کہنا تو نہایت ہی تعجب خیز امر ہے۔ یہ ایک شیطانی دھوکہ ہے اور شیطان ہی ایسے وقت سر میں درد پیدا کر دیتا ہے ورنہ یہ تو قرین عقل نہیں کہ سردی کے زمانے میں صرف چار رکعت پڑھنے کی مقدار عمامہ کا استعمال سر میں درد پیدا کر دے۔

امام صاحب کو چاہیئے کہ شیطان کی مخالفت کر کے دیکھیں، یقین کامل ہے کہ پھر کبھی درد کی شکایت نہ ہوگی، فقیر کو درد سر کی اکثر شکایت رہتی ہے لیکن نماز کی حالت میں کبھی باوجود عمامہ کے اس سے پریشانی لاحق نہ ہوئی،

——— فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام)

جامع مسجد فتحپوری۔ دہلی

(۲۱ اپریل ۱۹۶۰ء)

سوال نمبر ۱۷) ایک امام صاحب ظہر کی چار سنتیں پڑھے بغیر فرض پڑھا دیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟———

الجواب

اگر اتفاقاً ایسی صورت پیش آجائے تو مضائقہ نہیں لیکن ہمیشہ ایسا کرنا موجب کراہت ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸) ایک امام کا ہاتھ مونڈھے سے چھ انگل نیچے کٹا ہوا ہے ۔ بعض نمازی کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ۔ کیا ان کا قول صحیح ہے ؟

الجواب

ہاں یہ صحیح ہے کہ اولیٰ یہی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جائے جس کے دونوں ہاتھ سالم ہوں لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ کٹے ہوئے کے پیچھے نماز ہوتی نہیں یہ غلط ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹) (۱) زید جس پر منکوحہ عورت کو اغوا کرنے ، زنا کرنے ، اور بدکاریوں میں مبتلا ہونے کے جرائم ثابت ہو چکے ہیں اس کے پیچھے شرعاً نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

(۲) ایک طالب عالم جو حافظ قرآن ہے مگر جو امام موصوف کی بدکاریوں کا نشانہ بنا رہا اس کی امامت شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) امام مذکور تو فاسق ہے اس کی امامت مکروہ ہے ایسی کہ اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز لوٹانی ہوگی ۔ ہاں یہ طالب علم اگر امامت سے علیحدہ ہو گیا ہے اور توبہ کرلی ہے تو اس کے پیچھے نماز صحیح ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ کسی دوسرے شخص متقی کو امام رکھا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام)
مسجد جامع فتحپوری ، دہلی

(سوال ۲۰) ایک امام صاحب ایک غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے اور اس عورت کے بھائی کا کہنا ہے کہ

اس نے امام صاحب کو زنا کرتے دیکھا اگر امام صاحب قسم کھا بتے ہیں کہ انہوں نے زنا نہیں کیا اسی صورت میں امام صاحب کی قسم کا اعتبار کیا جائیگا یا نہیں اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

صورت مذکورہ میں امام صاحب کی قسم کا اعتبار کیا جائے گا، ان سے زنا ثابت نہیں پس ان کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے البتہ ان پر لازم ہے کہ آئندہ مواقع شبہات سے احتراز کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۵ر نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۲۱) جس امام کو خونی بواسیر کا عارضہ ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی
محمد یامین خاں۔ دہلی چھاؤنی

الجواب

اگر نماز میں بھی ان کو خون آجاتا ہے اور وہ معذور ہیں تو ان کے پیچھے تندرست لوگوں کی نماز درست نہ ہوگی
فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

(سوال نمبر ۲۲) نابالغ حافظ قرآن امام کے پیچھے نماز تراویح جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی
ایک حنفی مسلمان۔ سونی پت

هوالموفق

نابالغ لڑکے کے پیچھے مطلقاً نماز صحیح نہیں خواہ فرض ہو یا تراویح کذا فی الکتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم
حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ

قرأت

(سوال نمبر ۲۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت نماز با جماعت کے بارے میں جو حدیث ہے فلیخفف فان فیھم الضعیف الخ "یہ عشاء کی نماز کے لئے ہے یا صبح کی نماز کے لئے بھی - زید کہتا ہے کہ صبح کی نماز کے لئے نہیں بلکہ اس میں تو اس قدر طول قرأت ہونا چاہیئے کہ گھر سے آنے والے محلہ لوگ بھی شریک ہو جائیں کیا زید کا یہ قول صحیح ہے - بینوا توجروا

ھوالموفق

حضر میں جب کہ وقت تنگ ہو تو سنت یہ ہے کہ فجر میں طوال مفصل یعنی سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک کی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھے اس مسنونہ قرأت سے زائد طویل کرنا جب جماعت پر گراں ہو تو مکروہ ہے - شرح وقایہ میں ہے :-

وفی الحضر استحسنوا الطوال المفصل - انتھی ما فیہ

وفی العالمگیریہ :-

ولا یزید علی القرأۃ المستحبۃ ولا یثقل علی القوم ولکن تخفیف بعد ان یکون علی التمام والاستحباب - انتھی ما فیہ

وقال المحقق فی فتح :-

وقد بحثنا ان التطول ھو الزیادۃ علی القرأۃ المسنونۃ - (انتھی)

رہی حدیث :-

اذا صلی احدکم بالناس فالیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر -

سو اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ قرأت مسنونہ سے طویل نہ کیا جاوے خواہ کسی وقت کی جماعت ہو - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ (امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۴) امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب

امام کے پیچھے خواہ سورۂ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورت مطلقاً قرأت مکروہ ہے - ہدایہ شریف میں ہے :-

ولا یقرأ الموتم خلف الامام لقولہ علیہ السلام من کان امام فقرأۃ

الامام له قرأة وعليه اجماع الصحابة وهو ركن مشترك بينهما لكن حظ المقتدی الانصات والاستماع قال علیه السلام واذا قرأ الامام فانصتوا انتهی۔

یعنی امام کے پیچھے مقتدی قرأت نہ کرے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مصلی کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے (یعنی حکماً امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے قائم مقام ہے۔ پس یہ قرأت نہیں کر سکتا ورنہ اس کے لئے دو قرأتیں لازم آجائیں گی وھو غیر مشروع) قرأت ایک ایسا رکن ہے کہ جو امام مقتدی میں مشترک ہے لیکن مقتدی کا حصہ خاموش رہنا اور کان لگا کر سننا ہے کہ حضور نے خود ارشاد فرمایا کہ صحابہ کا اجماع ہے (یعنی جمہور صحابہ کا یہی مذہب ہے) انتہی بلکہ بعض علماء و صحابہ کے نزدیک تو امام کے پیچھے قرأت مفسد صلوٰۃ ہے۔ فتح القدیر میں ہے:۔

قال محمد لا قراءة خلف الامام فیما جهر وفیما لا یجهر فیه بذلك جاءت عامة الاخبار وهو قول ابی حنیفة وقال السرخسی تفسد صلوته فی قول عدة من الصحابة - انتهی مافیه - فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتح پوری دہلی

(نوٹ) یہ فتویٰ تقریباً نصف صدی قبل تحریر فرمایا۔

(سوال نمبر ۲۵) (۱) ایک شخص نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول گیا، آخر میں سجدۂ سہو کر لیا۔ کیا اس کی نماز ہو گئی؟
(۲) سورۂ فاتحہ کے بعد تین آیتوں کا ملانا یا ایک بڑی آیت کا ملانا فرض ہے یا واجب؟

مستفتی
تفضل حسین صدیقی۔ (غازی آباد ضلع میرٹھ)

الجواب

(۱) اس کی نماز ہو گئی۔

(۲) مطلق قرآن کریم پڑھنا فرض ہے اور الحمد کے بعد تین چھوٹی آیتوں کا یا ایک بڑی آیت کا ملانا واجب ہے فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال ۲۶) بعض حافظوں کو دیکھا گیا ہے کہ تراویح میں ختم والے روز جب قل ہو اللہ پڑھتے ہیں تو بسم اللہ باآواز بلند پڑھتے ہیں اور پھر تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھتے ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا

الجواب

چونکہ بسم اللہ شریف سورۂ نمل کے علاوہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان میں فصل دینے کے لئے مکرر واقع ہوئی ہے، اس لئے بسم اللہ شریف کا تو جہر کے ساتھ کسی سورت پر پڑھنا ضروری ہے، خواہ سورۂ اخلاص پر پڑھی جاوے یا کسی اور دوسری سورت پر، ورنہ ختم قرآن میں نقص رہ جاوے گا، البتہ سورہ اخلاص کے تین مرتبہ پڑھنے میں اختلاف کیا ہے، لیکن یہ اختلاف استحسان میں ہے، بعض مستحسن نہیں کہتے اور بعض مستحسن فرماتے ہیں، لیکن مکروہ کوئی نہیں کہتا اس لئے اگر کوئی تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھے تو مضائقہ نہیں۔
شرح منیہ میں ہے:-

لا یکرہ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب النفل اوسع اوسی میں ہے قرأۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا الشئ استحسنہ اھل القرآن وائمۃ الامصار فلا باس بہ الا یکون الختم فی المکتوبۃ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

مقتدی

(سوال نمبر ۲۷) (۱) مقتدی قعدۂ اولیٰ میں شریک ہوا ابھی التحیات شروع کی تھی کہ امام کھڑا ہو گیا۔ کیا اس صورت میں مقتدی التحیات پوری پڑھے یا امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے؟
(۲) جنبی غسل کر کے نماز میں شریک ہو یا محض تیمم کافی ہے؟

الجواب

(۱) ہاں مقتدی تشہد پورا کر کے کھڑا ہو یہی مختار میں ہے لیکن اگر پورا کر کے کھڑا نہ ہوا امام کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تب بھی جائز ہے کذا فی العالمگیری۔
(۲) اگر ایسی صورت ہے کہ جنبی کو تیمم جائز ہے تب تیمم کر کے شریک جماعت ہو اور اس پر اس نماز کا اعادہ بھی نہیں

اور اگر اس کو تیمم جائز نہیں تو پھر محض جماعت کے نہ ملنے کے خوف سے وہ تیمم کر کے شریک جماعت نہیں ہو سکتا ۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۸) چوتھی رکعت میں قعدۂ اخیرہ کے بجائے اگر نمازی کھڑا ہو جائے تو اس صورت میں نماز لوٹائی جائے یا سجدۂ سہو کر لیا جائے ۔

مستفتی
فضل احمد (دہلی)

الجواب

فرض نماز کے اخیرہ قعدے کو چھوڑ کر کھڑا ہوا ہے تو پانچویں رکعت کے سجدے سے پیشتر اس کو بیٹھ جانا چاہیئے اور سجدہ سہو اس صورت میں اس پر لازم ہے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو اب فرض اس کے باطل ہو گئے ، چھٹی رکعت ملا کر پڑھے تاکہ تمام رکعتیں نفل ہو جاویں اور پانچویں پڑھ کر سلام پھیرا تو چار رکعت نفل ہوئیں اور ایک باطل ۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
(امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۹) بعض لوگ جماعت کے وقت سنت پڑھتے ہیں، ان کا یہ فعل درست ہے ؟

الجواب

جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ غیر مجتہد اور کم علم ہیں اس لئے بفحوائے آیۂ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اپنے اس مجتہد سے پوچھ کر عمل کرتے جو ان کے نزدیک قرآن کریم اور احادیث شریفہ کو بہتر جانتا ہے اور ان سے احکام شرعیہ نکالنے پر قادر ہے ۔ غیر مجتہد ان سے احکام شرعیہ نکال نہ کیا جانے پس مسائل کو ان کی فکر نہ چاہیئے اور اپنے لئے اگر وہ اجتہاد کا پایہ رکھتا ہے تو اس کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ورنہ وہ بھی کسی مجتہد کا دامن پکڑے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
(امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۰) زید نے سورۂ بقرہ کے پانچویں رکوع کے آخر میں وانها لكبيرة الا على الخاشعين الذين يظنون انهم ملاقو ربهم وانهم اليه راجعون کی بجائے لا يرجعون پڑھ دیا کیا اس صورت میں نماز فاسد ہو جائیگی۔

مستفتی
مولوی عبدالرحیم
۱۶ اکتوبر ۱۹۵۸ء

الجواب

اس صورت میں نماز فاسد ہو جائیگی اس لئے کہ معنی بدل گئے اور تغیر فاحش واقع ہو گیا جو مفسد صلوٰۃ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(امام)
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۱) امام نے ابھی السلام علیکم کہا ہے اور مقتدی نے ورحمۃ اللہ بھی کہدیا۔ اس صورت میں نماز میں خلل تو واقع نہیں ہوا۔

مستفتی
قمرالدین۔ بستی نظام الدین دہلی

الجواب

نہیں اس صورت میں مقتدی کی نماز میں کچھ خلل نہیں۔ ہاں مسنون یہی ہے کہ جب امام داہنی طرف سلام پھیرے اس وقت مقتدی سلام پھیرے اور جب وہ بائیں طرف سلام پھیرے اس وقت مقتدی بایاں سلام پھیرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(امام)
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۲۱ اکتوبر ۱۹۵۸ء)

(سوال نمبر ۳۲) مقتدی جماعت میں اس وقت شریک ہوا جب ایک رکعت ہو چکی تھی۔ اتفاق سے امام صاحب نے سجدۂ سہو کیا۔ کیا مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ سلام پھیرے؟ اگر مقتدی نے ایسا کیا تو اس کی نماز فاسد تو نہ ہوگی؟

مستفتی
... ۱۹۵۸ء

الجواب

امام کا اتباع صرف سجدوں میں ہے نہ سلام میں اگر قصداً سلام کرے گا تو نماز جاتی رہے گی ہاں اگر بھول کر امام کے ساتھ سلام کیا تو نماز ہو جائیگی ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۲) (۱) امام نے سجدۂ سہو کے لئے سلام پھیرا اور سجدۂ سہو کیا اسی امام کے مقتدی سے جس کی کچھ نماز باقی رہ گئی تھی سجدۂ سہو نہیں کیا بلکہ باقی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور نماز پوری کرنے کے بعد سلام پھیرا ۔ آیا اس شخص کی نماز ہوئی یا نہیں ۔
(۲) جو امام لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھاتا ہے اس کی اقتداء درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) اگر کسی عذر کی وجہ سے مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہوا تھا تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کو امام کے ساتھ شریک ہونا ضروری تھا لیکن اس کی نماز بہرحال ہو گئی ۔ ہاں اس کو اپنی آخر نماز میں سجدۂ سہو کر لینا تھا بشرطیکہ وقت میں سجدۂ سہو کر سکتا تھا ۔ اگر نہ کیا تو اس کی نماز نقصان کے ساتھ ہو گئی، اس صورت میں وقت کے اندر اس کو لوٹانا چاہیئے تھا، اب ضرورت نہیں ۔
(۲) پہلے میرے نزدیک ایسے امام کی اقتداء صحیح نہ تھی لیکن بعض روایتیں ایسی بھی نظر سے گزریں جو صحت اقتداء کی مقتضی ہیں اس لئے مجھے اب اس میں تردد ہو گیا ہے لیکن اب بھی ایسے امام کی اقتداء بہتر نہیں جانتا لقولہ تعالیٰ :-

"ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا"

ولقولہ علیہ السلام :-

"دع ما یریبک الی ما لا یریبک"

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۷ ، اپریل ۱۹۶۰ء)

نماز

(سوال نمبر۲۴) ایک مسجد کے صحن کو ذرا بڑھا کر ایک طرف کو جماعت ثانیہ کے لئے الگ جگہ بنائی ہے کیا یہ درست ہے اور کیا جماعت ثانیہ جائز ہے۔

الجواب

اگر اتفاقاً کچھ لوگ جماعت سے رہ جائیں تو وہ ان مقامات میں جماعت ثانیہ کرسکتے ہیں بلکہ اگر یہ مسجد شارع عام پر واقع ہے تو کچھ قید نہیں جہاں چاہیں جماعت ثانیہ کر سکتے ہیں۔ ردالمختار میں ہے :-

عن ابی یوسف انه اذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الاولیٰ لاتکره وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة۔ کذا فی البزازیه وفی التاتار خانیه وبه ناخذ - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر۲۵) کیا مسجد کی چھت پر نماز باجماعت یا منفرد نماز پڑھی جا سکتی ہے ؟

الجواب

اگر مسجد کی اوپر کی منزل نماز کے لئے نہ بنائی گئی ہو تو اس پر بلا ضرورت چڑھنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ نماز کیلئے چڑھا جائے یا یونہی۔ پس اس پر تنہا بھی نماز نہ پڑھنا چاہیئے۔ ردالمختار میں ہے :-

ثم رأیت القهستانی نقل عن المفید کراهة الصعود علی سطح المسجد ویلزمه کراهة الصلوٰة ایضاً فوقه فلیتامل - فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر۲۶) ایک چھوٹی مسجد جس میں صحن بہت کم ہے صحن کی جگہ دالان بنایا ہے اس کی چھت پر جمعہ کے دن جماعت کثیر ہونے کی وجہ سے لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ اور موسم گرما میں مغرب و عشاء کی نمازیں بھی اسی چھت پر ہوتی ہیں کیا یہ جائز ہے۔

مستفتی
سمیت اللہ۔ متھرا

الجواب

ہاں اس خاص صورت میں مسجد کی چھت پر بھی جماعت کر سکتے ہیں کہ بجائے صحن مسجد اب یہ سقف مسجد بضرورت قرار دے دی گئی ہے لیکن اگر صحن مسجد بھی باقی ہے تو مسجد کی چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳) (۱) آلہ مکبّر الصوت (لاؤڈ سپیکر) پر خطبہ یا اذان پڑھنے کا شرعاً کیا حکم ہے۔
(۲) اس آلہ پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ نماز صحیح ہو گی یا فاسد یا مکروہ۔
(۳) اگر آلہ مکبر الصوت مکبّر کے سامنے ہو تو نماز کا کیا حکم ہے۔

سائل
قیصر حسین از کراچی رابسن روڈ کوکنسی
مسلم جماعت خانہ

الجواب هو الموفق للصواب

(۱) اگر نظر غائر سے کام نہ لیا جائے تو ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ و اذان میں اس آلہ کا استعمال مضائقہ نہیں رکھتا، لیکن اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو اس کے جائز بلا کراہت ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے ان افعال کو ایک خاص ہیئت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جس میں کسی قسم کی تغییر کو جائز نہیں رکھا یہی وجہ ہے کہ جب فقہاء نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے قیام کی حالت میں خطبہ فرمایا ہے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کو مکروہ فرمایا۔ اسی طرح جب دیکھا کہ دو خطبوں کے درمیان قعود فرمایا ہے تو اس کے ترک کو ممنوع قرار دیا۔ اور باوجودیکہ قیاس چاہتا تھا کہ اردو میں خطبہ یا اس کا کوئی حصہ غیر عربی میں پڑھا جائے لیکن جب دیکھا کہ عجم میں پہنچکر بھی صحابہؓ نے اس قیاس پر عمل نہ کیا تو غیر عربی میں خطبہ کو خلاف سنت اور مکروہ قرار دیا۔ بلکہ صاحبین کے نزدیک تو بلا عذر غیر عربی میں خطبہ جائز ہی نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اذان خطبہ کا مقام کہاں ہونا چاہیئے کہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں تو خارج مسجد دی جاتی تھی، اسی طرح اور بہت سے مقام ہیں جس میں اس زمانہ پاک کے عمل پر نظر رکھتے ہوئے اس کے خلاف کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ انہی میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے جس میں کلام کیا جا رہا ہے کہ باوجودیکہ اذان میں رفع صوت مطلوب ہے چنانچہ شامی میں ہے وینبغی للموذن ان یوذن فی موضع یکون اسمع

—— للجیران ویرفع صوتہ لیکن اس کے واسطے بھی ایک حد مقرر ہے کہ موذن اپنی قوت کے موافق اس میں آواز بلند کرے اس سے زیادہ تکلف کی اس کو اجازت نہیں عالمگیری میں ہے ویکرہ للموذن ان یرفع صوتہ فوق الطاقۃ۔ پس اس پر نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے باوجودیکہ بگل جیسی ایسی چیزیں پائی جاتی تھیں جو آواز کو بلند کرنے والی تھیں، لیکن ان کو اختیار نہ کیا اور انسانی قوت سے زیادہ جہر مفرط کے متعلق فرمایا کہ یہ کلام کے حکم میں ہے اور کلام اذان میں مکروہ ہے، چنانچہ درمختار میں ہے المصباح ملحق بالکلام فتح اور اسی میں ہے ولا یتکلم فیہما ای فی الاذان والاقامۃ اصلا ولو رد السلام اور بھی اسی میں ہے ویکرہ تکلمہ فیہا ای فی الخطبۃ، الالام معروف یعنی خطبہ کے درمیان سننے والے پر بھی کلام اور اس کی طرف التفات بلکہ ہر وہ شئے جو اس کے لئے خطبہ سننے میں حارج ہو، مکروہ ہے منحۃ الخالق میں ہے قال فی البدائع یکرہ الکلام حال الخطبۃ وکذا قراءۃ القرآن وکذا الصلاۃ وکذا ما یشغل بالہ عن سماع الخطبۃ انتہی اور طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے وفی شرح الزاہدی یکرہ لمستمع الخطبۃ ما یکرہ فی الصلاۃ من اکل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلک وفی الخلاصۃ کل ما حرم فی الصلوۃ حرم حال الخطبۃ انتہی اور غایت درجہ ظاہر ہے کہ ہو نہیں سکتا کہ آلہ کی آواز اور اس کے تغیرات کی طرف التفات نہ ہو تو اس صورت میں خطیب اور سامعین دونوں ہی اس فعل مکروہ کے مرتکب ہوں گے، فقیر کو بارہا ایسی مجالس میں شرکت کا اتفاق پڑا جس میں مقرر لاؤڈ سپیکر کے ذریعے تقریر کر رہا تھا تو مجھے تو کبھی بھی ایسا موقع میسر نہ آیا جس میں پوری تقریر صاف سن سکتا۔ ہمیشہ اس کے تغیرات ہی پریشان کرتے رہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جوں کہ مجھے مقرر کے قریب بیٹھنے کا اتفاق ہوتا رہا تو اس کا تو مجھے یقین ہے کہ پاس والے تو ہرگز مقرر کی پوری تقریر اس طرح نہیں سن سکتے کہ کسی وقت بھی اس آلہ کی طرف ان کی التفات نہ ہو اور سکون قلب کے ساتھ پوری تقریر سن لیں۔ ممکن ہے کہ دور والے اس طرح سن سکتے ہوں۔ بہر حال بعض حصہ سامعین کا وہ بھی ہوتا ہے جن کے لئے اس کے تغیرات کی طرف التفات سے چارہ نہیں، اور یہ عبارات مذکورہ فقہیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ غیر خطبہ کی طرف سامعین یا خود خطیب کا اثنائے خطبہ میں التفات مکروہ ہے، علاوہ ازیں یہ شئے اور بھی مفسدہ عظیمہ کی سبب ہوتی ہے جس کی وجہ سے نماز میں قرآن کریم کو جہر قوی کے ساتھ پڑھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے کہ مخالفین اسلام کو اس کے ساتھ استہزا اور گستاخی کا موقعہ ملتا ہے لہٰذا ایک مقدار جہر سے جب فعل واجب یا سنت ادا ہو گیا تو اب اس سے زائد جہر بلا ضرورت ہوگا جس کی اس مفسدہ کی وجہ سے اجازت نہیں دی جا سکتی فقال تعالیٰ ناھیا لا تجھر بصلاتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا دفی التفسیرات الاحمدی وبیانہ ما قیل ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یرفع صوتہ بقراۃ فاذا سمع المشرکون لغوا وسبوا فامر بان یخفض من

صوته بهذه الاٰية ۔ والمعنى لا تجهر بقراءة صلاتك حتى يسمع المشركون ولا تخافت بها حتى لا يسمع من خلفك وابتغ بين ذٰلك اى بين الجهر والاخفاء سبيلا وسطا وفى انوار التنزيل فان الاقتصاد فى جميع الامور محبوب انتهى هكذا فى عامة التفاسير۔ اس آیۃ کریمہ اور اس کی تفاسیر نے جس امر پر تنبیہ فرمائی ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں یہی حال مشرکین کا اذان کے باب میں تھا فقال تعالیٰ واذا ناديتم الى الصلوٰة اتخذوها هزوا ولعبا ۔ یعنی جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو یہ لوگ اس کو ٹھٹھا اور کھیل بناتے ہیں یہی حال خطبہ میں ہو سکتا ہے پھر جب تو ہنسی اور ٹھٹھا ہی تھا لیکن اب تو مقابلہ کے لئے بھی کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب بس نہیں چلتا تو پھر گالیوں کے ساتھ پیش آتے ہیں تو ایسی حالتیں ان کلمات طیبات کے ساتھ بلا ضرورت اس قدر بلند آواز کرنا کہ بازاروں اور کوچوں تک میں پھیل جائے اور ہر کس و ناکس کے کان اس کی طرف لگ جائیں یقیناً اس مفسدہ کے لئے مستلزم ہے، پھر اس زمانہ میں تو سوائے اقامتِ سنت کے دوسرا فائدہ بھی بہت کم ہے کہ عموماً اوقاتِ نماز کی گھنٹوں کے ساتھ تعیین ہے ۔ اُسی ہی وقت معین پر لوگ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس آلہ کے وجود کے وقت اذان کی ایک سنت اور مفقود ہوتی ہے کہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے وقت موذن کو تحویلِ وجہ چاہیے اس وقت وہ بھی متعذر ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب تحویلِ وجہ کی ضرورت ہی کیا ہے، اس لئے کہ وہ مطلقاً اذان کی سنت ہے اگرچہ بچہ کے کان ہی میں کیوں نہ کہی جاتی ہو، چنانچہ درمختار میں ہے ويلتفت فيه يميناً ويساراً الصلوٰة وفلاح والوحده اولمولود لانه سنة الاذان مطلقاً انتهى غرض ان وجوہ و دلائل مذکورہ سے ثابت ہے کہ اذانِ خطبہ میں اس آلہ کا استعمال باعثِ کراہت ہے ۔

(۲) وہ دلائل جو ہم نے اذانِ خطبہ میں ذکر کئے کراہتِ نماز کے اثبات کے لئے بھی کافی ہیں خصوصاً آیۃ کریمہ لا تجهر بصلاتك الاٰية لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں کہ اختصار مدنظر ہے لیکن اس میں ایک ایسا امر اقبح القبائح اور بھی پایا جاتا ہے جس کے سامنے وہ مفاسد جو ذکر کئے گئے کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور وہ وہ ہے جو سرے سے نماز ہی باطل کرتا ہے اس لئے کہ نمازی کا ایسے کے ساتھ تعلیم و تعلم کا علاقہ جو اس کی نماز میں شرکت نہیں رکھتا مبطل نماز ہے اور یہ شے یہاں موجود ہے ۔

اس سے پہلے کہ اس دعوے کے لئے دلیل پیش کی جائے، یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ آواز کیا شے ہے اور وہ کیوں کر پیدا ہوتی ہے اور کہاں تک کام کرتی ہے تو یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کیا شے ہے، رہا اس کے پیدا ہونے کا سبب سو اس کا سبب قرع یا قلع ہے ایک شے کا مقابلہ والی شے سے سختی کے ساتھ ملنا قرع کہلاتا ہے اور اس سے بسختی جدا ہونے کو قلع کہتے ہیں، متکلم کے گلو و زبان کی حرکت جب ہوائے دہن پر قرع کرتی ہے تو انشکال حرفیہ پیدا ہو کر کلام کی صورت جلوہ گر ہوتی ہے پھر اس سے جدا ہو کر ہوائے مجاور کو قرع کرتی ہے یونہی جب تک قرعِ اوّل کی قوت یاری دیتی ہے ہوا کے اگلے حصّوں میں قرع و قلع ہوتا ہوا چلا جاتا ہے جس سے ہوا کے اندر ایک تموج اور لہر پیدا ہو جاتی ہے، پھر جس قدر اس میں ضعف آتا جاتا ہے یہ لہر بھی ہلکی پڑتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک

حصہ پر جاکر ختم ہو جاتی ہے یہی وہ لہر ہے جس کے ہر حصہ میں متکلم کی آواز اور اس کا کلام ساری ہوتا ہے کہ پہلے قرع سے جو کلام پیدا ہوا تھا اسی ہی کا سلسلہ یہاں تک پہنچا ہے، پس اس لہر کے درمیان اگر کسی کا کان واقع ہو جاتا ہے تو وہ یہ کلام سن لیتا ہے اور جس کے کان تک یہ سلسلہ نہیں پہنچا وہ نہیں سن سکتا، اور ضعف کی حالت میں پہنچا ہے تو کچھ سنتا بھی ہے تو سمجھ نہیں سکتا۔ شرح مطالع میں ہے۔ والمشہور ان السبب الاکثری للصوت ھو تموج الھواء بقرع او بقلع عنیف والتموج عبارۃ عن امر یحدث فی الھواء بصدم بعد صدم وسکون بعد سکون وھذا التموج سببہ القرع وھو امساس عنیف او القلع وھو تفریق عنیف فان القرع والقلع کل منھما یموج الھواء الی ان ینقلب من المسافۃ التی سلکھا القارع انتھی بما فیہ صفحہ ۹۱ غرض اس سے معلوم ہوا کہ آواز کلام کی پیدائش کا سبب یہ قرع یا قلع ہے جہاں تک بھی اس کی قوت کام کرتی ہے، سننے والوں کو منتفع کرتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دریا پر پتھر زور سے مارے تو اس پتھر کا قرع جس قوت سے سطح دریا پر واقع ہوگا۔ اس ہی قدر دور تک اس کی لہریں جائیں گی، جب یہ شے ذہن نشین ہو چکی تو اب غور فرمائیں کہ امام کے گلو و زبان کا قرع تو ایسا قوی نہ تھا جو ہوا کی لہروں کو میلوں تک پہنچاتا تو لامحالہ یہی کہا جائیگا کہ اس لہر میں جو قرعات کا سلسلہ جاری تھا اس میں سے کوئی قرع اس آلہ میں واقع ہوا ہے اور اس نے اس قرع کو برقی قوت سے ایسا قوی کر دیا ہے جس سے اگلے قرعات وقلعات کا سلسلہ دراز ہو گیا، یا یوں کہئے کہ یہ ہوائے متکیف بالکلام اس آلہ میں پہنچی اور اس نے اس پر قرع کر کے اگلی ہوا میں ایک نیا تموج قائم کر دیا بہر حال اگلی ہوا کے تموج کا سبب قریب یہ آلہ ٹھیرے گا اور اس کی نسبت اس آلہ کی طرف کی جائے گی، اس ہی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ لاؤڈ سپیکر کی آواز آ رہی ہے، اس کی مثال یوں خیال کیجئے کہ ایک بچہ گیند پھینکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہ گیند دس پندرہ قدم پر جا کر رک جائیگی لیکن ابھی اس کی رفتار ختم ہونے نہیں پاتی کہ ایک قوی پہلوان اس پر اور ٹھوکر لگا دیتا ہے تو اب وہ گیند بجائے دس پندرہ قدم کے دس پندرہ سو قدم پہنچیگی تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس قدر دور اس بچہ نے گیند پھینکی ہے ہرگز نہیں اب وہ اس ہی پہلوان کی طرف نسبت کی جائیگی یہی حال گنبد وغیرہ کی گونج کا ہے کہ متکلم سے جو قرع وقلع کا سلسلہ چلا تھا اس میں گنبد کے تصادم سے اس کا تصرف بھی ہو گیا اور اس کے ٹکرانے سے یہ سلسلہ واپس آیا تو اب واپسی کے بعد جو کلام مسموع ہوگا وہ اگرچہ متکلم کا ہی ہوگا لیکن چونکہ اس میں غیر کا تصرف ہو گیا ہے اس لئے اب اس کا وہ حکم نہ رہے گا جو بلا شرکت غیرے میں تھا، چنانچہ تالی یہ سجدہ تلاوت کرتا ہے اور اس کو جو مکلف سنتا ہے اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے لیکن اس ہی کو اگر اس گونج سے سنتا ہے تو سننے والے پر سجدہ واجب نہیں ہوتا کہ اب اس کو ایک غیر مکلف کے ساتھ نسبت ہو گئی چنانچہ تنویر میں ہے لا تجب بسماعۃ من الصدا انتھی اور اگر غور کیجئے تو یہ قصہ بھی ما نحن فیہ میں پایا جاتا ہے کہ یقیناً اس میں ایک قسم کی گونج پائی جاتی ہے، اور اس آلہ میں کلام کی وہ شان نہیں رہتی جو بلا آلہ کے کلام میں ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح گیند کی ٹھیس اس تموج کی حیثیت کو بدل دیتی ہے یہ بھی اسی طرح بدلتا ہے۔

فرق صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گنبد آواز کو واپس کرتا ہے اور یہ آگے بڑھاتا ہے سو یہ شے اس کو متکلم کا عین قرار نہیں دے سکتی، بلکہ اس میں ایک مزید فرق یہ اور ہے کہ لہر میں ایک جدید قوت عظیم پیدا کر دیتا ہے جس میں یہ اس سے منفرد ہے تو جو حکم گنبد کی آواز کے لئے ہوگا اس کے لئے بالاولیٰ ہوگا۔ یہاں ایک شبہ واقع ہو سکتا ہے کہ جب صدور کلام کا باعث متکلم ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کی طرف اس کلام کی نسبت نہ کی جائے، سو ہماری اس تقریر کا یہ منشا نہیں، نسبت تو اس کلام کی ضرور اس کی طرف کی جائے گی اور کلام اسی متکلم کا کہا جائے گا لیکن ہم تک جو اس کلام پہنچانے کا واسطہ پڑا ہے اس کو بھی کالعدم نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیں تو اس آلہ ہی نے اس کلام سے منتفع کیا ہے تو یہ کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ تامل کیا جائے گا تو ایسے نظائر مل جائیں گے جن میں وسائط سے احکام بدلنے لگتے ہیں، مثلاً اسی کلام کو ایک دوسری جہت سے ملاحظہ کیجئے کہ اس تموج کی حالت میں جس میں یہ مسموع ہوتا ہے اس کو فونوگراف کی پلیٹوں میں محفوظ کر لیا جاتا ہے پھر اس قدر مدت کے بعد کہ اس کا متکلم انتقال بھی کر جاتا ہے فونوگراف کے ذریعہ پھر اس پر جدید قرع واقع کیا جاتا ہے تو پھر وہی کلام سننے میں آنے لگتا ہے تو کیا اب بھی آپ فونو کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ مرنے والا کلام کر رہا ہے، ہرگز نہیں کہ کلام تو متکلم ہی کا ہے لیکن اس کا پہنچانے والا فونوگراف ہے، پھر یہاں کیوں تامل ہے اور لاؤڈ اسپیکر کو کیوں کالعدم کئے دیتے ہیں کہ حالت تو دونوں ہی کی یکساں ہے دونوں ہی نے اس لہر سے یہ کلام حاصل کیا ہے جو متکلم کی قرع نے پیدا کی تھی اور دونوں ہی متکلم اور مستمع کے درمیان واسطہ پڑے ہیں۔

الحاصل اس بیان سے ثابت ہوا کہ یقیناً اس قدر مسافت بعیدہ پر یہ آلہ امام کی آواز اور اس کی تکبیرات وغیرہ پہنچانے کے لئے واسطہ ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ آلہ امام اور مقتدیوں کا غیر ہے۔ اور امام کا غیر مقتدی کے قول پر اور مقتدی کا غیر امام کے قول پر عمل کرنا مفسد صلوٰۃ ہے پس اس آلہ کی آواز پر جو لوگ ارکان نماز ادا کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی، چنانچہ ردالمحتار میں ہے :۔

(وکذا الاخذ) ای اخذ المصلی غیر الامام بفتح من فتح علیہ، مفسد ایضاً کما فی البحر عن الخلاصۃ او اخذ الامام بفتح من لیس فی صلاتہ، کما فیہ عن القنیۃ انتھی

ہو سکتا ہے کہ کسی سائنس دان اور ماہر فن کی تحقیق فقیر کی اس تحقیق کے مخالف ہو تو یاد رکھئے کہ اس باب میں کافر یا فاسق کے قول کا تو اصلاً اعتبار ہی نہیں ہاں متقی کے مقابلے میں گنجائش ہے کہ فقیر کی تحقیق کا اعتبار نہ کیا جائے تو اول تو ایسا شخص ان شاء اللہ تعالیٰ میسر ہی نہیں آسکتا اور بالفرض نہایت درجہ کی تلاش سے میسر آ بھی جائے تب بھی حرمت وحلت کے دلائل کے تعارض کے وقت دلائل حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے لہٰذا میرا ہی قول احق بالقبول ہوگا اور یہ بھی نہیں تو کم از کم ان دلائل سے شبہ تو ضرور ہی واقع ہوتا ہے، اور شبہ بھی مقتضی ہے اس کے ترک کو فان الظن فی الفقہیات ملتحق بالیقین حاکم حقیقی جل وعلا کا ارشاد ہے (لا

تقف ما لیس لك به علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئك کان عنه مسئولا۔ یعنی جس بات کی تجھکو تحقیق نہ ہو تو اس پر عمل مت کر کہ ہر شخص سے اس کے کان آنکھ اور دل سے پوچھ ہوگی بادی النظر میں اس جیسے آلات بڑے بھلے اور مفید معلوم ہوتے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ یقیناً ان آلات کی ہمارے لئے سخت ضرورت تھی کہ اب تک ہم اس سے محروم تھے کہ اپنے امام کی بلاواسطہ تکبیرات سنتے اور اس کی قرأت ہمارے کانوں تک پہنچتی نصارٰی کا شکریہ ہے کہ اس نے ہماری اس دینی ضرورت کو پورا کر دیا، لیکن نہ سمجھے کہ نصارٰی نے اس پردہ میں تم سے آیۃ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم کی تکذیب کرادی اعاذنا اللہ تعالیٰ، نہ اس کا شعور ہوا کہ اب امام کی آواز میں شیطانی آواز کا دخل ہو گیا، انہی جیسی آوازوں کے ذریعے سے تو بہکانے پر آمادہ ہو کر شیطان آیا تھا جس پر ارشاد ہوا تھا واستفزز من استطعت منھم بصوتك الآیۃ، یعنی جس جس پر تیرا قابو چلے تو اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دیجو اور اپنے سوار و پیادے اُن پر چڑھا لیجو اور ان کے مال و اولاد میں شرکت کر لیجو اور ان کو وعدے دے لیجو (کہ یہ آوازیں تمہارے دین کو قبول کرنے والی ہیں) لیکن ہے یہ کہ اس کا وعدہ محض مکر و فریب ہے انتھی۔ نہ اس پر غور کیا کہ اس پردہ میں قرآن کریم کی اہانت کرائی جا رہی ہے اور اس کا تماشا بنایا جا رہا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا افمن ھٰذا الحدیث تعجبون وتضحکون کیا تم اس کلام پاک کو اچنبھا بناتے ہو اور ہنسی کرتے ہو عالمگیری میں ہے ومن حرمۃ القرآن ان لا یقرأ فی السوق انتھی۔ فقیر تو عبارت کے اندر اس آلہ کی ممانعت کرتا ہے جس محققین تو عام تقاریر میں اس کے استعمال کو ناجائز جانتے ہیں۔ چناں چہ دس بارہ سال ہوئے ایک بڑے محقق عالم نے فقیر کے پاس عام مجالس میں اس آلہ کے استعمال کے متعلق سوال ارسال کیا تھا جس کا جواب دیا گیا تھا کہ مکروہ تنزیہی ہے پس بضرورت اس کا استعمال جائز ہے، لیکن جب ان سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میرے نزدیک تو مطلقاً اس کا استعمال ناجائز و حرام ہے جس کو میں نے اپنے فتوے میں دلائل قویہ سے ثابت کیا ہے میں اس کی نقل آپ کو بھیجوں گا لیکن پھر ان کا وصال ہو گیا تو میں نے ان کے صاحب زادے سے (کہ وہ بھی بڑے عالم اور مفتی شہر ہیں) اس فتوے کو طلب کیا لیکن ان سے دستیاب ہو سکا غالباً علامہ مرحوم نے اس کو آلات لہو یہ سے شمار فرمایا، فقیر کے خیال میں اگرچہ یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ آلات جہاں ضروریات زندگی کے لئے مفید ہیں وہاں مسلمانوں کو معصیت میں واقع کرنے کے لئے بھی بڑے قوی ذریعہ ہیں، ان کی ایجاد سے نصارٰی کی اصل غرض تو مولیٰ تعالیٰ ہی جانے لیکن ان کی چھپی دشمنی کا اقتضا یہ ضرور ہے کہ تمہیں اسلاف کے طریقے سے متزلزل کر دیں، چناں چہ وہ برابر ہی اسی امر میں کوشاں رہے لیکن جو کام وہ سو سال کی لگاتار کوشش کے باوجود بھی نہ کر سکے، ان آلات کے ذریعہ چند ہی سالوں میں اس پر کامیاب ہو گئے۔

اگر آپ غور کریں گے تو شیطان کا کام جیسا ان آلات کے ذریعہ نکلا ہے دوسرے ذرائع سے کم نکلا ہے اسی طرح بعض مصنوعات ان کے اور بھی ایسے ہی ہیں چناں چہ فقیر کے پاس ایک مصلے قالینی آیا جس میں پیر رکھنے کے مقام میں ایک ایسی تحریر میں کلمہ شریف لکھا ہوا تھا جو سرسری نظر سے نہیں پڑھا جاتا تھا یوں تم سے محرمات

شرعیہ کی توہین کرائی جاتی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بعض الناس کی وہ دلیل کیا ہوئی کہ جو خیر القرون میں نہ ہو وہ بدعت ہے، یہاں تو کوئی وجہ ہی نہیں نکلتی جو اس کو بدعات سے خارج کردے کہ صراحتہ طریقہ سنت کی مغیر ہے پس تو وہ اہلسنت کے نزدیک بھی اس کے بدعت ہونے میں شک نہیں۔

(۳) اس آلہ کے ذریعہ مکبّر کی تکبیر پر جو شخص ارکان نماز ادا کرے گا اس کی نماز نہ ہوگی لما تقدم من الدلائل نیز در مختار میں ہے وبہ علم جواز رفع المؤذنین اصواتھم فی جمعۃ وغیرھا یعنی اصل الرفع اما ما تعارفوہ فی زماننا فلا یبعد انہ مفسد اذ الصیاح ملحق بالکلام فتح و قال الشامی لما رمن تعقبہ انتہی۔ بلکہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت تو اگر مکبر صرف تبلیغ کی نیت کریگا اور اپنی تکبیر کی نیت نہ کریگا تب تو خود اس کی نماز بھی نہ ہوگی جس میں کسی کا اختلاف ہی نہیں۔ یہی حکم امام کا ہے کہ اگر وہ تکبیر تحریمہ یا قرأت میں محض تبلیغ کی نیت کرے گا تو نہ اس کی نماز ہوگی نہ اس کے مقتدی کی۔ اور جب ثابت ہوچکا کہ یہ آلہ باعتبار آواز کے خود مستقل حیثیت رکھتا ہے تو اب اس کا بھی احتمال ہے کہ اذان وخطبہ کا اعتبار ہی نہ ہو تو اس صورت میں تو ان دونوں کا اعادہ ضروری ہوگا ورنہ دوسری نمازوں کی اگرچہ ایک سنت مؤکدہ ہی جائے گی، لیکن نماز جمعہ تو اصلاً ادا ہی نہ ہوگی کہ خطبہ اس کے شرائط سے ہے لان اذان الصبی الذی لا یعقل غیر صحیح کالمجنون والمعتوہ کما فی الشامی فکیف یصح اذان غیر الانسان واما الخطیب فیشترط فیہ ان یتاھل للامامۃ فی الجمعۃ کما فی العالمگیری وھذہ الآلۃ لیست باھلھا۔ فقیر کو چونکہ اختصار پر نظر ہے اس لئے ان اجوبہ میں کراہت یا بطلان کے وہی وجوہ ذکر کئے جن میں زیادہ کچھ پوشیدگی نہ تھی، اور ایک منصف کے اطمینان کے لئے کافی تھے ورنہ اگر نظر بلیغ سے کام لیا جائیگا تو اسی قسم کے متعدد وجوہ اور بھی پائیں گے۔ الحاصل اس آلہ کا استعمال نہ اذان خطبہ میں جائز ہے نہ نماز کے اندر تکبیر وقرأت میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ شاہی امام

جامع مسجد فتحپوری دہلی

نوٹ:۔ یہ فتویٰ ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء میں "قصد السبیل" کے نام سے علمائے دہلی کی تصدیقات کے ساتھ کتابی صورت میں حافظ محمد احمد صاحب نے اعلیٰ پریس دہلی میں طبع کرا کے شائع کیا تھا۔

(سوال نمبر ۳۸) بعض مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز ہوتی ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب

بیشک محض لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر جو لوگ ارکان نماز ادا کریں گے ان کی نماز نہ ہو گی اس لئے کہ اس آلہ کے تصادم سے جو آواز پیدا ہو کر پھیلتی ہے وہ اس آلہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے جیسے کسی کی آواز کا جب گنبد سے تصادم ہوتا ہے تو وہ آواز گنبد کی کہی جاتی ہے اور فقہا اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ گنبد کی آواز بولنے والے کی غیر ہے یونہی اس آلہ کی آواز بھی غیر امام کی آواز ہوئی اور اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں کہ امام کا غیر مقتدی کے قول پر اور مقتدی کا غیر امام کے قول پر عمل کرنا مفسد صلوٰۃ ہے۔ فقط

(مہر)
محمد مظہر اللہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۳۹) ہمارے ہاں قریب قریب سات گاؤں واقع ہیں، جمعہ و عیدین کے موقعہ پر سب گاؤں والے جمع ہو کر جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار تک پہنچ جاتی ہے نماز جمعہ و عیدین ادا کرتے ہیں اس پر ایک عالم فرماتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ و عیدین کی نماز جائز نہیں کیا ان کا فرمانا درست ہے۔ بینوا و توجروا

الجواب

یہ تو صحیح ہے کہ ظاہر الروایۃ کے موافق گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور جواز جمعہ کے لئے مصر شرط ہے لیکن مصر کی تعریف میں فقہا کا اختلاف ہے۔ جو گاؤں اتنا بڑا ہو کہ اس کے تمام بالغ مرد اگر اس کی بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں نہ سما سکیں ایسا گاؤں بعض فقہا کے نزدیک مصر ہے چنانچہ در مختار میں ہے:-

ویشترط لصحتها المصر وهو ما لا یسع اکبر مساجده اهله المکلفین بها وعلیه فتوی اکثر الفقهاء۔

پس جس جس گاؤں میں جمعہ قائم ہے اگر وہ ایسا ہے جس پر تعریف مذکور صادق آتی ہے تو اس میں جمعہ جائز ہے اسے بند نہ کرنا چاہیئے البتہ اس کے بعد چار رکعت بہ نیت آخر ظہر اور پڑھ لینی چاہئیں تاکہ فرض وقت یقین کے ساتھ ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مہر)
محمد مظہر اللہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۲۵ر جنوری ۱۹۶۰ء)

(سوال نمبر ۴۰) (۱) ایک دیہات میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں لیکن وہاں چالیس پچاس سال سے جمعہ

ہوتا ہے اگر بند کیا جاتا ہے تو فتنہ کی صورت پیدا ہوتی ہے، ایسی حالت میں کیا کیا جائے ؟

(۲) مسجد کے اندر ایک قبر ہے کیا اس کے سرہانے یا پائینتیوں نماز پڑھ سکتے ہیں ؟

(۳) زید قرأت کے وقت حروف کی ادائیگی میں تحریف کرتا ہے مثلاً سین کی جگہ شین پڑھتا ہے ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) کم سے کم جواز جمعہ کے لئے یہ شرط ہے کہ اس موضع کے مکلف اگر وہاں کی بڑی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوں تو مسجد میں وہ نہ سما سکیں یہ شرط موجود ہے اس موضع میں تو جمعہ جائز ہے ورنہ ناجائز۔ فقط

(۲) قبر کے اور نمازی کے مابین سترہ ہونا چاہیئے۔

(۳) جو امام قرآن کریم کے حروف تبدیل کرکے پڑھتا ہے جب تک وہ حروف کو صحیح نکالنے پر نہ قادر ہو اس کو امام نہ بنانا چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۴۱) جس شہر میں شرعاً جمعہ جائز ہے وہاں کسی چھوٹی مسجد میں جہاں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو بغیر خطبہ کے جمعہ کی جماعت کر سکتے ہیں۔؟

الجواب

اول تو چھوٹی مساجد میں جمعہ قائم ہی نہ کرنا چاہیئے اگر صحت جمعہ کے دوسرے شرائط پائے جاتے ہوں کہ دو ایک مقام سے زائد مقامات پر جمعہ قائم کرنا اکثر فقہا کے نزدیک جائز نہیں اور خطبہ تو صحت جمعہ کے شرائط سے ہے بلا خطبہ تو مسجد جامع میں بھی اگر جمعہ پڑھا گیا تو ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۴۲) زید نے ایک مسجد میں تراویح پڑھانے کے بعد وتر پڑھائے اور پھر دوسری مسجد میں آیا جہاں شب بیداری ہو رہی تھی اور پچھلی رات کو وتر پڑھنے تھے چنانچہ یہاں آکر زید نے ایک رکعت وتر سے پہلے پڑھی اور یہ ایک رکعت پہلے والے وتر میں ملا کر نفل کر دیئے اور اس کے بعد زید نے یہاں دوبارہ وتر پڑھائے جب بکر نے زید کے اس فعل پر اعتراض کیا اور کہا کہ ایک رکعت نماز نفل کوئی نماز نہیں تو زید نے جواباً یہ دلیل پیش کی :-

عن ابن عمر انہ سئل عن الوتر قال اما انا فلو اوترت قبل ان انام ثم ارددت ان اصلی باللیل شفعت بواحدۃ ما مضی من وتری ثم صلیت مثنٰی مثنٰی فاذا قضیت صلوتی اوترت بواحدۃ لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا ان نجعل آخر صلوۃ اللیل الوتر۔ رواہ احمد

عن علی قال الوتر ثلاثۃ انواع فمن شاء ان یوتر اول اللیل اوتر فان استیقظ فشاء ان یشفعہا برکعۃ ویصلی رکعتین رکعتین حتی یصبح ثم یوتر فعل و ان شاء صلی رکعتین رکعتین حتی یصبح وان شاء آخر اللیل اوتر۔ رواہ بیہقی والشافعی فی مسندہ۔

ازراہ کرم وضاحت فرمائیں کہ زید کی یہ دلیل صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

زید جب ایک مرتبہ وتر پڑھ چکا تھا تو دوبارہ اس کو اسی روز کے وتر پڑھنا ناجائز تھے اور جو ترکیب اس نے جواز کے لئے کی وہ عندالاحناف غیر معتبر ہے، بکر کا اس پر اعتراض صحیح ہے :-

لما اخرجہ ابن عبد البر فی التمہید عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن البتیراء ان یصلی الرجل واحدۃ یوتر بہا کذا فی تعلیق المجلی ولما روی محمد بن کعب القرظی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن البتیراء کذا فی الغنیہ ——— وعن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرھن رواہ الحاکم۔ وقال الصحیح علی شرط البخاری ومسلم کذا فی التعلیق المجلی

حق یہ ہے کہ وتر کے باب میں بکثرت احادیث مروی ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہیں اور غیر مجتہد کے لئے باعث حیرانی ہیں اس لئے تاوقتیکہ مجتہدین میں سے کسی ایک کا دامن نہ پکڑا جائے مسلمان ایسے ہی مضحکہ خیز افعال کا مرتکب رہے گا، جس کی ایک نظیر سوال میں مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۷ جون ۱۹۵۶ء)

(سوال نمبر ۳۴۲) اس زمانہ میں شبینہ کا بڑا رواج ہوگیا ہے، ہمارے محلہ میں بھی بعض لوگ اس کا ارادہ کر رہے ہیں لیکن کچھ لوگ اس کے مخالف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ شبینہ کرنا محدث اور حرام ہے جو شخص اس میں چندہ دے گا وہ گنہگار

ہو گا پس سوال یہ ہے کہ کیا شبینہ کرنے والے گنہگار ہوں گے یا ثواب پائیں گے اور شریعت میں شبینہ کرنا کیسا ہے۔

(۲) اگر فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) شبینہ فی نفسہٖ مستحسن ہے اگرچہ اس کا وجود قرونِ اولیٰ میں نہ تھا لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں کہ جو امر حادث ہے وہ ممنوعاتِ شرعیہ میں داخل ہے، صدہا امور باوجودیکہ محدثات سے ہیں لیکن علماء نے ان کو مستحبات سے شمار کیا ہے، بنائے مدارس تدوین کتب حدیث وغیرہ سب ایسے ہی امور ہیں سیدی عبدالوہاب شعرانی بحر المورود میں فرماتے ہیں اخذ علینا العهود ان نمکن احدا من اخواننا ینکر شیئا ابتدعه المسلمون علی جهة القربة الی الله تعالٰی ورأوه حسنا ہم پر عہد لیا گیا ہے کہ ہم کسی اپنے بھائی کو ایسی چیز پر انکار نہ کرنے دیں جو مسلمانوں نے اللہ تعالٰی کی طرف تقرب کے لئے نئی نکالی اور اچھی سمجھی ہو۔ کسی امر کی جبتک شارع علیہ السلام سے ممانعت وارد نہ ہو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس سے منع کرے کہ جواز کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کہ شارع نے اس پر ممانعت نہ فرمائی ہو اور جب اس فعل کو بہ نیت حسن کیا جاوے تو لامحالہ مستحسنات میں شمار ہو گا غرض شبینہ کی نفس ذات میں تو کوئی قباحت نہیں بکثرت اکابر سے منقول ہے کہ وہ ایک رات میں ختم کلام اللہ کر لیتے ہیں یہاں تک کہ خود امامنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا گیا کہ وہ ماہ رمضان میں تراویح سے علاوہ ہر روز اور ہر شب ایک قرآن کریم ختم کرتے اور یوں پورے ماہ میں اکسٹھ بار قرآن کریم کی تلاوت فرما لیتے تھے، پس اس پر انکار صحیح نہیں اور اس پر عامل ضرور ثواب کے مستحق ہیں۔ ہاں جن امور کی وجہ سے اس کی ممانعت کی جاتی ہے ان کا لحاظ واجبات سے ہے اگر ان امور میں سے کوئی پایا جائے گا تو ضرور ایسے شبینہ سے ممانعت کی جائے گی اور وہ امور یہ ہیں:-

حفاظ پڑھنے میں اس قدر تعجیل کرتے ہیں کہ نہ حروف اپنے مخارج سے ادا ہوتے ہیں نہ کھڑے اور پڑے کا امتیاز باقی رہتا ہے دوسرے قواعد تجوید کا تو ذکر ہی کیا ہے اور ایسی طرح پڑھنا اور اس کا سننا دونوں حرام ہیں پس اگر صحیح پڑھنے والے حفاظ میسر نہ آئیں تو شبینہ نہ کیا جاوے۔ جس حدیث میں تین روز سے کم میں ختم قرآن کی ممانعت وارد ہے اس میں حقیقت میں اسی قسم کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ بعض حفاظ محض اس خیال سے شبینہ میں پڑھتے ہیں کہ سامعین کی نظروں میں ہم کو دوسرے حفاظ سے فوقیت حاصل ہو جاوے اور یہ بھی مذموم ہے سامعین اکثر ایسے اشخاص ہوتے ہیں جن پر شبینہ کی شرکت گراں ہوتی ہے اور وہ اپنے بعض دوستوں کے اصرار و مروت کی وجہ سے اس میں شریک ہوتے ہیں پھر کسلمند ہونے کے آثار ان سے نمایاں ہوتے ہیں جنکی وجہ سے لوجہ اللہ شریک ہونے والے بھی پریشانی میں پڑتے ہیں پس ایسے لوگوں کو ہرگز شرکت پر برانگیختہ نہ کیا جاوے۔ بعض مقام پر جہاں شبینہ ہو رہا ہے وہیں طعام سحری کا بھی انتظام کیا جاتا ہے

جس کی وجہ سے قاری اور سامعین تشویش میں پڑتے ہیں اور یہ بھی ممنوع ہے، پس اُس مقام پر اس سے بھی حذر کیا جاوے الحاصل اگر امور مذکورہ کی اصلاح کر لی جاوے تو شبینہ میں مضائقہ نہیں۔ فقط

(۲) ہاں پڑھ سکتا ہے صغیری میں ہے اذا لم یصل الفرض معہ قیل لا یتبعہ فیہا ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معہ التراویح لا یتبعہ فی الوتر والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذالک کلہ کذا فی الصغیری۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۴۴) ایک شخص کے جنازے پر پہلے پچاس آدمیوں نے نماز پڑھی دوسری مرتبہ سو آدمیوں نے تیسری مرتبہ میت کی تدفین کے بعد ایک شخص نے جو پچھلی دو نمازوں میں شامل نہ تھا، نماز پڑھی ـــــ بکر کہتا ہے کہ جنازے کی تین نمازیں جائز ہیں اور استدلال لائے یہ کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازۂ اقدس پر کئی مرتبہ نماز پڑھی گئی، آیا بکر کا یہ قول صحیح ہے بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب

جب ولی میت نماز جنازہ پڑھ لے تو پھر سوائے سلطان کے کسی دوسرے شخص کو دوبارہ اس جنازے کی نماز پڑھنا جائز نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز کی تکرار آپ کے خصائص سے تھی اور مزار شریف پر تو حضور کے بھی نماز نہیں پڑھی گئی۔ ہدایہ شریف میں ہے :۔

وان صلی الولی ای علی المیت لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والتنفل بہا غیر مشروع ولہذا رأینا الناس ترکوا عن آخرہم الصلوٰۃ علی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو الیوم کما وضع انتہی۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د

دوسرا باب

(ب)

عبادات



رؤیت ہلال

(سوال نمبر ۵۴) رویت ہلال کے متعلق تار، ٹیلیفون، خطوط، ریڈیو کی خبر مثل عینی شہادت کے معتبر اور قابل عمل ہے یا نہیں۔ آج کل عوام ہی نہیں بلکہ بعض اہل علم بھی ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر پر اعتماد کلی رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ عذاب ثواب ہماری گردن پر ہے۔ کیا اُن کا یہ قول شرعاً قابل عمل ہوگا یا نہیں اگر ہوگا تو کیا اگر کوئی عالم رویت کا فیصلہ کر کے بذریعہ ریڈیو اعلان کروائے تو یہ بھی قابل عمل ہوگا یا نہیں۔ فقط

المستفتی

عقیل احمد عثمانی قاضی شہر جے پور، جبرلوں کا راستہ

معروضہ یکم ذوالحجہ ۸۲ھ یوم سہ شنبہ

الجواب وھو الموفق للصواب

اصل اس باب میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے کہ لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ وفی روایۃ فاکملوا العدۃ ثلثین (متفق علیہ) ای حتی یثبت عندکم رویۃ ھلال بشھادۃ (مرقاۃ) یعنی (بہ نیت رمضان) روزہ نہ رکھو تاوقتیکہ چاند نہ دیکھ لو اور نہ افطار کرو جبتک اسے نہ دیکھ لو (یعنی تمہارے نزدیک جبتک ثابت نہ ہو جائے) تو اگر تم پر (مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے) چاند پوشیدہ کر دیا جائے تو اُس کے لئے اندازہ کر لو، یعنی تیس ۳۰ روز پورے کر لو، اس حدیث پاک کا مضمون تو ظاہر ہے کہ روزہ رکھنے اور اس کے ترک کرنے کی ممانعت رویت ہلال کی نہ ثابت ہونے پر فرمائی ہے، نیز ارشاد ہے کہ اگر چاند تمہارے دیکھنے میں نہ آوے تو تم تیس ۳۰ روز پورے کر لو، تمہیں تار وغیرہ سے اس ٹٹول کا حکم نہیں دیا جاتا کہ چاند کہاں ہوا کہاں نہیں۔ کہ یہ تمہیں کچھ مفید نہ ہوگا۔ ہاں اگر شہادت سے ثابت ہو جائے تو پھر اُس پر عمل کرنا لازم ہے، تو اب معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ کیا صورتیں ہیں کہ اگر وہ نہ پائی جائیں تو چاند ثابت نہیں ہوتا، اور ایسی صورت میں چاند ثابت مان کر اُس پر عمل کرنا یقیناً ممنوع ہے پس جاننا چاہیئے کہ ایسے وقت کہ انتیس ۲۹ تاریخ کسی مقام پر چاند عام طور پر نہ دیکھا گیا ہو تو فقہا نے اُس مقام پر چاند کے ثابت ہونے کے تین ۳ ہی طریق کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کو طرق موجبہ کہا جاتا ہے۔ اگر وہ نہ پائے جائیں تو چاند ہونیکا حکم نہیں کیا جا سکتا اور وہ یہ ہیں (۱) عینی شاہدوں کی شہادت نہ ہو اور اصل شاہدوں کی شہادت دُشوار ہو تو ایسے شاہدوں کی شہادت ہو جو ایسے شاہدوں کی شہادت پر شاہد بنائے گئے ہوں۔ (۲) ایسے شاہد ہوں جو قاضی کے فیصلے کی شہادت دیتے ہوں، یا اس خط کی شہادت دیتے ہوں جو ایک قاضی نے

دوسرے شہر کے قاضی کی جانب اُن کے ذریعہ بھیجا ہو (۳) خبر مستفیض ہو، پس اِن طریقوں میں سے اگر کوئی طریق نہ پایا جائیگا، تو چاند ثابت نہ ہوگا۔ مثلاً اگر دو چار شخص یہ خبر آکر دیں کہ فلاں مقام پر اہل شہر نے چاند دیکھا ہے تو نہ مانا جائیگا۔ کہ ان طریقوں میں سے کسی طریقہ کا بھی اِس پر اطلاق نہیں آتا چناں چہ درمختار میں ہے :۔

فیلزم اہل المشرق برویۃ اہل المغرب اذا ثبت عندھم رویۃ اولئک بطریق موجب۔

پھر علامہ شامی طرق موجبہ کا بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

کان یتحمل اثنان الشہادۃ او یشھد اعلیٰ حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبرا ان اہل بلدۃ کذا راوہ لانہ حکایۃ۔

اور تنویر الابصار میں ہے :۔

الشہادۃ علی الشہادۃ مقبولۃ الا فی حد وقود بشرط تعذر حضور الاصل۔

اور اسی میں ہے :۔

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا شاھدان رویۃ الھلال وقضی بہ ووجد استجماع شرائط الدعویٰ قضی القاضی بشھادتھما وقال فی الدر المختار لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھدوا بہ لا لو شھدوا برویۃ غیرھم لانہ حکایۃ نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخریٰ لزمھم علی الصحیح من المذھب

(مجتبی وغیرہ انتہی)

اور ظاہر ہے کہ اول و دوم صورت تو تار وغیرہ کی خبر میں مستحق نہیں۔ کہ وہ شہادتیں ہیں اور یہ نری خبر، شاہد کے لئے تو علاوہ دیگر شرائط کے ایک بڑی شرط یہ ہے کہ وہ مجلس قضا میں حاضر ہو کر بلا پردہ بلفظ اَشہدُ گواہی دے کما فی عامۃ کتب الفقہ۔ جوہرہ نیرہ میں ہے الشہادۃ فی الشرح عبارۃ عن اخبار بصدق مشروط فی مجلس القضاء ولفظ الشہادۃ انتہیٰ ما فیہ — رہی تیسری صورت یعنی خبر مستفیض تو وہ اگرچہ خبر ہے، لیکن اس کے تحت بھی اِن اخبار میں سے کوئی خبر داخل نہیں، اس لئے کہ اُس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ خبر مستفیض یہ ہے کہ بلدۂ رویت سے متعدد جماعتیں آکر بیان کریں کہ فلاں مقام پر مثلاً چاند دیکھ کر روزہ رکھا گیا۔ چناں چہ ردالمختار میں ہے :۔

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات متعددۃ کل منھم یخبر عن اہل تلک البلدۃ انھم صاموا عن رویۃ لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعہ۔ انتہی

اور منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے :۔

اعلم ان المراد بالاستفاضۃ تواتر الخبر من الواردین من بلدۃ الثبوت

الی البلدۃ التی لم یثبت بہا لاجل الاستفاضۃ لانہا قد تکون مبنیۃ علی اخبار رجل واحد مثلا ص ۲۲/ ۲

خبر مستفیض کی اسی تعریف کی بنا پر زمانہ سابق میں علماء، تار و ٹیلیفون و خطوط کی خبروں کو خبر مستفیض نہ مانتے ہوئے رویت ہلال کے ثبوت میں غیر معتبر جانتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ نظام حیدر آباد باوجودیکہ علماء کی ایک مقتدر جماعت کی سرکردگی میں رویت ہلال کے تار ارسال کرتے رہے لیکن نہ مانا گیا، اور بعض ذمہ دار ہستیوں نے بذریعہ ٹیلیفون خبریں دیں لیکن معتبر نہ سمجھا گیا کہ فقہا خبر مستفیض اُس خبر کو کہہ رہے ہیں جو جماعت متعددہ آکر دیں اور یہاں ایک شخص کا بھی ورود نہیں تو جب ٹیلیفون جیسی چیز معتبر نہ سمجھی گئی، حالانکہ متعدد وجوہ سے وہ ریڈیو سے کہیں بہتر ہے، اُس کی خبر میں اگر شبہ واقع ہو تو اُس کا ازالہ ہو سکتا تھا، بجائے ایک شخص کے دس پانچ جانے پہچانے اُن لوگوں سے جنہوں نے خود چاند دیکھا، بیان بھی لیا جا سکتا تھا، لیکن کسی طرح اُس کو اس مسئلہ میں راہ نہ دی گئی تو ریڈیو کے ذریعہ کسی ایک شخص کی خبر کا کیوں کر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

پھر خبر مستفیض کو بھی نہ اس حیثیت سے طرق موجبہ میں شمار کیا گیا ہے کہ وہ مستفیض ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ امر موجب للعمل کی ایسے طریق سے ناقل ہے جو بمنزلہ خبر متواتر ہے، اس لئے کہ اُس سے یا یہ ثابت ہو رہا ہے کہ فلاں مقام پر رویت عام ہوئی۔ یا یہ کہ وہاں کے قاضی کے فیصلہ کی بنا پر چاند مانا گیا۔ اور یہ دونوں امر موجب عمل ہیں، اور خبر مستفیض ان میں سے کسی امر کو ثابت کر رہی ہے، تو اگر بجائے متعدد جماعتوں کے یا جماعت عظیم کے چند ہی اشخاص آکر یہ خبر دیں تب بھی نہ مانی جائے گی، کہ یہ خبر، خبر مستفیض کی شان نہیں رکھتی۔ چنانچہ درمختار میں ہے :-

لا لو شہدوا برؤیۃ غیرہم لانہ حکایۃ نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمہم علی الصحیح من المذہب وقال الشامی قلت ووجہ الاستدراک ان ہذہ الاستفاضۃ لیس فیہا شہادۃ علی قضاء قاض ولا علی شہادۃ لکن لما کانت بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اہل تلک البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بہا لان البلدۃ لا تخلوا عن حاکم شرعی عادۃ فلا بد من ان یکون صومہم مبنیا علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور وہی اقوی من الشہادۃ بان اہل تلک البلدۃ راوا الہلال وصاموا لانہا لا تفید الیقین فلذا لا تقبل الا اذا کانت علی الحکم او علی شہادۃ غیرہم لتکون شہادۃ معتبرۃ والا فہی مجرد اخبار بخلاف الاستفاضۃ فانہا تفید الیقین۔ انتہی

اس عبارت سے ایک مسئلہ اور بھی معلوم ہوا، کہ اگر یقیناً معلوم ہو کہ بلدۂ رویت میں کوئی قاضی یا محتاط عالم نہیں ہے

تو اگر وہاں سے متعدد جماعتیں بھی خبر دیتی ہوئی آئیں کہ وہاں چاند مان لیا گیا ہے۔ تب بھی معتبر نہ ہوگی کہ احتمال ہے کہ ریڈیو وغیرہ جیسی خبر پر چاند نہ مان لیا گیا ہو، مگر جب کہ یہ خبر دیں کہ وہاں پر عام طور پر چاند دیکھا گیا ہے۔

غرض جب ثابت ہو گیا کہ طرق موجبہ میں تار، ریڈیو خطوط کی خبر داخل نہیں تو ایسی خبروں سے چاند کیسے ثابت ہو سکتا ہے، بنظر شرع ملاحظہ کریں گے تو بہت سے وجوہ ان میں ایسے پائے جائیں گے جو ان کو اس باب میں ساقط الاعتبار کرنے کے لئے کافی ہیں۔ چناں چہ مخبر کا مجہول یا مستور ہونا یا اس کی آواز و تحریر کی صحیح معرفت نہ ہونا کہ النغمۃ تشبہ النغمۃ اور الخط یشبہ الخط فقہا کے اصول مسلمہ سے ہے، ہدایہ میں ہے

ولو سمع من وراء الحجاب لا یجوز له ان یشهد لان النغمة تشبه النغمة فلم یحصل العلم۔ اور اسی میں ہے الخط یشبه الخط فلم یحصل العلم۔

اور کتاب القاضی الی القاضی سے شبہ کیا جاوے، کہ آخر وہ بھی تو خط ہی ہے پھر اس پر کیوں عمل کیا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس میں ضرورت تھی اس لئے باجماع اس کو حجۃ قرار دیا گیا، دوسرے نہ دیکھا کہ اس کے قبول ہونے کے لئے کس قدر شرائط ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں ملے گا، چناں چہ منجملہ ان شرائط کے ایک شرط اس پر شاہدوں کا ہونا ہے، بغیر شاہدوں کے وہ بھی قابل قبول نہیں۔ عالمگیری میں ہے :۔

جعلناه حجة بالاجماع ولكن انما يقبله القاضي المكتوب اليه عند وجود شرائطه ومن جملة الشرائط البينة حتى ان القاضي المكتوب اليه لا يقبل كتاب القاضي ما لم يثبت بالبينة انه كتاب القاضي انتهى۔

پھر اس کے ساتھ یہ قید مزید کہ یہ خط بھی ہو۔ تو قاضی کی جانب سے ہو، غیر قاضی کا خط قاضی کسی طرح بھی قبول نہ کرے گا، چناں چہ درمختار میں ہے :۔

ولا یقبل من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام انتهى

یہاں سے ان حضرات کے شبہ کا جواب بھی حاصل ہو جاتا ہے، جو فرماتے ہیں کہ زمانہ سابق میں اگر ڈاک کا سلسلہ یا ریڈیو جیسے آلات ہوتے تو ضرور آئمہ مجتہدین اور فقہائے معتمدین ان کی خبروں کو عمل کے لئے حجۃ ملزمہ قرار دے دیتے، اس لئے کہ خطوط کا طریقہ تو ڈاک سے بھی زیادہ اس زمانہ میں موجود تھا، جب تو خطوط کے متعلق مسائل ذکر کئے گئے، اور بتلایا کہ یہ بلا بینہ قبول نہیں۔ رہا ریڈیو تو اس کی حقیقت یہی تو ہے، کہ اس میں ایک غائب آدمی کی آواز سنی جاتی ہے، جس کی نہ خلقت کا علم ہو سکتا ہے نہ اخلاق کا اور اوپر گذرا جانا پہچانا آدمی بھی اگر دیوار کے پیچھے سے بولے تو اس باب میں اس کا کچھ اعتبار نہیں، جس میں ریڈیو جیسے سبھی آلات کا حکم تو موجود ہے۔ سمجھنے کے لئے فہم درکار ہے، ورنہ فقہائے کرام (شکر اللہ مساعیہم) نے تو ہمارے اجتہاد کے لئے کوئی ضرورت بھی باقی نہ رکھی۔ بعض جہلا کا یہ کہنا کہ عذاب ثواب ہماری گردن پر یہ بتلاتا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ چاند کے ثبوت میں ان کو یقین کامل ہو چکا ہے۔ یہ لوگ اپنی عقل نارسا پر ایسا اعتماد رکھتے ہیں کہ اگر کسی حکم شرعی کو

بھی اُس کے خلاف پاتے ہیں، تو جہاں تک ہو سکتا ہے اُس کو ایسے رنگ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں جو اُن کی عقل کے موافق ہو جائے، ورنہ اُس کا مذاق اڑانے لگتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمارا دین عقل کے موافق ہے، جو مسئلہ عقل کے خلاف ہے وہ ہرگز دین کا نہیں، ہاں بیشک یہ دین عقل کے موافق ہے، مگر نہ تیری عقل کے۔ اے عزیز ہوش میں آ کیا تو نہیں جانتا کہ تیری عقل نے دائرۂ محسوسات سے تو پاؤں باہر رکھا ہی نہیں، بلکہ غور کرے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ عقل تو محسوسات میں بھی اکثر مواقع میں غلطی کرتی ہے، پھر معقولات میں کیا دخل دیگی، اور پھر شرائع میں، کیا معراج کا واقعہ تیری عقل میں آسکتا ہے۔ اور معجزاتِ انبیاء علیہم السلام کو تیری عقل قبول کر سکتی ہے تو پھر کس برتے پر کہتا ہے کہ عذاب ثواب میری گردن پر۔ تو نے اپنے مخاطب کا عذاب تو اپنی گردن پر لے لیا لیکن اس کی گردن سے کیا ہلکا کر دیا۔ ہرگز ہرگز ایسے شخص کے قول پر عمل کرنیوالے بے پرواہ نہ ہوں کہ لا تزر وازرة وزر اخری، وہ اپنی ذمہ داری سے ہرگز نہ چھوٹیں گے۔

اِس مسئلہ میں بڑی دلیل اُن کی یہ ہے کہ وہ خبر جس کے صدق پر ظنِ غالب ہو وہ قبول کی جاسکتی ہے۔ سو یہ حکم وہیں ہے جہاں شریعت مطہرہ کا کوئی ضابطہ نہیں پایا جاتا۔ اور اُس کو بندہ کے ظن غالب پر چھوڑ دیا گیا ہے، پس جن خبروں کے قبول کرنیکے لئے ضوابط مقرر ہیں، اُن میں ظنِ غالب کا اعتبار نہیں اور اصل یہ ہے کہ خبر دو قسم کی ہوتی ہے۔ خبرِ متواتر اور خبرِ آحاد؛ خبرِ متواتر وہ ہے جس کو اتنی کثرت سے لوگوں نے بیان کیا نہ ہو جن کا جھوٹ پر اتفاق عقل نہ تسلیم کرتی ہو تو اُس سے تو یقین حاصل ہوتا ہے۔ اور خبرِ آحاد وہ جو اِس قدر لوگوں کی خبر نہ ہو، پھر اِس میں خبر دینے والوں کی تعداد و صفات کے اعتبار سے خبر کی حیثیت جداگانہ ہوتی ہے، اگر بڑی جماعت ہے تو حسبِ مراتب اعدادِ مخبرین ظنِ غالب حاصل ہوگا، اور ان کی خبر، خبرِ مستفیض کہلاتی ہے، اور ایسی جماعت، جماعتِ عظیم اور جمِ غفیر اور بڑی جماعت نہیں ہے، تو اعداد و صفاتِ مخبرین اور فہم و تجربہ سامعین کی وجہ سے کبھی خبر کی کسی طرف کا یقین حاصل ہوگا۔ اور کبھی ظنِ غالب اور کبھی صرف ظن حاصل ہوگا، اور کبھی شک، اور کبھی کسی قسم کا فائدہ بھی حاصل نہ ہوگا، پس اگرچہ خبرِ آحاد میں سب سے اونچے درجہ کی خبر مستفیض ہے جس سے غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر جماعتِ عظیم نے صرف ایک شخص مثلاً زید سے سنکر خبر دی ہے، تو اس سے اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زید کا یہ قول ہے، اب شریعت کی نظر میں زید کی جو حیثیت ہے، اُس کے موافق ان پر حکم ہوگا۔

پھر جماعتِ عظیم سے نیچے کے درجات کی خبروں میں مخبر اور مخبر لہ اور مخبر عنہ اور مخبر بہ اور سامع کی حیثیاتِ مختلفہ کی جہت سے اُن کے احکام چونکہ مختلف ہوں گے، اس لئے شارع علیہ السلام نے خود تحدید فرما دی اور قواعد مقرر کر دئے کہ فلاں فلاں مواقع میں مخبر کی شان ایسی ہونی چاہیئے اور فلاں موقع میں ایسی جسکی تفصیل کتبِ فقہ میں ملے گی اور مختلف صورتوں کے مختلف احکام پائیں گے۔ کہ کسی صورت میں ایک کافر ہی کی خبر کا اعتبار ہے، تو کسی میں مسلمان ہونے کی بھی قید، اور کسی میں اُس کے ساتھ عادل ہونیکی بھی شرط اور کسی میں عادل ہونے کے باوجود چار مرد، اور کسی میں جماعتِ عظیم اور کسی میں صرف ایک عورت، اور کسی میں کم از کم دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں، پھر کسی میں شہادت اور حکم

حاکم شرط، اور کسی میں یہ بھی نہیں، اور کسی میں ان خبروں کے ساتھ غلبہ ظن کی بھی شرط، اور کسی میں یہ بھی نہیں، غلبہ ظن ہو یا نہ ہو، غرض شارع علیہ السلام نے کسی چیز کے ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ اور اُس کے لئے جو شرائط مقرر کردیئے ہیں، اُن میں سے اگر کسی میں بھی کمی واقع ہے، تو وہ چیز ہرگز ثابت نہ ہوگی، اگرچہ کیسا ہی غلبہ ظن بلکہ یقین ہی کیوں نہ ہو جائے، چناں چہ روزہ ہی کے باب میں دیکھئے کہ خود سلطان یا قاضی شہر عید کا چاند دیکھتا ہے، اور چاند کے ہونے میں اصلاً شک نہیں کرتا، لیکن سوائے اس کے اور کوئی دیکھنے والا نہیں، تو وہ چاند کے ہوجانے کا فیصلہ نہیں کرسکتا، بلکہ خود اُسے حکم ہے کہ افطار نہ کرے کہ اُس کے حق میں بھی ابھی چاند ثابت نہیں، چناں چہ عالمگیری میں ہے لو رأی الامام وحدہ او القاضی وحدہ ھلال شوال لا یخرج الی المصلی ولا یأمر الناس بالخروج ولا یفطر سرًّا ولا جهرًا کذا فی السراج الوھاج۔ غرض جہاں قضائے قاضی کی ضرورت ہے وہاں غلبہ ظن کی نہیں چلتی۔ وہاں تو حجۃ کی ضرورت ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما فی وقف الخانیۃ انتہی تو اگر اس کو بلا قیام حجۃ چاند ہوجانے کا یقین بھی ہوجائے تو وہ چاند ہونے کا حکم نافذ نہیں کرسکتا، چناں چہ اشباہ میں ہے الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین انتہی۔ بلکہ قواعد شرعیہ کے موافق چاند ثابت ہونے کے بعد بھی اگر قاضی اپنے معتبر عادل شخص کو کسی دوسرے شہر اعلان کرنے کے لئے بھیجے کہ چاند ہوگیا تو نہ مانا جائے گا، کہ طرق موجبہ سے نہیں، خط لکھ کر اپنی مہر سے مزین کرنے کے بعد بھی کسی دوسرے قاضی کے نام بھیجے لیکن لیجانے والا ایک ہی شخص ہو تب بھی قبول نہ ہوگا، کہ اگرچہ کتاب القاضی ہے، لیکن اس پر دو گواہ ہونے کی شرط مفقود ہدایہ میں ہے لا یقبل الکتاب الا بشهادۃ رجلین او رجل وامرأتین۔ لان الکتاب یشبه الکتاب فلا یثبت الا بحجۃ تامۃ۔ انتہی ——

تو دیکھئے ان صورتوں میں غلبہ ظن حاصل ہے۔ لیکن موجب عمل نہیں، معلوم ہوا کہ ہر جگہ ظن غالب موجب عمل نہیں بلکہ وہیں جہاں شریعت نے معتبر رکھا، ہاں اگر رمضان کا چاند اکیلا قاضی دیکھے تو پھر قاضی مختار ہے خواہ چاند کا اپنے علاقہ میں خود اعلان کردے یا کسی دوسرے قاضی کو تجویز کرکے شہادت دے، اور وہ اعلان کرا دے کہ اس چاند کے لئے وہ شرائط نہیں جو دوسرے چاندوں کے لئے ہیں۔ کہ کسی امر دینی میں صرف ایک عادل یا مستور الحال کی خبر دینا کافی ہوتی ہے۔ تو اگر مطلع صاف ہو تو جماعتِ عظیم کی خبر کی ضرورت ہوتی ہے کہ غلبہ ظن کا فائدہ دے، بلکہ ایک روایت کے موافق صرف دو ہی عادل کی بلکہ اگر بیرونجات یا کسی اونچے مقام سے آیا ہے تو اس صورت میں صرف ایک کی کافی ہے، درمختار میں ہے:۔

وقبل بلا علۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی وھو غلبۃ الظن بخبرھم وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذھب وعن الامام انه یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر وصحح فی الاقضیۃ الاکتفاء

بواحد ان جاء من خارج البلد او کان علی مکان مرتفع۔ انتہی۔

برخلاف عیدین کے چاند کے کہ یہ حقوق عباد سے بھی تعلق رکھتا ہے، اس لئے مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں بھی اُس کے اثبات کے لئے دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت کی ضرورت ہے، کہ مجلس قضا میں آکر شہادت دیں۔ بحرالرائق میں ہے :-

اما فی شھادۃ الفطر والاضحی فیشترط لفظ الشھادۃ وتشترط العدالۃ فی الکل لان قول الفاسق فی الدیانات التی یمکن تلقیھا من العدول غیر مقبول کا لھلال درایۃ الاخبار ولو تعدد کفاسقین فاکثر انتہی

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عیدین کے چاند کے لئے زیادہ شرائط ہیں، جب تک اِن شرائط کیساتھ شہادت نہ پائی جائگی عیدین کا چاند ثابت نہ ہوگا، اگرچہ غلبہ ظن حاصل ہو جائے، فرض کیجئے کہ ایسا شاہد جو اصدق الناس ہونے میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو، اپنی عمر میں کبھی جھوٹ بولا ہی نہ ہو، اور اُس کے ساتھ زہد و ورع میں بھی بلند پایہ رکھتا ہو، وہ عید کے چاند کی اکیلا گواہی دے تو ہرگز قبول نہ کیجائیگی۔ اور عوام میں سے دو عادل شخص گواہی دیں تو قبول کرلی جائے گی۔ حالاں کہ جو پہلی صورت میں آپ کو غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے، وہ دوسری صورت میں ہرگز حاصل نہیں۔ بلکہ اگر بجائے مسلمان کے دو چار دس بیس وہ غیر مسلم جن کی سچائی کی دھاک بندھی ہے گواہی دیں نہ مانی جائے گی، حالاں کہ غلبہ ظن تو اس وقت بھی حاصل ہے، اور اسی چاند کی دو مسلمان گواہی دے دیں مان لی جاتی ہے، اگرچہ غلبہ ظن نہ حاصل ہو کہ پچھلی صورتوں میں شہادت قانونِ شرعی کے موافق ہے۔ اور پہلی میں سقیم تو اگر قاضی غلبہ ظن کی وجہ سے پہلی صورتوں میں چاند ہونے کا حکم کردے اور دوسری صورتوں میں نہ کرے تو گنہگار اور فاسق ہوگا، بلکہ قابلِ تعزیر اور مستحق عزل چناں چہ درمختار میں ہے :-

فلو امتنع بعد وجود شرائطھا اثم لترکہ الفرض واستحق العزل لفسقہ وعزر لارتکابہ مالایجوز شرعا۔ زیلعی انتہی

اس سے معلوم ہوا کہ شارع نے جس شئے کو ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ مقرر فرمادیا ہے، وہ شے صرف ظن غالب سے ثابت نہیں ہو سکتی، جب تک وہ طریقہ مع اپنے شرائط کے نہ پایا جائے گا، مگر اُس وقت کہ ظنِ غالب سے مافوق دلائل کا شریعت ہی نے اعتبار نہ رکھا ہو تو اگر مثلاً طریق موجب تو پایا جاتا ہے لیکن کوئی شرط اس کی مفقود ہے تو اگر اس کا کوئی قائمقام موجود ہے تو اِس کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً کسی مقام میں شاہد تو موجود ہے، لیکن قاضی یا کوئی عالم موجود نہیں تو اس کے قائم مقام مسلمانوں کی جماعت ہے، بجائے قاضی کے وہ شہادت لیں گے چناں چہ درمختار میں ہے :-

ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ۔

اور اگر قائمقام بھی نہ ہو تو اب ظنِ غالب کا اعتبار ہوگا، چنانچہ ردّالمحتار میں ہے :-

والظاهر هو انه يلزم اهل القرى بسماع المدافع و رؤية القناديل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل انتهى

بعض حضرات کو ردالمحتار کی اس عبارت سے یہ شبہ واقع ہوا ہے، کہ جب توپ کی آواز کا سننا قریہ والوں کے لئے کافی ہے تو ریڈیو کا اعلان جبکہ ایک ذمہ دار مسلمان کے ذریعہ سے ہو اور وہ قاضی کے فیصلہ کا اعلان کرتا ہو تو کیوں نہ موجب عمل ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ہوگا اس لئے کہ جب اُس شہر اور اُس کے اطراف اور گرد و نواح کے لئے ثبوتِ رویت ہوگیا تو اب اُن کے رہنے والوں کے لئے صرف خبر ہی دینا باقی ہے، جس کے لئے یہ علامات کافی ہیں، کہ ایسی خبر کے ماننے کے لئے طریق موجب درکار نہیں، صرف غلبہ ظن ہی کافی ہے خواہ کسی طریق سے حاصل ہو کہ یہاں رویت ہلال کا ثبوت مقصود نہیں، ہاں اگر اتفاق سے ایسی صورت واقع ہو جائے کہ مثلاً سال میں رمضان کا ہونا تو متیقن ہے، لیکن اس کے تعین کے لئے دلیل نہ پائی جائے تو وہاں غلبہ ظن معتبر ہوگا، مبسوط میں ہے :-

ان اشتبه شهر رمضان على الاسير تحرى وصام شهرا بالتحرى لانه مأمور بصوم رمضان وطريق الوصول اليه التحرى عند انقطاع سائر الادلة انتهى ص ۵۹ ج ۳

الغرض شامی کی عبارت کا تو یہ مفاد ہے کہ قاضی شہر کی ولایت میں جو مقامات ہیں صرف اُن کے لئے یہ علامات مفید ہو سکتی ہیں جبکہ غلبہ ظن حاصل ہو جائے۔ نہ دوسرے بلاد کے لئے دوسرے بلاد میں اگر ایک شہر کا قاضی دوسرے شہروں میں ایسی خبر دے تو اس کا اعتبار نہیں کہ اس کو دوسرے بلاد کے امور میں کچھ دخل نہیں، چنانچہ فتح القدیر میں ہے :-

والقاضى لو اخبر قاضى البلد الاخر بانه ثبت عنده بينة قبلها حق فلان الكائن فى بلد الاخر لم يجز العمل به لان اخبار القاضى لا يثبت حجة فى غير محل ولايته (انتهى)

پس جب قاضی کا اعلان دوسرے بلاد والوں کے لئے حجت ہی نہیں تو اُن کے لئے اس پر عمل کیوں کر ممکن۔ بلکہ اگر یہ قاضی اپنا خط بھی دوسرے قاضی کے پاس اُن شرائط کے ساتھ بھیجے جو فقہا نے لازم فرمائے ہیں، تب بھی وہ مختار ہے کہ اپنے نزدیک صحیح پائے تو اس کے موافق حکم کرے ورنہ نہیں، درمختار میں ہے :-

ويكتب لشهادة الى قاضى يكون الخصم فى ولايته ليحكم القاضى المكتوب اليه بها على رايه وان كان مخالفا لراى الكاتب لانه ابتداء حكم (انتهى) ص ۴۳۸ ج ۴

ان روایات سے واضح ہوگیا کہ کسی قاضی کا دوسرے شہر میں بذریعہ ریڈیو خبر دینا (اگرچہ قاضی ہی کو دے) وہاں کے

لوگوں کے لئے حجت ملزمہ نہیں اور اگر اس کو اور تار ٹیلیفون کی خبر کو حجت ملزمہ قرار دیا جاتا ہے، تو پچھلے زمانے میں ان خبروں پر ظن غالب ہوتے ہوئے جو روزہ نہ رکھا گیا۔ اور آئندہ ایسی خبروں پر روزہ رکھ لیا گیا اور تیس۳۰ روزے پورے ہونے پر بھی چاند نہ دیکھا گیا تو کیا حکم ہوگا، کیا پہلی صورت میں ان روزوں کی قضا لازم ہے اور دوسری صورت میں عید کرنا حلال ہوگا، بعض حضرات کو ایک شبہ یہ بھی واقع ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں اس لئے کہ فقہا تصریح کرتے ہیں کہ اگر کسی مقام پر چاند ثابت ہو جائے، تو مشرق سے مغرب تک ہر اس مقام کے رہنے والوں پر چاند کا ماننا لازم ہو جاتا ہے، جن کو ان کی خبر پہنچے، لہٰذا ان ذرائع سے جہاں خبر پہنچے گی، اُن پر چاند کا ماننا لازم ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، لیکن یہ تسلیم نہیں کہ ہر طرح کی خبر سے چاند کا ماننا لازم ہوتا ہے، بلکہ خبر مستفیض سے اور خبر مستفیض کی تعریف ہم بحوالہ شامی و منحۃ الخالق بتا چکے ہیں کہ متعدد جماعات کا خبر دینا ہے نہ ہر ایک خبر، منحۃ الخالق میں ہے :-

کل من استفاض عندھم خبر تلک البلدۃ یلزمھم اتباع اھلھا ویدل علیہ قولہ ویلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذ لیس المراد باھل المشرق جمیعھم بل بلدۃ واحدۃ تکفی کما لا یخفی انتھی۔

اسی میں ہے :-

لا مجرد الاستفاضۃ لانھا قد تکون مبنیۃ علی اخبار رجل واحد مثلاً فیشیع الخبر عنہ ولا شک ان ھذا لا یکفی بدلیل قولھم اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا یکون الا بما ذکرنا۔ منحۃ الخالق صفحہ ۲۷۰ ج ۲

پھر عوام ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اکثر دنیوی کاروبار تو انہی خبروں پر جاری ہیں، بلکہ سرکاری بڑے بڑے امور کا تو انہی پر مدار ہے، شبہ کی گنجائش ہی نہیں مانی جاتی تو کیوں نہ دینی امور میں اُن پر اعتبار کیا جائے، لیکن یہ لوگ خود اپنے ہی قول پر غور نہیں کرتے کہ اُن ہی دنیوی کاموں کے سرانجام پانے کا تو مدار ہے جو کسی کے حق سے تعلق نہیں رکھتے اور جن میں شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی، کیا کبھی کسی سرکاری محکمہ کو دیکھا کہ ان ذرائع سے کسی مقدمہ میں شاہدوں کی شہادت مان کر کوئی حکم نافذ کرتا ہو، اگر نہیں تو دینی احکام نافذ کرنے کی اس سے کیوں توقع کی جاتی ہے، اور اگر دنیوی معاملات پر ہی قیاس کی ٹھہری ہے تو پھر چاند دیکھنے اور ریڈیو سننے کی تکلیف بھی کیوں گوارا کی، اس باب میں تو جنتریوں پر عمل در آمد ہے تو چاہیئے کہ رویت کے مسئلہ ہی کو ختم کر دیا جائے جنتری دیکھی اور عید کرلی، کہ اس میں تو بعض فقہا بھی آپ کی تائید فرماتے ہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے :-

وقول اولی التوقیت لیس بموجب وقیل نعم والبعض ان کان یکثروا۔

اور تار وغیرہ کی خبر میں تو کوئی بھی آپ کا موافق نظر نہیں آتا، اور اگر اس سے یہ خیال مانع ہو کہ اس کو تو حقوق عباد سے بھی کچھ تعلق کہا جاتا ہے، تو اس میں قضائے قاضی اور شہادت کی ضرورت ہوگی، تو پھر سرکاری عدالتوں کا

اتباع کیجئے، اور علماء کو مجبور کیجئے کہ جس طرح وہاں مسلم غیر مسلم ہر طرح کے شاہدوں کی شہادت پر حکم کیا جاتا ہے، آپ بھی ایسا ہی کیجئے، اس کلام سے آپ کو واضح ہو گیا ہوگا، کہ قوانین اسلامیہ غیروں کے معاملات و قوانین سے جدا حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ فلاں عالم نے اِن آلات کی خبر کو چاند کے معاملہ میں معتبر قرار دیا ہے، اور فلاں ملک میں عامہ علماء اس پر عامل ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ انہوں نے خبر مستفیض کے لغوی معنی پر نظر رکھتے ہوئے ایسا کیا ہو جو غلط ہے، لیکن کسی شخص واحد یا ایک گروہ کا فعل قابل حجت نہیں ہو سکتا، یہاں دلائل شرعیہ کی ضرورت ہے، اُن کے دلائل معلوم ہوں تو اُس پر نظر کی جائے۔

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ چاند کے ثبوت کے لئے تار وغیرہ آلات کی خبر کافی نہیں، اس لئے حکم قضا کے لئے اُن آلات کی خبر کو فقہا معتبر نہیں مانتے، دوسرے ہر قاضی اپنے علاقہ پر ولایت رکھتا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک قاضی تمام دنیا کی قاضیوں کی ولایت سلب کر لے اور اپنے مقام پر بیٹھا ہوا تمام دنیا کے لوگوں پر حکمرانی کرے، اور مجتہدوں کی کوششوں کے ایک حصہ کو نظر انداز کرتے ہوئے فقہ کے ایک باب کو ہی حذف کر دے کہ دنیا کے کسی قاضی کو روزہ کے باب میں نہ شہادت کی ضرورت رہے نہ شہادت علی الشہادت کی اور نہ شہادت علی القضاء کی حاجت رہے نہ کتاب القاضی الی القاضی کی اور خبر مستفیض تو کالعدم ہی ہو جائے کہ اُس کی جگہ یہ آلات خود ہی سنبھال بیٹھے۔ اس تقریر سے اس مسئلہ کا جواب بھی حاصل ہو گیا کہ جب کوئی عالم رویت ہلال کا فیصلہ کر کے ریڈیو کے ذریعہ اعلان کرے کہ اس ترکیب سے اُن نقائص کا جن کا ذکر کیا گیا کس طرح ازالہ کیا جائیگا۔ آخر وہ خبر ہی تو ہوگی نہ خبر مستفیض شرعی اور ثابت کیا جا چکا ہے، کہ دوسرے شہروں کے لئے خبر مستفیض شرعی کی ضرورت ہے، نہ محض خبر کی۔ اب قاضی کسی سے خبر دلائے یا خود دے، اور خبر دینے والا مسلم ہو یا غیر مسلم عادل ہو یا فاسق عالم ہو یا جاہل، بہر حال یہ خبر تو محض خبر ہی رہے گی، اور وہ حجت لازمہ نہیں یہاں تک میں تحریر کرنے پایا تھا کہ ایک مفتی صاحب[1] کا ابھی مسئلہ کے متعلق ایک فتویٰ زیر مطالعہ آیا، انہوں نے ایک ترکیب اور بیان فرمائی ہے جس سے ایسی خبر عام مسلمانوں کے لئے موجب عمل ہو جائے، اور وہ یہ کہ حکومت یا مسلمانانِ ہند کسی عالم معتمد کو پورے ہندوستان کے لئے مقرر کر کے رویت ہلال کا فیصلہ اُن کے سپرد کر دیں، اور وہ جہاں جہاں ریڈیو اسٹیشن ہیں وہاں اپنے نائب علماء مقرر کر دیں، اب یہ علماء اپنے مقام پر شہادت لیکر اپنا فیصلہ بذریعہ ریڈیو کسی مسلمان سے اپنی نگرانی میں نشر کرا دیں تو اس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں کو عمل کرنا واجب ہو جائے گا، اس کے ساتھ بعض دلائل کا بھی ذکر فرمایا ہے، اگرچہ اس مختصر میں جواب تو اُس کا بھی آ گیا، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مستقلاً مگر مختصراً اس پر بھی کچھ معروض کروں فاقول، اوّل تو کسی عالم کا سلطان کے حکم میں ہونا ہی محال ہے، کہ جب تک تمام

---

[1] اس سے مفتی آگرہ جناب مولینا عبد الحفیظ صاحب مرحوم مراد ہیں۔

کیسے اس پایہ کو پہنچ سکتا ہے، مزید دوسری شرط یہ بھی ہے کہ وہ اشراف و اعیانِ مملکت کا اس پر اتفاق نہ ہو وہ اپنی قوت غلبہ سے اپنے احکام ملک کے گوشہ گوشہ میں جاری کر سکے اور لوگ اس کے احکام ماننے پر مجبور ہو جائیں اور یہ شے بھی اس کو کہاں میسر ہو سکتی ہے، جبکہ ایک شہر میں کسی ایک عالِم پر لوگوں کا اتفاق کرنا متعذر رہو رہا ہے، ہماری دہلی ہی میں اکثر دو عیدیں ہوتی ہیں۔ ردالمحتار میں ہے :-

السلطان یصیر سلطانا بامرین بالمبایعۃ معہ من الاشراف والاعیان وبان ینفذ حکمہ علی رعیتہ خوفا من قہرہ فان بویع ولم ینفذ فیہم حکمہ لعجزہ عن قہرہم لا یصیر سلطانا۔ انتہی ط ۳۳۶ / ۴

پھر اگر تنزلاً یہ بھی مان لیجئے کہ کوئی عالم سلطان کی جگہ سنبھال لے گا پھر بھی اس کی قضا موضع اختلاف میں نافذ ہو سکتی ہے نہ موضع خلاف میں۔ وہ کون مجتہد ہے، جس کے نزدیک ریڈیو کی خبر سے سلطان تمام ملک میں رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے :-

الاصل ان القضاء یصح فی موضع الاختلاف لا الخلاف والفرق ان للاول دلیلا لا الثانی۔

علاوہ ازیں سیاسی اور انتظامی امور کا یہ مسئلہ نہیں ہے جس میں اس کا حکم نافذ ہو جاتا ہے، اس کا تعلق حقوق سے ہے، اور اس میں اصل یہ ہے کہ ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے، ولی خاص کے ہوتے ولی عام کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے :-

الولایۃ الخاصۃ اقوی من الولایۃ العامۃ ولہذا قالوا ان القاضی لا یزوج الیتیم والیتیمۃ الا عند عدم ولیہما فی النکاح ولو ذا رحم محرم او اما او معتقا۔ وعلی ہذا ان القاضی لا یملک التصرف فی مال الوقف مع وجود ناظرہ ولو من قبلہ۔ (انتہی)

پھر سلطان کو بھی اگر اختیار ہے، تو ایسے امور میں صرف اسی قدر جس قدر قاضی کو ہے بلکہ اس میں بھی فقہا کا اختلاف ہے ——— چنانچہ عالمگیری میں ہے :-

السلطان اذا حکم بین اثنین لا ینفذ وفی ادب القاضی للخصاف ینفذ وھو الاصح وبہ یفتی کذا فی الخلاصۃ۔

شامی میں ہے :-

لو کان الرائی اماما فلا یامر الناس بالصوم ولا بالفطر اذا راٰہ وحدہ ویصوم ھو کما فی الامداد (انتہی)

اور فتح القدیر میں ہے :-

لا فرق بین کون ھٰذا الرجل من عرض الناس او کان الامام فلا ینبغی للامام اذا راٰہ وحدہ ان یامر الناس بالصوم وکذا فی الفطر بل حکمہ حکم غیرہ (انتھی)

رہے نابینین تو ان کی خبر خود مفتی صاحب اپنے قول لان قضاء القاضی محدود فی ولایتہ میں دوسرے شہروں کے لئے غیر معتبر تسلیم کر رہے ہیں، اور یہ ثابت کیا جا چکا کہ ثبوت رویت کے لئے طریق موجب شرط ہے اور ریڈیو کی خبر طریق موجب نہیں، اور وہ اپنے فتوی میں اس کو بھی تسلیم فرما رہے ہیں، تو پھر اُن کا یہ حکم کیسے صحیح ہو سکتا ہے، کہ تمام ہندوستان میں اس ہی پورے ہندوستان کے قاضی کا اعلان معتبر ہوگا، اسی طرح اُن کا یہ حکم بھی کیسے مانا جا سکتا ہے، کہ پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کا اعلان ہلالِ رمضان میں تو براہِ راست عوام کے لئے قابلِ عمل ہوگا (یعنی عوام کو پھر کسی مفتی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی) لیکن ہلال عیدین میں براہِ راست قاضی پاکستان کو قاضی ہندوستان سے شرعی طریق سے تخاطب کرنا ہوگا تاکہ قاضی ہندوستان اپنے نقطۂ نظر سے فیصلہ کرے لیکن اس کی ترکیب نہ بتلائی کہ جب ریڈیو وغیرہ کی خبر طرق موجبہ میں داخل نہیں تو اس سے شرعی طریق سے تخاطب کیوں کر ہوگا کہ یہ تو محض خبر ہے نہ خبر مستفیض اسی طرح ہلال رمضان کے مسئلہ میں انہیں یہ مغالطہ ہوا ہے، کہ جب شاہد کے لئے لفظِ شہادت قضائے قاضی اور مجلس قضا شرط نہیں اور یہ شہادت بمنزلہ خبر کے ہے۔ تو پھر عوام کو قاضی اور مفتی سے بھی اب کیا علاقہ اور یہ مغالطہ یوں واقع ہوا کہ اکثر فقہا کی عبارات میں صیغہ قبل اور ردّ کا فاعل مظہر دیکھنے میں نہ آیا، لیکن یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ شاہد کو قاضی یا اس کے قائمقام کے حضور حاضر ہونا ضروری ہے۔ مختصر القدوری میں ہے :-

اذا کان بالسماء علۃ قبل الامام شہادۃ الواحد العدل۔

اور مستخلص میں ہے :-

من رای ھلال رمضان وحدہ ردّ القاضی قولہ صام۔

جوہرہ نیرہ میں ہے :-

واطلاق ھذا الکلام یتناول المحدود فی القذف اذا تاب وھو ظاھر الروایۃ لانہ خبر وعن ابی حنیفۃ لا تقبل لانہ شہادۃ من وجہ بدلیل انہ یشترط حضورہ الی القاضی (انتھی)

اصولی بحث میں مفتی صاحب نے بعض دلائل سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ غلبہ ظن مطلقاً عمل کے لئے علۃ ہوتا ہے، تو یہ صحیح نہیں، جس صورت میں حجۃ ملزمہ کی ضرورت ہے اور وہ صورت منصوص علیہ بھی ہے، اس میں غلبہ ظن کی کچھ نہیں چلتی اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ بلدۂ ثبوت رویت کے علاوہ دوسرے بلاد میں چاند ثابت کرنے کے لئے حجۃ ملزمہ درکار ہے اور منصوص علیہ میں قیاس کا کچھ دخل نہیں۔ چناں چہ خود مفتی صاحب کی اصول الشاشی کی منقولہ عبارت اس کی شاہد ہے

جس میں "عند التعدد او ما فوقہا من الدلیل" کی شرط مذکور ہے، نیز اس ہی میں صحت قیاس کے شرائط میں بتلایا احدھا ان لا یکون فی مقابلۃ النص (انتہی) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "مستصفی" میں فرماتے ہیں :-

ما تعبد فیہ بالعلم لا یجوز اثباتہ بالقیاس کمن یرید اثبات خبر الواحد بالقیاس علی قبول الشہادۃ (انتہی) ج۲ ص۳۳۱

الحاصل مفتی صاحب کی یہ ترکیب بھی ریڈیو وغیرہ کی خبر معتبر نہیں بنا سکتی۔ ان ترکیبوں کو دیکھتے ہوئے مجھے پھر عرض کرنا پڑتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے چاند نہ ثابت ہونے کی صورت میں صرف ایک ہی بات کا حکم فرمایا ہے، کہ تم تیس دن پورے کر لیا کرو تو ان کوششوں کی ضرورت کونسی واقع ہو گئی ہے۔

یہاں تک تو کلام اس بنا پر تھا کہ ظاہر الروایۃ میں اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہ تھا اور اسی پر اکثر فقہا کا فتویٰ ہے، لیکن چوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ہر مقام کا مطلع جدا ہوتا ہے۔ اور ایک مقام میں جس روز چاند نظر آتا ہے بعض بہت سے دوسرے مقامات میں اس روز چاند نظر نہیں آتا، آپ نے ہمیشہ سنا ہوگا کہ مکہ معظمہ میں یہاں سے ایک روز پہلے چاند ہوا، لیکن باوجودیکہ ایک جماعت عظیم آپ کو آکر اس کی خبر دیتی ہے، اسی لئے آپ کبھی اس پر عمل کو جائز نہیں رکھتے، علاوہ ازیں بہت سے محققین فقہا نے بھی اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ دو شہروں کے درمیان فاصلہ کثیر ہو تو ایک شہر کی رویت دوسرے کے لئے معتبر نہیں (اور اس فاصلہ کثیر کا اندازہ چوبیس فرسخ یا ایک ماہ کی مسافت بتلائی ہے) چنانچہ علامہ زیلعی اور صاحب التجرید اور صاحب الفیض وغیرہم اس ہی کو موافق حدیث و قیاس اور اشبہ بحق کہہ رہے ہیں، اور ظاہر الروایت کو اس ہی صورت پر محمول کرتے ہیں جبکہ دو بلادوں کے درمیان فاصلہ بعیدہ ہو، یہاں تک کہ محقق رافع الظلام علامہ ابن ہمام نے بھی اس کو اولیٰ فرمایا :-

حیث قال و مختار صاحب التجرید وغیرہ من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع وعورض علیہم بحدیث کریب (الحدیث) ولا شک ان ھذا اولی لانہ نص وذالک محتمل لکون المراد امر کل اھل مطلع بالصوم لرؤیتہم کذا فی فتح القدیر

فتاویٰ سراجیہ میں ہے :-

اھل بلدۃ صاموا للرؤیۃ بثلثین یوما و اھل بلدۃ اخری تسعۃ و عشرین یوما للرؤیۃ فعلی ھؤلاء قضاء یوم الا اذا کان فی البلدتین تباین بحیث یختلف المطالع (انتہی)

مستخلص میں ہے :-

والعمل بقول من رأی لا بقول من لم یر۔ ھذا اذا کان بین البلدتین تفاوت بحیث لا یختلف المطالع وان کان یختلف لا یلزم اھل احد من البلد حکم

الاخر هذا کلامه ولا خفاء فی انه قد اعتبر اختلاف المطالع کذا فی المستخلص ناقلا عن الفتاوی الکبیر۔

اور اس زمانہ کے علماء میں سے (جس کا مجھے علم ہے) مولینا لکھنوی نے بھی اپنے فتاوی میں اس ہی کو معتبر رکھا — والدلائل مذکورۃ فی فتاویہ پس اگر اختلافِ مطالع کا بھی اعتبار کیا جائے تو ریڈیو کی خبر درکنار تباین بلدین کی صورت میں طریق موجب پر بھی قاضی رویت ہلال کے ثبوت کا حکم نہیں کر سکتا۔

اور چوں کہ حدیثِ پاک صوموا لرؤیتہ میں جو علتہ اختلافِ مطالع کے غیر معتبر ہونے کی بتلائی جاتی تھی وہ عید ضحیٰ میں نہیں پائی جاتی، اس لئے عید اضحیٰ کے چاند میں تو خود علامہ شامی نے بھی اختلاف معتبر مانا ہے، چناں چہ ردالمحتار میں ہے:-

یفهم من کلامهم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیه معتبر فلا یلزمهم شئی لو ظهر انه رؤی فی بلدۃ اخری قبلهم بیوم وهل یقال کذالك فی حق الاضحیة لغیر الحجاج لم ارہ والظاهر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقه بمطلق الرؤیة وهذا بخلاف الاضحیة فالظاهر انها کاوقات الصلوٰۃ یلزم کل قوم العمل بما عندهم انتهی ص ۱۰۵/۲

اور مولینا گنگوہی نے بھی اپنے فتاوی میں اس کو معتبر رکھا ہے۔ تو عید اضحیٰ میں تو اگر ریڈیو ایسے مقامات سے رویتِ ہلال کی خبر دے جس کا مطلع جدا مانا گیا ہے تو اس صورت میں تو اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنا ہی اقویٰ ہے کہ وہ علماء جو مطلقاً اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے، وہ بھی اس جگہ اعتبار کر رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب هذا ما عندی وعلم حقیقة المسئلة عند ربی۔

حررہٗ

(امام)
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ

نوٹ:- یہ فتویٰ ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء میں "استمداد الحال فی رویۃ الہلال" کے عنوان سے کتابی صورت میں حافظ سید امیر محمد صاحب نے جید برقی پریس، دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

(سوال نمبر ۴۵) (۱) اس سال جو فتحپوری کے قدیمی جلسۂ رویت ہلال کے علاوہ رمضان کے چاند کی تحقیق کے
(ب) لیئے جامع مسجد میں جلسہ کیا گیا ہے، کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہوئی؟

(۲) اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۹ر مارچ حاضر ہے اس میں جو مع مولینا مفتی کفایت اللہ صاحب
۲۲ علماء کا متفقہ فیصلہ شائع کیا گیا ہے، جس پر جامع مسجد کے جلسہ نے عمل کرتے ہوئے چاند کا اعلان کیا یہ فیصلہ آپ کے نزدیک صحیح ہے؟

(۳) دوسرے روز کے اخبار الجمعیۃ کو ملاحظہ کریں جس میں ایک آپ کے متعلق فتویٰ شائع ہوا ہے، اور اس میں بتلایا ہے کہ آپ نے لوگوں کو بدھ کے روز روزے توڑنے پر مجبور کیا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اس سے مسلمانوں پر برا اثر پڑ رہا ہے۔

(۴) جامع مسجد کے جلسہ کے بعد دوسرے روز مولینا حفظ الرحمٰن صاحب وغیرہ نے دوسرے مقام سے آکر عینی شہادت رویت کی دی ہے، اب آپ کے نزدیک ان کے متعلق کیا حکم ہے جنہوں نے روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑا ہے؟ بینوا توجروا

محمد عاشقین بقلم خود

(۲۰ر مارچ ۱۹۵۹ء)

ٹائر والے باڑہ ہندو راؤ دہلی

ھو الموفق

(۱) اس کی اصل وجہ جو میرے نزدیک ہے وہ تو نہیں بتلا سکتا کہ وہ ایک عالم کی بدنامی کا باعث ہوگی، البتہ فریق ثانی اس کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ چونکہ فتحپوری کی ہلال کمیٹی ریڈیو اور ٹیلیفون وغیرہ آلات کی خبر رویت ہلال کے بارہ میں تسلیم نہیں کرتی اور ہمارے نزدیک اس بارہ میں اس کی خبر معتبر ہے، اس لئے کہ ہم کو علیحدہ جلسہ کرنے کی ضرورت ہوئی۔

(۲) فقیر کے نزدیک اس فیصلہ کا جو مطلب لیا جا رہا ہے وہ صحیح نہیں، اس فیصلہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

فیصلہ

مجلس نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کرایا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلمان معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے

اور تمام ہندوستان کے قصبوں اور شہروں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو اس پر عمل کیا جائے یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔

اب ملاحظہ کیجئے کہ اس فیصلہ میں ریڈیو کی خبر پر عمل کو کیسی کیسی سخت شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے، جن کا وجود محالات عادیہ سے ہے جس کا صریح یہ مطلب ہوا کہ ریڈیو کی خبر پر چاند کے باب میں عمل نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اذا فات الشرط فات المشروط۔ خیال تو فرمائیں کہ یہ بھی تو اسی ریڈیو سے معلوم ہوگا کہ جہاں سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے اور وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے اور مخبر مسلمان معتمد ہے، تو اس بارے میں ریڈیو کو معتبر سمجھنا گویا اس کا اعتبار ثابت ہونے سے پیشتر اس کو معتبر سمجھ لینا ہوا جو غیر معقول اور مستلزم دور ہے جو محال ہے۔ یونہی ہندوستان کے تمام شہروں اور قصبوں میں ذمہ دار جماعتوں کی تعیین اور ان میں ہلال کمیٹیوں کا اور ریڈیو کے اسٹیشنوں کا قیام کرانا کس قدر تکلیف مالا یطاق ہے، پھر اس کے باوجود بھی اس خبر پر عمل کو صرف جائز کہا ہے، لازم و واجب نہیں کہا اور وہ بھی جب کہ تمام ذمہ دار جماعتیں اس کے موافق بالاتفاق حکم کریں اور یہ بھی محال ہے کہ سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد دسیوں طرح کی جماعتیں ہیں اور ہر ایک کا مسلک جدا۔ تو سب بالاتفاق اس پر کیسے حکم کر سکتی ہیں۔

اسی طرح اس فیصلہ میں اور بھی کئی شرطیں ایسی ہیں جن کا مفاد یہی ہے کہ چاند کے بارے میں ریڈیو کا اعتبار نہیں، جس زمانہ میں یہ فیصلہ ہوا ہے اسی زمانہ میں اس مسئلہ کے متعلق مجھے قاضی شہر جے پور کا سوال موصول ہوا تھا جس کا جواب مختصر طور پر میں نے ایک رسالہ مسمی بہ "انتقاد المحال" کی شکل میں لکھنے کے بعد شائع کر دیا تھا تا کہ اس فیصلہ سے لوگ کسی مغالطہ میں نہ پڑیں۔

پس اس کے غیر معتبر ہونے کے دلائل تو اس میں آپ کو ملیں گے عوام کے سمجھنے کے لئے تو صرف اس قدر بتلا دینا کافی ہے کہ گو ریڈیو تو اس زمانے کی پیداوار ہے، لیکن ٹیلیفون جو اس سے بدرجہا اس مسئلہ میں بہتر اور قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے اس کو نکلے ہوئے تو مدت گزر گئی۔ پچھلے زمانے کے علماء باوجودیکہ اس زمانہ کے علماء سے بدرجہا علم و فضل دیانت و تقویٰ میں بڑھے ہوئے تھے، اس زمانے میں تار بھی آتے رہے، ٹیلیفون بھی آئے، خطوط بھی وارد ہوئے لیکن کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ انہوں نے ان میں سے کسی کی خبر پر چاند کا فیصلہ کیا ہو اس فیصلہ پر تو بائیس ہی عالموں کا اتفاق نظر آتا ہے لیکن اگر اس کو ریڈیو کا ہمنوا تسلیم کیا جائے تو اس کے مخالف بیسیوں نہیں سینکڑوں اور ہزاروں علماء کا اتفاق نظر آتا ہے۔

اسی آپ کی دہلی میں کیسے بڑے بڑے فضلاء گزرے ہیں، مثلاً مولانا ابوالخیر شاہ صاحب، مولانا مسعود شاہ صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب، مولانا سید نذیر حسین صاحب، مولانا محمد شاہ صاحب، مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب، مولانا عبدالرشید صاحب، مولانا مفتی محمد یعقوب صاحب، مولانا کرامت اللہ صاحب، مولانا محمد عمر صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا عبدالعلی صاحب وغیرہم۔ اور ان کے

علاوہ دوسرے مقامات کے تو اس قدر علماء ہیں، جن کا شمار میں آنا ہی دشوار ہے، مثلاً مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی، مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہم، ان حضرات کے زمانے میں تار ٹیلیفون موجود تھے لیکن کسی نے بھی چاند کے باب میں ان کا اعتبار نہیں کیا، اور ان کے غیر معتبر ہونے پر ہی فتوے صادر کئے بلکہ بعض نے اس پر مستقل رسالے شائع کئے۔

میری نظر سے متعدد رسائل اس مسئلے میں گذرے جن میں علماء کے فتاوی کو جمع کیا گیا ہے، سب میں علماء کو اس پر متفق پایا کہ ریڈیو ٹیلیفون جیسے آلات کی خبر سے چاند کی رویت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ مولانا عبدالحی صاحب خطیب جامع رنگون نے علمائے عرب ترکستان و ہندوستان کے بڑے بڑے چالیس سے زائد علماء کے فتاوے عربی کے مرتب کئے، مولانا سید شاہ محمد حسن صاحب نے رسالہ مسمّی بہ جامع الاقوال مرتب کیا جس میں بتیس علماء کے فتاوے جمع کئے، اور قیس محمد خاں صاحب قادری نے رسالہ مسمّی بہ عید کا چاند تالیف کیا جس میں ۱۹۵ علماء کے فتاوے اور تصدیقات ہیں، اسی طرح اور بھی حال میں کئی رسالے ایسے نظر سے گزرے جس میں بیسیوں علماء کے فتاوے اور تصدیقات اس پر ہیں کہ چاند کی رویت کا ثبوت تار ٹیلیفون اور خطوط سے نہیں ہو سکتا پہلا رسالہ عربی فتاوی کا مجموعہ اگرچہ صرف تار و خطوط کے بارے میں ہے لیکن چونکہ خطوط ٹیلی فون اور ریڈیو کی اس مسئلہ میں ایک ہی حیثیت ہے، اس لئے کہ خطوط کے غیر معتبر ہونے کی علۃ الخط تشبہ الخط ہے اور ٹیلی فون اور ریڈیو کے غیر معتبر ہونے کی علۃ النغمۃ تشبہ النغمۃ ہے تو دونوں میں اشتباہ کا مظنہ ہے، پس جو خطوط کا حکم ہے وہی ٹیلی فون کا ہے، اس مجموعہ میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا فتوی بھی موجود ہے، اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ چاند کے باب میں تار کا تو مطلقاً اعتبار نہیں خواہ کتنے ہی آجائیں، رہے بذریعہ ڈاک خطوط تو وہ اگرچہ ٹیلی گراف سے اقویٰ ہیں لیکن اگر حد شہرت پر نہ پہنچیں ہوں تو وہ بھی غیر معتبر، ہاں اگر ان کی تعداد پانچ سے بڑھ جائے اور بھیجنے والوں کے خط پہچان لئے جائیں اور خطوط کے الفاظ بھی وہ ہوں جو رویت ہلال کی شہادت کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اس صورت میں اگرچہ ایسے خطوط اعتماد کے لائق تو ہیں کہ اب ان میں وہ شبہات بہت کم ہو گئے جو ٹیلی گراف میں ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے بھی ہم جزماً ان کے قبول کرنے کا حکم نہ کریں گے کہ شرائط قبول کی رعایت ہر ایک کے لئے آسان نہیں، مفتی صاحب کی یہ عبارت عربی میں ہے، اختصاراً میں نے اس کا مطلب اردو میں بیان کیا ہے، مفتی صاحب کا رویہ اگرچہ اس مقام پر بہت نرم ہے کہ پانچ سے زائد خطوط کو جوازاً قابل اعتبار سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی وہی فرماتے ہیں جو دوسرے علماء فرما رہے ہیں کہ ہم جزماً ان خطوط کے قبول کرنے کا حکم نہ کریں گے۔ بلکہ بعض علمائے متبحرین تو جوازاً بھی ان کو روزہ کے باب میں قابل اعتبار نہیں جانتے اور خبر مستفیض میں داخل نہیں فرماتے، چنانچہ مولانا مشتاق احمد کانپوری فرماتے ہیں :-

وصرح علماؤنا الکرام بان فی الامور الشرعیة هذه الخطوط لیست بمعتبرة اصلاً۔

اور حضرت مہر علی شاہ صاحب (گولڑہ شریف) فرماتے ہیں :-

والکتاب المرسل بالواسطة مثل التلغراف فی کل الصور۔

یونہی بکثرت علماء کا یہی مسلک ہے، مجھے اس کی تفصیل میں جانا نہیں، فقط اتنا بتلانا ہے کہ جو شخص مفتی صاحب کے قول سے ٹیلی فون کی خبر کے (درباره رویت ہلال) اعتبار پر استدلال کرتا ہے وہ یقیناً غلطی پر ہے، ہرگز کبھی آپ نے نہیں فرمایا کہ ایک ہی ٹیلی فون کی خبر اس میں معتبر ہے، مدت ہوگئی اُن کے ساتھ رویت ہلال کے جلسہ میں شرکت کرتے ہوئے، بعض مسائل میں اختلاف بھی ہوا، لیکن نہایت تہذیبانہ انداز میں طے ہوگیا، آج کی سی صورت کبھی واقع نہ ہوئی، نہ کبھی یہ فرمایا کہ تار یا ٹیلی فون روزہ کے معاملے میں معتبر ہے، ہاں ان کو غیر معتبر ضرور کہا ہے نواب حیدر آباد ہمیشہ چاند کے ہونے کا تار بھیجتے رہے نہیں مانا گیا آخر نواب صاحب موصوف دہلی آئے، اور مفتی صاحب کو اور مجھ کو بلایا مفتی صاحب تشریف لے گئے لیکن میں نہیں گیا (کہ اپنے میں اس کی قابلیت نہ پائی) جب مفتی صاحب مل کر تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ کیوں بلایا تھا۔ فرمایا کہ تار کے متعلق پوچھتے تھے، میں نے کہہ دیا کہ شرعاً یہ معتبر نہیں اب بعض لوگ مرادآباد کے جلسہ کے فیصلہ سے فون کے معتبر ہونے پر استدلال کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ اُن کی غلطی ہے، میرے نزدیک اس فیصلہ کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بعض لوگوں کا اصرار تھا کہ ریڈیو کی خبر بھی رویت ہلال کے باب میں مقبول ہونی چاہیئے، لہٰذا مفتی صاحب نے اُن کے خوش کرنے کے لئے یہ فیصلہ فرمایا ہے اور ایسے شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا ہے کہ نہ وہ شرائط پائی جا سکیں گی، نہ کوئی اس سے رویت ہلال ثابت کر سکے گا، ورنہ یہ جانتے ہوئے کہ تمام فقہا بالاتفاق فرما رہے ہیں کہ اس باب میں غیر مشاہدین کی خبر جب مقبول ہے جب وہ خبر مستفیض کے درجہ کو پہنچ جائے، اور ریڈیو کی خبر ہرگز خبر مستفیض نہیں، اور یہ بھی جانتے تھے کہ قاضی دوسرے مقام کے قاضی کے پاس اپنے قاصد کے ذریعہ ایسا فیصلہ بھیج کر تو اس کا نفاذ کرا ہی نہیں سکتا، ریڈیو کے ذریعہ بھیج کر اس کا نفاذ کیسے کرا سکتا ہے، وہ اس سے بھی واقف تھے کہ شاہد کو قاضی کے سامنے ہونا لازمی ہے، پس پردہ اس کی شہادت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ فقہا فرماتے ہیں :-

لو سمع من وراء الحجاب لا یسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذ النغمة تشبه النغمة۔

اور اس سے بھی واقف تھے کہ شاہد کو شاہد کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ مجلس قضا میں حاضر ہوتا ہے :-

لان الشهادة فی الشرع عبارة عن اخبار الصدق مشروط فی مجلس القضاء ولفظ الشهادة (جوہرہ)

تو جو شخص مجلس قضا میں حاضر نہیں اس پر شاہد کا اطلاق کیسے کیا جا سکتا ہے، غرض یہ سب کچھ جانتے ہوئے مفتی

صاحب یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنے بلکہ عید کرنے کے لزوم کا حکم کر دینا چاہیئے، پس ثابت ہوا کہ مفتی صاحب کی اس فیصلہ سے غرض یہی تھی کہ ان علمی دنیا کے بچوں کی ضد بھی پوری ہو جائے اور شریعت مطہرہ کا حکم بھی نہ بدلے یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب نے اس فیصلہ کے بعد بھی آخر عمر تک کبھی ٹیلیفون کی خبر پر بھی فیصلہ نہ کیا چہ جائیکہ ریڈیو کی خبر پر۔

(۳) یہ بالکل غلط اور مجھ پر اتہام ہے کہ میں نے کسی کو روزہ توڑنے پر مجبور کیا ہو، لوگوں کو مجھ سے بدظن کرنے کے لئے اکثر بہتان باندھے اور افواہیں اڑائی جاتی رہی ہیں۔ اور وہ اپنا کام بھی کر رہی ہیں۔ عوام کا حال یہ ہے کہ کسی کے متعلق کوئی بُری افواہ سُنی اور انہوں نے اس پر یقین کامل کر کے اس کی تبلیغ شروع کر دی، اُن کو اس کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی کہ جس کے متعلق یہ افواہ ہے، اس سے تحقیق تو کریں۔ اس کے متعلق کل کے اخبار میں اس ہی فیصلہ کے اعلان کے قبل افواہوں کی دنیا کی سُرخی کے نیچے جو مضمون ہے اسے پڑھیئے وہ بتائے گا کہ افواہوں میں کیسی قوت ہوتی ہے کہ ایک بے بنیاد شئے کو عوام کے اذہان میں ایسی راسخ کر دیتی ہیں گویا انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے۔ اب اس کے نتائج کیسے ہی خراب ظاہر ہوں اس سے عوام کو کیا سروکار، افواہ اڑانے والے تو خوش ہیں کہ اب اس کی تردید کار سے دارد۔

جس کے متعلق آپ نے استفسار کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جامع مسجد سے جب فون کے ذریعہ خبر منگا کر چاند کے ثبوت کا اعلان کیا گیا اور فتح پوری سے اعلان نہ ہوا تو مسلمانوں میں تشویش پیدا ہوئی چناں چہ شب کے تقریباً دو بجے ایک جم غفیر مولانا مفتی ضیاء الحق صاحب (صدر جمعیۃ علماء) اور مولانا عبدالرحیم صاحب کے ساتھ میرے مکان پر آیا، اور ان دونوں جلیل القدر عالموں نے صورت حال بیان کی اور روزہ کے متعلق دریافت کیا کہ تیرے نزدیک کیا حکم ہے، میں نے عرض کیا کہ اس حال میں میرے نزدیک تو رویت ثابت نہیں البتہ شک ضرور واقع ہو گیا ہے، اس لئے کل کا روزہ خالص نفل کی نیت سے تو رکھا جا سکتا ہے، رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے کہ یہ یوم شک ہے، مسلمانوں کو چاہیئے کہ صبح پونے بارہ بجے تک کھانے پینے سے رُکیں اس وقت سے قبل اگر خبر معتبر سے چاند کا ثبوت ہو جائے تو روزہ کی نیت کر کے اُسے پورا کریں ورنہ پھر کھا پی سکتے ہیں، کہ موجودہ صورت کا شرعاً یہی حکم ہے، چناں چہ درمختار میں ہے :۔

ولا یصام یوم الشک الا نفلا ولو جزم ان یکون عن رمضان کرہ تحریما

اس کے بعد دن میں جو لوگ آئے ان میں بعض وہ تھے جنہوں نے کہا کہ ہم نے ابھی تک کھایا پیا نہیں نہ روزہ کی نیت کی، ان سے کہا کہ تم کھا پی سکتے ہو کہ تمہارا روزہ ہی نہیں ہے اور بعض رمضان کی نیت سے روزہ رکھے ہوئے آئے اُن کے دریافت کرنے پر ان سے کہا گیا کہ تمہیں اب خالص نفل کی نیت کر لینی چاہیئے۔ ہاں بعض نے جب پوچھا کہ اگر ہم خالص نفل کی نیت نہ کریں اور اب کھا پی لیں تو کوئی گناہ تو نہ ہوگا، ان سے کہا گیا کہ نہیں گناہ نہیں ہوگا۔

اس واقعہ کی حقیقت صرف اس قدر ہے لیکن اگر کسی نے روزہ توڑنے پر اس خوف سے کسی کو مجبور بھی

کیا ہو کہ حدیث میں آیا ہے :-

من صام یوم الشک فقد عصیٰ ابا القاسم

یعنی جس نے یوم شک میں روزہ رکھا اُس نے ابو القاسم یعنی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

تو وہ بھی قابل طعن کیسے ہو سکتا ہے، اُس نے گناہ کیا کیا ؟ وہ تو ثواب کی امید رکھتا ہے، ان اللہ کے بندوں نے اگر یہ خیال کیا ہے کہ ایسی حرکات سے مجھے حق کہنے سے روک دیں گے تو یہ خیال ان کا باطل ہے، میرا مولیٰ مجھے اس سے محفوظ رکھے، عمر گزر گئی لیکن جو صورت آج واقع ہوئی کبھی نہ دیکھی۔

جلسہ رویت سے ہمیشہ اتفاق کے ساتھ حکم صادر ہوتا رہا، لیکن کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ جلسہ میں رویت ثابت نہیں ہوئی اور بعد میں میرے پاس شاہد پہنچے میں نے شہادت لے کر مفتی صاحب کی خدمت میں وہ شہادت بھیجدی، مفتی صاحب نے اس پر دستخط کر دیئے، اور میں نے ثبوت رویت کا اعلان کر دیا، اور ایسا بھی ہوا کہ شاہد پہلے مفتی صاحب کے پاس پہنچے اور انہوں نے شہادت لے کر میرے پاس وہ تحریر بھیجدی اور میں نے اس پر دستخط کر کے ثبوت رویت کا اعلان کر دیا، لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے مجھے یا میں نے انہیں یا جلسہ کے شریک ہونے والے علماء میں سے کسی نے اس کا مشورہ دیا ہو کہ تار یا ٹیلی فون کی خبر پر فیصلہ کیا جائے

(۴) ہاں اب چونکہ مجھے بسمل صاحب کی عینی شہادت موصول ہو گئی ہے، اس لئے اب میرے نزدیک بھی ۲۹ شعبان کی رویت ثابت ہے، پس جن لوگوں نے بدھ کا روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑا ہے، وہ بعد رمضان شریف ایک روزہ قضا رکھ لیں۔

صوم و افطار کا مبنیٰ رویت ہے کہ جب شہادت شرعیہ معتبرہ ثابت ہو جائے تو اگر رمضان کا چاند ہے تو روزہ رکھیں اور عید کا چاند ہے تو افطار کریں، ثابت نہ ہو تو ہرگز روزہ نہ رکھو، خواہ حقیقت میں ہزاروں ہی جگہ چاند ہونا ثابت ہو چکا ہو۔

ایسی صورت میں یہ خیال کرنا کہ روزہ نہ رکھنا یا توڑنا گناہ ہوگا، صحیح نہیں، دین دار مسلمان کے لئے یہی وقت امتحان کا ہے، دیکھ رہا ہے کہ ٹیلی فون متعدد جگہ چاند ہونے کی خبر دے رہا ہے اور طبیعت بے چین ہے، کہ روزہ رکھے اور رکھا ہوا ہے تو نہ توڑے، لیکن وہ شریعت کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے تو وہ مستحق ثواب ہے نہ یہ کہ اسے مستحق عذاب کہا جائے۔

اب عید کا چاند آ رہا ہے اگر طریق موجب سے ثابت نہ ہوگا تو محض ریڈیو یا ٹیلی فون کی خبر پر تمہیں روزہ افطار کرنا حرام ہوگا، اور مستحق عتاب۔ اور جب طریق موجب سے ثابت ہو جائے تو تم پر افطار کرنا واجب ہوگا۔ اگرچہ غروب آفتاب میں دو چار ہی منٹ رہ گئے ہوں اور گھر میں ریڈیو کہہ رہا ہو کہ دنیا میں کہیں چاند نہیں ہوا، اسے خوب یاد رکھیں۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تو تشریف لے جا چکے، اب یہ فقیر بھی اپنی عمر پوری کر چکا ہے، آج نہیں کل اپنے مولیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائے گا، اس لئے تمہیں وصیت کرتا ہے کہ تم ایسے امور میں ان علماء

کی پیروی کرنا جو مجتہدانہ روش نہیں جا رہے، بلکہ سلف صالحین کے پیرو ہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد فتحپوری، دہلی

نوٹ :۔ یہ فتویٰ "فتویٰ رویت ہلال" کے نام سے ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء میں محمد عاشقین صاحب نے جید برقی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

(سوال نمبر ۴۶) متھرا میں ۲۹ ر رمضان المبارک کو مطلع بالکل صاف تھا لیکن کسی کو چاند نظر نہ آیا، شب کو امام صاحب جامع مسجد متھرا سے بعض لوگوں نے کہا کہ ریڈیو سے بمبئی، آسام، پٹنہ وغیرہ میں چاند ہونے کی اطلاع آئی ہے اور دہلی سے مولوی محمد میاں (الجمعیۃ) نے بھی ٹیلیفون پر مبارک دی ہے لیکن امام صاحب موصوف نے فرمایا کہ یہ سب ذرائع ثبوت رویت ہلال کے لئے نامعتبر ہیں۔ میں چاند ہونے کا اعلان نہیں کر سکتا۔ ۳۰ ر رمضان المبارک کو مسلمانان متھرا نے بدستور روزہ رکھا لیکن دس بجے ایڈیٹر نئی دنیا (دہلی) سے ٹیلیفون پر معلوم ہوا کہ وہاں عینی شہادت کی بنا پر عید ہوئی ہے، لیکن امام صاحب نے اس کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد کمیٹی کی طرف سے امام صاحب کے نام حکم نامہ آیا کہ وہ اعلان کریں مگر امام صاحب نے اس کی بھی تعمیل نہ کی، لہٰذا کمیٹی ان کو نکالنے کے درپے ہے، بعض لوگوں نے خود بھی روزے توڑے اور جبراً بالا علان دوسروں کے بھی روزے کھلوا دیئے، دہلی سے جب ایک شخص چاند کی خبر لے کر پہنچا تو امام صاحب نے بھی روزہ کھول لیا۔ صورت مذکورہ میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں :۔

(۱) کیا امام صاحب جامع مسجد متھرا حق پر ہیں ؟

(۲) کیا کمیٹی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ حکم عدولی کے جرم میں امام صاحب کو برطرف کر دے ؟

(۳) کیا جن لوگوں نے روزہ توڑا ہے ان پر قضا لازم ہے ؟

الجواب

یہ تو صحیح ہے کہ دہلی میں بعض عینی شاہدوں کی شہادت کی بنا پر امسال ۲۹ ر رمضان کا چاند مانا گیا اور ہفتہ کو عید ہوئی، لیکن چونکہ شرعاً تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کی خبروں سے کسی دوسرے مقام پر چاند ثابت نہیں ہوتا، اس

لئے متھرا میں ہفتہ کے روز عید قرار دینا جائز نہ تھا، عید کا حکم نافذ کرانے والوں کو جو جواب امام صاحب نے دیا وہ وہی تھا جو ان پر شریعت مطہرہ نے لازم کیا تھا جزا ہم اللہ خیر الجزاء۔ مسلمانوں کو اپنے مولا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ ان کا ایک متقی اور فاضل امام ہے ورنہ اس زمانہ میں تو سیاسی انقلاب نے اپنے لپیٹے میں مذہب کو بھی نہیں چھوڑا، اس کے مسائل میں بھی انقلاب رونما ہونے لگا، اس سے پہلے بھی تار، ٹیلیفون، ریڈیو وائرلیس سب ہی کچھ موجود تھا، لیکن علماء کا بالاتفاق یہی قول تھا کہ ان خبروں کا چاند کے بارے میں کوئی اعتبار نہیں خصوصاً ایسی ایک دو خبروں کا، لیکن اس میں بھی ترمیم ہونے لگی ہے۔ اور بڑا تعجب اس انقلاب پر ہے کہ پہلے عالم عوام کو حکم دیتے تھے، اب عوام عالم کو حکم دینے کی جرأت کرتے ہیں ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

دہلی میں بھی بذریعہ ریڈیو کسی مقام کی خبر موصول ہوئی، لیکن جب تک عینی شہادتیں نہیں پہنچیں ان خبروں کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا۔ الغرض امام صاحب حق پر ہیں جن لوگوں نے روزے تڑوائے وہ اور خود توڑنے والے گنہ گار ہوئے، یہی حکم زید کا ہے۔ دہلی سے عید کی نماز پڑھ کر آنے والے کے قول سے ان کو بھی روزہ توڑنا جائز نہ تھا، اب جنہوں نے روزہ توڑا ہے ان پر ایک روزہ کی قضا واجب ہے۔ ہاں اگر دہلی سے یا دوسرے مقام رویت سے اتنے لوگ متھرا میں جا کر چاند ہونا بیان کریں جن کی خبر کو خبر مستفیض کہا جاتا ہے، تو اسی وقت امام کو چاہیئے کہ اعلان کر دیں کہ اب کسی روزے کی قضا واجب نہیں۔

قوم اگر امام کے ساتھ ہے (اور ان پر فرض ہے کہ وہ اس مسئلے میں امام کا ساتھ دیں) تو کمیٹی کو کوئی حق نہیں کہ وہ امام کو علیحدہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(نام) محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۴) (۱) آل انڈیا ریڈیو سے رمضان المبارک اور عید الفطر وغیرہ کے چاند کے بارے میں جو اعلانات ہوتے ہیں، کیا ان پر عمل کیا جائے جب کہ عینی شاہد موجود نہ ہوں۔

(۲) اگربتی، لوبان، اور کوئی دھواں دینے والی خوشبو سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، جیسا کہ مساجد وغیرہ میں خوشبو کے لئے یہ چیزیں جلائی جاتی ہیں، اگر ٹوٹ جاتا ہے کفارہ لازم ہے یا قضا کافی ہے۔

مستفتی
محمد شریف - ضلع میرٹھ

الجواب

(۱) رویت ہلال عیدین کے لئے شہادت کاملہ ضروری ہے۔ ریڈیو وغیرہا کی خبر ہلال عیدین کے لئے قابل اعتبار نہیں، البتہ رویت ہلال رمضان کے لئے شہادت کاملہ ضروری نہیں، خبر معتبر کافی ہے۔

(۲) خوشبودار دھواں عمداً سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر ایسا دھواں سونگھنے کی عادت ہے تو کفارہ بھی واجب ہے۔ فقط

محمد عبد الغنی غفرلہ
مدرسہ امینیہ — دہلی

ھوالموفق

جوابات صحیح ہیں لیکن جواب اول میں جو کہا ہے کہ ہلال رمضان کے لئے خبر معتبر کافی ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر آسمان پر ابر و غبار ہو تو ایک ایسے مسلمان کا جو فاسق نہ ہو اس کا یہ خبر دینا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، کافی ہے، لیکن اگر آسمان صاف ہو تو ایک مسلمان کا یہ خبر دینا کافی نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ اس قدر مسلمان اپنا دیکھنا بیان کریں جن کی خبر پر ظن غالب چاند ہونے کا حاصل ہو جائے اور تیسرے جواب میں جو کہا ہے کہ خوشبودار دھواں عمداً سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس سے دھوئیں کا ناک میں چڑھانا مراد ہے، محض سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا بلکہ دھوئیں کے بلا قصد کچھ اجزاء ہی ناک میں چلے جائیں تو روزہ نہ ٹوٹے گا کما فی عامۃ الکتب لفقہ اور کفارہ بھی اسی صورت میں لازم ہوگا جب قصداً ناک میں دھواں چڑھائے اور اس چڑھانے سے حقہ کی طرح کسی کو اپنی طلب پوری کرنی ہو۔ ہاں رمضان شریف میں مساجد میں ہرگز لوبان وغیرہ روشن نہ کرنا چاہیئے کہ دھوئیں کے متعلق یہ حکم بوجہ ضرورت ہے اور مساجد میں لوبان روشن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تو قیاس چاہتا ہے کہ گو دوسرے لوگوں کا روزہ نہ ٹوٹے لیکن جو لوبان روشن کرے گا، اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فقط

(مہر)
محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

روزہ وافطار

(سوال نمبر ۳۸) ایک تومند شخص رمضان المبارک کے مہینے میں سفر پر جا رہا ہے وہ کتنے روز تک سفر پر رہ سکتا ہے، آیا بحالت سفر روزہ رکھے یا نہیں اور تراویح پڑھے یا نہیں۔ فقط

مستفتی
فضل احمد — دہلی

الجواب

جب تک اس کی ضرورت پوری نہ ہو وہ سفر میں رہ سکتا ہے، لیکن کسی مقام پر اگر پندرہ روز کے قیام کی نیت کرلیگا تو وہ مقیم ہو جائے گا، مسافر رہے گا، مسافرت کی حالت میں وہ اگر روزہ رکھے بہتر ہے اور افطار کرنا چاہے تو افطار بھی کر سکتا ہے، بعد رمضان قضا کرلے اور تراویح پڑھنے میں دشواری نہ ہو تو پڑھے ورنہ وہ بھی ترک کر سکتا ہے۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۴۹) ماہ رجب کی ستائیس تاریخ کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ روزہ رکھنا مستحب ہے عن ابی هريرة موقوفا من صام يوم سبع وعشرين من رجب كتب الله له صيام ستين شهرا وهو اليوم الذى هبط فيه جبرئيل على محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالرسالة وهذا امثل ما ورد فى هذا المعنى — انتهى ما فى "ما ثبت بالسنة" للشيخ عبد الحق رحمه الله تعالىٰ محدث دهلوى - فقط والله تعالىٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۵۰) (۱) کوئی غیر مسلم افطار کے لئے کوئی چیز پیش کرے تو اس سے افطار جائز ہے یا نہیں یا اگر سخت ضرورت کی حالت میں کسی غیر مسلم سے افطار کے لئے کوئی کھانے کی چیز لی جائے تو وہ کھا سکتا ہے یا نہیں۔

(۲) اگر کسی غیر مسلم کے ہاں بطور مہمان یا ویسے ہی ٹھہرنا ہو جائے تو اس کے ہاں سے کھانا وغیرہ لے کر افطار یا سحری کر سکتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

ہر دو صورت جائز ہے، اور روزہ کے ثواب کے متعلق اسلام کی ضرورت ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

حج

سوال نمبر ۵۱) (۱) کیا مملکت اسلامیہ کو اس امر کا شرعی مجاز ہے کہ صاحب استطاعت مسلمانوں کو محض یہ عذر پیش کر کے حج کی سعادت سے محروم کر دے کہ انکے پاس زرمبادلہ اور جہاز نہیں حالاں کہ تجارت اور دیگر امور کے لئے حکومت لاکھوں روپیہ زرمبادلہ مہیا کرتی ہے اور سامان تجارت وغیرہ کی نقل وحمل میں بیسیوں جہاز مصروف رہتے ہیں۔

(۲) کیا حکومت اسلامیہ اس امر کی شرعاً مجاز ہے کہ صاحب استطاعت عازمین حج کو مقررہ تعداد کے علاوہ بیت اللہ شریف لے جانے کی سہولتیں نہ بہم پہنچائے اور اس کے علی الرغم دیگر ممالک سے سامان تجارت اور غیر ملکی مسافروں کو لانے لیجانے کیلئے جہازوں کو استعمال کرے۔

(۳) کیا سلطنت اسلامیہ شرعاً اس امر کی مجاز ہے کہ عازمین حج کے لئے ایک ایسا مرکزی ادارہ قائم کرے جہاں ان سے مبلغ یکصد روپے کے ساتھ درخواستیں لی جائیں جب کہ منظوری اور عدم منظوری کا دارو مدار قرعہ اندازی پر ہو۔ جس کے نام نکلے ان کو اجازت دے دی گئی اور باقی درخواست دہندگان باوجود استطاعت کے اس حق سے محروم کر دئے گئے۔

الجواب

(۱) سائل کا اعتراض مذکور بالکل صحیح ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ حکومت جب کہ تجارت کے سلسلے میں کروڑہا روپیہ کا انتظام کر سکتی ہے تو یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ حجاج کے لئے روپیہ کے تبادلے میں قاصر ہے۔ یہ بدعت تو اس نے وہ جاری کی ہے جس کا وجود غیر اسلامی ممالک میں بھی نہیں ملتا۔ حالاں کہ حکومت اسلامیہ کا تو اولین فرض یہ ہے کہ عبادت کے باب میں وہ رعایا کی تفتیش رکھے کہ ان سے اس میں تساہل نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

الا کلکم راع و کلکم مسئولون عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ

یعنی لوگوں پر جو حاکم ہے اس سے رعایا کے احوال کی پرسش ہوگی۔ پس برخلاف اس کے ان کو عبادت سے روکنا بلا وجہ صحیح کے، کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(۲) اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلے سوال میں بتلایا گیا ہے، حکومت تجارت کے مسئلے کو حجاج پر ترجیح نہیں دے سکتی۔

(۳) یہ تو صراحۃً حجاج کو ادائے فرض سے روکنا ہے جو اشد درجہ حرام ہے، لقولہ تعالیٰ:۔

وما لھم ان لا یعذبھم اللہ وھم یصدون عن المسجد الحرام

یعنی اور کیا (ان کو یہ اطمینان) ہے کہ اللہ ان پر عذاب نہ کرے گا حالاں کہ وہ (لوگوں کو) مسجد حرام (جانے اور ادائے حج) سے روکتے ہیں۔"

حدیث میں ایسی حکومت کے حق میں بد دعا فرمائی گئی ہے جس کے الفاظ مبارک یہ ہیں:-

اللھم من ولی من امر امتی شیئا فشق علیھم فاشقق علیہ (رواہ مسلم)

یعنی الٰہی جو شخص متولی اور حاکم کیا گیا میری امت کے کسی کام پر پھر اس نے ان پر مشقت ڈالی تو تو اس پر مشقت ڈال -

ایک حدیث میں آیا کہ "جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے رعیت کا حاکم بنایا پھر اس نے رعیت کی خیر خواہی نہ کی تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔" اعاذنا اللہ تعالیٰ - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء مطابق
صفر المظفر ۱۳۷۵ھ

(سوال نمبر ۵۲) ایک عمر رسیدہ طوائف حج کرنا چاہتی ہے لیکن پیسہ اس کے پاس وہی ناپاک ہے، اس کا لڑکا اس کے ہمراہ جا رہا ہے جو غیر شادی شدہ ہے، طوائف مذکور یہ کہتی ہے کہ اگر اس روپے سے نہیں جا سکتی تو پھر قرض لے کر چلی جاؤں اور واپس آکر قرض اس ہی روپے سے ادا کر دوں گی۔ ایسی صورت میں طوائف مذکور کیا کرے - بینوا توجروا

الجواب

اس عورت سے کہیں کہ کسی ہندو سے قرض لے لے اگر وہ چار ہی روز میں پھر دوسرا روپیہ اس کو دے دے تو پھر اس قرض لئے ہوئے روپیہ سے جا سکتی ہے اور لڑکا اگر بے نکاح ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۵ر مارچ ۱۹۵۶ء)

(سوال نمبر ۵۳) ایک ضعیف العمر اپاہج خاتون جو صاحب ثروت ہیں حج کرنے سے معذور ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ کسی دوسرے شخص سے حج بدل کرا دیں۔ شریعت میں اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر ہوائی جہاز سے بھی نہیں جا سکتی اور حقیقت میں ایسی معذور ہے کہ کسی طرح بھی اس سفر کی طاقت نہیں رکھتی تو اپنی زندگی میں بھی حج بدل کرا سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۳ راپریل ۱۹۶۰ء مطابق
۷ رشوال المکرم ۱۳۷۹ھ

قربانی

(سوال نمبر ۵۴) ایک شخص صاحب نصاب ہے لیکن اس کا عقیقہ نہیں ہوا ہے کیا اس پر قربانی واجب ہے۔

مستفتی
فضل احمد —— دہلی

الجواب

اس پر قربانی واجب ہے نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا، اور یہ خیال لغو ہے کہ عقیقہ جس کا نہ ہوا ہو تو وہ قربانی نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۵) ایک شخص دہلی میں رہتا ہے اس نے اپنی طرف سے کلکتہ میں قربانی کرائی تا کہ وہاں اس کے اعزہ اس کا گوشت کھا لیں، شخص مذکور کو یہ معلوم نہ تھا کہ قربانی ۱۰ ذی الحجہ کو ہوگی یا ۱۱-۱۲ کو۔ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس کو حجامت کس دن بنوانی چاہیئے۔

الجواب

یہ قربانی اس شخص کی جانب سے ہو جائیگی۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو وقت قربانی بھی معلوم ہو۔ حجامت اس کو بروز عید ہی بنوا لینی چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۶) زکوٰۃ اور قربانی کے جانوروں کی کھال کی قیمت مدرسہ اسلامیہ کے صرفہ میں لانا جائز ہے یا نہیں۔

مستفتی
ماسٹر تصدق حسین

الجواب

ہاں یہ رقم مدرسہ کے مستحقین طلبہ کے وظائف میں بدی جا سکتی ہے یا اس رقم سے ان کو لحاف وغیرہ بنوا کر دیئے جا سکتے ہیں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۷) قربانی کی کھالوں کو امام مسجد مؤذن یا مسجد کے خدمت گاروں کو دینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر مسجد کی صفوں وغیرہ کے لئے ضرورت ہو تو اس کی رقم مسجد کے اخراجات پر لگائی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب

قربانی کی کھالیں معاوضہ میں تو کسی خدمت کے نہیں دی جا سکتیں اور بلا معاوضہ جس کو چاہیں دے سکتے ہیں خواہ امام ہو یا مؤذن یا اور کوئی۔ اور جب ان کو دے دی جا دے تو یہ لوگ اپنی جانب سے مسجد کی ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۸) (۱) قربانی کی کھالوں کے مستحق کون لوگ ہیں ؟
(۲) کیا قربانی کی کھالوں کا روپیہ ان لوگوں کو دیا جا سکتا ہے جن کے پاس غریبوں میں تقسیم کرنے کے لئے ہزاروں روپیہ موجود ہے مگر وہ اس فرض کو باحسن وجوہ انجام نہیں دیتے صرف روپیہ جمع کرنے کے شوقین ہیں بینوا وتوجروا۔

ھوالموفق

(۱) عین کھال تو جس طرح اپنے کام میں لائی جا سکتی ہے اسی طرح جس کو چاہیں دے سکتے ہیں۔ فی الھدایۃ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح انتھی۔ لیکن اگر کھال بیچ دی گئی تو اس کی قیمت تصدق کی جائے گی جس کے مصرف فقراء و مساکین ہیں۔ فی الدر المختار :-

فان بیع اللحم او الجلد بدراھم تصدق بثمنہ ۔ وقال اللہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین الایہ ۔

(۲) اگرچہ توکیل ایسے امور میں جائز ہے لیکن مذکورہ اشخاص کو ہرگز نہ دیا جائے کہ وہ اس کے اہل نہیں پس ان کو دینا جائز نہیں ۔ ہدایہ میں ہے :۔

تحری فدفع و فی اکبر رایہ انہ لیس بمصرف لا یجزیہ ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۵۹) زید نے اپنے ہاتھ سے بکرا خصی کیا اور پھر ایام قربانی میں اپنے ہاتھ سے اس کی قربانی کی اس میں شرعاً کوئی کراہت تو نہیں ۔ بینوا و توجروا ۔

الجواب

بکرے کا خصی کرنا اور پھر اس خصی پر قربانی جائز ہے ۔ تنویر میں ہے :۔

ویضحی بالجماء والخصی والثولاء ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۷ جون ۱۹۵۴ء)

(سوال نمبر ۶۰) عام طور پر لوگ جو قربانی کے لئے جانور خریدتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ "یہ جانور قربانی کے لئے خریدا ہے" زید کہتا ہے کہ یہ نہ کہنا چاہیئے اس طرح وہ جانور نذر کے حکم میں آجاتا ہے ۔ ہاں اگر دس ذی الحجہ یا ۱۱-۱۲ کو یہ بات کہے گا تو جائز ہے ورنہ وہ جانور نذر کا مانا جائیگا ۔ کیا زید کا یہ قول صحیح ہے بینوا و توجروا ۔

الجواب

زید کا یہ قول غلط ہے، البتہ اگر کسی ایسے شخص نے بہ نیت قربانی خریدا ہو جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اس پر اس خاص جانور کی قربانی ضروری ہو جاتی ہے، لیکن نذر کے حکم میں وہ بھی نہیں ہوتی ۔ اس ہی طرح دوسرا قول بھی غلط ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۰ فروری ۱۹۵۶ء)

(سوال نمبر ۶۱) زید نے دو بکرے خرید کر قربانی کی، قربانی کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بکرے قصائی نے چرا کر فروخت کئے تھے۔ ایسے بکروں کا گوشت کھانا حلال ہے یا حرام، اور ران کی کھالیں تصرف میں لائی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
صوفی عبدالصمد چشتی صابری
بلند شہر (بھارت)

الجواب

سرقہ کا مال کھانا جائز نہیں مگر جب کہ معلوم ہو کہ یہ مال سرقہ کا ہے اس لئے جنہوں نے اس کا گوشت کھایا ہے ان پر کچھ گناہ نہیں ہاں اگر کھال فروخت کر کے صرف میں نہ لائی گئی ہو تو اس کو صرف میں نہ لانا چاہیئے ــــــ مالکوں کو دینا متعذر ہو تو کسی فقیر کو دے دیں۔ فقط وہو اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۴ فروری ۱۹۶۰ء)

زکوٰۃ

(سوال نمبر ۶۲) (۱) جو رقم ادھار میں پھیلی ہوئی ہے، اگر دو یا تین سال میں قسط وار یا یک مشت وصول ہوتی ہے تو اس کی زکوٰۃ صرف ایک سال کی فرض ہو گی یا پورے عرصہ کی ؟

(۲) سال کے اختتام پر چٹھا بنانے وقت کیا ادھار میں پھنسی ہوئی رقم کی بھی زکوٰۃ دینی چاہیئے ؟

مستفتی
حاجی عبدالخالق - سکھر
(۵ مئی ۱۹۵۷ء)

الجواب

(۱) پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی لازم ہے۔

(۲) ایسی رقم پر زکوٰۃ تو ہے لیکن دینی جب واجب ہو گی جب وصول ہو جائے اور پہلے ہی دے دی جائے تو یہ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ

(سوال نمبر ۶۳) میں ایک صاحب نصاب شخص ہوں، میں نے اپنے ایک عزیز کو جو صاحب جائداد ہونے کے باوجود ایک موذی مرض کی وجہ سے تنگدست ہو گیا ہے۔ ماہانہ وظیفہ مقرر کر رکھا ہے، آیا وظیفہ کی یہ رقم زکوٰۃ کی جگہ متصور ہو سکتی ہے؟ اگر نہیں تو کیا آئندہ ان کو یہ وظیفہ بطور زکوٰۃ دے سکتا ہوں۔ عزیز موصوف زمیندار ہیں اور ایک رہنے کا مکان ہے۔

الجواب

جو کچھ اس وقت تک دیا جا چکا ہے وہ تو بہرحال زکوٰۃ میں ادا نہیں ہوا۔ ہاں اگر ان صاحب کے پاس رہنے کے مکان کے سوا کوئی دوسرا مکان نہیں نہ کوئی اور دوسری وجہ ایسی پائی جاتی ہے جو ادائے زکوٰۃ کی مانع نہ ہو تو آئندہ ان کو آپ زکوٰۃ دے سکتے ہیں خواہ ماہانہ دیں یا کسی دوسرے طریق سے۔ زمین کی آمدنی جب اتنی بھی نہیں کہ ان کو روزمرّہ کو کافی ہو تو ان کو زکوٰۃ دینے میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۶۴) زکوٰۃ سال گزرنے پر ہی دی جانی چاہیئے یا ماہ بماہ بھی دے سکتے ہیں۔ ایک صاحب نصاب شخص نے جس کے مال پر ابھی سال نہیں گزرا ہے اپنے ایک عزیز کو ایک تقریب کے سلسلے میں کچھ دیا ہے اور دل میں یہ تصور کر لیا کہ جب زکوٰۃ ادا کروں گا تو یہ رقم اس میں محسوب کر لوں گا۔ کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

مستفتی
فضل احمد - دہلی

الجواب

زکوٰۃ واجب تو جب ہی ہوتی ہے، جب مال پر سال گزر جائے لیکن اس سے قبل زکوٰۃ کی نیت سے اگر دیا جائے تو جب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۶۵) ایک جگہ مال زکوٰۃ اور مال ہبہ جمع کر کے رکھ لیا گیا ہے۔ اس مال سے کوئی جائداد یا تجارت کے حصے (شیئر) خرید کر اس کا منافع غرباء و مساکین پر تقسیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

مالِ زکوٰۃ پر تملیک شرط ہے پس اس مال سے ایسی جائداد کی بنا جائز نہیں لا یجوز بالزکاۃ کل ما لا تملیک فیہ - کذا فی العالمگیری ملتقطاً - رہا مل جب سو اگر موہوب لہ کا اس پر قبضہ نہیں ہوا تو ابھی یہ مال واہب کا ہے وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے اور اگر یہ تمام ہو چکا تو یہ مال موہوب لہ کا ہے، دوسرے کو اس میں تصرف جائز نہیں مگر اس کی اجازت سے - فقط

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د

صدقات

(سوال نمبر ۶۶) کیا دولت مند حربی کو صدقہ دیا جا سکتا ہے ؟

مستفتی
فضل احمد - دہلی

الجواب

اللہ تعالیٰ کے نام پر مال دینا صدقہ ہے اور صدقات دولت مند حربی کو دینا جائز نہیں - فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نمبر ۶۷) لہ

ھوالموفق

ہر دو جواب صحیح ہیں، بیشک ان نجی بیت المالوں میں اموال زکوٰۃ وغیرہ صدقات دینا جائز نہیں، جس کے وجوہ اجوبہ بالا میں تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جا چکے ہیں من جملہ ان کے ایک وجہ ناجائز ہونے کی یہ بھی ہے کہ بیت المال کے اموال کئی قسم کے ہوتے ہیں جن کے مصارف علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں لیکن کارکنان بیت المال اس کی اصلاً پرواہ نہیں

لہ اصل سوال کا جواب اوّل مولوی محمد جمیل الرحمٰن (نائب مفتی دار العلوم دیوبند) نے دیا ہے پھر مفتی دار العلوم کے علاوہ حضرت علیہ الرحمہ کی یہ تصدیق تحریر ہے -

کرتے جس کی وجہ سے اغلب یہی ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔ فقہاء تو امام المسلمین کو بھی اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ چار بیت المال بنائے اور ہر قسم کے مال کے لئے علیحدہ مقام رکھے اس لئے کہ ہر قسم کے مال کا جدا حکم ہے جو اس کے ساتھ مختص ہے۔ دوسرا مال اس میں شریک نہیں ہو سکتا، کذا فی العالمگیری ترجمۃً۔ نیز اسی میں ہے کہ امام پر واجب ہے کہ مال کو مستحقین سے روک نہ رکھے اگر ایسا کرے گا تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ انتہی ترجمۃً۔ غرض مسلمانوں کو صدقات واجبہ کی ادائیگی میں نہایت احتیاط درکار ہے اوّل تو بعض لوگ پوری طرح زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں پھر اگر اس طرح زکوٰۃ نکالی شروع کی تو مستحقین کے محروم رہنے کے علاوہ یہ بھی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ ادا بھی ہوئی یا نہیں۔ پس ان کو ان سخت وعیدوں سے ڈرنا چاہیئے جو نصوص قطعیہ میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وارد ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

قسم

(سوال نمبر ۶۸) تقریباً تین آدمیوں نے قرآن شریف کو سامنے رکھ کر اور اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر ایک بات کے لئے قسم کھائی مگر وہ پوری نہیں ہوئی۔ شرعاً اس کا کیا کفارہ ہے۔ بینوا وتوجروا

الجواب

جس بات پر قسم کھائی تھی اگر اس کے خلاف کیا گیا ہے تو ہر ایک پر دس مساکین کا دو وقت کا کھانا کھلانا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لطف اُن کا، عام ہو ہی جائے گا
شاد، ہر ناکام، ہو ہی جائے گا

جاں دے دو، وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام، ہو ہی جائے گا

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے، نام؛ ہو ہی جائے گا

سائلو! دامن سخی کا تھام لو!
کچھ نہ کچھ، انعام ہو ہی جائے گا

اے رضاؔ ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی، آرام، ہو ہی جائے گا

تیسرا باب

معاملات

بین الزوجین



(سوال نمبر۶۹) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید والفرقان الحمید "ومن کل شئی خلقنا زوجین" ـــــ فیا ایہا الشیخ الاسلام این الشمس لثانی ؟ واین القمر الثانی ؟ ـــــ واقول لکم امنت باللہ وعلیٰ قولہ واعلم قولہ "ومن اصدق من اللہ قیلا" ـ ولکن اسئل منکم لتفہیم ففہمنی، دعوت شاکرا لکم جدا فقط

ـــــــ العبد الضعیف

الجواب

اقول وباللہ التوفیق ان الشمس والقمر فہما زوجین قال الرازی فی تفسیر ھذہ الایۃ والزوجات اما الضدان واما المتشاکلان فان کل شئی لہ شبیہ ونظیر وضد و ند ـ وقال ابوالسعود ای نوعین ذکر او انثیٰ وقیل متقابلین السماء والارض و اللیل والنہار والشمس والقمر والبر والبحر ونحو ذالک فقط واللہ بالصواب اعلم ـ

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۵ نومبر ۱۹۵۹ء)

نکاح

(سوال نمبر ۷۰) کیا نکاح کے لئے زوجین کا ہم کفو ہونا شرعاً ضروری ہے ـ بینوا و توجروا

مستفتی
حافظ عبد السمیع (ملتان)

۱۹۴۹ء

الجواب

اکثر علماء کے نزدیک تو غیر کفو سے بلا اجازت ولی نکاح ہوتا ہی نہیں، عالمگیری میں ہے :-

المرأۃ اذا زوجت من غیر کفء صح النکاح ولکن للاولیاء حق الاعتراض وروی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان النکاح لا ینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا والمختار فی زماننا للفتوی روایۃ الحسن وقال الشیخ الامام شمس الائمۃ السرخسی روایۃ الحسن اقرب الی الاحتیاط کذا فی فتاوی قاضی خان ـ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

(سوال نمبر ۱۷) زید کی دو بیویاں ہیں۔ کریمہ اور سلیمہ۔ کریمہ کے بطن سے ایک لڑکا ہے اور سلیمہ کے بطن سے ایک لڑکی۔ سلیمہ نے اس لڑکی کے ساتھ اپنی پوتی کو دودھ پلایا ہے جو اس کے پہلے شوہر کے بیٹے سے پیدا ہوئی ہے اب اس سلیمہ کی پوتی کا جس کو اس نے دودھ پلایا ہے کریمہ کے لڑکے سے نکاح جائز ہے یا نہیں ــــ بینوا بالبرھان یرحمکم الرحمٰن۔

الجواب

صورت مذکورہ میں سلیمہ کی پوتی کریمہ کے لڑکے کی رضاعی بہن ہے پس ان کے درمیان نکاح جائز نہیں۔ عالمگیری میں ہے:۔

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعۃ لو ولدت من ھذا الرجل او غیرہ قبل ھذا الارضاع اوبعدہ او ارضعت رضیعا او ولد لھذا الرجل من غیر ھذہ المرأۃ قبل ھذا الارضاع اوبعدہ او ارضعت من لبنہ رضیعا فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ انتھی فقط۔

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۷۲)

(۱) ہندہ ایک غیر مرد زید کے ساتھ بارادۂ نکاح اپنے والدین کے گھر سے فرار ہوئی، بعد میں ہندہ کے عزیزوں نے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟

(۲) ہندہ کے اس ناسزا فعل پر کیا شریعت میں کوئی سزا ہے؟

(۳) اگر ہندہ کے والدین اس سے مقاطعہ کر لیں تو کیا یہ شرعاً جائز ہوگا۔

بینوا و توجروا

الجواب

ہندہ اگر شادی شدہ نہ تھی تو یہ نکاح صحیح ہے، ہاں اگر زید اس کا غیر کفو ہے تو ہندہ کے والدین اس کا نکاح فسخ کرا سکتے ہیں۔ اگرچہ شرعاً ہندہ کا غیر مرد کے ساتھ جانا حرام تھا، لیکن اس کے لئے دنیوی کوئی سزا مقرر نہیں نہ اس کے والدین کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس سے مقاطعہ کریں ہاں شریعت مطہرہ اور والدین کی نافرمانی اور ان کی ہتک عزت کی

وجہ سے آخرت میں اس سے مواخذہ ہوگا اس لئے اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور جس طرح بن سکے والدین سے معافی حاصل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۷۳) عبدالرحمٰن نے اپنے لڑکے کی نسبت واجد علی کی لڑکی سے کردی، کچھ عرصہ بعد واجد علی کے بھائی محمد علی سے مذاقاً عبدالرحمٰن نے کوئی ایسی بات کہدی جو ناگوار معلوم ہوئی، چنانچہ محمد علی نے اصرار کرکے یہ نسبت چھڑوادی کچھ عرصہ بعد محمد علی نے اپنی لڑکی کی نسبت عبدالرحمٰن مذکور کے بھائی عبدالرزاق کے لڑکے سے کردی۔ دریں اثنا یہ دیکھ کر عبدالرحمٰن دوبارہ اپنے لڑکے کی شادی واجد علی کی لڑکی سے کرنے پر آمادہ ہو گیا مگر محمد علی کو یہ بات ہرگز پسند نہیں۔ صورت مذکورہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ بینوا و توجروا

الجواب

جب لڑکا اور لڑکی کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے جس کی وجہ سے شرعاً نکاح ہو سکتا ہے تو ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے لڑکے کا دوسرے کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یہ آپس کی خواہ مخواہ ضد ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۷۴) ہندہ عرصہ اٹھارہ سال سے زید کے نکاح میں ہے، چار سال ہوئے کہ زید اپاہج ہو گیا ہے اور اس کی گزر بسر خیراتی روٹیوں پر ہونے لگی جو ہندہ کے لئے نہایت تکلیف دہ ہے زید سے طلاق کے لئے کہا گیا تو وہ راضی نہیں ہوتا، ایسی صورت میں ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

جب تک ہندہ زید سے طلاق حاصل نہ کرلے گی اس کو دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۷۵) زید اپنے سوتیلے دادا کی بیوہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں۔ واضح رہے کہ اس کے حقیقی دادا اور سوتیلے دادا کی صرف مائیں الگ الگ ہیں اور باپ ایک ہے۔ بینوا و توجروا۔

ھوالموفق

مذکورہ نکاح صحیح ہے کہ ان کے درمیان کوئی حرمت کی وجہ نہیں ۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ ولی
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۷۶)

(۱) زید اور ہندہ کے والدین نے ان دونوں کا نکاح اس وقت کیا جب زید کی عمر سترہ سال تھی اور ہندہ کی چودہ سال ۔ مہر ایک ہزار عندالطلب باندھا گیا لیکن نکاح کے بعد رخصت نہیں کیا، کچھ عرصہ بعد زید نے ایک دوسری عورت سے نکاح کرلیا تو اب ہندہ چڑھاوا دے کر اور مہر معاف کر کے اس سے طلاق لینا چاہتی ہے مگر وہ نہیں چھوڑتا، اس صورت میں کیا ہندہ اپنا مہر لینے کی مجاز ہے ۔

(۲) لڑکا اور لڑکی شرعاً کس عمر میں بالغ ہوتے ہیں اور اس کی کیا علامات ہیں ۔

(۳) لڑکا اور لڑکی کے نابالغ ہونے کی صورت میں ان کے والدین اپنی ولایت میں جو نکاح کر دیتے ہیں، کیا بعد بلوغ وہ اپنا نکاح شرعاً فسخ کر سکتے ہیں ؟

الجواب

(۱) نابالغہ کا باپ اگر اس کا نکاح کر دے تو بعد بلوغ اس کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا پس یہ نکاح تو لازم ہو چکا البتہ چوں کہ مہر عندالطلب ہے لہٰذا ہندہ جس وقت چاہے اس کو وصول کر سکتی ہے مگر نصف لے گی ابھی وہ زید کے پاس پہنچائی نہیں گئی ۔

(۲) لڑکے کو جب احتلام ہونے لگے یا وہ عورت کو حاملہ کر دے تو اس کو بالغ کہیں گے اور لڑکی کو جب حیض آنے لگے یا حاملہ ہو جاوے تو اس وقت بالغ کہا جائے گا اور پندرہ سال کا لڑکا لڑکی ہر حال بالغ کہا جاتا ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ ولی
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۷۷)

(۱) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نامرد ہے ایسی صورت میں نکاح ہوا یا نہیں ۔

(۲) زید کی نامردی کے متعلق جب معلوم ہوا تو ہندہ کے ۔۔۔۔ والدین نے اس کو اپنے گھر بلا لیا کیوں کہ سسرال میں اس کو دوسری تکالیف بھی تھیں ۔ کچھ عرصہ بعد زید کے والد نے کہا کہ زید کا علاج کرا دیا گیا ہے چناں چہ

ہندہ کو پھر بھیجدیا گیا مگر وہاں وہی بات نکلی۔ اس مرتبہ ہندہ کو اس کی سسرال میں جبراً روک لیا گیا جس پر قانونی چارہ جوئی کی گئی اور از روئے عدالت یہ ثابت ہونے پر کہ زید نامرد ہے ہندہ کو والدین کے سپرد کر دیا گیا۔ عرصہ تین سال سے وہ اپنے والدین کے ہاں ہے۔ شادی کے وقت زید نے یہ لکھ کر دیا تھا کہ وہ ہندہ کو مبلغ ۱۰ روپے ماہانہ دیتا رہے گا کیا ہندہ اپنے والدین کے ہاں رہتے ہوئے گزشتہ تین سال کی رقم زید سے وصول کرنے کی مجاز ہے؟

(۳) ہندہ کے والدین چونکہ غریب ہیں اور اس کا بار نہیں اٹھا سکتے اس لئے انہوں نے زید سے کہا کہ طلاق دے دے مگر وہ تیار نہیں ایسی صورت میں کیا لڑکی کا عقد ثانی کیا جا سکتا ہے؟

(۴) زید طلاق کے عوض ایک معقول رقم کا خواہاں ہے، کیا وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہے؟

(۵) طلاق کی صورت میں کیا ہندہ مقررہ زرمہر لے سکتی ہے؟

(۶) ایسی صورت میں جب کہ ہندہ عرصہ تین سال سے والدین کے گھر ہے بصورت طلاق اس پر عدت کی پابندی عائد ہوگی یا نہیں؟ اور ہوگی تو کتنی مدت؟

مستفتی

قاضی حسام الدین

الور۔ راجپوتانہ

الجواب

نکاح تو ہوگیا البتہ لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قواعد شرعیہ کے تحت کسی حاکم مسلم کی عدالت سے فسخ نکاح کا حکم حاصل کرے پھر بعد انقضائے عدت دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی۔ لڑکے والوں کا طلاق پر کچھ طلب کرنا ان کی زیادتی ہے بلکہ خود ان کے ذمہ لڑکی کا پورا مہر واجب الاداء ہے البتہ اگر لڑکی مہر کے بدلے خلع کرنے پر آمادہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، رہا نفقہ گزشتہ تین سال کا تو اگر واقعی لڑکے کی جانب سے زیادتی تھی یعنی بلا کر رکھنا ہی نہ چاہتا تھا تب تو حسب تحریر لڑکی پچھلا نفقہ لے سکتی ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ (۱۷۱)

جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۷۰) ایک بہن کے ہاں لڑکا ہوا اور دوسری بہن کے ہاں لڑکی۔ دوسری بہن نے ایک روز غلطی سے اپنی بہن کے لڑکے کو دودھ پلا دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس لڑکے کی دودھ شریک بہن فوت ہوگئی۔ دوسری بہن کے ہاں ایک اور لڑکی ہوئی اب یہ بہن چاہتی ہے کہ اس کا نکاح اپنی چھوٹی بہن کے لڑکے سے کر دے جس کو اس نے غلطی سے دودھ پلایا تھا کیا یہ نکاح شرعاً ہو سکتا ہے۔

مستفتی

الجواب

نہیں ان دونوں کے درمیان نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۷۹) ہندہ کو جبراً چار یا پانچ آدمی اٹھا کر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر کے اس کو زید سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جب وہ راضی نہ ہوئی تو اس کو زدوکوب کیا اور آلات قتل سے اس کو ڈرایا۔ خوف زدہ ہو کر اس نے کہا قبول قبول ——— اس معاملے کو جب ایک انجمن کے سامنے رکھا تو اس نے ایک مولوی صاحب کو حکم مقرر کیا انہوں نے اس نکاح کو رد کر دیا۔ بعدۂ یہ مقدمہ عدالت میں پیش کیا گیا حاکم وقت نے بھی خارج کر دیا۔ کیا یہ نکاح جس کی تفصیل اوپر عرض کی گئی شرعاً ہو گیا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

الجواب وھو الموفق للصواب

وجوہ متعددہ اس کے مقتضی ہیں کہ یہ فیصلہ مولوی صاحب ممدوح کا اور حاکم مجاز کا قابل نفاذ ہے، اب دوسرا حاکم اس کو نہیں توڑ سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۰) اگر مطلقہ عورت طلاق کے دس بیس دن بعد دوسرا نکاح کر لے تو یہ نکاح شرعاً جائز ہوگا یا نہیں، جس مرد سے نکاح ہوا ہے اس پر اس عورت کا کوئی حق ہے یا نہیں۔ نیز اس سے جو اولاد ہو گی وہ حرام ہو گی یا حلال۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب وھو الموفق للصواب

طلاق بائنہ کی عدت میں کسی شخص کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں پس یہ نکاح دوسرا جائز نہیں ہے لہٰذا تفریق کرا دی جائے ان کے مابین۔ عورت پر کوئی حق اس دوسرے شخص کا نہیں۔ اگر تفریق نہ کرائی جائے گی تو جو اولاد ہو گی وہ حرام متصور ہو گی۔ فقط

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۱) میرا نکاح ایک شخص زید کے ساتھ ہوا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مسلکاً شیعہ ہے جب کہ میں سُنّی ہوں۔ ایسی حالت میں نکاح درست ہوا یا نہیں، اگر نہیں تو انفساخِ نکاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ بینوا و توجروا

مستفتی

ایک سائلہ

الجواب

شیعوں میں بہت سے ایسے امور پائے جاتے ہیں جو موجب کفر ہیں اگرچہ ان میں بعض امور ایسے بھی ہیں جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن دو امر تو ایسے شدید ہیں کہ جو باجماع کفر ہیں، ایک قرآنِ عظیم کو ناقص بتلانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ بعض صحابہ نے ان کلمات یا آیات کو قرآن کریم سے نکالا ہے جن میں اہل بیت اطہار کی فضیلت کا ذکر تھا، دوسرے ائمہ اطہار کو انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دینا، چنانچہ ان کے مجتہدین کے اس باب میں فتاوے موجود ہیں، پس اگر سائلہ کے خاوند میں ان دونوں امور میں سے کوئی امر ثابت ہے تب تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں کہ ایسی حالت میں وہ مرتد ہے اور مرتد سے کسی کا نکاح صحیح نہیں اور اگر یہ امور ثابت نہ ہوں تو پھر ایکٹ انفساخ نکاح نمبر ۸ ۱۹۳۹ء کے ماتحت کسی مسلم حاکم سے اس نکاح کو فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ بعد انفساخ نکاح عدت پوری کر کے دوسرے شخص سے کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۲) ایک غالی شیعہ عورت نے اپنی خواہش اور اپنے والدین کے ایماء پر یہ طے کیا ہے کہ وہ ایک سکھ مرد سے اس طور پر نکاح کرے کہ پہلے سکھ مذہب کے عقائد کے مطابق گرنتھی نکاح پڑھائے اور اس کے بعد مجتہد نکاح پڑھائے۔ کیا یہ فعل ارتداد کی حد تک نہیں پہنچتا؟ جو لوگ اس نکاح میں شریک ہوں ان کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے بینوا و توجروا۔

مستفتی

نواب خسرو مرزا - دہلی

(۱۳ ر اکتوبر ۱۹۶۳ء)

الجواب

غالی شیعہ خود اپنے ہی بعض عقائد کی وجہ سے کافر ہیں کجا کہ ایسے شدید قطعی حرام فعل میں ان کے ساتھ شرکت! اگر اس کو بہتر جان کر شرکت کی تو بیشک مسلمان کافر ہو جائے گا اور اس کے تمام اعمال غارت ہو جائیں گے ورنہ سخت گنہگار ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مسلمان کو اس فعل شنیع سے محفوظ رکھے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۳۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

(سوال نمبر ۸۳) زید کہتا ہے کہ مسلمان زانی اور زانیہ کا نکاح سوائے زانی یا زانیہ اور مشرک و مشرکہ سے کسی مسلمان سے جائز نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے الزانی لا ینکح الا ... الایۃ لیکن عمر کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اور زانی و زانیہ کا نکاح مسلم یا مسلمہ سے ہو سکتا ہے، کیا عمر حق پر ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

عمر کا قول صحیح ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیۃ کریمہ وانکحوا الایامیٰ منکم سے منسوخ ہے یا یہ حکم فقراء مہاجرین کے لئے خاص ہے۔ بہر حال اس پر اجماع ہے کہ زانی و زانیہ کا نکاح صلحائے امت سے جائز ہے چنانچہ جلالین میں ہے:۔

فقیل التحریم خاص بھم وقیل عام ونسخ بقولہ تعالیٰ وانکحوا الایامیٰ منکم۔

اس کے علاوہ مفسرین نے اور بھی توجیہات کی ہیں جس کے لئے کتب تفاسیر ملاحظہ کریں۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۴)

(۱) زید نے اپنے انتقال کے بعد ایک بیٹا دو بیٹیاں اور ایک بیوہ چھوڑی ہے، لڑکیوں کا شرعی ولی کون ہوگا؟

(۲) بالغہ لڑکی کو اپنے نکاح کے سلسلے میں ولی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر بغیر اجازت ولی اس لڑکی کا نکاح کسی غیر برادری میں کر دیا جائے تو یہ جائز ہوگا؟

مستفتی
سالم احمد۔ دہلی

الجواب

بالغہ لڑکی کا ولی اس کا بھائی ہے۔ اگر اس نے بھائی کے خلاف اپنے کفو میں اور اپنے پورے مہر کے ساتھ

نکاح کرلیا ہے تو نکاح ہوجائیگا ورنہ بھائی کو اختیار ہوگا کہ وہ اس نکاح کو حاکم مسلم سے فسخ کرالے۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۵) ہندہ کا نکاح زید سے ہوا، زید نے چند سال بعد دوسری شادی کرلی اور ہندہ کو ۱۶ سال قبل تحریری طلاق نامہ دے دیا۔ کیا وہ دوسری شادی کرسکتی ہے۔ بینوا و توجروا

الجواب

اگر مسماۃ کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے تو دوسرے شخص سے اپنا نکاح کرسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۶) دو بہنیں ہیں جن میں ایک بالغہ ہے اور دوسری نابالغہ۔ ایک ہی گاؤں میں دونوں کی شادی ہوئی۔ نابالغہ لڑکی کے خاوند نے بالغہ لڑکی کو بھگا کر اپنے گھر میں رکھ لیا اور اس کے بطن سے ایک بچہ بھی ہوگیا نابالغہ کا شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کو رکھنا چاہتا ہے از روئے شرع اس کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

پہلے بڑی کو اس کے خاوند کے ہاں چھوڑے کہ وہ اس کو طلاق دے پھر اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اس کے بعد جب دونوں کی عدت گزر جائے تو بڑی سے نکاح کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۷) ہندہ کے خاوند کو لاپتہ ہوئے تقریباً چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے، جب عدالت سے رجوع کیا گیا تو اس نے نکاح ثانی کا فیصلہ دے دیا۔ کیا شرعاً ہندہ صورت مذکورہ میں نکاح ثانی کرسکتی ہے۔ بینوا و توجروا
مستفتی
جمیلہ خاتون۔ یکم جولائی ۱۹۴۶ء

الجواب

احناف کے نزدیک تو یہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی، البتہ امام مالک کے مذہب کی رو سے اُن کی شرائط کے موافق اگر کسی مسلمان حاکم نے فیصلہ کیا تو اسے اختیار ہے کہ عدت گزار کر وہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۸) ایک شخص نے اپنی لڑکی کی نسبت ایک لڑکے کے ساتھ طے کرلی مگر لڑکی کی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہے، کیا شخص مذکور دوسری جگہ نکاح کرسکتا ہے اس میں شرعاً تو کوئی قباحت نہیں۔ بینوا و توجروا

الجواب

بلا وجہ کرے گا تو خلاف عہد کا مواخذہ ہوگا لیکن اگر نکاح کردے گا تو شرعاً صحیح ہوجائیگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۸۹) شرعاً نکاح کس عمر تک جائز ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

شرعاً نکاح کو زوجین کی کسی عمر کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا، مسلمان مختار ہے جس عمر میں چاہے اپنے مصالح کو دیکھتے ہوئے نکاح کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۲ مارچ ۱۹۵۶ء)

(سوال نمبر ۹۰) ہندہ کی شادی ایک شخص زید سے ہوئی، کچھ عرصہ بعد ہندہ اپنے والدین کے گھر آگئی ایک عرصہ تک خاوند لینے نہیں آیا جب ہندہ کے والدین نے اس سے لے جانے کے لئے کہا تو اس نے جواباً کہا "میں نے ہندہ کو چھوڑ دیا"۔۔۔۔ چناں چہ کچھ عرصہ بعد ہندہ کا نکاح ثانی کردیا گیا کیا شرعاً یہ جائز ہے۔
بینوا و توجروا

الجواب

سائل سے معلوم ہوا کہ یہ قصبہ میوات کا ہے اور میوات میں بھی بیوی کو چھوڑ دیا" کہنا طلاق میں متعارف ہے چناں چہ ہندہ کے والدین کا ہندہ کے خاوند سے یہ الفاظ سن کر طلاق پر مطمئن ہونا اور ہندہ کا نکاح کر دینا اور اس پر پہلے خاوند کا خاموش رہنا صریح دلیل ہے۔ پس پہلے خاوند سے تو طلاق ہو گئی اور عدت گزرنے پر دوسرا نکاح کیا ہے تو وہ بھی صحیح ہے۔ البتہ اگر عدت گزرنے سے پیشتر دوسرا نکاح ہوا ہے تو یہ نکاح، نکاح صحیح نہیں فاسد ہے، یہ شخص اس کو جدا کرے اس کے بعد اگر عورت رضامند ہو تو اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۹۱) ہندہ کا خاوند چار سال سے دیوانہ ہے جو نہ اس کی نفسانی خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے اور نہ اخراجات برداشت کر سکتا ہے۔ کیا اس صورت میں ہندہ کا نکاح ثانی کیا جا سکتا ہے۔ بینوا و توجروا

الجواب

اگر حقیقت میں اس عورت کا خاوند چار سال سے دیوانہ ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی حاکم مسلم مجاز سے فسخ نکاح کا حکم حاصل کرے اس کے بعد عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ اگر مسلم حاکم نہ ہو تو غیر مسلم حاکم کسی مسلم باوقار کے سپرد کر دے وہ جو فیصلہ کرے حاکم اس فیصلہ کو نافذ کر دے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۹۲) ہندہ کا زید سے نکاح ہوا مگر ہندہ اس کے گھر نہیں گئی اور نہ زید سے خلوت صحیحہ کی کوئی صورت پیدا ہوئی، ان حالات میں اگر زید اس کو طلاق دے دے یا زید کا انتقال ہو جائے تو عدت و مہر وغیرہ کے معاملے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
شیخ بنارد (شکارپور ضلع بلند شہر)

الجواب

خلوت صحیحہ سے قبل اگر طلاق دی گئی تو عورت پر عدت نہیں لیکن اگر خاوند کا انتقال ہو گا تو اس پر عدت

ہے، طلاق کی صورت میں عورت نصف مہر کی مستحق ہوگی اور موت کی صورت میں پورے مہر کی۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۸ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۹۳) ہندہ کے زید سے ناجائز تعلقات قائم ہوئے اور ہندہ کو حمل قرار پاگیا۔ اس حالت میں دونوں کا نکاح کر دیا گیا اور ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد ہندہ کے والدنے ہندہ کو اپنے گھر بٹھا لیا اور ایک سال بعد عدالت سے اس کا نکاح اول فسخ کرا کے کسی دوسرے شخص سے نکاح ثانی کر دیا اس کے بعد پہلے خاوند نے طلاق دے دی اس وقت ہندہ حمل سے تھی۔ کیا شرعاً نکاح ثانی صحیح ہے اور کیا ہندہ پر عدت لازم تھی
بینوا و توجروا

الجواب

اگر شرعاً فسخ نکاح کی کوئی وجہ نہ پائی جاتی تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو خواہ فسخ کرا لیا گیا ہو یا نہ کرایا گیا ہو بہر صورت دوسرا نکاح صحیح نہیں۔ اب جب کہ اصل خاوند نے اس کو طلاق دے دی تو عدت لازم ہے، بچہ پیدا ہونے پر عدت پوری ہوگی اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۵ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۹۴) کیا ماموں کے ماموں یعنی نانی کے بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے ؟
مستفتی
فیض محمد — دہلی

الجواب

ہاں نانی کے بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے کہ یہ اس کی محرمات میں داخل نہیں ہے، محرمات نسبیہ صرف اصول و فروع یا اصل قریب کے فروع اور اصل بعید کے صلبیہ ہوتی ہے، شرح وقایہ میں ہے :۔

وحرم اصلہ وفرعہ وفرع اصلہ القریب وصلبیۃ اصلہ البعید

محمد مظہر اللہ غفرلہ

طلاق وعدت

(سوال نمبر ۹۵) زید کے حسبِ ذیل اقوال کی روشنی میں اس پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں، اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو گئی یا نہیں اور اس کی قسم مندرجہ ذیل اقوال میں قابل قبول ہو گی یا نہیں ؟

اقوال زید

(۱) خدا نے سب کو پیدا فرمایا، اس کو کس نے پیدا کیا، اس کو پیدا کرنے والا کوئی ضرور ہو گا ؟

(۲) اگر دل نے گواہی دی تو میں عیسویت یا دہریت وغیرہ اختیار کر لوں گا۔

(۳) نماز کیا چیز ہے اس کے پڑھنے سے کیا حاصل ہو گا، نماز کوئی چیز نہیں اگر من دو من لکڑیاں چیر دیں تو ذخیرہ سامنے ہوتا ہے، نماز سے کیا حاصل ہو گا۔

(۴) ایک مرتبہ اپنے ہمسایہ کی تدفین میں شریک ہوا۔ بعد دفن قبر پر دو گھنٹے بیٹھا رہا اور پھر کہا نکیرین کی آمد اور میت کے سوال وجواب کے متعلق کوئی علامت میرے علم میں نہیں آئی، میں نے اپنے والد صاحب سے بحث کی مگر وہ مجھ کو مطمئن نہ کر سکے[۱]

صفر المظفر ۱۳۷۵ھ
۲۹ ستمبر ۱۹۵۵ء

الجواب

حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب دامت فیوضہم کا جواب بالکل صحیح ہے، زید کے اقوال سے یقیناً ثابت ہے کہ وہ بعض ضروریات دینیہ پر اعتقادِ جازم نہیں رکھتا اور اس کو تصدیق فی جمیع ما جاء بہ النبی عن اللہ حاصل نہیں جو حقیقتِ ایمان ہے لان معنی التصدیق قبول القلب اذعانہ لما علم بالضرورۃ انہ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما فی ردالمحتار۔ پس اس پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح (بشرط رضائے زوجہ) لازم ہے، زید کے ان اقوال پر یہ حکم کہ وہ ابھی اسلام پر قائم ہے تاوقتیکہ بعد تحقیق بھی اس کا شبہہ زائل نہ ہو صحیح نہیں، شبہہ کے ازالہ کا حکم تو بعد ارتداد مرتد حاکم پر استحباباً اس لئے ہے تاکہ وہ قتل سے بچ سکے اس کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ وہ ابھی مرتد نہیں ہوا چنانچہ تنویر میں ہے :۔

من ارتد عرض علیہ الاسلام استحبابا ویکشف شبھۃ ویحبس ثلاثۃ

---

[۱] ان اقوال کے بارے میں پہلے زید کے والد کا جواب درج کیا گیا ہے پھر مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کا جواب باصواب ہے اس کے بعد حضرت قدس سرہ کی تصدیق ہے جو جواب کی صورت میں یہاں پیش کی گئی ہے۔

ایام ان استمہل فان اسلم والا قتل ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۹۶)

(۱) زید کی بیوی ہندہ کے ہاں ایک لڑکا ہوا لیکن زید نے عدالت میں یہ بیان دیا کہ یہ لڑکا اس کا نہیں ہے کیا زید کا یہ بیان تفریق زوجین کے لئے کافی ہے ؟

(۲) زید نے حمل کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی کیا یہ طلاق واقع ہو گئی ۔

مستفتی
فضل احمد ۔ کراچی

الجواب

(۱) کسی شخص کا اپنی عورت کے خلاف عدالت میں بیان دینا کہ اس کے پاس جو لڑکا ہے میرا نہیں ہے ، یہ باعث تفریق زوجین نہیں ہوتا ، ہاں اگر لعان کی صورت ہو تو پھر اس کا حکم اور ہے ، سوال میں وہ صورت نہیں بتلائی گئی ۔

(۲) حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے کہ وہ وقوع طلاق کا مانع نہیں ۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتح پوری دہلی
(۲ ستمبر ۱۹۵۳ء)

(سوال نمبر ۹۷) پانچ سال ہوئے ہندہ کا شوہر پاکستان جا چکا ہے وہ اپنی ہندہ سے خط و کتابت کرتا ہے اور نہ اس کے نفقہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتا ہے ایسی صورت میں ہندہ کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے ۔

الجواب

سوائے طلاق حاصل کرنے کے ہندہ اپنے شوہر سے آزاد نہیں ہو سکتی ۔ ہاں بعض ائمہ کے نزدیک اس کی رہائی کی ایک صورت ہے جس کی بنا پر قانون بنایا گیا ہے اور اس کے ماتحت نکاح فسخ کئے جا رہے ہیں لیکن میرے نزدیک چونکہ ان ائمہ کے مذہب پر عمل نہیں کیا جا رہا اس لئے میں اس پر فتوی نہیں دیتا ۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۹۸) میری اور میری والدہ کی آپس میں لڑائی ہو رہی تھی میرے خاوند باہر کھڑے سن رہے تھے، وہ گھر میں آ گئے اور غصہ میں صرف یہ کہا "میں نے طلاق دی، طلاق دی"۔ ہم دونوں میں اس سے قبل رنجش کی کوئی صورت تھی اور نہ اب ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

مستفتیہ

سعیدہ بیگم (دہلی)

الجواب

اگر سائلہ کے خاوند نے اس کو مخاطب کر کے طلاق نہیں دی نہ اس نے اس کو طلاق دینے کے ارادے سے یہ الفاظ کہے تو طلاق نہ ہوئی لعدم اضافۃ الطلاق الی الزوجۃ ورنہ جتنی مرتبہ طلاق دی ہے اتنی مرتبہ طلاق واقع ہو گئی، دو مرتبہ طلاق دی ہے تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور اس سے زائد دیں تو بلا حلالہ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(۶ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۹۹) زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ "تو میری ماں بہن ہے" یا "ماں بہن جیسی ہے" اور یہ بھی کہا کہ "وہ حرام خور ہے، مجھے اس پر شک ہے"۔ تو ایسی حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زید نے اپنی بیوی کو صرف ماں بہن ہی کہا ہے تب تو اس کا یہ کہنا لغو ہے اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ اس نے برا کیا، آئندہ احتیاط رکھے لیکن اگر اس نے یوں کہہ دیا ہے کہ وہ "میری ماں بہن جیسی ہے" تو اس میں نیت دریافت کی جائے اگر بہ نیت ظہار اس طرح کہا ہے تو جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کرے اس سے جماع بلکہ بوس و کنار بھی حرام ہے اور یہ بہ نیت طلاق کہا ہے تو عورت بائنہ ہو گئی جب تک تجدید نکاح نہ کرے اس سے ہم بستری ناجائز ہے اور اگر نہ یہ نیت ہے اور نہ وہ، تو نہ ظہار ہوا نہ طلاق، در مختار میں ہے:۔

وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لوحذف علی خانیہ) برا او ظہارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ وان لا ینو شیئا او حذف الکاف منہا وتعین الاولیٰ ای البر یعنی الکراہۃ و یکرہ قولہ انت امی۔ انتہی

ان نوی الطلاق بہ وقع الطلاق البائن لانہ من الکنایات وان الظہار صحت فانہ التشبیہ بالام تشبیہ بعضہا مع زیادۃ۔

اور شرح وقایہ میں ہے :-

ویحرم وطیہا ودواعیہ حتی یکفر۔ انتہی

اور کفارۂ ظہار ہمارے زمانہ میں دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے ہیں بشرطیکہ پہلی تاریخ سے روزہ رکھنا شروع کیا ہو ورنہ ساٹھ روزے اور اس پر طاقت نہ ہو نہ یہ امید ہے کہ زندگی اس کی طاقت میسر آئے گی تو بالغ مساکین کو دونوں وقت بھر پیٹ کھانا کھلانا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام

مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ مندرجہ ذیل جواب طلاق کے بارے میں ایک فتوے کے جواب میں جو مسودے میں نقل نہیں کیا گیا، مولانا محمد عرفان صاحب کے جواب کی توثیق ہے اور رفاقت حسین صاحب کا سنجیدہ رد ہے۔

(نمبر ۱۰۰) فقیر کے نزدیک مولوی محمد عرفان صاحب کا جواب صحیح ہے، ھو الموفق بیشک صورت مسئولہ میں جہاں بھی "طلاق" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے طلاق پر آمادگی ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ ہر مقام پر صیغہ مضارع کا استعمال کیا گیا ہے اور وہ اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے ہرگز انشاء کے لئے موضوع نہیں بلکہ حقیقۃً اس کی وضع مستقبل کے لئے ہے اور حال کے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے، پس اگر قرائن سے معلوم ہو کہ قائل نے حال کے معنی میں استعمال کیا ہے تو حال کے معنی میں متعین ہو جاتا ہے چناں چہ بحر الرائق میں ہے :-

واما المضارع فانہ وان کان حقیقۃ فی الاستقبال الا انہ یحتمل الحال۔ انتہی

اور بعض نے اس کا عکس بھی بیان فرمایا ہے اور اس کو اصح کہا ہے لیکن ہر حال خواہ اس کے حقیقی معنی استقبال کے لئے جائیں یا حال کے ــــــ انشاء کے معنی کے لئے ہرگز اس کی وضع نہیں اور گو صیغہ ماضی بھی واضع لغت نے انشاء کے لئے نہیں وضع کیا لیکن شارع علیہ السلام نے اس کو انشاء کے لئے اختیار فرمایا ہے کہ یہ تحقق و ثبوت پر دال ہوتا ہے نہ مستقبل و حال کو۔ اگر یوں کہتا کہ "میں نے دی طلاق لکھوالو" تو یقیناً طلاق کا حکم کیا جاتا لیکن اس نے تو بجائے ماضی کے مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ "میں طلاق دینا چاہتا ہوں تم طلاق نامہ لکھوا لو"۔ اگرچہ بعض صورتوں میں مضارع کے صیغہ سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر جب کہ حال کے معنی لینے پر قرینہ موجود ہو۔ غالباً مولینا رفاقت حسین صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ کو اس کے اس قول سے کہ "تم طلاق نامہ لکھوا لو" وقوع طلاق کا شبہہ پڑا کہ در المختار وغیرہ میں یہ جزئیہ تحریر ہے کہ:

ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارًا بالطلاق۔

سو یہ حکم جب ہے جب مضمون طلاق نامہ بھی بتلایا ہو اور یہاں اول تو استکتاب ہی نہیں استکتاب کی اجازت ہے مع ہذا مضمون طلاق نامہ بھی نہیں بتلایا تو اس صورت میں وقوع طلاق کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے، چنانچہ ردالمختار میں اسی عبارت کے آگے تحریر ہے۔ ولو استکتب الخ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پہلا جزئیہ مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ طلاق دینے والے نے مضمون طلاق نامہ بھی بتلایا ہو اور پھر اس کا بھی اقرار کرتا ہو کہ میری طرف سے لکھا گیا ہے اور خود میں نے لکھوایا ہے تب طلاق کا حکم کیا جائے گا، یہاں ان امور میں سے کوئی بھی امر نہیں پایا جاتا۔ غرض اس کلمہ سے صورت مذکورہ میں طلاق کے وقوع کا حکم تو نہیں دیا جا سکتا البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ نابکار اس قابل نہیں کہ یہ صالحہ اس کے نکاح میں رہے اس لئے بذریعہ حکومت مجاز جبرًا اس سے طلاق حاصل کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۱) زید نے اپنی بیوی سے کہا "میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی" ——— کیا شرعًا طلاق واقع ہو گئی۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اب بلا حلالہ یہ آپس میں نکاح بھی نہیں کر سکتے۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۲) زید نے اپنی بیوی ہندہ کے متعلق ایک اقرار نامہ تحریر کیا کہ :-

"اگر میں اپنی زوجہ کو شرعًا یا قانونًا کوئی ناجائز تکلیف دوں یا
اس سے تین ماہ تک بے خبر رہوں اور نان نفقہ کی خبر نہ لوں تو
میری زوجہ کو اختیار رہے کہ وہ تین ماہ گزر جانے کے بعد اپنے
اوپر تین طلاقیں ڈال لے مجھے کوئی عذر نہ ہو گا۔"

زید باوجود اس اقرار نامہ کے مسلسل خلاف ورزیاں کرتا رہا چنانچہ ہندہ ۹ ماہ سے اپنے والدین کے گھر ہے مندرجہ بالا اقرار نامہ کی رو سے اس نے تین ماہ بعد اپنے اوپر تین طلاقیں ڈال لیں جس کو ۵ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا، کیا اس صورت میں ہندہ دوسری جگہ عقد کر سکتی ہے۔

مستفتی
فضل احمد ۔ کراچی
(۱۱/ اگست ۱۹۵۳ء)

الجواب

صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوگئی، ہندہ نے جب اپنے اوپر طلاق کی ہے اگر اس کے بعد اس کو تین حیض آچکے ہیں تو اس کی عدت بھی ختم ہوگئی اب وہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۳) زید کی شادی ہندہ سے ہوئی۔ ڈیڑھ سال بعد زید کے والد نے ہندہ سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے اور بوس و کنار شروع کر دیا جس پر اہل محلہ میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہیں، ایک چودہ سالہ لڑکی نے تو زید کے باپ کو ہندہ پر بیٹھے ہوئے بھی دیکھا ہے، ایسی صورت میں ہندہ، زید پر حرام ہوگئی یا نہیں۔ بینوا و توجروا

الجواب

اگر یہ شخص بوس و کنار کرتا ہے اور لڑکی کے بیان کو تصدیق کیا جاتا ہے تو اس کے بیٹے پر اس کی بیوی حرام ہوگئی، اب اس کو چاہیئے کہ اس کو علیحدہ کر دے، علیحدہ ہونے کے بعد عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۴) سوال مذکور میں جس ہندہ کا ذکر کیا گیا ہے جب اس نے یہ تمام واقعات اپنے گھر جا کر سنائے تو زید اور اس کے والد کو پنچایت کے اجلاس میں طلب کیا گیا۔ اس پر یہ دونوں حاضر نہ ہوئے اور زید نے کہا "جو کچھ کفارہ ہو میں ادا کرنے کو تیار ہوں اس معاملہ کو دبا دو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا" ——— زید ہندہ کو رکھنے پر مصر ہے کیا صورت مذکورہ میں اس کے ازدواجی تعلقات قائم رہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

باوجود بلانے کے زید کا پنچایت میں حاضر نہ ہونا اور اس کا یہ قول کہ "جو کچھ کفارہ ہو میں ادا کرنے کو تیار ہوں اس معاملہ کو دبا دو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا"۔ اس پر صریح دلیل ہے کہ زید ہندہ کے بیان کی تصدیق کرتا ہے پس اس صورت میں کچھ شبہ نہیں رہا کہ ہندہ زید پر حرام ہو چکی، اب زید پر واجب ہے کہ ہندہ کو چھوڑ دے ورنہ گنہگار ہوگا اور ہندہ ہرگز اس کے پاس نہ رہے اگر اب بھی وہ نہ چھوڑے تو بذریعہ حکومت علیحدہ کرائی جا سکتی ہے

اس کے لئے کوئی کفارہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۵) زید کے والد نے زید کی بیوی کے ساتھ زنا کیا۔ کیا اس فعل سے زید پر اس کی بیوی حرام ہوگئی بینوا و توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں اگر زید بھی اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے تب تو بیشک زید پر اس کی زوجہ حرام ہوگئی لیکن جب تک زید اس بیوی کو اپنے سے علیحدہ نہ کر دے گا اور اس کا مصمم قصد نہ کر لے گا کہ میں اس کو اب اپنے تحت میں نہ رکھوں گا اور اس کے بعد عدت بھی ستغنی نہ ہو لے گی اس وقت تک زید کی بیوی کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ درمختار میں ہے:۔

وبحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج باخر الا بعد المتارکة وانقضاء العدة۔ انتہی

اور اگر زید اس واقعہ کی تصدیق ہی نہیں کرتا تو زید پر اس کی یہ بیوی حلال ہے۔ نکاح میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوا۔ عالمگیری میں ہے:۔

رجل تزوج امرأة علی انها عذراء فلما اراد وقاعها وجدها قد افتضت فقال لها من افتضك فقالت ابوك ان صدقها الزوج بانت منه ولا مهر لها وان کذبها فهی امرأته۔ کذا فی الظهیریه

اور اگر زید تصدیق تو کرتا ہے لیکن اس کو چھوڑتا نہیں تو حاکم مجاز سے علیحدگی کرالی جائے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۶) ایک شخص نے دو معتبر گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دی، دوسری مرتبہ اس کو ماں کہا اور تیسری مرتبہ اس کو بہن کہا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں قرآن و حدیث کو نہیں مانتا میں کافر ہوں جو زیور میں نے بیوی کو چڑھایا ہے اور جو برتن وغیرہ دیئے ہیں سب واپس کرو، چنانچہ وہ دے دیئے گئے۔ صورت مذکورہ میں طلاق ہوگئی یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

ھوالموفق

اس شخص کا یہ کہنا کہ "میں قرآن و حدیث کو نہیں مانتا اور میں کافر ہوں" ——— صریح کفر ہے ومن یرضی بکفر نفسہ فقد کفر (عالمگیریہ) - پس ایسی صورت میں نکاح باطل ہے بغیر تجدید اسلام کے نکاح صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں - پھر اگر تجدید اسلام کرے تو ابھی حق رجعت باقی ہے بشرطیکہ ایک طلاق صریح دی ہو اور اس کی عدت نہ گزر گئی ہو اور رجعت کا مسنون طریقہ یوں ہے کہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کی " اور بیوی کو اس بات کا علم کرا دے اور اس پر دو گواہ بھی قائم کرے (کذا فی العالمگیریہ) اور اگر عدت گزر چکی ہو یعنی تین حیض یا تین ماہ گزر چکے ہوں تو اب حق رجعت بھی باقی نہیں رہا - اب رہا اس شخص کا اپنی بیوی کو ماں بہن بنانا تو اگر اس نے یوں کہا ہے کہ "تو میری ماں یا میری بہن ہے" تب تو اس نے برا کیا، لیکن اس کا اثر نکاح پر کچھ نہیں اور اگر کہا "تو مجھ پر میری ماں یا میری بہن کی مانند ہے"۔ تو اب اس سے پوچھا جائے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ پس اگر اس کی مراد اس سے طلاق ہے جیسا کہ قرینہ سے بھی پایا جاتا ہے، تب تو طلاق بائن پڑ گئی - اس صورت میں بھی رجوع نہیں کر سکتا اور جو ظہار کی نیت کی ہے تو بعد کفارہ ظہار دینے کے اس کی بیوی اس پر حلال ہو سکتی ہے اور اگر کچھ بھی نیت نہیں کی تو ان لفظوں کا بھی نکاح پر کوئی اثر نہیں - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

سوال نمبر ۱۰۷) زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور بیوی نے زر مہر معاف کر دیا - بیوی چونکہ حاملہ ہے اس لئے زید اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوئی - کیا یہ صحیح ہے - بینوا و توجروا -
۲۳ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ

الجواب ھوالموفق للصواب

صورت مذکورہ میں اگر (خدا نخواستہ) (زید) نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو اب سوائے حلالہ کے دوسری صورت نہیں جس سے وہ اس پر حلال ہو جائے، عورت کا حاملہ ہونا وقوع طلاق کے لئے مانع نہیں - فقط واللہ اعلم

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولمن لہ حق علیہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(نوٹ) فتوے مذکورہ ۱۹۲۳ء مطابق ۱۳۴۲ھ میں تحریر فرمایا تھا -

(سوال نمبر ۱۰۸) زید سے ہندہ نے کہا کہ "مجھ سے سو روپے لے لے اور طلاق دے دے"۔ چناں چہ وہ روپے دے دئیے گئے اور زید نے ایک طلاق دی۔ لیکن جن لوگوں نے ہندہ کو طلاق لینے پر مجبور کیا تھا جب زید سے یہ کہا کہ باقی دو بھی تم کو دینی پڑیں گی تو زید نے کہا "چلو وہ دونوں بھی دے دیں اور تینوں طلاق ہو گئیں"۔ صورت مذکورہ شرعاً ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

ھو الموفق

صورت مذکورہ میں تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اب سوائے حلالہ کے دوسری ایسی صورت نہیں جس سے یہ عورت اس مرد پر حلال ہو جائے۔

قال فی النهر وفی المنصوری فی شرح المسعودی المختلعة یلحقها صریح الطلاق اذا کان فی العدة۔ انتهى مافی الشامی

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد مظہر اللہ غفر لہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۰۹) زید نے اپنی بیوی سے تین بار یہ کلمات کہے "میں نے تجھے آزاد کر دیا"۔ کیا ان کلمات سے ہندہ پر طلاق واقع ہو گئی۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

یہ کلمات طلاق بائن کے ہیں، اگر طلاق کی نیت سے کہے گئے ہیں تو ایک طلاق بائن ہو گئی —— پھر سے نکاح کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۰) زید نے اپنی بیوی سے کہا "تجھ طلاق دیتا ہوں اگر تجھ سے بولوں"۔ یہ کلمات تین بار کہے اور اس کے بعد پھر کہا کہ "تو زیور دے یا نہ دے"۔ صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہو گئی یا نہیں۔ بینوا و توجروا

الجواب

صورت مذکورہ میں اگر تین مرتبہ یہ الفاظ کہے ہیں تو طلاقِ مغلظہ واقع ہو گئی۔ اب بلا حلالہ زید اپنی عورت سے نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۱) زید کی بیوی اپنے میکے میں تھی کہ زید نے ایک پرچہ بھیجا جس میں تحریر تھا کہ "تم فوراً چلی آؤ اگر نہ آئیں تو تمہارے گھر کا دروازہ بند ہو گیا" ——— کیا صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہو گئی؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اس قول سے کہ آپ کے گھر کا دروازہ بند ہو گیا" اگر طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق بائن واقع ہو گئی جس کے بعد جدید نکاح کی ضرورت ہے اور اگر بلا نیت طلاق اس قول کو کہا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی، شوہر کے گھر جا سکتی ہے۔

——— فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۲) زید نے نکاح کے بعد قبل رخصتی اپنی بیوی کو طلاق دی۔ پھر اس نے اس کو اپنے گھر رکھ لیا اور اس سے صحبت بھی کی لیکن دوبارہ نکاح نہیں کیا۔ صورت مذکورہ میں زید کو کیا کرنا چاہیے تھا۔

الجواب

اگر قبل رخصتی ایک طلاق دی تھی تو طلاق بائن واقع ہو گئی اور یوں کہا تھا کہ تجھ پر تین طلاق ہیں تو حلالہ کی ضرورت ہے۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ یہ عورت اس شخص پر حلال نہ ہو گی۔ حلالہ کی صورت مشہور ہے۔

——— فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۳)

(۱) ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق بائنہ دی، اس طلاق کے دس بیس یوم بعد مطلقہ عورت ایام عدت گزارنے سے پہلے دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے۔ کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

(۲) ایام عدت کی مدت شرعاً کیا ہے۔

(۳) جس شخص سے عورت نے نکاح ثانی کیا ہے کیا اس کا عورت پر کوئی حق زوجیت ہے۔

(۴) عورت اس شخص کے گھر سے بلا طلاق نکل سکتی ہے یا اس سے طلاق حاصل کرنا ضروری ہے۔

الجواب هو الموفق للصواب

(۱) حالت عدت میں کسی طرح سے نکاح درست نہیں کما قال اللہ تعالیٰ:۔

ولا تعزموا عقدة النكاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ

(۲) عدت طلاق حیض والی عورت کے لئے تین حیض کامل اور غیر حیض والی عورت کے لئے تین ماہ کامل ہیں :-

ھی المرأة تحیض لا طلاق والفسخ ثلث حیض کوامل و

لمن لم تحض ثلثة اشھر - کذا فی الشرح الوقایہ -

(۳) عدت میں نکاح کرنے والے کا حق عورت پر نہیں بلکہ اگر اس شخص نے اس عورت سے وطی کرلی ہے تو اسی پر عورت کا مہر ادا کرنا لازم ہے :-

اذا دخل الرجل بالمرأة علی وجہ شبھة او نکاح فاسد فعلیہ المھر -

کذا فی العالمگیریہ -

(۴) یہ عورت بلا طلاق کے مرد سے علیحدہ ہو سکتی ہے بلکہ واجب ہے کہ اس سے علیحدہ ہو ورنہ گنہ گار ہوگی پھر بعد علیحدہ ہونے کے دوسری عدت گزارے اس کے بعد کسی سے نکاح کر سکتی ہے اور چاہے تو اسی مرد سے پھر نکاح کرے :-

لانہ واجب الرفع - کذا فی الشرح الوقایة - والعدة فی النکاح الفاسد

عقیب التفریق او عزم الوطی علی ترک وطئھا - کذا فی الھدایہ -

واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد مظہر اللہ عفی عنہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

سوال نمبر ۱۱۴) ایک عورت جو ملازم ہے اس کے خاوند کا انتقال ہو گیا اب سوائے اس ملازمت کے اس کا کوئی ذریعہ معاش نہیں - ایسی صورت میں وہ عدت کس طرح گزارے -

مستفتی

فضل احمد ــــــ کراچی

۴ جون ۱۹۵۳ء

الجواب

عدت تو اس کی چار ماہ دس روز ہے لیکن یہ ملازمت کے لئے دن میں باہر نکل سکتی ہے - ہاں رات کا اکثر حصہ گھر ہی میں گزارے ، رات کو دوسری جگہ نہ رہے - فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۱۵) عورت نابالغہ ناقابل وطی اور عورت بالغہ قابل وطی کو خاوند کے انتقال کے بعد کتنی کتنی مدت عدت کرنی چاہیئے۔ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب هو الموفق للصواب

طلاق کی عدت اگر عورت بالغہ ہے تو تین حیض اور جو نابالغہ ہے تو تین مہینے ہیں۔ ہدایہ شریف میں ہے :۔

اذا طلق الرجل امرأته فعدتها ثلاثة اقراء لقوله تعالیٰ "والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء" وان کانت ممن لا تحیض فعدتها ثلاثة اشهر لقوله تعالیٰ "واللائی یئسن من المحیض من نسائکم" الآیه (ای ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر)۔ انتہی ملتقطا۔

لیکن اگر اس عورت سے وطی یا خلوت صحیحہ نہیں کی ہے تو اس پر عدت نہیں ہے فتاوی ہندیہ میں ہے :۔

اربع من النساء لا عدة علیهن المطلقة قبل الدخول۔ انتہی ما فیه

اور وفات کی عدت اگر عورت حاملہ نہیں ہے تو چار ماہ دس روز ہیں خواہ کسی قسم کی عورت ہو :۔

قال فی الهدایه وعدة الحرة فی الوفات اربعة اشهر وعشر لقوله تعالیٰ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا۔ انتہی ما فیه مع زیادة

اور اگر حاملہ ہے تو طلاق و وفات دونوں کی عدت وضع حمل ہے۔

لما فی الهدایه وان کانت حاملا فعدتها ان تضع حملها لاطلاق قوله تعالیٰ واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن۔ انتہی ما فیه

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ حافظ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولوالدیہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

(نوٹ) یہ فتوی حضرت علیہ الرحمہ کے ایام جوانی کا ہے جس کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔

(سوال نمبر ۱۱۶) زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں۔ ہندہ نے عدت پوری کی اور طلاق کے دن سے آٹھ ماہ بعد علماء اہل حدیث کے فتوے کے رو سے زید سے دوبارہ نکاح کر لیا جس سے اولاد بھی ہوگئی۔ کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے۔

بینوا وتوجروا۔

الجواب هو الموفق للصواب

یہ طلاق مغلظہ واقع ہو چکی تھی پس بغیر حلالہ زید پر یہ مطلقہ حلال نہیں، لقولہ تعالیٰ
فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ

اور حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے:-

قلت یا رسول اللہ ارایت لو طلقتها ثلثا اکان یحل لی ان ارجعها قال
لا کانت تبین منک وکان معصیة - رواہ الدار قطنی کذا فی تفسیر المظهری۔

پس یہ نکاح جائز نہیں ہوا - زید کو چاہیئے کہ اس سے متارکہ کرے اور چوں کہ یہ نکاح فاسد ہے لہٰذا یہ عورت بعد عدت کئے دوسرے سے نکاح کرے - شامی میں ہے:-

وذکر فی البحر هناک عن المجتبی ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ
کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه موجب للعدة - انتهی

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(نوٹ) یہ فتویٰ بھی نصف صدی قبل تحریر فرمایا تھا -

(سوال نمبر ۱۱۷) میری اور میری بیوی کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی میں نے غصہ میں کہا "تم اپنے گھر چلی جاؤ" اس پر میری سالی نے کہا کہ مارتے کیوں ہو اس سے تو آزاد ہی کر دو - اس پر میں نے جواب دیا "جاؤ آزاد کر دی" ——— پھر اپنے سسر سے جا کر بھی میں نے یہ کہا "تمہاری لڑکی نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے، تم اسے لیجاؤ میں نے اسے استعفا دے دیا ہے" کیا صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہو گئی -

مستفتی
فیاض علی - دہلی

الجواب

صورت مذکورہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوئی جس کے بعد نکاح کی ضرورت ہے -

محمد مظہر اللہ عفی عنہ

(سوال نمبر ۱۱۸) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا، اور وہ رخصت کر کے اپنے گھر لے گیا، کچھ دن بعد جب ہندہ اپنے والدین کے گھر آئی تو چند لوگوں نے اس کے والد سے کہا کہ زید نامرد ہے جس کی تصدیق ہندہ نے بھی کی، جب زید کا ڈاکٹری معائنہ کرایا گیا تو وہ نامرد ثابت ہوا۔ جب زید سے کہا جاتا ہے کہ ہندہ کو طلاق دے دے تو وہ انکار کرتا ہے اس صورت میں شرعاً کیا کرنا چاہیئے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

اگر زید بوجہ سے جماع نہ کرسکا تو واقعی اس کے لئے وہ عنین ہے، اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو حکومت میں درخواست دینی چاہیئے تاکہ اس مقدمہ کی کاروائی کسی مسلمان کے سپرد کی جائے جب اس پر کامیابی ہوجائے تو وہ مسلمان حاکم زید کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے اس کے بعد بھی اگر زید کامیاب ہوسکے اور طلاق بھی نہ دے تو وہ حاکم خود نکاح فسخ کردے لیکن اگر زید مدعی ہو کہ میں جماع کرچکا ہوں تو حاکم ایک عادل عورت کے ذریعہ ہندہ کو دکھلا کر اس کا اطمینان کرے کہ واقعی وہ کنواری ہے اور اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ مرد کا ڈاکٹری امتحان شرعاً معتبر نہیں اس ایک سال کی مدت میں ہندہ کو زید کے پاس رہنا پڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتح پوری دہلی
۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء
صفر ۱۳۷۵ھ

(سوال نمبر ۱۱۹)

(۱) ایام حمل میں زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، کیا طلاق شرعاً ہوگئی؟

(۲) اگر طلاق ہوگئی تو زید سے دوبارہ نکاح کی شرعی صورت کیا ہے؟

(۳) اس کے ہاتھ کا کھانا وغیرہ زید استعمال کرسکتا ہے۔؟

الجواب

(۱) حمل کے ایام میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، پس یہ طلاق صحیح ہے۔

(۲) اگر ایک یا دو مرتبہ طلاق دی ہے تو بچہ ہونے سے پیشتر بلا نکاح ہی رجوع کرسکتا ہے اور بچہ ہوچکا ہے تو دوبارہ اس سے نکاح کرسکتا ہے اور تین مرتبہ طلاق دی تو بلا حلالہ نکاح بھی نہیں کرسکتا۔

(۳) اس کے ہاتھ کا کھانا پینا جائز ہے لیکن طلاق کے بعد ہی علیحدگی اختیار کرلینی چاہیئے اگر تین طلاق

دی ہیں ورنہ بچہ ہونے تک یک جا رہ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
۱۷ ارشوال ۱۳۷۹ھ
۱۴ اپریل ۱۹۶۰ء

(سوال نمبر ۱۲۰) طلاق کے بعد عورت کو شرعاً عدت کہاں گزارنی چاہیئے۔ اور اس کے نان نفقہ کا ذمہ دار کون ہے۔

الجواب

خاوند کے مکان پر عدت گزارنی چاہیئے اگر اس کے مکان سے چلی جائے گی تو نفقہ نہ پائے گی مگر جب کہ شوہر کی اجازت سے جائے گی تو گو دونوں گنہ گار ہوں گے مگر نفقہ پائے گی۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۱) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا، رخصتی کے بعد جب ہندہ اپنے میکے واپس آئی تو اس نے زید کے پاس جانے سے انکار کر دیا، حتی کہ خودکشی کے لئے بھی تیار ہے، یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ زید حقوق زوجیت ادا کرنے سے قاصر رہا اور ہر حیثیت سے ناقص و قاصر ہے۔ خلع یا طلاق کے لئے اس سے کہا جاتا ہے تو رقم خطیر طلب کرتا ہے۔ اس صورت میں شرعاً کیا کرنا چاہیئے۔

مستفتی
عبدالرحمٰن میواتی

الجواب

صورت مذکورہ میں زید پر واجب ہے کہ وہ ہندہ کو بلا معاوضہ طلاق دے، اس پر اس کے لئے کچھ بھی لینا جائز نہیں اگر یہ گانوڈا اور زبردستی دلوانے والے سب گنہ گار ہوں گے، ہندہ کو چاہیئے کہ وہ حکومت میں درخواست دے تاکہ مسلمان جج قواعد شرعیہ کے موافق فسخ نکاح کا حکم نافذ کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نمبر ۱۲۲[1]) علامہ ابن حجر شافعی و علامہ قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں :-

ذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلاث -

علامہ نووی فرماتے ہیں :-

من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال الشافعي ومالك وابوحنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث - وهكذا في عمدة القارى - وقد روى عن ابن عباس من غير طريق انه افتى بلزوم الثلاث لمن اوقعها مجتمعة - (فتح البارى)

ابو داؤد میں ہے بسند صحیح :-

قال كنت عند ابن عباس فجاء رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا الى ان قال عصيت ربك وبانت منك امرأتك ——— وفي المؤطا قال رجل لابن عباس انى طلقت امرأتى مائة تطليقة فماذا ترى فقال ابن عباس طلقت منك ثلاثا وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزوا -

نفقہ

(سوال نمبر ۱۲۳) لڑکی کو حرام کا حمل ہو گیا اس کے خاوند نے تین طلاقیں دے دیں اب وہ میکہ میں ہے اس کا نفقہ شوہر پر ہے یا نہیں -

الجواب

خاوند اگر لڑکی کو ماں کے پاس رہنے پر رضا مند نہیں ہے تو بیشک خاوند پر نفقہ نہیں ہے - فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

[1] طلاق کے بارے میں ایک نوٹ کی صورت میں مسودے کی شکل میں حضرت علیہ الرحمہ کی یہ تحریر تھی، ممکن ہے کسی سوال کا جواب ہو یا اس کا جزو - (مرتب)

دسوال نمبر ۱۲۴) طلاق کے بعد بچوں کا نفقہ کس پر واجب ہے اگر زید پر ہے تو کس قدر، ماں کی پرورش میں بچے کب تک رہ سکتے ہیں، اگر زید نفقہ نہ دے تو شرعاً کیا کیا جائے۔ **بینوا و توجروا۔**

الجواب

بعد طلاق بھی بچوں کا نفقہ زید پر ہے اور اس کا اندازہ زید کی حیثیت پر ہے۔ اور سات سال کی عمر تک یہ بچے ماں کی پرورش میں رہیں گے بشرطیکہ اس درمیان میں وہ بچوں کے نامحرم سے نکاح نہ کرے۔ اگر باپ بچوں کا نفقہ نہ دے تو ماں کو اختیار ہے کہ بچوں کو باپ کے سپرد کر دے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ

امام مسجد فتحپوری د

دسوال نمبر ۱۲۵) دورِ جدید کی فیشن زدہ بگڑی ہوئی عورتیں جو اپنے شوہر کی بغیر اجازت غیر مردوں کے ساتھ پھرتی اور تعلق رکھتی ہیں وہ اپنے نان و نفقہ، مکان و مہر وغیرہ کی حقدار ہیں یا نہیں۔ **بینوا و توجروا۔**[1]

مستفتی

محمد ابراہیم سورتی و محمد حمزہ میسوری

ھوالموفق

یہ تو صحیح ہے کہ ایسی عورت کا جب تک وہ خاوند کے مکان میں نہ آئے نفقہ ساقط ہے لانہ لا نفقۃ خارجۃ من بیتہ بغیر حق وھو الناشزۃ حتی تعود (درمختار) لیکن یہ صحیح نہیں کہ مہر بھی ساقط ہو جاتا ہے کہ مہر تو ایک دفعہ وطی کرنے پر لازم آچکا، وہ بلا ابراء کیسے ساقط ہو سکتا ہے؟ عامہ کتب فقہ میں یونہی ہے چناں چہ ردالمختار میں ہے:۔

افاد ان المھر وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطہ بردتھا او تقبیلھا ابنہ او تنصیفہ بطلاقھا قبل الدخول وانما یتاکد لزوم تمامہ بالوطء ونحوہ وبہ ظھر ان مافی الدرر من ان قولہ عند وطء متعلق بالوجوب

---

[1] رسالہ "آستانہ" (دہلی) کے مندرجہ ذیل شماروں میں اس سوال کے جوابات غالباً مفتی آستانہ نے تحریر فرمائے تھے جس کی تردید حضرت علیہ الرحمہ نے اس تحریر میں فرمائی ہے۔ آستانہ کے مذکورہ شمارے یہ ہیں:۔
اگست ۱۹۵۵ء (ص-۴۹)، ستمبر ۱۹۵۵ء (ص-۷۳)، اپریل ۱۹۵۶ء (ص-۶۶)۔

غیر مسلم کما افادہ فی الشرنبلالیہ قال فی البدائع واذا تاکد بما ذکرنا لا یسقط بعد ذالک وان کانت الفرقۃ من قبلھا لان البدل بعد تاکدہ لا یحتمل السقوط الا بالابراء کالثمن اذا تاکد بقبض المبیع۔ انتھی۔
تحفۃ الفقہاء میرے پاس نہیں ہے، نہ اس کے مصنف کا کچھ حال معلوم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۶)
(۱) ہندہ کی منگنی زید سے ہوئی۔ اور جانبین نے ایک دوسرے کو کچھ سامان دیا، پھر عرصہ کے بعد ہندہ کے ورثاء نے اس عہد سے پر منگنی توڑ دی کہ جانبین ایک دوسرے کا سامان واپس کردیں گے. چنانچہ ہندہ کے ورثاء نے سامان واپس کردیا مگر زید نے وہ سامان استعمال کرلیا اور مستعملہ واپس کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟
(۲) کیا ہندہ کو بھی اس سامان کے استعمال کا حق حاصل تھا جو منگنی کے موقعہ پر اس کو دیا گیا تھا؟
(۳) ہندہ اور زید کے ورثاء نے جو سامان دیا اس میں اگر امانت کی نیت ہو تو کیا حکم ہے اور اگر ہدیۃً دیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

(۱) زید کو جو اشیاء دی گئی تھیں زید ان چیزوں کے دینے کا مستحق ہے۔
(۲) ہاں اس کو بھی اس کا حق تھا۔
(۳) نیت کا اعتبار نہیں، ہاں اگر صراحۃً کہدیا ہو کہ یہ امانت ہے تو البتہ واپسی کا اختیار ہے لیکن اب بھی مستعملہ واپس ہوگا البتہ اس صورت میں زید گنہگار ہوگا کہ امانت کی شے کو استعمال کیا۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

مہر وغیرہ

چیزیں واپس لی جاسکتی ہیں :۔

(۱) دولھا کو کپڑوں کے نام سے مبلغ ۱۲۰ روپے دیئے۔

(۲) سلامی کے نام سے مبلغ ۶۰ روپے دیئے۔

(۳) زیور، برتن، جوڑے، پلنگ وغیرہ جو جہیز میں دیا گیا۔

(۴) عدت کے دنوں کا نان نفقہ۔

(۵) مہر مبلغ ۵۰۰ روپے۔

(۶) ایک دعوت پر خرچ کے لئے دولھا کو کچھ روپے دیئے۔

مستفتی
عبدالکریم (ریاست جے پور)
۱۲ اپریل ۱۹۶۰ء

الجواب

صورت مذکورہ میں جہیز اور مہر اور جانبین کا چڑھاوا اور عدت کا نفقہ تو سائل لے سکتا ہے لیکن جوڑے کے ۱۲۰ روپے اور سلامی کا روپیہ اور دعوت کا خرچہ نہیں لے سکتا۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ عفا عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۸)

(۱) ہندہ کا نکاح زید سے ہوا، کچھ عرصہ بعد زید کی بد سلوکی سے تنگ آکر اپنے میکے بیٹھ گئی۔ ہندہ کا مہر عند الطلب ہے کیا شرعاً لے سکتی ہے۔

(۲) شادی کے موقعہ پر دولھا کی طرف سے جو زیور دلھن کو چڑھایا جاتا ہے کیا وہ اس کی ملکیت شمار ہوگا۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

(۱) مہر عند الطلب ہے تو وہ لے سکتی ہے۔

(۲) وہ زیور دلھن کا ہوتا ہے اس کو ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفا عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۲۹) زید نے نکاح کیا اور مہر ۵۰۰ سو روپے قرار پایا، کچھ عرصہ بعد زید مقروض ہو گیا، جو جائداد تھی وہ بجائے پانچ سو کے پانچ ہزار کی قرار دے کر اپنی بیوی کے نام کر دی کیا یہ شرعاً جائز ہے۔

الجواب

اگر مہر صرف پانسو کا تھا اور محض قرض خواہ سے بچانے کی وجہ سے زید نے اپنی بیوی کا مہر پانچ ہزار قرار دے کر اس قیمت کی جائداد اس کے نام کی ہے تو زید عنداللہ گنہ گار ہوگا۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۰) زید کی بیوی ہندہ شادی ہونے کے چند ماہ بعد اپنے میکے بیٹھ گئی اور اپنے ساتھ سونا، برتن اور کپڑے وغیرہ جو اس کو دیئے گئے تھے لے گئی۔ سسرال بلایا گیا تو آنے پر رضامند نہیں بلکہ اب اس کا مطالبہ ہے کہ اس کا مہر ادا کر کے فارغ خطی دے دی جائے۔ ایسی صورت میں شرعاً زید پر مہر واجب الادا ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

محمد یعقوب۔ دہلی
۲۰ مارچ ۱۹۶۶ء

الجواب

سونا اور جہیز تو لڑکی کی ملکیت ہے باقی مہر دینا شوہر پر لازم ہے لیکن طلاق کی وجہ جب تک بتلائی جائے اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۱) ہندہ اپنے شوہر اور چھوٹے بچے چھوڑ کر دوسرے مرد کے ساتھ بھاگ گئی۔ کچھ عرصہ بعد ہندہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور ایک لڑکے کا بھی انتقال ہو گیا۔ دوسرا لڑکا کہتا ہے کہ اس کے باپ کے ترکہ میں سے اس کی ماں کا مہر اس کو دیا جائے۔ کیا یہ شرعاً حقدار ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

اس عورت کا مہر اس عورت کو ہی دینا لازم ہے۔ لڑکا اس کا مہر لینے کا مستحق نہیں ہے، عورت خود اجازت دے تو دیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۲) زید کی زوجۂ اوّل فوت ہوئی اور اس نے دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی۔ کچھ عرصہ بعد زید نے نکاح ثانی کیا اور دوسری زوجہ سے دو بچے ہوئے اس کے بعد زید فوت ہو گیا۔ زوجۂ ثانی کا مہر مبلغ ۳ روپے متوفی کے ذمہ ہے۔ زید نے کچھ مال بھی چھوڑا ہے، آیا وہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے یا اس سے مہر ادا کیا جائے اگر وارث اپنا اپنا حصہ لے لیں تو پھر ادائے مہر کا بار کس پر ہوگا۔ زوجۂ ثانیہ کا چڑھاوا وغیرہ کس کی ملکیت ہے، زوجۂ ثانی کے شیر خوار بچوں کی پرورش اور خود ایام عدت میں اس کا نان نفقہ کس کے ذمہ ہوگا۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

اگر مبلغ للعہ ۳ کا مہر متوفی کے ذمہ زوجہ ثانیہ کا ثابت ہے تو تقسیم ترکہ سے پیشتر متوفی کی جائداد سے وہ دلایا جائے گا، وارثان میت سے اس مہر کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر اس قدر مہر متوفی کے ذمہ ثابت ہے اور ترکہ سے ادائے مہر ہو بھی سکتا ہے تو اس صورت میں اگر بعض وارثان متوفی یہ مہر نہ دیں گے تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ چڑھاوا تمام زوجۂ ثانیہ کا ہے، شیر خوار بچوں کی پرورش ان کے اس حصہ سے ہوگی جو ان کو متوفی کے ترکہ سے ملا ہے، زوجہ کی عدت کا نفقہ خود اس ہی پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری د

اسقاطِ حمل

(سوال نمبر ۱۳۳) زید کے ہاں بچہ پیدا ہوا، تقریبًا پانچ ماہ بعد بیوی سے صحبت کی تو استقرار حمل کے آثار ظاہر ہوئے۔ زید کے کئی اور بچے ہیں، مفلوک الحال ہے، موجودہ شیر خوار بچے کو بازار سے دودھ بھی نہیں پلا سکتا، اس کی تربیت کی فکر ہے اس صورت میں اگر اس کی بیوی اسقاط حمل کی دوا استعمال کرے تو شرعًا مضائقہ تو نہیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
قاضی محمد نصر اللہ
مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی
۱۰ مہر جولائی ۱۹۵۸ء

الجواب

ہاں جائز ہے لیکن اگر چار ماہ کا حمل ہو تو ایسی صورت میں نہ چاہیئے اور بعض نے مطلقاً اس کی اجازت دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

رأس الحکمة مخافة الله

چوتھا باب

ب

معاملات

بین المسلمین



مراۃ الغیاث لتقسیم المیراث

حقوق

میت کے مال سے تجہیز وتکفین، پھر ادائے دین، پھر باقی تہائی اور وارث جائز رکھتے ہوں تو اس سے زائد میں وصیت نافذ کرنے کے بعد اس کے وارثوں میں باقی مال کی تقسیم ہو گی۔

وارث

تین قسم کے ہیں۔ "ذوالفروض" جن کا حصہ مقرر ہے ــــ ان کے حصے دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) نصف، ربع، ثمن (۲) سدس، ثلث، ثلثان ــــ ان حصوں کا مخرج (جن سے یہ حصے نکل سکیں) ان کا ہم نام ہوتا ہے سوائے نصف کے کہ اس کا مخرج ۲ (دو) ہے ــــ پس ربع کا مخرج اربعہ یعنی چار ہوگا وقس علیٰ ھذا ــــ لیکن جب دونوں قسم کے وارث ہوں تو اگر نصف دوسری قسم سے ملا ہے تو مخرج ۶ (چھ) ہوگا، اور ربع سلا ہے تو ۱۲ (بارہ) اور ثمن سلا ہے تو ۲۴ (چوبیس) ــــ

"عصبہ" وہ ہیں جن کا حصہ مقرر نہیں، ذوالفروض سے بچا ہوا مال لیتے ہیں اور وہ (عصبہ) میت کے فروع پھر اس کے اصول پھر باپ کے فروع پھر دادا کے فروع ہیں جب کہ یہ لوگ مذکر ہوں ــــ البتہ میت کی بیٹی پوتی اور حقیقی علاتی بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ اور یہ بہنیں میت کی بیٹی پوتی کے ساتھ بھی عصبہ ہوتی ہیں ــــ ذوالفروض اور عصبات کے حصے آپ کو اس نقشہ کی داہنی جانب ملیں گے[۱]۔

"ذوی الارحام" وہ لوگ ہیں جو ان کے علاوہ ہیں۔ عصبات کی طرح ان کی بھی مع الترتیب چار قسمیں ہیں، جن کے حصے آپ کو اس نقشہ کی بائیں جانب ملیں گے[۱]۔

---

[۱] علم المیراث سے متعلق حضرت نے ایک نقشہ مرتب فرمایا تھا جس میں دریا کو کوزہ میں بند فرما دیا تھا، یہاں اسی نقشہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ نقشہ دہلی میں محفوظ ہے افسوس اس کو حاصل نہ کیا جا سکا۔ راقم کے بھتیجے مولانا محمد آصف جاہ سلمہٗ نے اس نقشہ سے جو تفصیلات نقل کی ہیں، یہاں اسی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ممکن ہے اس نقل میں اصل نقشہ کے مقابل مضامین میں تقدیم وتاخیر ہو گئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض باتیں رہ گئی ہوں۔ اس چوتھے باب کا آغاز رضاؔ سے ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ حضرت علیہ الرحمہ کی یہ جامع ومختصر تحریر علم الفرائض کے سلسلے میں مفید تھی اس لئے اس کو یہاں شامل کر دیا گیا۔

(مرتب)

عول

وارثوں کے حصوں کا مجموعہ مخرج بڑھ جانا "عول" کہلاتا ہے ــــ چھ۶ کا دس۱۰ تک ۔ اور بارہ۱۲ کا سترہ۱۷ تک، (مگر بعد طاق) اور چوبیس۲۴ کا صرف ستائیس۲۷ "عول" ہوتا ہے ۔

رد

وارثوں کے حصوں کا مجموعہ سے گھٹنا ــــ "عول" اور "رد" کی صورت میں حصوں کا مجموعہ مخرج قرار پاتا ہے ــــ یاد رکھو کہ زوجین پر "رد" نہیں ہوتا ۔ اس لئے کہ "رد" کی صورت میں ان کا حصہ ان کے اقل مخرج سے دو اور باقی "رد" والوں کو اگر باقی "رد" والوں پر صحیح تقسیم ہو تو فبہا ورنہ "رد" کا "مسئلہ" علیحدہ بناؤ ۔ پھر "رد" والوں کے مسئلے کو بے "رد" والوں کے مسئلے میں اور اس کے حصے میں ضرب دو اور باقی اقل مخرج کو "رد" والوں کے حصے میں ــــ پھر اگر کسی طائفہ پر ان کے حصے منکسر ہوں تو بقاعدۂ تصحیح ان کے حصے صحیح کر دو جس کا بیان آگے آتا ہے ۔

دو عددوں میں نسبت

دو عدد اگر آپس میں مساوی ہوں تو ان میں "تماثل" ہے اور چھوٹا بڑے کو صحیح تقسیم کر دے تو "تداخل" ہے اور دونوں کو سوائے ایک کے تیسرا عدد فنا کر دے تو ان میں "توافق" ہے ورنہ "تباین" ــــ پھر جو عدد دوسرے کو فنا کرتا ہے اس عدد کے ساتھ ان میں "توافق" کہتے ہیں اور خارج قسمت کو اس کا "وفق" ــــ مثلاً ۱۶ اور ۲۰ ان دونوں کو چار فنا کرتا ہے، لہٰذا ان میں "توافق بالربع" ہے، اور ۱۶ کا وفق ۴ اور ۲۰ کا وفق پانچ۵ ہے ــــ لیکن یاد رکھو کہ جب عدد مفنی دس۱۰ سے بڑھ جائے تو ایسے توافق کو جز کے ساتھ کہتے ہیں ۔ پس اگر مثلاً گیارہ سے توافق ہو تو ایسے توافق کو "بجزء من احد عشر" کہیں گے ۔

تصحیح

اور وارثوں کے کسی طائفہ پر اس کے حصے ٹوٹتے ہوں تو اگر "عدد رؤس" اور "عدد سہام" میں توافق ہے یا تداخل ہے تو عدد رؤس کے وفق کو مسئلہ میں اور ہر ایک طائفہ کے حصوں میں ضرب دو اور ۔ ہے تو پورے عدد کو اور کئی طائفوں پر ٹوٹتا ہو تو پہلے "عدد رؤس" اور "عدد سہام" میں نسبت دیکھو اگر توافق ہے تو عدد رؤس کے وفق کا اعتبار ہوگا (بجائے اصل عدد کے) ورنہ کل کا ۔ اب ان اعداد معتبرہ کی آپس کی نسبتیں دیکھو ۔ اگر ایک عدد سے دوسرے کو توافق کی نسبت ہے تو ایک کے کل کو دوسرے کے وفق میں ضرب دو ۔ ورنہ کل ۔ پھر اس کے حاصل کو تیسرے کے ساتھ ۔ اسی طرح عمل کو آخر کے حاصل کو مسئلہ میں اور ہر ایک کے حصے میں

ضرب دو ـــــ یاد رکھو کہ ان میں تماثل ہو تو ایک کا لینا کافی ہوگا اور تداخل ہے تو صرف بڑے کا لینا کافی ہے۔

مناسخہ

اگر مورث اعلیٰ کا ترکہ ابھی تقسیم نہیں ہوا ہے کہ اس کا کوئی وارث فوت ہو گیا ہو تو اس کا مافی الید لیکر اس کے مسئلے کی تصحیح کرو، اگر صحیح تقسیم ہو جائے تو فبہا ورنہ مافی الید کو اس کے وارثوں کا عدد سہام اور تصحیح کو اگر صحیح تقسیم ہو جائے فبہا ورنہ عدد رؤس، سمجھئے۔ پس تصحیح کے کل یا وفق کو اوپر کے تمام زندہ وارثوں کے حصوں میں اور سب سے اوپر کی تصحیح میں ضرب دو اور عدد مافی الید یا اس کے وفق کو اس میت کے وارثوں کے حصے میں ضرب دو ـــــ تصحیح بالا سے سب کے صحیح حصے نکل آئیں گے۔ پھر دوسرا اوپر کے وارثوں میں سے کوئی فوت ہوا ہو تو اس کے ساتھ بھی یہی عمل کرو۔ یہاں تک کہ تمام اموات کے ساتھ اس عمل سے فارغ ہو جائیں۔ پس مورث اعلیٰ کے مسئلہ کی اوپر کی تصحیح تمام زندہ وارثوں کے حصہ کا مخرج ہوگا پس اس مبلغ کو خط کھینچ کر اس کے اوپر لکھدو اور خط کے نیچے زندہ وارثوں کے نام کے نیچے ان کے حصے۔

قواعد

(۱) اصل کے ہوتے ہوئے اس کے ذریعہ رشتہ رکھنے والا محروم ہوتا ہے سوائے ولد ام کے۔

(۲) دور کا قریب کے ہوتے ہوئے محروم ہوتا ہے۔

(۳) قوی قرابت والا ضعیف قرابت والے کو محروم کرتا ہے۔

(۴) ذوی الارحام میں ولد وارث ولد غیر وارث کو محروم کرتا ہے مگر جب کہ جہت مختلف ہو (کہ ایک باپ کی طرف کا ہو اور دوسرا ماں کی)۔

(۵) ایک وارث کا جب دونوں طرف سے رشتہ ہو تو وہ دونوں طرف کا حصہ لے گا۔

(۶) اگر وارث کئی کئی بعد فروع یا اصول ہیں تو پہلے اس درجہ کے اقرب والوں پر تقسیم کریں گے جہاں ذکور و اناث کا اختلاف ہے پھر ذکور و اناث کے طائفہ کو جو ملا ہے ان کے حصوں کو اسی طرح ان کے آگے والوں پر تقسیم کرتے ہوئے موجودہ وارثوں کو دیں گے۔

(۷) اقرب کے اگر متعدد فروع یا اصول ہوں تو اقرب ان کی تعداد کے موافق شمار ہوگا۔

(۸) قرابت اگر متعدد نہ ہو تو باپ والوں کو دو تہائی اور ماں والوں کو ایک تہائی ملتی ہے۔

(۹) مستحقین میں مرد کو عورت سے دوگنا ملتا ہے، لیکن اخیافی بہن بھائی اور ان کی اولاد میں علی السویہ۔

حصّے

۱۔ بیٹا پوتا الخ (پڑپوتا، سکڑپوتا) عصبہ اس کی بیٹی و بیٹیاں ف تک (نصف، ثلثان مشترک)

۲۔ اوپر کی ایک غیر عصبہ ہو تو قریب کی نیچے والیوں کے لئے س (سدس)

۳۔ اور دو ہوں تو نیچے والیاں محروم مگر جب کہ ان کے مقابل یا ان سے کسی نیچے والی کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو وہ مقابل اور غیر حصہ والیوں کو اپنے ساتھ عصبہ کر دے گا۔

۴۔ باپ دادا الخ (پردادا، سکڑدادا) عصبہ بولد ذکر س بولد مونث س ع (سدس اور ما بقی)۔

۵۔ اور ان کی مائیں الخ (نانی، پرنانی) س۔ اور ماں کے اور یہ جس کی ماں ہے، اس کے ہوتے ہوئے محروم۔

۶۔ ماں ث (ثلث) بولد یا باخوہ س (سدس) اور مع الاب واحد الزوجین ثق (ثلث ما بقی)۔

۷۔ اور ماں کی مائیں الخ (نانی، پرنانی) س (سدس)، لیکن ماں کے ہوتے محروم۔

۸۔ حقیقی و علاتی بہنیں ف تک (نصف، ثلثان مشترک)

۹۔ حقیقی ایک غیر عصبہ ہو تو علاتیوں کے لئے س (سدس) اور دو ہوں تو محروم۔ مگر جب کہ ان کے ساتھ ان کا بھائی بھتیجہ ہو تو وہ اپنے مقابل اور اپنے سے اوپر غیر حصّے والیوں کو عصبہ کر دے گا، نیز میت کا بیٹا پوتا، باپ دادا کو محروم کر دے گا۔

۱۰۔ اخیافی بہن بھائی س ث (سدس و ثلث مشترک) بالسویہ۔

۱۱۔ زوج نصف بالولد ربع۔ زوجہ ربع بالولد ثمن۔

۱۲۔ میت کا جس کے واسطے سے کسی شخص کا رشتہ ہو اس کے ہوتے وہ شخص وارث نہیں ہوتا سوائے ولد الاُم کے۔

تخریج حصّۂ حمل

اس مسئلے کی حمل کے مذکر ہونے کی تقدیر پہ تخریج کی جائے اور مونث ہونے کی تقدیر پر بھی، پھر دونوں مسئلوں میں اگر توافق ہو تو ایک کے کل کو دوسرے کے وفق میں ضرب دیں اور وارثوں کے سہاموں میں اور اگر تباین ہو تو ایک کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں اور وارثوں کے سہاموں میں۔ پھر دونوں مسئلوں کے حصّوں سے ان کو وہ حصہ دیں جو کم ہو۔ اور دوسرے مسئلہ سے جس قدر اس کو زائد ملتا ہو وہ محفوظ رکھیں۔ پس بچہ ہونے پر اگر ظاہر ہو کہ دوسرے وارث صحیح حصہ پا چکے ہیں تو محفوظ ہے اولاد کے کم حصّے میں ملا کر ان پر تقسیم کریں ورنہ ہر وارث کو ان کے حصے واپس کر دیں۔ مسئلہ کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے؛

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۲۱۶				بتقدیر مذکر
زوجہ	ام	اب	بنت	حمل
۳/۲۷	۴/۳۶	۴/۳۶		۱۳/۱۱۷

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۲۷۰				بتقدیر انثیٰ
زوجہ	ام	اب	بنت	حمل
۳/۲۴	۴/۳۲	۴/۳۲		۱۶/۱۲۸

تلخیص

(اب وجد) ع، بولد مذکر س، بولد مونث س ع۔
(ام) بولد یا اخوہ س۔
(جدات) س، بام م۔
(بنت)، ف، ببنت ن، بابن ع۔
(بنت الابن) کالبنت، ببنت س، ببنات یا ابن م۔
(اخت حقیقی) ف ن، بولد واحد مونث س، باخ و بنات ع۔
(باپ دادا) ع، س، س ع۔

(ماں ثلث ثلث) ، جدہ س، ولد ام س م۔

بیٹی، پوتی، حقیقی علاتی بہن ف، ن، ع۔ ہر صنف میں اوپر کی ایک ہو یا لڑکا تو س۔ ۲ ہوں تو محروم۔ فروع واصول مذکر کے ساتھ بہن بھائی محروم۔

وراثت و ملکیّت

(سوال نمبر ۱۳۴) زید نے انتقال کیا اور ورثا میں ایک لڑکا، زوجہ اور والدین چھوڑے۔ متوفی کی زوجہ نے مہر معاف نہیں کیا، متوفی کے ذمہ دوکان کا قرضہ بھی ہے اور دوکان سے جو ادائگی ہونی چاہیئے وہ اکثر نہیں ہوتی زوجہ کے زیور اور جہیز وغیرہ کے علاوہ متوفی کا سامان آرائش وغیرہ گھر میں موجود ہے، صورت مذکورہ میں ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

ھوالموفق

مسئلہ ۲۴

زوجہ	اب	ام	ابن
۳	۴	۴	۱۳

اول متوفی پر جو قرض ہے (جس میں اس کی زوجہ کا مہر بھی داخل ہے) اس کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا، پھر مابقی ترکہ چوبیس سہام پر منقسم ہوگا جس میں تین سہام اس کی زوجہ کو ملیں گے اور چار اس کے باپ کو اور چار اس کی ماں کو اور تیرہ اس کے لڑکے کو ملیں گے۔ دوکان کی اوگاہی جو بعد کوشش تام وصول ہوجائے وہ ترکہ ہے اور جس سے ناامید ہوجائے وہ ترکہ میں شمار نہ ہوگی، جہیز اور چڑھاوا اور وہ اشیاء جو متوفی نے اپنی زوجہ کو ہبہ کردیں اور وہ اس وقت موجود ہیں وہ اس کی زوجہ کی ہیں، باقی تمام اشیاء آرائش مکان وغیرہ ترکہ میں شامل ہوں گی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہٗ حافظ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۵) زید کا انتقال ہوا اس نے ۵۰۰۰ ہزار روپیہ کا تجارتی مال اور ۴۵۰۰ ہزار روپے نقد اور ایک مکان تخمیناً ۱۵۰۰۰ ہزار روپیہ کی قیمت کا ترکہ میں چھوڑا ہے۔ ورثاء میں تین لڑکیاں، تین لڑکے، دو حقیقی بھائی اور ایک ماں ہے۔ لڑکے نابالغ ہیں ان کا ولی کون ہے اور ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۶ تصح ۵۲ — ترکہ ۲۴۵۰۰

ماں	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۹	۱۰	۱۰	۱۰	۵	۵	۵
۴۲۴۰-۵-۴	۴۷۱۱---۷ ۹/۱۳	۴۷۱۱---۷ ۹/۱۳	۴۷۱۱---۷ ۹/۱۳	۲۳۵۵-۸-۳ ۹/۱۳	۲۳۵۵-۸-۳ ۹/۱۳	۲۳۵۵-۸-۳ ۹/۱۳

ترکۂ زید چوبیس ہزار پانسو میں سے ہر ایک وارث کو وہ حصہ ملے گا جو اس کے نام کے نیچے لکھا گیا۔ یعنی ماں کو چار ہزار تراسی روپے پانچ آنے چار پائی۔ اور ہر ایک لڑکے کو چار ہزار پانسو تین تیس روپے ۷ ½ پائی۔ اور ہر ایک لڑکی کو دو ہزار دو سو اڑسٹھ روپے آٹھ آنے ۳ ۶/۹ پائی۔ نابالغوں کا ولی ان کا چچا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۶) فرزند متبنیٰ کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب

متبنیٰ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ متبنیٰ کرنے والا اس کا نفقہ اپنے ذمہ لازم کر لیتا ہے۔ رہا توریث کا تعلق سو اس سے اس کو کچھ علاقہ نہیں۔ متبنیٰ کا ترکہ اس کے حقیقی ماں باپ وغیرہ کو ملے گا اور یہ ان سے ترکہ پائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۷) ایک صاحب جائداد شخص خالد نقد روپیہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے زید سے مبلغ ایکہزار روپیہ قرض لے کر حج پر گیا۔ جب واپس آیا تو اس کا انتقال ہوگیا۔ کیا یہ قرض متوفی کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا اور کیا ادائے قرض سے پہلے متوفی کا حج ادا ہوگیا۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

بیشک سب سے اول متوفی کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اس کے بعد جو باقی ہے اس کو وارث اپنے درمیان تقسیم کر سکتے ہیں۔ سراجی میں ہے:-

الاول یبدأ بتکفینہ وتجہیزہ ثم یقضی دیونہ من جمیع ما بقی من ماله۔ انتہی

صورت مذکورہ میں خالد کا حج ادا ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد مظہر اللہ غفر لہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۸) زید کا انتقال ہو گیا اس نے ورثاء میں تین لڑکے اور دو حقیقی بھائی چھوڑے، ترکہ شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

بعد تقدیم علی الارث ترکۂ زید کے تین حصے کر کے ہر ایک لڑکے کو ایک حصہ ملے گا، بھائی محروم ہیں۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۳۹) زید نے انتقال کیا اور ورثاء میں ایک بیوہ، ایک بھتیجی، تین بھانجے، چار بھانجیاں چھوڑی ہیں۔ ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

مسئلہ ۴ ت ۱۲ ت ۱۲۰

زوجہ	بنت الاخ	ابن الاخت	ابن الاخت	ابن الاخت	بنت الاخت	بنت الاخت	بنت الاخت	بنت الاخت
۱/۴	۳							
	۲							
۳۰	۲۰	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

حقوق متقدمہ علی الارث کے ادا کرنے کے بعد ترکہ مرحوم ایک سو بیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے تیس حصے ان کی بیوی کو اور بیس حصے بھتیجی کو اور چودہ چودہ حصے بھانجوں کو اور سات سات حصے بھانجیوں کو ملیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۰) زید اور اس کی بیوی حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتے ہیں زید کے پاس ۲۵۰۰۰ ہزار روپیہ کا اثاثہ موجود ہے اور اس کے ورثاء ہیں ایک لڑکی اور اس کی اولاد، والدہ اور ایک زوجہ موجود ہے زید چاہتا ہے کہ اس اثاثہ کی تقسیم کے لئے (بصورت وفات) وصیت کر جائے، یہ وصیت کس حساب سے کی جائے۔ چونکہ بیوی بھی ہمراہ جا رہی ہے وہ بھی وصیت کرنا چاہتی ہے۔ اس کے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک حقیقی بھائی، ایک حقیقی بہن اور والد موجود ہے اور ایک مرحوم بھائی اور ایک مرحوم بہن کی اولاد بھی موجود ہے، یہ اپنے حصے کو کس طرح تقسیم کرنے کے لئے وصیت کر سکتی ہے۔

بینوا وتوجروا۔

الجواب

زید اپنے وارثوں کے حق میں حسب ذیل وصیت کر جائے :-

بیوی کو ۴۳۷۵۰ کی اور ماں کو ۷۶۵۶۔۴ کی اور لڑکی کو ۲۲۹۶۸۔۱۲ کی اور ہندہ ایک تہائی کے اندر جس قدر کی چاہے بھائی بہن اور ان کی اولاد میں سے جس کے واسطے چاہے، اور جس قدر چاہے وصیت کر سکتی ہے باقی میں تہائی والدہ کے لئے اور دو تہائی والد کے لئے وصیت کر جائے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
(امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۱) زید عرصہ ۷ سال سے لاپتہ تھا اب معلوم ہوا کہ اس کا اور اس کے اہل وعیال کا انتقال ہو چکا ہے، متوفی کے ورثا میں تین چچازاد بھائی، چار چچازاد بہنیں اور دو خالہ زاد بھائی ہیں، ترکہ کس حساب سے تقسیم کیا جائے۔

الجواب

اگر یہ ثابت ہو کہ واقعی زید کا اور اس کی اہل وعیال کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون کس کے بعد فوت ہوا تو اس صورت میں زید کا ترکہ تین حصے کر کے ہر ایک حصہ اس کے چچازاد بھائیوں کو ملے گا۔ باقی لوگ محروم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
(امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۲) زید کا انتقال ہوا اس کے ورثا میں دو لڑکے موجود ہیں۔ ایک لڑکا متوفی کے حیات میں انتقال کر گیا تھا اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی موجود ہے، ایسی صورت میں زید کا ترکہ پوتہ پوتی کو ملے گا یا نہیں۔

مستفتی
محمد عمر

الجواب

لڑکوں کی موجودگی میں پوتے پوتی وارث نہیں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۱۴۳) ہندہ فوت ہوئی اس نے ورثاء میں خاوند، باپ، چار حقیقی بھائی، دادا اور دادی چھوڑے متوفیہ کا مہر، زیور، چڑھاوا اور جہیز وغیرہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

الجواب

مسئلہ ۲

زوج	اب	اخوہ	اب الاب	ام الاب
۱	۱	محروم	محروم	محروم

بعد تقدیم ما یقدم علی الارث ترکہ متوفیہ کا (جس میں مہر وغیرہ داخل ہے) نصف اس کا خاوند لے گا اور نصف باپ باقی لوگ محروم ہیں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۱۴۴) زید نے اپنی حیات میں اپنی جائداد وغیرہ اپنی اولاد پر تقسیم کر کے تحریر کر دی اور ہر ایک اپنے حصہ پر قابض ہو گیا، زید کی حیات ہی میں اس کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا، اب اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اگر مرحوم کی نہ اولاد ہے اور نہ ماں تو اس کا تمام ترکہ اس کے والد کو ملے گا۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۱۴۵) ہندہ نے انتقال کیا اور ورثاء میں ایک شوہر (سراج الدین) دو لڑکیاں (کلثوم و سلمہ بی) ایک لڑکا (ظہیر الدین) اور والدین (حاجی قدرت اللہ و حاجی خانم) چھوڑے۔ متوفیہ کی جائداد کو ورثاء پر کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

مسئلہ ۱۲ تصحیح ۴۸

زوج	اب	ام	ابن	بنت	بنت
سراج الدین	حاجی قدرت اللہ	حاجی خانم	ظہیر الدین	کلثوم بی	سلمہ بی
۳	۲	۲	۵		
۱۲	۸	۸	۱۰	۵	۵

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ترکہ متوفیہ اڑتالیس سہام پر تقسیم ہوگا جس میں سے بارہ سہام اس کے شوہر کو، آٹھ آٹھ سہام ماں باپ کو، دس سہام لڑکے کو اور پانچ پانچ سہام دونوں لڑکیوں کو ملیں گے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفر لہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۶) محمد ابراہیم، مراد خاں اور خیراتی تین سگے بھائی تھے ــــــ خیراتی لاولد فوت ہوا، اور اس نے اپنے ورثاء میں ایک بیوہ (نصیبن)، ایک بھائی (محمد ابراہیم) دوسرا بھائی (مراد خاں)، ایک بھتیجہ (محمد رفیق)، دوسرا بھتیجہ (اسمٰعیل) چھوڑے ــــــ پھر محمد ابراہیم کا انتقال ہوتا ہے اور وہ یہ ورثاء چھوڑتا ہے، ایک بیوہ (مجیدن)، ایک بیٹا (محمد رفیق) دوسرا بیٹا (اسمٰعیل) ــــــ دونوں متوفیان کا ترکہ ورثاء پر کس طرح تقسیم ہوگا۔

بینوا و توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۸ ۱۲۸

زوجہ	اخ	اخ
نصیبن	محمد ابراہیم	مراد خاں
۳۲/۲	(۳)	۴۸/۳

مسئلہ ۸ ۱۶ — محمد ابراہیم ۲ باقی ۳

زوجہ	ابن	ابن
مجیدن	محمد رفیق	محمد اسمٰعیل
۱/۲ ۶	۲۱/۷	۲۱/۷

بعد ادائے حقوق متقدم علی الارث ترکہ خیراتی ایک سو اٹھائیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں بتیس حصے نصیبن کو ملیں گے اور اڑتالیس حصے مراد خاں کو اور چھ حصے مجیدن کو اور اکیس حصے محمد رفیق کو اور اسی قدر اسمٰعیل کو ملیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہٗ
امام
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۷) زید کے ورثاء میں ایک بیوی، ایک لڑکی، ایک بھائی اور تین بھتیجے ہیں، ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

مستفتی
محمد اسحاق
۱۳ فروری ۱۹۶۶ء

الجواب

بعد تقدیم ما یقدم علی المیراث ترکۂ مرحوم کے آٹھ حصے ہوں گے جس میں سے ایک حصہ ان کی بیوی کو ملے گا اور چار حصے لڑکی کو اور تین حصے بھائی کو، بھتیجے محروم ہیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۸) زید کا انتقال ہو گیا، زوجۂ اوّل مرحومہ سے دو لڑکیاں ہیں جو زوجۂ ثانی کے پاس ہیں، زید کے انتقال کے بعد اس کا بھائی بکر اس کی ملکیت پر قابض ہو گیا اور صرف متوفی کی زوجۂ ثانی کو ترکہ دیا ہے، شرعاً متوفی کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا ۔

مستفتی
محمد یونس دہلوی
۱۶ / اپریل ۱۹۶۲ء

الجواب

زید کا ترکہ چوبیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے تین حصے ان کی بیوہ کو ملیں گے اور آٹھ آٹھ حصے دونوں لڑکیوں کو اور پانچ حصے بھائی کو ۔ لڑکیاں شادی شدہ ہیں اور بیوہ کے بھی اگر بچے ہیں تو ان کا اظہار کر کے دوسری دفعہ سوال کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۴۹) زید نے اپنی بھاوج ہندہ سے نکاح کیا، اس کی دو شادی شدہ لڑکیاں تھیں جو زید کی بھتیجیاں ہوتی ہیں ۔ ہندہ کا انتقال ہو گیا تو اس نے مندرجہ بالا ورثا چھوڑے ۔ اس کے بعد ایک لڑکی کا انتقال ہوا اس کے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے ۔ زید دوسری لڑکی کے پاس رہتے تھے جو ان کی بھتیجی ہے ۔ زید لوگوں کو قرض وغیرہ بھی دیتے رہے جو وصول کرنے ہیں ۔ اب زید کا انتقال ہو گیا ۔ ان کے ترکہ اور قرضے کا کون مالک ہے ۔

الجواب

زید کا تمام ترکہ اور جو کچھ قرض میں وصول ہو سارا زید کی بھتیجی کا ہے کہ وہی زید کی ذوی الارحام میں ہے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

(سوال نمبر ۱۵۰) زید (چودھری ابن) کا انتقال ہوا اس نے ورثاء میں ایک بیوہ (چاندبی)، دو لڑکے (عبدالغنی و الٰہی بخش)، دو لڑکیاں (فہیمن و سکینہ) چھوڑیں۔ ان ورثاء میں پہلے چاندبی کا انتقال ہوا اور اس کے بعد سکینہ کا انتقال ہوا جس نے یہ ورثاء چھوڑے ایک لڑکا (حبیب اللہ) اور خاوند جس کا انتقال ہو گیا۔

اس کے بعد عبدالغنی کا انتقال ہوا اور اس نے ورثاء میں ایک لڑکا (محمد اسحاق) دو لڑکیاں (بنیادی و حکیمن) اور ایک بیوہ (آبادی) چھوڑے۔

اس کے بعد الٰہی بخش کا انتقال ہوا اور اس نے یہ ورثاء چھوڑے ایک لڑکا (عبدالخالق) جس کا انتقال ہو گیا اور ایک بیوہ (نصیبن) جو موجود ہے۔

عبدالخالق کی بیوہ جو اپنا جہیز وغیرہ لے چکی ہے زید مذکور (چودھری ابن) کی جائداد میں اپنا حق طلب کرتی ہے کیا ترکہ سے اس کو بھی حق پہنچتا ہے۔ بینوا و توجروا۔

ھوالموفق

(۱) مسئلہ ۶ تا ۹۶ تا ۲۸۸ — ابن

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت
چاندبی	عبدالغنی	الٰہی بخش	سکینہ	فہیمن
کالعدم تکن	۲	۲ / ۳۲	۱	۱ / ۱۶ / ۴۸

(۲) مسئلہ ۱ — سکینہ ۱؎

زوج	ابن
کالعدم تکن	حبیب اللہ
	۱ / ۱۶ / ۴۸

(۳) مسئلہ ۸ تا ۳۲ مــ ۱۶ — عبدالغنی مــ ۲

زوجہ	ابن	بنت	بنت
آبادی	محمد اسحاق	بنیادی	حکیمن
۱ / ۴ / ۱۲	۱۴ / ۴۲	۷ / ۲۱	۷ / ۲۱

(۴) مسئلہ ۸ — الٰہی بخش ۳۲ مــ ۲

زوجہ	ابن
نصیبن	عبدالخالق
۱ / ۴ / ۱۲	۷ / ۲۸

(۵) مسئلہ ۱۲ — عبدالخالق ۲۸ مــ ۷

زوجہ	ام	ابن العم
سلیمن	نصیبن	محمد اسحاق
۳ / ۲۱	۴ / ۲۸	۵ / ۳۵

الاحیاء — المبلغ ۲۸۸

فہیمن	حبیب اللہ	آبادی	محمد اسحاق	بنیادی	حکیمن	نصیبن	سلیمن
۴۸	۴۸	۱۲	۷۷	۲۱	۲۱	۴۰	۲۱

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر

(سوال نمبر ۱۵۱) زید نے دو لڑکے عمرو بکر اپنے وارث چھوڑے جو زید کی متروکہ اشیاء پر مشترکہ طریقہ پر قابض رہے، اب عمر کا انتقال ہوا اور اس نے ایک بیوہ، دو لڑکیاں اپنے ورثاء چھوڑے، سوال یہ ہے کہ کیا عمر کے ورثاء بکر کی موجودگی میں زید کے ترکہ میں حقدار ہوں گے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

مسلم احمد۔ دہلی

الجواب

زید کا ترکہ اڑتالیس ۴۸ حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے تین حصے عمرو کی بیوی کو ملیں گے اور آٹھ حصے ہر ایک لڑکی کو اور انتیس ۲۹ حصے بکر کو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۵۲) زید نے اپنی حیات میں اپنے دو لڑکوں عمرو بکر کے نام کچھ جائداد خریدی مگر تقسیم نہ کی اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا اور اس نے عمرو بکر کے علاوہ ورثاء میں ایک بیوہ (ہندہ) اور ایک بیٹی زینب کو چھوڑا ـــــ جائداد تقسیم نہ ہونے پائی تھی کہ ہندہ کا انتقال ہو گیا۔ بکر نے والدین کی وفات کے بعد جائداد کی آمدنی میں سب ورثاء کو مشترکہ طور پر شریکِ حال رکھا ـــــ اس کے بعد عمرو کا انتقال ہو گیا اور اس نے ایک لڑکا (خالد) اور ایک بیوہ (منتا) کو اپنے ورثاء میں چھوڑا ـــــ اب خالد بالغ ہونے پر اپنا اور اپنی والدہ کا حصہ بکر سے طلب کر رہا ہے کیونکہ اب تک تمام جائداد بکر کے قبضے میں چلی آرہی ہے، صورت مذکورہ میں زید کی جائداد کس طرح تقسیم کی جائے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

جائداد زید کی قرار پانے کی تقدیر پر اس کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ کل جائداد بیس ۲۰ پر منقسم ہوگی جس میں سے آٹھ سہام بکر لے گا اور چار سہام زینب کو ملیں گے اور ایک سہم منتا لے گی اور سات سہام خالد کو۔ تخریج

المسئلۃ بھٰذا الطریق:-

(۱) مسئلہ ۲۰ — زید

زوجہ	ابن	ابن	بنت
ہندہ	بکر	عمرو	زینب
کالعدم	۲/۸	۲	۱/۴

(۲) مسئلہ ۸ — عمرو ۲

زوجہ	ابن
منتا	خالد
۱	۷

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ

(سوال نمبر ۱۵۲) شمس الدین کا انتقال ہوا، اس نے تین بیٹے (قیام الدین، فخر الدین، معراج الدین) اور ایک بیٹی (امرت بی) چھوڑی ــــ اس کے بعد معراج الدین کا انتقال ہوا اور اس نے ایک بیوی (معظم بی)، دو بیٹے (جمال الدین اور کمال الدین) اور ایک لڑکی (بانو) چھوڑی۔ اس کے بعد فخر الدین غیر شادی شدہ فوت ہو گیا ــــ پھر قیام الدین اور معراج الدین کے تینوں بچے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں قتل کر دیئے گئے۔ قیام الدین کے وارث اس کی ایک بیوی (مشرف بی) اور چار لڑکے (صابر، عاقل، جمیل، حمید) اور ایک بیٹی (مبین) موجود ہے۔ صورت مذکورہ میں شمس الدین کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا اور فی روپیہ کیا ملے گا۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

(۱) مسئلہ ۷ ت ۱۴۰ ت ۴۲۰ ت ۳۷۸۰ — شمس الدین

ابن	ابن	ابن	بنت
قیام الدین	فخر الدین	معراج الدین	امرت بی
۲ / ۴۰ / ۱۳۰	۲ / ۴۰	۲	۱ / ۲۰ / ۶۰ / ۵۴۰

(۲) مسئلہ ۸ ت ۴۰ مف ۲۰ — بینہما تداخل — معراج الدین

زوجہ	ابن	ابن	بنت
معظم بی	جمال الدین	کمال الدین	بانو
۵ / ۱۵ / ۱۳۵	۱۴ / ۴۲	۱۴ / ۴۲	۷ / ۲۱

(۳) مسئلہ ۳ — فخر الدین مف ۴۰

اخ	اخت
قیام الدین	امرت بی
۲ / ۸۰	۱ / ۴۰ / ۳۶۰

(۴) مسئلہ — مف ۱۰۵

ام
معظم بی
۱ / ۱۰۵

مسئلہ ۷۲ ت ۹ — بینہما توافق بالثمن — قیام الدین مف ۲۰۰ و ۲۵

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
مشرف بی	صابر	عاقل	جمیل	حمید	مبین
۹ / ۲۲۵	۱۴ / ۳۵۰	۱۴ / ۳۵۰	۱۴ / ۳۵۰	۱۴ / ۳۵۰	۷ / ۱۷۵

مختصر ۵۶ / ۲

المبلغ ۳۷۸۰ (؟)

الاحیاء

	امرت بی	معظم بی	مشرف بی	صابر	عاقل	جمیس	حمید	مبین
	۱۸۰	۲۱۶	۴۵	۷۰	۷۰	۷۰	۷۰	۳۵
فی روپیہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

یعنی بعد ادائے حقوق متقدمہ ترکہ شمس الدین سات سو حصوں پر تقسیم ہو کر جس میں سے ہر وارث کو اس قدر حصے ملیں گے جو

زیر خط احیاء ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے، اسی طرح فی روپیہ وہ حصہ ملے گا جو ہر ایک کے نام کے مقابل لکھا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتح پوری دہلی

(سوال نمبر ۱۵۴) مولینا مفتی کفایت اللہ صاحب کا انتقال ہوا اور انہوں نے یہ ورثاء چھوڑے :-
ایک زوجہ (امینۃ النساء) تین بیٹے (بشیر عالم، نظیر عالم، محمد زبیر) اور دو بیٹیاں (وحید النساء اور تنویر النساء)
اس کے بعد بشیر عالم کا انتقال ہوا، اور انہوں نے یہ ورثاء چھوڑے - ایک زوجہ (خاتون) ایک والدہ (امینۃ النساء) ایک مرحومہ بیوی سے لڑکا (محمد ادریس عالم) اور زندہ بیوی سے دو بیٹے (مقصود عالم اور نصیر عالم) دو بھائی اور دو بہنیں۔
اس کے بعد مقصود عالم کا انتقال ہوا اور انہوں نے یہ ورثاء چھوڑے - ایک والدہ (خاتون) ایک عینی بھائی (نصیر عالم) ایک علاتی بھائی (محمد ادریس عالم) دو چچا (نظیر عالم اور محمد زبیر) اور دو پھپیاں (وحید النساء اور تنویر النساء) چھوڑیں۔
اس کے بعد امینۃ النساء کا انتقال ہوا، اور انہوں نے یہ ورثاء چھوڑے - دو بیٹے (نظیر عالم اور محمد زبیر) اور دو بیٹیاں (وحید النساء اور تنویر النساء)۔
مورث اعلیٰ مولینا کفایت اللہ مرحوم کے ترکہ سے دیگر وفات پانے والے قرابت داروں کے ورثاء کو کس کس قدر حصہ ملے گا۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

مسئلہ ۶۴ ۲۳۰۴ ۱۳۸۲۴

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
امینۃ النساء	بشیر عالم	نظیر عالم	محمد زبیر	وحید النساء	تنویر النساء
۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷
۲۰۸		۵۰۴	۵۰۴	۲۵۲	۲۵۲
۱۷۲۸		۳۰۲۴	۳۰۲۴	۱۵۱۲	۱۵۱۲

بینہما توافق بالنصف

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۷۲ ۳۶

زوجہ	ام	ابن (از زوجہ مرحومہ)	ابن	ابن	اخوۃ	اخوات
خاتون	امینۃ النساء	محمد ادریس عالم	مقصود عالم	نصیر عالم	محروم	محروم
۳	۴	۱۷	۱۷	۱۷		
۹	۱۲	۱۱۹	۱۱۹	۱۱۹		
۶۳	۸۴	۷۱۴		۷۱۴		
۳۷۸	۵۰۴					

مسئلہ ۶۴ — بینہما تباین — مقصود عالم وفق ۱۱۹

اخ علاتی	اخ عینی	ام
محمد اویس	نصیر عالم	خاتون
محروم	۵/۵۹۵	۱/۱۱۹

مسئلہ ۶ — بینہما تداخل — امینۃ النساء وفق ۲۲۳۲ وفق ۳۷۲

بنت	بنت	ابن	ابن
تنویر النساء	وحید النساء	محمد زبیر	نظیر عالم
۱/۳۷۲	۱/۳۷۲	۲/۷۴۴	۲/۷۴۴

المبلغ ۱۳۸۲۴

الاحیاء

تصیر عالم	محمد اویس	خاتون	تنویر النساء	وحید النساء	محمد زبیر	نظیر عالم
۱۳۰۹	۷۱۴	۴۹۷	۱۸۸۴	۱۸۸۴	۳۷۶۸	۳۷۶۸

بعد تقدیم ما یقدم علی الارث ترکہ مولینا مرحوم تیرہ ہزار آٹھ سو چوبیس پر تقسیم ہوگا، جس میں ان کے ہر وارث کو اس قدر حصے ملیں گے جو زیر خط احیاء ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۷ر جون ۱۹۵۶ء
۲۷ر شوال ۱۳۷۵ھ

سوال نمبر ۱۵۵

(۱) زید کا ترکہ مبلغ ۳۲۴۴ ہزار روپے زید کے مندرجہ ذیل ورثاء پر کس طرح تقسیم ہوگا۔ چار بالغ لڑکے اور چار بالغ لڑکیاں۔

(۲) زید کے انتقال کے بعد ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا، اس نے دو لڑکوں کو متبنّٰی کر رکھا تھا، کیا وہ بھی وارث ہیں۔

(۳) زید نے اپنی زندگی میں ایک مکان ۵۰۰ ۷ ہزار روپے کا خریدا تھا مگر اس کی قیمت زید کے ایک لڑکے نے ادا کی تھی لیکن مکان زید ہی کے نام پر ہے، کیا شرعاً یہ مکان لڑکے کی ملکیت شمار ہوگا یا ترکہ میں شمار ہوگا۔ فقط۔

(۱) مرحوم کے اس ترکہ سے چھ سو تینتیس روپیہ ۹ آنے ۱ پائی ہر ایک لڑکے کو ملے گا اور تین سو سولہ روپے ۱۲ آنے ۶ پائی ہر ایک لڑکی کو۔

(۲) مرحومہ لڑکی کا حصہ سہو اً جو نہ لڑکیوں میں شامل ہو گیا ہے۔ اس حصے کو تیرہ پر تقسیم کر کے ہر لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک اس میں سے دیا جائے۔ متبنّیٰ لڑکے محروم ہیں۔

(۳) زید نے جب خود اس مکان کو خریدا ہے تو یہ مکان اس کے ترکہ میں شامل ہوگا۔ لیکن اگر لڑکا یہ ثابت کر دے کہ میں نے اپنی ذات سے اس کی رقم باپ کو بطور قرض کے دی تھی اور اس کے باپ پر ظاہر کر دیا تھا جس کے معتبر گواہ موجود ہیں تو البتہ وہ اس مکان سے اپنا وہ قرض لے سکتا ہے۔ لیکن اگر باپ کا حق سمجھ کر دی تھی یا دل میں قرض کی نیت تھی اور باپ سے کچھ نہ کہا تھا تب بھی وہ اس مکان سے اپنے روپیہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں لے سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
جون ۱۹۵۶ء
ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ

(سوال نمبر ۱۵۶) زید کا انتقال ہوا اس نے یہ ورثا چھوڑے ——— ایک زوجہ۔ تین بھائی اور ایک بہن۔ ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

بعد اداے ما یقدم علی الارث (جس میں متوفی کی بیوی کا مہر بھی ہے) ترکہ متوفی آٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے ایک ایک حصہ اس کی بیوی کو اور بہن کو ملے گا اور دو دو حصے اس کے بھائیوں کو۔ فقط ——— واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۲۷ جنوری ۱۹۵۶ء)

(نمبر ۱۵۷) (نوٹ) مسودات کے رجسٹر میں سوال مذکور نہ تھا۔

الجواب

(۱) مسئلہ ۵ — ۱۶۰، ۳۲۰، ۷۶۸۰، ۲۳۰۴۰ — امام علی

ابن کرم علی	ابن رحم علی	ابن ملک	ابن چھدو	ابن رستم
۱	۱	۱	۱	۱
۳۲		۳۲	۳۲	۳۲
۶۴			۶۴	۶۴
۱۵۳۶				۱۵۳۶

(۲) مسئلہ ۸ — ۳۲ — بینہما تباین — رحم علی مف ۱

زوجہ اسودن	بنت مقصودا	اخ کرم علی	اخ ملک	اخ چھدو	اخ رستم علی
۱	۴	۳	۲	۳	۳
۴	۱۶	۶		۶	۶
۸	۳۲	۱۴۴			۱۴۴
۱۹۲	۷۶۸				
۵۷۶	۲۳۰۴				

(۳) مسئلہ ۲ — بینہما تباین — ملک مف ۳۵

ابن منگل	ابن انور علی	اخ کرم علی	اخ چھدو	اخ رستم علی
۱	۱	·	·	·
۳۵	۳۵			
۸۴۰	۸۴۰			
۲۵۲۰	۲۵۲۰			

(۴) مسئلہ ۸ — ۴۰ وف ۲۴ — بینہما توافق بالنصف — بہ چھدو مف ۷ وف ۳۵

زوجہ وفاتا	ابن للو	ابن مدو	بنت سکا	بنت بولن
۱	۱۴	۱۴	۷	۷
۶	۴۹۰	۴۹۰	۲۴۵	۲۴۵
۲۱۰	۱۴۷۰	۱۴۷۰	۷۳۵	۷۳۵
۶۳۰				

(۵) مسئلہ ۸ — ۲۴ — بینہما تداخل — رستم علی مف ۱۶۸۰ وف ۷۰

زوجہ پیرانا	ابن احمد	بنت خوشنودی
۱	۱۴	۷
۳	۹۸۰	۴۹۰
۲۱۰	۲۹۴۰	
۶۳۰		

(۶) مسئلہ ۴۰ — کرم علی و ۱۶۸۰ و ۴۲

زوجہ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	ابن الاخ	بنت الاخ	بنت الاخ	بنت الاخ
رمضانو	منگل	انور علی	للو	مدو	احمد	مقصودا	بولن	خوشنودی
۵ / ۲۱۰ / ۶۳۰	۷ / ۲۹۴ / ۸۸۲	۷ / ۲۹۴ / ۸۸۲	۷ / ۲۹۴ / ۸۸۲	۷ / ۲۹۴ / ۸۸۲	۷ / ۲۹۴ / ۸۸۲	م	م	م

(۷) مسئلہ ۳ — بینہما تباین — خوشنودی و ۴۹۰

ام	اخ عینی
پیرانا	احمد
۱ / ۴۹۰	۲ / ۹۸۰

(۸) مسئلہ ۱ — پیرانا و ۱۱۲۰

ابن
احمد
۱ / ۱۱۲۰

المبلغ ۲۳۰۴۰

الاحیاء

امودن	مقصودن	منگل	انور علی	للو	مدو	احمد	رمضانو	وفاتن	ملک	بولن
۵۷۶	۲۳۰۴	۳۴۰۲	۳۴۰۲	۲۳۵۲	۲۳۵۲	۵۹۲۲	۶۳۰	۶۳۰	۴۳۵	۴۳۵

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ مرحوم امام علی تئیس ہزار چالیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے ان کے موجودہ ورثہ میں ہر ایک کو اس قدر حصے ملیں گے جو زیر خط احیاء ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۳ ارجون ۱۹۵۷ء

(سوال نمبر ۱۵۸) بکر کے ہاں تین لڑکے (عمر، خالد، ولید) اور ایک لڑکی شمیمہ ہوئی، خالد بکر کے سامنے فوت ہوگیا اور شمیمہ بھی فوت ہوگئی۔ خالد کے ورثا میں اس کی زوجہ اور اولاد موجود رہی۔ اس کے بعد بکر فوت ہوگیا اور اس کے دونوں بیٹے عمر اور ولید وارث ہوئے۔ بکر کا ترکہ دونوں بیٹوں میں تقسیم ہوگا یا مرحوم بیٹے کی اولاد کو بھی ملے گا۔؟

بکر کے انتقال کے بعد اس کے دونوں بیٹے بھی فوت ہوگئے۔ اب صورت یہ ہے کہ عمر کا ایک لڑکا

تنویر زندہ ہے اور ولید کے دو لڑکے شمیم اور نعیم اور دو لڑکیاں شمیمہ اور نعیمہ زندہ ہیں اور خالد کی ایک لڑکی نسیمہ ہے۔ صورت مذکورہ میں بکر کے ترکہ کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا وتوجروا

الجواب

صورت مذکورہ میں نسیمہ اپنے دادا کے ترکہ سے محروم ہے پس بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ بکر کے بارہ حصے ہوں گے جس میں سے چھ حصے تنویر کو اور دو دو حصے شمیم نعیم کو اور ایک ایک حصہ شمیمہ نعیمہ کو ملے گا بشرطیکہ ان کے سوا بکر یا عمرو ولید کا کوئی اور وارث نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۳ رجون ۱۹۵۷ء

(سوال نمبر ۱۵۹) محمد عمر خاں کا انتقال ہوا انہوں نے دو لڑکیاں (سلیمہ اور عظیمہ) اور بھتیجے (عبدالرحیم خاں اور برکت اللہ خاں) اور ایک بھتیجی (نواب بیگم) وارث چھوڑیں۔ محمد عمر خاں کی ایک بیٹی عبدالرحیم خاں کو بیاہی تھی، دوسری لڑکی برکت اللہ خاں کو ——— عبدالرحیم خاں کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک لڑکا حمید اللہ ایک زوجہ اور ایک بہن (نواب بیگم) وارث چھوڑے جو موجود ہیں۔
برکت اللہ خاں کا انتقال ہوا تو انہوں نے ایک زوجہ، تین لڑکیاں اور بھتیجہ حمید اللہ وارث چھوڑے جو موجود ہیں ——— برکت اللہ خاں کی بیوہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے تین لڑکیاں (حفیظہ، علیمہ، حکیمہ) ایک حقیقی بہن اور ایک بھانجہ حمید اللہ چھوڑا۔ یہ ورثاء موجود ہیں۔ ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا وتوجروا

الجواب

(۱) مسئلہ ۳ ر ۶ / ۴۸ / ۴۳۲ — محمد عمر

بنت	بنت	ابن الاخ	ابن الاخ	بنت الاخ
سلیمہ	عظیمہ	عبدالرحیم	برکت اللہ	نواب بیگم
۲/۱۶/۱۴۴	۲/۱۶/۱۴۴	۱	۱/۸	محروم

(۲) مسئلہ ۸ — عبدالرحیم مف ۱

زوجہ	ابن
سلیمہ	حمید اللہ
۱/۹	۷/۹۳

(۳) مسئلہ ۲۴ — برکت اللہ مف ۸

زوجہ	بنت	بنت	بنت	اخت
عظیمہ	صالحہ	حافظہ	سالمہ	نواب بیگم
۳/۹	۱۶	۱۶	۶	۵/۱۵

(۴) مسئلہ ۳ ر ۹ — بعظیمہ مف ۵۴ او ۱۷

بنت	بنت	بنت	اخت
حفیظہ	علیمہ	حکیمہ	سیمہ
۲/۳۴	۲/۳۴	۲/۳۴	۳/۵۱

المبلغ ۱۴۳۲

الاحیاء

سلیمہ	حمید اللہ	صالحہ	حافظ	سالمہ	نواب بیگم	حفیظہ	علیمہ	حکیمہ
۲۰۴	۶۴	۱۶	۱۶	۱۶	۱۵	۳۴	۳۴	۳۴

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ محمد عمر مرحوم چارسو بتیس حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں سے موجودہ وارثوں میں ہر ایک کو اس قدر حصے ملیں گے جو خط احیاء کے نیچے ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۵ نومبر ۱۹۵۹ء

(سوال ایضاً) محمد عمر خاں کا انتقال ہوا تو انہوں نے دو لڑکیاں بتول بیگم اور اصغری بیگم، دو بھتیجے اور ایک لڑکی نواب بیگم وارث چھوڑے — بتول بیگم کی شادی عبد الرحیم خاں سے ہوئی، اصغری بیگم کی شادی برکت اللہ خاں سے ہوئی — پہلے عبد الرحیم خاں کا انتقال ہوا، انہوں نے ایک زوجہ بتول بیگم، لڑکا حمید اللہ اور ہمشیرہ نواب بیگم وارث چھوڑے۔ پھر برکت اللہ خاں کا انتقال ہوا اور انہوں نے زوجہ اصغری بیگم، تین لڑکیاں، زبیدہ، میمونہ، شادیا بانو، اور ایک بھتیجہ حمید اللہ خاں (ولد عبد الرحیم خاں) وارث چھوڑے — اب زوجہ برکت اللہ خاں کا انتقال ہوا، انہوں نے ایک حقیقی بہن بتول بیگم، ایک بھانجہ حمید اللہ اور تین لڑکیاں زبیدہ، میمونہ، اور شادیا بانو وارث چھوڑے۔ بصورت مذکورہ میں محمد عمر خاں اور برکت اللہ خاں کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

بینوا و توجروا۔

الجواب

محمد عمر — مسئلہ ۶ تصحیح ۱۸ [illegible]

بنت	بنت	ابن الاخ	ابن الاخ	بنت الاخ
بتول بیگم	اصغری بیگم	عبد الرحیم خاں	برکت اللہ خاں	نواب بیگم
[illegible]	[illegible]	۱	۱	محروم

عبد الرحیم خاں — مسئلہ [illegible]

[illegible]	[illegible]	اخت
[illegible]	[illegible]	نواب بیگم
[illegible]	[illegible]	محروم

مسئلہ ۲۴ ۷۲ — برکت اللہ وفـ ۸

زوجہ اصغری بیگم	بنت زبیدہ	بنت میمونہ	بنت شادبانو	ابن ابن العم حمیداللہ
۳/۹	۱۶	۱۶	۱۶	۱۵

مسئلہ ۳ ۹ — اصغری بیگم وفـ ۱۵۳ وفـ ۱۷

بنت زبیدہ	بنت میمونہ	بنت شادبانو	اخت بتول بیگم
۲/۳۴	۲/۳۴	۲/۳۴	۳/۵۱

ومختصر ۲۱۶

المبلغ ۴۳۲

الاحیاء

بتول بیگم	حمیداللہ	زبیدہ	میمونہ	شادبانو
۱۰۲	۳۹	۲۵	۲۵	۲۵

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ متوفی محمد عمر دوسو سولہ حصّوں پر تقسیم ہوگا جس میں موجودہ وارثوں کو اس قدر حصّے ملیں گے جو ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۲ نومبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۱۶۰) یونس خاں کا انتقال ہوا انہوں نے چار بیٹے (محمد عمر خاں، نصراللہ خاں، نصراللہ خاں عبداللہ خاں) چھوڑے ــ محمد عمر خاں کے ہاں دو لڑکیاں اصغری بیگم اور بتول بیگم ہوئیں، نصراللہ خاں کے ہاں ایک لڑکا ــ برکت اللہ خاں ہوا۔ نصراللہ خاں کے ہاں ایک لڑکا عبدالرحیم خاں ہوا، عبداللہ خاں لاولد رہے۔

پہلے نصراللہ خاں کا انتقال ہوا جن کے وارث برکت اللہ خاں ہوئے، برکت اللہ خاں کے نکاح میں محمد عمر کی لڑکی اصغری بیگم آئی ـــــ پھر نصراللہ خاں کا انتقال ہوا جن کے وارث عبدالرحیم خاں اور ایک لڑکی نواب بیگم ہوئیں ـــــ عبدالرحیم خاں کے نکاح میں محمد عمر خاں کی دوسری لڑکی بتول بیگم آئی۔ اس کے بعد عبداللہ خاں لاولد فوت ہوئے ـــ پھر محمد عمر خاں کا انتقال ہوا۔ نصراللہ خاں کی

اولاد میں عبدالرحیم خاں کا اول انتقال ہوا جنہوں نے ایک زوجہ بتول بیگم اور ایک لڑکا حمید اللہ خاں چھوڑا — نصر اللہ خاں کی اولاد میں برکت اللہ خاں کا اس کے بعد انتقال ہوا، انہوں نے ایک زوجہ اصغری بیگم اور تین لڑکیاں زبیدہ بیگم، میمونہ بیگم اور رشیدہ بانو چھوڑیں۔

اب زوجہ برکت اللہ خاں یعنی اصغری بیگم کا انتقال ہوا جس کے ورثاء میں مذکورہ تین لڑکیاں، حقیقی بہن (زوجہ عبدالرحیم خاں) اور ایک بھانجہ حمید اللہ خاں موجود ہے۔ موجودہ ورثاء میں ترکہ کیوں کر تقسیم ہوگا۔
بینوا و توجروا۔

الجواب

مسئلہ ۴ تا ۱۲ تا ۹۶ تا ۸۶۴ — یونس خاں

ابن	ابن	ابن	ابن
محمد عمر	نصر اللہ	نصر اللہ	عبد اللہ
۱/۳	۱	۱	۱/۳

مسئلہ ۱ — نصر اللہ خاں مع ۱

ابن
برکت اللہ خاں
۱/۳ / ۲۴

مسئلہ ۳ — نصر اللہ خاں مع ۱

ابن	بنت
عبدالرحیم	نواب بیگم
۲	۱/۸ / ۷۲

مسئلہ ۱ — عبد اللہ مع ۳

اخ
محمد عمر
۱/۳

مسئلہ ۳ تا ۶ — محمد عمر مع ۶

بنت	بنت	ابن الاخ	ابن الاخ
اصغری بیگم	بتول بیگم	برکت اللہ	عبدالرحیم
۲/۹ / ۱۴۴	۲/۹ / ۱۴۴	۱/۸	۱

مسئلہ ۳ — عبدالرحیم وف ۳

زوجہ	ابن	اخت
بتول	حمیداللہ	نواب بیگم
۱/۳ — ۲۷	۲/۲۱ — ۱۸۹	محروم

مسئلہ ۲۴ ۱۶۷ وف ۹ — برکت اللہ مف ۳۲ وف ۴

زوجہ	بنت	بنت	بنت	ابن ابن العم
اصغری	زبیدہ	میمونہ	شادبانو	حمیداللہ
۹/۳۶	۱۶/۶۴	۱۶/۶۴	۱۶/۶۴	۱۵/۶۰

مسئلہ ۳ ۱۹ — اصغری بیگم مف ۱۸۰ وف ۲۰

بنت	بنت	بنت	اخت
زبیدہ	میمونہ	شادبانو	بتول بیگم
۲/۴۰	۲/۴۰	۲/۴۰	۳/۶۰

المبلغ ۸۶۴

الاحیاء

نواب بیگم	بتول بیگم	حمیداللہ	زبیدہ بیگم	میمونہ بیگم	شادبانو
۷۲	۲۳۱	۲۴۹	۱۰۴	۱۰۴	۱۰۴

بعد اداے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ متوفی محمد یونس خاں آٹھ سو چونسٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا جس میں ان کے موجودہ وارثوں میں سے ہر ایک کو اس قدر حصے ملیں گے جو خط احیاء کے نیچے ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۲ نومبر ۱۹۵۹ء

(نمبر ۱۶۱)

الجواب

مسئلہ ۸۴ ت ۸۰ ۶۸۰ ت ۲۳۴ ت ۶۹۱۲۰

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت
فضیلت بی	بدرالدین	نورالحسن	مقبول حسن	حسرت بی	مسرت بی	حفظت بی	خیرالنساء
۱۰	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷
۹۶۰		۱۳۴۴	۱۳۴۴	۶۷۲	۶۷۲	۶۷۲	۶۷۲
۲۸۸۰		۴۰۳۲		۲۰۱۶	۲۰۱۶	۲۰۱۶	۲۰۱۶
۸۶۴۰		۱۲۰۹۶		۶۰۴۸	۶۰۴۸	۶۰۴۸	۶۰۴۸

مسئلہ ۲۴ ر ۱۹۲ ر ۹۶ — بینہما توافق بالنصف — بدرالدین م ۱۴۴ ر ۷

زوجہ	ام	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
مریم	فضیلت بی	انار اللہ	ایثار اللہ	منیر احمد	داجین بی	ولی النساء
۲۴	۳۲	۳۴	۳۴	۳۴	۱۷	۱۷
۱۶۸	۲۲۴	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۱۱۹	۱۱۹
۵۰۴	۶۷۲	۷۱۴	۷۱۴	۷۱۴	۳۵۷	۳۵۷
۱۵۱۲	۲۰۱۶	۲۱۴۲	۲۱۴۲	۲۱۴۲	۱۰۷۱	۱۰۷۱

مسئلہ ۲۴ ر ۷۲ م ۳ — بینہما بجزء من اربعة وعشرین — مقبول حسن م ۱۳۴۴ و ۵۶

زوجہ	ام	ابن	بنت
امینہ	فضیلت بی	منظور احمد	نور النساء
۳	۴	۳۴	۱۷
۹	۱۲	۱۹۰۴	۹۵۲
۵۰۴	۶۷۲	۵۷۱۲	
۱۵۱۲	۲۰۱۶		

مسئلہ ۱۲ م ۳ — بینہما بالربع — نور النساء م ۹۵۲ و ۲۳۸

زوج	ام	بنت	اخ
زید	امینہ	سلمہ	منظور احمد
۳	۲	۶	۱
۷۱۴	۴۷۶	۱۴۲۸	۲۳۸

مسئلہ ۶ — بینہما تداخل — فضیلت بی م ۶۷۲ ۱۲

ابن	بنت	بنت	بنت	بنت
نور الحسن	حسرت بی	مسرت بی	حفظت بی	خیر النساء
۲	۱	۱	۱	۱
۴۲۲۴	۲۱۱۲	۲۱۱۲	۲۱۱۲	۲۱۱۲

المبلغ ۶۹۱۲۰

الاحیاء

نور الحسن	حسرت بی	حفظت بی	مسرت بی	خیر النساء	مریم بی	انار اللہ
۱۶۳۲۰	۸۱۶۰	۸۱۶۰	۸۱۶۰	۸۱۶۰	۱۵۱۲	۲۱۴۲

ایثار اللہ	منیر احمد	داجین بی	ولی النساء	امینہ	منظور احمد	زید	سلمہ
۲۱۴۲	۲۱۴۲	۱۰۷۱	۱۰۷۱	۱۹۸۸	۵۹۵۰	۷۱۴	۱۴۲۸

اگر حافظ نظام الدین نے بیوی کے نام جائداد خرید کر پورے قبضہ میں نہیں دی ہے تو جائداد اُنہتر ہزار ایک سو بیس حصوں پر تقسیم ہوگی جس میں ہر وارث کو اس قدر حصے ملیں گے جو زیر خط احتیاء ہر ایک کے نام کے نیچے لکھے گئے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۲۳ ستمبر ۱۹۶۳ء

نوٹ:۔ متذکرہ بالا جواب کا سوال مسودہ میں بخوف طوالت نقل نہیں کیا گیا۔ بہرحال سہام کی تقسیم سے اندازہ ہو جاتا ہے۔

(مرتب)

(سوال نمبر ۱۶۲) ولایت علی اور اشرف علی (پسران شاہ علی) درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی کی آمدنی و موضع کے حقوق کے حقدار تھے۔ ان دونوں کا انتقال ہو گیا، ان کا بھانجہ برکت علی کیا شرعاً مذکورہ آمدنی کا وراثتاً حقدار ہو سکتا ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

درگاہ شریف کی آمدنی کے وہ لوگ جو اس کی خدمت کرتے ہیں مستحق ہیں کہ زائرین کا منشاء انہیں کو دینا ہوتا ہے اور متولی درگاہ انہیں میں تقسیم کرتا ہے یا اُن میں کہ گو وہ خدمت نہیں کرتے لیکن وہاں کے رواج کے موافق وہ بھی مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ پس برکت علی درگاہ کی خدمت کرتے ہیں یا مستحقین آمدنی میں ان کا شمار ہے تو ضرور درگاہ شریف کی آمدنی اور موضع کے حقوق میں اپنے حصہ کے مستحق ہیں۔

اس آمدنی میں شرعاً میراث جاری نہیں ہوتی، نہ اب ولایت علی اور نہ اشرف علی مرحوم کا اس آمدنی میں کچھ حق باقی ہے پچھلے زمانہ کے عمل کو دیکھ لیا جائے کہ کس کو کس نسبت سے یہ آمدنی تقسیم کی جاتی تھی اس ہی پر عمل کیا جائے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۶۳) ہندہ نے ایک وصیت نامہ کے ذریعہ اپنی جائداد کی رجسٹری اپنے نواسہ نواسیوں کے نام کر دی لیکن ہندہ کے بھتیجہ بھتیجی بھی اس جائداد سے اپنا حصہ طلب کرتے ہیں، کیا شرعاً وہ بھی مستحق ہیں؟

الجواب

رجسٹری جن کے نام ہوئی ہے ان کے سوا اس میں کسی کا حق نہیں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۶۴) زید کا انتقال ہوا اس نے کچھ جائداد چھوڑی جن کے ورثاء یہ لوگ ہیں ۔ چار لڑکیاں، ایک لڑکا اور ایک زوجہ ـــ لڑکیوں کو زید نے اپنی زندگی میں ایک ایک مکان اور دس دس ہزار نقد دے دیئے تھے ـــ صورت مذکورہ میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا ۔

الجواب

زندگی میں جو جائداد کسی کو دے کر اس کا غیر مشترک قبضہ کرا دیا ہے وہ تو اس ہی کا ہے بشرطیکہ مشترک نہ ہو اور اگر مشترک ہے تو وہ ترکہ میں داخل ہوگا ۔ پھر ترکہ اڑتالیس سہام پر تقسیم ہوگا جس میں سے چھ سہام بیوی کو ملیں گے اور چودہ سہام لڑکے کو اور سات سات سہام ہر ایک لڑکی کو ملیں گے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۶۵) عزیز الدین نے ایک زمین خریدی اور قبالہ میں اپنے نام کے ساتھ دو بالغ اور ہوشیار لڑکوں محمد شریف اور محمد لطیف کے نام اس لئے ڈلوا دیئے کہ وہ اپنے نابالغ چھوٹے بھائیوں کی کفالت کرتے رہیں گے ـــ کچھ عرصہ بعد محمد شریف کا بھی انتقال ہوگیا ۔ اس نے اپنے ورثاء میں چار بھائی، پانچ بہنیں اور والدین چھوڑے ـــ اس کے بعد محمد شریف کی والدہ کا انتقال ہوگیا ـــ کچھ عرصہ بعد اس زمین پر مکان بنانے کی تجویز ہوئی چنانچہ محمد شریف کے تین بھائی محمد رفیع، محمد تقی، محمد شفیع، اور ان کے بھانجے محمد اشفاق نے اپنے ذاتی روپے سے مکان تعمیر کیا ۔ محمد لطیف کا اس میں کچھ حصہ نہ تھا ۔ اس کے بعد محمد شفیع کا انتقال ہوا ۔ کچھ عرصہ بعد ان کے والد عزیز الدین بھی فوت ہوگئے، ان کے بعد ان کی لڑکی امتہ السلطان کا انتقال ہوگیا انہوں نے ایک لڑکا محمد اشفاق چھوڑا ۔

اب محمد لطیف یہ کہتا ہے کہ چونکہ قبالہ میں میرا نام ہے اس لئے مکان کا مالک میں ہوں اور تمام وارث محروم ہیں ۔ کیا محمد لطیف کا یہ کہنا صحیح ہے ۔ اگر نہیں تو پھر ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے ۔ بینوا وتوجروا

الجواب

قبالہ میں کسی کا نام ڈال دینے سے ۔ جس کا نام ڈالا گیا ہے وہ اس جائداد کا مالک نہیں ہوجاتا ۔ جس نے اپنے روپے سے خریدا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے اور اولاد بلا کسی شرط کے اپنے باپ کی جائداد میں اپنے پیسہ سے کچھ زیادتی کرے تو وہ باپ کے ساتھ احسان کرنے کے حکم میں ہوتی ہے، پس یہ مکان عزیز الدین کی ملک قرار دیا جا کر ان کے ورثاء پر تقسیم ہوگا جس میں سے ہر لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک حصہ ملے گا اور

امۃ السلطان کا حصہ ان کے وارثوں کو ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۶۶) عبدالقدوس کی لڑکی سے غلام نبی کا نکاح ہوا، لڑکی حاملہ ہوئی اور جب وقت آیا تو دردِ زِہ میں مبتلا ہوئی، تکلیف زیادہ تھی اس لئے ہسپتال میں داخل کرا دی گئی۔ وہاں جب ڈاکٹرنیاں عاجز ہوگئیں تو انہوں نے عبدالقدوس سے کہا کہ یا تو بچہ بچ سکتا ہے یا تمہاری لڑکی؟ چنانچہ عبدالقدوس نے اجازت دے دی کہ بچہ مار کر لڑکی کو بچا لیا جائے۔ اور لڑکی ہسپتال میں زیر علاج رہی۔ اس عرصہ میں عبدالقدوس نے اپنی چھوٹی لڑکی (جو غلام نبی کے برادر خورد غلام محی الدین سے بیاہی ہوئی تھی) کے ذریعہ اپنی بڑی لڑکی کے تمام زیورات وغیرہ چوری چھپے منگوا لیے۔ جب غلام نبی نے پوچھا تو اقرار کیا گیا اور کہا گیا کہ جب لڑکی اچھی ہوگی تو اس کے ساتھ بھیجدیں گے۔

اسی دوران مریضہ کی حالت نازک ہوئی، آخر اس نے دو عورتوں کے سامنے اپنے خاوند کا مہر معاف کیا اور جملہ زیورات کا وارث اپنے خاوند کو قرار دیا۔ اس کے بعد وہ فوت ہوگئی۔

صورت مذکورہ کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:-

(۱) غلام نبی کا بچہ جو عبدالقدوس کے کہنے پر مار کر نکالا گیا ہے اس کو علمائے کرام زندہ تسلیم کریں گے یا شہید اور اس کی تجہیز و تکفین کی کیا صورت ہوگی۔

(۲) غلام نبی کا لڑکا اگر زندہ ہوتا تو غلام نبی کا خسر عبدالقدوس کہاں تک حصہ دار ہوتا۔

(۳) اگر غلام نبی کا خسر مہر کے معاف کئے جانے کو (جو دو گواہوں کے سامنے معاف کیا گیا ہے) باطل ثابت کرے تو ایک ہزار روپے کے مہر میں سے عبدالقدوس، زوجہ عبدالقدوس، اور ان کے چار لڑکوں اور تین لڑکیوں کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

(۴) عبدالقدوس نے نوزائیدہ بچہ کے متعلق جو مارنے کی اجازت دی، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(۵) عبدالقدوس نے اپنی لڑکی کی شادی میں جو زیورات دئے، اس میں خود عبدالقدوس اور ان کے دوسرے رشتہ داروں کا کیا حق ہے؟ - نیز یہ کہ زیورات مہر کے ذیل میں آتے ہیں یا نہیں؟

مستفتی
۲۵ جنوری ۱۹۱۵ء

الجواب وھو الموفق للصواب

(۱) یہ لڑکا نہ زندہ متصور ہوگا نہ شہید بلکہ اس کا حکم اسی بچہ کا سا ہے جو مرا ہوا پیدا ہو پس اس کو غسل دے کر بغیر نماز پڑھے، کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے :-

وإن لم يستهل ادرج في خرقة ولم يصل عليه ويغسل في غير ظاهر الرواية وهو المختار۔ كذا في الهداية هكذا في العالمگيرية

(۲) ایسی صورت میں عبدالقدوس متوفیہ کے متروکہ کا چھٹا حصہ پا سکتا تھا :-

الأب فله احوال ثلاث الفرض المطلق وهو السدس وذالك مع الابن۔ كذا في السراجي۔

(۳) چوں کہ نصاب شہادت موجود نہیں لہٰذا متوفیہ کے ورثاء کو پہنچتا ہے کہ وہ مہر کا معاف ہونا تسلیم کریں یا نہ کریں اور غلام نبی شوہر متوفیہ سے وصول کر لیں پھر ورثاء متوفیہ پر تقسیم کرنے کے لئے متوفیہ کو مع زر مہر کے چھ حصص پر تقسیم کر کے تین حصے غلام نبی کو اور ایک حصہ زوجہ عبدالقدوس کو جب کہ یہ متوفیہ کی حقیقی ماں ہو اور دو حصے، عبدالقدوس کو دیئے جائیں اور اگر زوجہ عبدالقدوس متوفیہ کی حقیقی ماں نہیں ہے تو پھر کل متروکہ متوفیہ غلام نبی اور عبدالقدوس کے درمیان نصفا نصف تقسیم کیا جا دے گا۔ لیکن متوفیہ کے بھائی بہن بہر حال محروم رہیں گے۔

(۴) اگر عورت کے مرجانے کا صرف احتمال ہی احتمال تھا تب تو بچہ کو مار کر نکالنے کی اجازت نہ دینی چاہیئے تھی کہ عورت کا مرجانا وہمی بات تھی پس زندہ بچہ کے لئے قتل کا حکم دینا وہمی امر کے لئے جائز نہیں کذا فی الشامی۔ اگر البتہ عورت کے مرجانے کا یقین ہو چکا ہو تو ایسی صورت میں ایسی اجازت دینے کا کچھ مضائقہ نہیں۔

(۵) عبدالقدوس وغیرہ کے حصوں کا جواب نمبر ۳ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ باقی اس قول سے کہ زیورات مہر کے ذیل میں ہوتے ہیں یا نہیں اگر یہ مراد ہے کہ وہ زیور جو بوقت نکاح میں مرد بطریق ہبہ عورت کو دیتا ہے جس کو عرف میں چڑھاوا کہتے ہیں اس سے زر قرضہ مہر کی ادائیگی متصور ہو سکتی ہے یا نہیں سو واضح رہے کہ اس طرح کا زیور مہر میں محسوب نہ ہوگا مگر جب کہ مرد نے یہ کہہ کر دیا ہو کہ "یہ زیور بعوض مہر کے دیتا ہوں" فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہٗ محمد مظہر اللہ عفی عنہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

دسواں سوال نمبر (۱۶۷) زید نے فتویٰ حاصل کرنے کے بعد عدالت کے ذریعہ اپنے باپ بکر کی جائداد تقسیم کرالی مگر اب کہتا ہے کہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی اور مجھ کو حصہ دیا گیا ہے وہ میرے شرعی حصہ سے کم ہے لہٰذا دوبارہ تقسیم

کی جائے، سوال یہ ہے کہ کیا زید کے حسب منشاء دوبارہ تقسیم کی جائیگی یا اس کا دعویٰ غیر معتبر قرار دیا جائے گا۔

الجواب

اگر وہ اپنے دعویٰ پر معتبر گواہ رکھتا ہے تو اس کا دعویٰ سنا جائیگا ورنہ خارج کر دیا جائے گا۔ عالمگیری میں ہے:۔

قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اذا اقتسم القوم ارضا او دارا وقبض کل واحد منہم حقہ من ذالک ثم ادعی احدہم غلطاً فان اباحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی ذالک لا یعاد القسمۃ حتی تقیم البینۃ علی ما یدعی۔ انتہی

———— فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

نمبر ۱۶۷ - (ب)

الجواب

مسئلہ ۲۴

زوجہ	بنون ۲	بنات ۲
۰۸	۲۸	۲۸

بعد تقدیم ما یتقدم علی الارث ترکہ متوفی ———— معافی مہر کا اگر ہندہ اقرار کرتی ہے اور بیٹیاں انکار معتبر گواہوں سے وہ ثابت ہے تو وہ معاف ہو چکا ———— لڑکیوں کے لئے جس وقت سامان جہیز دیا ہے اس وقت اگر لڑکیاں نابالغہ تھیں تب تو یہ سب سامان لڑکیوں کا ہے ورنہ ترکہ میں داخل ہوگا کہ بالغہ لڑکی کے لئے جو کچھ بنایا جاوے جب تک اس کو اس پر قبضہ نہ کرایا جاوے، اس کی ملک قرار نہیں پاتا۔ درمختار میں ہے:۔

اتخذ مولاہ اولتلمیذہ ثیابا ثم اراد دفعہا لغیرہ لیس لہ ذالک ما لم یبین وقت الاتخاذ انہا عاریۃ ــ وقال فی رد المحتار ای للصغیر واما الکبیر فلا بد من التسلیم۔

زینب کے لڑکے اگر اس کے وارثوں سے کسی کا حق رکھیں گے تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔ لڑکیوں سے اگر دستبرداری کے کاغذات لکھوائے گئے ہیں تو وہ عند الشرع معتبر نہیں لیکن کسی لڑکی کی اولاد کو یہ حق نہیں کہ اپنی ماں کی زندگی میں اس کے حق کا مطالبہ اپنے ماموں سے کریں۔ فقط [1]

[1] یہ جواب حضرت مجیب علیہ الرحمہ نے مسودہ کی صورت میں تحریر فرمایا تھا۔ جو مشکل سے پڑھنے میں آتا تھا اس

(سوال نمبر ۱۶۸) ایک شخص ترک وطن کرکے پاکستان کا باشندہ بن گیا، اس کی جائداد قانون کے مطابق کسٹوڈین میں جا چکی ہے اگر ایسے مکانات کا سامان اہل محلہ کسی مسجد کی تعمیر میں باجازت مالک اصلی لگانا چاہیں تو لگا سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا وتوجروا۔

مستفتی

(قاری) محمد میاں مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ

مسجد فتحپوری، دہلی

ستمبر ۱۹۵۵ء

محرم ۱۳۷۵ھ

الجواب

غیر منقولہ جائداد پر اگر حکومت نے مالکانہ قبضہ کیا ہے تب تو اصل مالک کی ملکیت سے وہ جائداد نکل چکی اب اس کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں رہا اور حکومت کا محافظانہ قبضہ ہے تو اصل مالک کو اس میں تصرف کا اختیار ہے ۔۔ رہی منقولہ جائداد تو اس پر سنا جاتا ہے کہ ابھی محافظانہ قبضہ ہے اور اصل مالک کو اس کی ملکیت دے دی جاتی ہے اس لئے اس کو اس میں تصرف کا حق ہے، ایسی شئے باجازت اصلی مالک مسجد میں لگائی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

امانات

(سوال نمبر ۱۶۹) ایک غیر مسلم کی امانت ایک مسلمان کے پاس ہے۔ غیر مسلم مر چکا ہے، ایسی صورت میں وہ امانت کس کو دی جائے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

ایسی صورت میں مساکین کو اس ارادے سے دے دو کہ مولیٰ تعالیٰ اس امانت یا قرض میں میری گرفت نہ کرے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۷۰) ایک مسلم کی امانت ایک مسلمان کے پاس ہے۔ امانت رکھوانے والا فوت ہوگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں، ایسی صورت میں اس امانت یا قرض کا کیا کیا جائے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

امانت یا قرض کے روپیہ مساکین کو اس ارادے سے دے دو کہ مولیٰ تعالیٰ اس کو پہنچائے اور اس کی مغفرت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۷۱) اگر کسی شخص نے گھڑی ساز کو مرمت کے لئے گھڑی دی اور اس کی دوکان سے چوری ہوگئی تو اس پر اس گھڑی کا ضمان آئیگا یا نہیں۔ اجیبوا فاستجیبوا۔

مستفتی
(قاری) محمد میاں، مدرس مدرسہ عالیہ
مسجد فتحپوری، دہلی

الجواب

یہ گھڑی امانت کے حکم میں ہے اس کے چوری ہو جانے سے کاریگر پر ضمان نہیں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۷۲) اکثر لوگ زید کے پاس رقوم بطور امانت رکھا جاتے تھے۔ مسجد خانقاہ کی بھی امانات اس کے پاس رہتی تھیں، اتفاق سے اس کے ہاں چوری ہوگئی اور یہ سب امانتیں ضائع ہوگئیں۔ کیا زید پر یہ تمام رقوم واجب الادا ہیں اور امانت رکھنے والے تقاضا کرنے میں حق بجانب ہیں؟ بینوا وتوجروا۔

مستفتی
محمد ابراہیم، مظفر آباد
(آزاد کشمیر)

الجواب

یہ امانتیں اگر امانت ہی کے طریق پر محفوظ مقام میں رکھی گئی تھیں اور اس میں زید تصرف نہیں کرتا تھا تو

امانت رکھنے والا امین سے کچھ نہیں لے سکتا۔ نہ مسجد درگاہ کی امانت کا دینا اس کے ذمہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۴ شوال المکرم ۱۳۸۰ھ
۱۱ اپریل ۱۹۶۰ء

(سوال نمبر ۱۷۳) زید کی والدہ کا انتقال ہوا جس کا سونے کا زیور زید کے ماموں کے پاس بطور امانت رکھا تھا کہ زید جب بالغ ہو جائے تو اس کو دے دیا جائے۔ چناں چہ بالغ ہونے پر جب زید نے اس امانت کا مطالبہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے ماموں نے وہ زیور اپنے کام میں لے لیا، اب وہ دینا چاہتا ہے۔ کیا زیور کے بدلے زیور دیا جائے یا اگر رقم دی جائے تو کس زمانے کے حساب سے ماضی کے یا حال کے؟ بینوا و توجروا۔

مستفتی
(مولوی) عبدالکریم، مدرسہ رحمانیہ دہلی
۲۵ دسمبر ۱۹۵۹ء

الجواب

موجودہ زمانے کی قیمت اس زیور کی دینی چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۷۴) ہندہ اور زید کے ورثاء نے جو ایک دوسرے کو سامان دیا اس میں اگر امانت کی نیت ہو تو کیا حکم ہے اور اگر ہدیۃً دیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

نیت کا اعتبار نہیں ہاں اگر صراحۃً یہ کہہ دیا ہو کہ یہ امانت ہے تو البتہ واپسی کا اختیار ہے لیکن اب بھی تعمیۃً واپس ہوگا۔ البتہ اس صورت میں زید گنہگار ہوگا کہ امانت کی شئے کو استعمال کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

قرض

(سوال نمبر ۱۷۵) ایک صاحب ثروت شخص زید نے اپنے لڑکے کو تجارت کرانے کے لئے دو عورتوں سے معقول رقم لی مگر کوئی تحریر نہیں دی، حسب وعدہ اس نے قرض ادا نہیں کیا اور ٹال مٹول کرتا رہا حتی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے پہلے وہ یہ ضرور کہتا رہا کہ قرض ادا کرے گا۔ اب مرنے کے بعد آخرت میں اس سے کیا معاملہ ہوگا۔

ھوالمسدد

اگر حقیقت میں زید نے قرض لیا تھا اور اس کے ادائے قرض کے لئے کچھ چھوڑا نہیں تو قیامت میں اس کی رہائی کی دو ہی صورتیں ہیں، یا صاحب حق سے معاف کرایا جائے گا یا اس کے اعمال صالحہ سے بقدر حق اس کو عمل دلائے جائیں گے اور اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو اس کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے۔ کما جاء فی البخاری۔ ایسی حالت میں مرنا کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ لقولہ علیہ السلام:۔

ان من اعظم الذنب عند اللہ تعالیٰ یلقاہ عبد بعد الکبائر التی نہی اللہ تعالیٰ عنہا ان یموت رجل وعلیہ دین لایدع لہ قضاء

(رواہ ابوداود)

اور اگر اس نے مال چھوڑا ہے اور ادائے قرض کی وصیت بھی کردی تھی تو زید اس کے گناہ سے بری ہے۔ وارث اگر ادا نہ کریں گے تو وہ ظالم ٹھہریں گے اور ان سے قیامت میں بھی معاملہ پیش آئیگا۔ ہاں باوجود قدرت ادائے قرض ڈھیل دیتے ہیں لہٰذا یہ ایسا گناہ ہے جو وہ اپنے ساتھ لے گیا۔

لقولہ علیہ السلام مطل الغنی ظلم لہ

اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور ادائے قرض کی وصیت نہیں کی اور زندگی میں ادائے قرض کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا تو اس پر دونوں گناہوں کا بار ہے، اگر وارث ادا کریں گے وہ قرض سے سبکدوش ہو جائے گا ورنہ دونوں گناہوں میں ماخوذ ہوگا پھر اگر (ورثاء) اس قرض کے متعلق علم رکھتے ہیں یا حجت شرعیہ سے قرض ثابت ہے تو نہ دینے کی صورت میں ان سے بھی اس ہی قسم کا مواخذہ ہوگا جس کا اوپر ذکر کیا گیا اور اگر وارثوں کو خبر نہیں نہ وہ حجت شرعیہ سے ثابت تو نہ دینے کی صورت میں وارثوں سے کچھ مواخذہ نہ ہوگا اور دینے کی صورت میں امید ہے کہ زید سے مواخذہ نہ کیا جائے گا۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

رہن

(سوال نمبر ۱۷۶) بھارت گورنمنٹ نے عوام و خواص سے قرضہ حاصل کرنے کی ایک نئی شکل نکالی ہے وہ یہ کہ پانچ پانچ روپے اور سو سو روپے کے بونڈ نوٹ چھپوائے ہیں جو پانچ سال کی مدت کے ہیں، جو شخص گورنمنٹ کو قرضہ دے گا اس کو رقم کے مطابق کاغذی تحریر مل جائیگی۔ پانچ سال کی مدت ختم ہونے پر گورنمنٹ کے معاہدے کے مطابق گورنمنٹ کے خزانہ سے بونڈ دکھا کر قرضہ کی اصلی رقم مل جائیگی اس رقم پر چوں کہ نہ کوئی سود اور نہ کوئی منافعہ ٹھہرا تھا اس لئے صرف قرضے کی اصلی رقم جوں کی توں مل جائے گی۔

گورنمنٹ اس قرضہ کی رقم سے جو کارخانے جاری کرے گی اس کے منافع میں سے ایک کروڑ کی رقم پر تین لاکھ اڑسٹھ ہزار روپے علیحدہ کرلے گی، اس رقم کو گورنمنٹ اپنے قرضہ دینے والوں پر بصورت انعام بذریعہ قرعہ اندازی تقسیم کرے گی۔ تقسیم انعامات کے درجے رکھے ہیں، پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا وغیرہ وغیرہ۔ یہ انعامات ہر سال تین تین ماہ کے بعد نکلتے رہیں گے، جن لوگوں کے نام قرعہ اندازی کے ذریعہ نکلتے رہیں گے ان کو انعام ملتا رہے گا۔ جن لوگوں کو انعام ملتا جائے گا ان کے نام آئندہ قرعہ اندازی سے علیحدہ رکھے جائیں گے۔ اس طریقہ سے ہر قارض کو بغیر کوئی منافع ٹھہرائے کچھ نہ کچھ تھوڑا یا بہت منافعہ بھی پہنچ جائیگا۔ متذکرہ بالا صورت میں اگر کوئی مسلمان قرضہ دے تو اس پر کوئی شرعی گرفت تو نہیں ہوگی اور وہ رقم جو اس کو قرعہ اندازی کی شکل میں بطور انعام کے وصول ہوتی ہے وہ سود تو نہیں ہوگی۔ بینوا وتوجروا

مستفتی

(حکیم) محمد کامل، دہلی

۱۲ / اپریل سنہ ۱۹۶۰ء

الجواب

مسلمان کو ایسا قرض دینا جائز نہیں اور انعام جو ملے گا وہ سود ہے فقال علیہ السلام اذا قرض الرجل الرجل فلا یأخذ ھدیتہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۷۷) زید نے اپنی دس بیگہ زمین بکر کے پاس ایک ہزار روپے کے عوض رہن رکھی اس شرط پر جب ایک ہزار روپیہ آئے گا وہ زمین چھڑا لے گا، اور اس عرصہ میں زمین سے جو آمدنی ہو وہ بکر کی ہو گی کیا رہن کی یہ صورت شرعاً جائز ہے بینوا و توجروا۔

مستفتی
محمد اسحاق، ضلع میرٹھ

الجواب

یہ صورت بھی جائز نہیں کہ مرتہن اس سے نفع لے گا۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

ہبہ

(سوال نمبر ۱۷۸) زید نے ایک بیگھ اراضی مدرسہ کے نام ہبہ کر دی جس کا باقاعدہ اعلان کیا اور مہتمم مدرسہ نے قبول کر لیا اور زید مذکور سے کہا کہ تم کاشت کرتے رہو، نصف حصہ پیداوار کا بھی بٹائی دیتے رہو ——— ایک سال بعد زید مذکور نے ڈھائی بیگھ اراضی اور مدرسہ کے نام ہبہ کر دی مگر اس کا اعلان نہیں کیا بلکہ تین اشخاص کی موجودگی میں ضلع کے دفتر میں ہبہ لکھوا دیا۔ یہ تین اشخاص جو قوم کے معتمد علیہ تھے ان میں دو کا انتقال ہو گیا۔ ایک پاکستان چلا گیا۔ ۲۱ سال کے عرصہ سے اس زمین کا لگان مدرسہ ہی ادا کر رہا ہے ——— ڈھائی بیگھ اراضی سے زید نے ابتک کوئی بٹائی نہیں دی ——— اب صورت حال یہ ہے کہ زید کا دماغ ماؤف ہو گیا اور مہتمم مدرسہ کا انتقال ہو گیا۔ زید کا لڑکا ڈھائی بیگھ اراضی کے ہبہ کو فرضی تصور کرتے ہوئے اس کا دعوے دار ہے حالاں کہ بعض قرائن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہبہ بالعوض تھا چناں چہ واہب و موہوب لہ کا لین دین تھا اور یہ زمین کسی کے پاس رہن تھی زید نے مہتمم مدرسہ سے قرض لے کر واگزاشت کرائی۔ زید کے قبیلے کے لوگ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں کہ زید اپنی دنیوی ضرورتیں قرض لے کر پوری کرتا تھا، صورت مذکورہ میں ڈھائی بیگھ اراضی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے۔

مستفتی

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۲۲۹

الجواب

سوال سے یہ ثابت ہے کہ زید کا دماغ ماؤف ہے تو جب تک معتبر گواہوں سے یہ ثابت نہ ہو کہ زید نے اس ڈھائی بیگھہ کو اس وقت ہبہ کیا تھا جب کہ زید کا دماغ صحیح تھا اس وقت تک اس ہبہ کی صحت کا حکم نہیں کیا جا سکتا کہ اس ہبہ کا پوشیدہ رکھنا ضرور شبہ پیدا کرتا ہے۔ یہ سوال اس سے قبل بھی آچکا ہے جس میں متولی نے بھی اس ہبہ سے لاعلمی ظاہر کی تھی اور بتلایا تھا کہ جب لگان زیادتی کے ساتھ رہتا تھا تو یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس ایک بیگھہ کے لگان میں حکومت نے کچھ زیادتی کردی ہے۔ پھر ایک بیگھہ کی بھی بٹائی لیتے رہے ——— ڈھائی بیگھہ کی بٹائی طلب کی حالاں کہ متولی کو اس کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ اس سوال میں بتلایا گیا ہے کہ موہوب لہ متولی کا انتقال ہوچکا ہے اگر یہ صحیح ہے تو بعد کے متولی کو مدرسہ کی جائداد موہوب کا علم ہونا چاہیئے تھا بلکہ مدرسہ کے متعلق رجسٹروں میں اس کا اندراج ہونا چاہیئے۔ غرض ان وجوہات سے اس ڈھائی بیگھہ کے ہبہ کی صحت میں قوی شبہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۳۸۰ھ

ملازمت

(سوال نمبر ۱۷۹) ایک مسلمان نہ توجمعہ کو کارخانہ بند کرتا ہے اور نہ کاریگروں کو نماز جمعہ کے لئے چھٹی دیتا ہے کیا شخص مذکور کا یہ فعل جائز ہے؟ کیا ملازمین و کاریگروں کے لئے جائز ہے کہ وہ اس حق کا مطالبہ کریں اور کیا اگر وہ یہ مطالبہ تسلیم نہ کرے تو اس کی ملازمت چھوڑ دیں۔ بینوا و توجروا۔

فضل احمد ۔ دہلی

الجواب

ایسا شخص شریعت مطہرہ کے نزدیک فاسق اور نہایت درجہ کا ظالم ہے۔ ملازمین کو نماز جمعہ کے لئے مطالبہ کرنا واجب ہے اگر یہ بدنصیب اجازت نہ دے تو مجبوراً پھر اس کی ملازمت ترک کریں۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۰) ایک مولوی صاحب نے ۱۲ رجب کو مدرسہ کی ملازمت چھوڑ دی، مگر رجب کے پورے مہینے کا مشاہرہ وصول کر لیا اور مزید شعبان کا نصف وصول کر لیا اور رمضان تک کی تنخواہ طلب کر رہے ہیں۔ کیا ان کے لئے یہ شرعاً جائز ہے۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جب کہ کوئی ملازم خود عقد اجارہ فسخ کر کے کام چھوڑ دے تو پھر وہ تنخواہ کا مستحق نہیں، اگر مولوی صاحب نے خود نوکری ترک کر کے کام چھوڑ دیا تو اب وہ تنخواہ کا استحقاق نہیں رکھتے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ
مدرسہ امینیہ۔ دہلی

هو الموفق

صورت مذکورہ میں مولوی صاحب موصوف کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ رجب کی تیرہ تاریخ کے بعد کسی ایسی مدت کی تنخواہ لیں جس میں انہوں نے تعلیم نہیں دی۔ عالمگیری میں ہے :۔

الاجرة تستحق باحد معان ثلاثة اما بشرط التعجيل او بالتعجيل او باستيفاء المعقود عليه، فاذا وجد احد هذه الاشياء الثلاثة فانه يملكها۔ (كذا في شرح الطحاوي)۔

اگر جس مدت میں انہوں نے کام نہیں کیا اس کی تنخواہ مہتمم مال وقف سے یا چندہ کے سے دے دے گا تو ضامن ہوگا کہ وہ چندہ دہندگان کا وکیل ہے اور ایسی تنخواہ کے متعلق ان کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۱۸۱) ایک رسالہ جس میں معمہ بازی کے اشتہار، سینما کے اعلانات اور کچھ فرضی مخرب اخلاق مضامین شائع ہوتے ہیں، اس میں ملازمت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ بینوا وتوجروا۔

مستفتی
محمد فصیح الدین
کراچی

الجواب

اس میں ملازمت جائز نہیں کہ اعانت علی المعصیت ہے ہاں اگر اس کے متعلق کوئی ایسا کام ہو کہ جو شرعاً جائز ہے تو پھر ملازمت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۲)

(۱) سال میں حکومت ایک ماہ کی تنخواہ زیادہ دیتی ہے، یہ تنخواہ لینا شرعاً جائز ہے؟

(۲) حکومت کی طرف سے ملازمین کے فنڈ میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اس فنڈ کے ساتھ جو سود کا روپیہ ملتا ہے وہ لینا شرعاً کیسا ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
غلام حسین
۸ نومبر ۱۹۵۶ء

الجواب

(۱) حکومت جو ہر سال ایک ماہ کی تنخواہ زیادہ دیتی ہے وہ بھی شرعاً جائز ہے اور حکومت کی طرف سے جو ملازم کو تنخواہ کے بقیہ میں زیادتی کر کے دی جاتی ہے اور کچھ زیادتی بنام سود دی جاتی ہے اس کا لینا بھی جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نمبر ۱۸۳) مولانا عابد شاہ صاحب محدث رامپوری نے چند سوالات تحریر فرمائے تھے، مندرجہ ذیل جواب انہیں سوالات کے جواب میں مسودہ کی صورت میں دستیاب ہوا جو من وعن یہاں نقل کر دیا گیا۔

(مرتب)

الجواب

(۱) اس عبارت کا غالباً یہ مطلب ہے کہ میں اپنی زندگی میں لوجہ اللہ مدرسہ کی خدمت کرنا پسند کرتا ہوں

اس لئے مجھے مشاہرہ لینا منظور نہیں، نیز مدرسین مدرسہ کی امداد میں اس رقم کی گنجائش کی بھی ضرورت ہے اور اس قدر گنجائش ہے نہیں یا مدرسہ کو اس قسم کی ضرورت ہے اس لئے بھی میں نہیں لے سکتا، پس زید اپنی زندگی میں تو یہ اختیار رکھتے تھے کہ وہ آئندہ کی تنخواہ لینے لگتے، پچھلی تنخواہ وہ بھی وصول نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا اب جب کہ وہ وصال فرما چکے ہیں ان کے وارث پچھلے زمانے کی تنخواہیں وصول نہیں کر سکتے اور چونکہ یہ اسقاط کی صورت میں ہے اس لئے موہوب کا نہ واہب کے قبضہ میں ہونا شرط ہے نہ ہبہ کے دوسرے احکام کا اس میں لحاظ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) مہتمم مدرسہ کے پاس مدرسہ کی رقوم امانت کا حکم رکھتی ہیں اگر بعد موت اس کی تحویل میں وہ رقوم نہ پائی جاویں تو اس کے حال کو دیکھا جائے گا اگر اس پر خیانت کا شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے تو اس ہی پر محمول کیا جائے گا کہ یا تو اس نے اس رقم کو کسی جائز مصرف میں خرچ کیا ہے اور وہ تحریر کرنا بھول گیا ہے اور یا اس کے پاس سے جاتی رہی ہے پس اس صورت میں اس پر ضمان نہیں۔ اور اگر اس کے زمانے میں اس سے خیانتیں ظاہر ہوتی رہی ہیں تو پھر غالب یہی ہے کہ اس رقم میں بھی اس سے خیانت ہوئی ہوگی اس لئے اس کے مال سے اس رقم کو لیا جا سکتا ہے (اشباہ اور اس کی شرح حموی ص ۲۱۶) لیکن صورت مذکورہ میں چونکہ زید کے حالات کو دیکھتے ہوئے اس پر خیانت کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے مال سے رقم نہیں لی جا سکتی۔

(۳) زید کی وفات کے بعد جب اس کی اولاد کی اجازت سے معززین شہر نے ایک متدین شخص کو مہتمم مدرسہ بنا دیا تو جب تک اس سے کوئی خیانت ثابت نہ ہو اس کو معزول کر کے دوسرے شخص کو مہتمم بنانا باطل محض ہے، جو لوگ ایسا کرنے میں کوشاں ہیں وہ گنہگار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

بیع و شراء

(سوال نمبر ۱۸۴)

(۱) زید ایک چیز فروخت کرتا ہے جب قیمت اسی وقت ادا کر دی جائے تو وہ دو روپیہ فی صد کمیشن دیتا ہے اور اگر آٹھ دس روز بعد ادائیگی کی جائے تو کمیشن نہیں دیتا۔

(۲) بکر ایک چیز دس روپے درجن فروخت کرتا ہے جب کہ گاہک قیمت اسی وقت ادا کر دے اور ادھار لے تو وہی چیز دس روپے آٹھ آنے درجن دیتا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں پر سود کا اطلاق تو نہیں ہوتا۔

الجواب

نہیں دونوں صورتیں جائز ہیں، کسی میں سود کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۵)

(۱) دوکان پر ایک گاہک کے ہاتھ سے ایک نازک زنانی گھڑی ٹوٹ گئی جب کہ اس نے گھڑے کے کرٹے کو کھینچ کر دیکھنا چاہا، ایسی صورت میں گاہک سے جو نقصان ہوا ہے لیا جا سکتا ہے؟

(۲) دوکان میں چوری ہوگئی جس میں گاہکوں کی وہ گھڑیاں بھی چوری ہوگئیں جو مرمت کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ کیا گاہکوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی اپنی گھڑیوں کی قیمت یا متبادل گھڑیاں مالک دوکان سے لیں؟ بینوا وتوجروا۔

مستفتی
حاجی عبد الخالق۔ سکھر

الجواب

(۱) گھڑی کا نقصان گاہک سے شرعاً لیا جا سکتا ہے۔

(۲) صورت مذکورہ میں گاہکوں کو نہ گھڑیوں کے بدلے گھڑیاں لینا جائز ہے۔ نہ ان کی قیمت۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۶) ایک شخص نے زید سے کہا کہ یہ سونا لو اور فلاں سنار سے میرے لئے زیور بنوا دو۔ چناں چہ زید نے وہ سونا سنار کے سپرد کر دیا، اتفاق سے وہ سنار مر گیا، اس صورت میں زید پر ضمان ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں زید وکیل ہے اور چوں کہ وکیل بمنزلہ امین کے ہوتا ہے اور امین پر ضمان اس وقت لازم آتا ہے جب وہ ودیعت کی حفاظت میں کوتاہی کرے اور یہ یہاں مفقود ہے پس اس حالت میں زید پر ضمان نہیں۔ عالمگیری میں ہے:-

ومنه (ای من احکام الوکالة) انه امین فیما فی یده کالمودع فیضمن بما یضمن به المودع۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۷) کیا نابالغ اپنے حقیقی چچا کی اجازت سے اپنی کسی شے کو کم داموں پر بیچ سکتا ہے اور اگر وہ نہ بیچنا چاہے تو کیا اس کا چچا اس کو اس بیع پر مجبور کر سکتا ہے یا خود چچا بلا اجازتِ نابالغ اپنے حصہ کے ساتھ اس کو بیچ سکتا ہے۔

الجواب

ایسے تصرف کا نہ نابالغ خود اختیار رکھتا ہے اور نہ اس کا چچا پس اگر ایسا کیا گیا تو یہ بیع باطل ہو گی ہاں یہ نابالغ کے چچا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حصہ کو جس قیمت کے ساتھ چاہے بیچے۔ درمختار میں ہے:۔

وکل من شرکاء الملک اجنبی فی الامتناع عن تصرف مضر فی مال صاحبه۔ انتہی

وفی الشامی:۔

واما ماعدا الاصول من العصبة کالعم والاخ اوغیرهم کالام لایصح اذنهم له لانه لیس لهم ان یتصرفوا فی ماله تجارة فلا یملکون الاذن له فیها۔ (شامی، ج۵، ص۱۱۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۸) ایک شخص کسی دوسرے شخص کو اپنی پانچ بکریاں اس شرط پر دیتا ہے کہ ان سے جو بچے پیدا ہوں وہ آپس میں آدھے آدھے تقسیم کر لئے جائیں گے مگر اصل پانچ بکریاں شخص اول ہی کی رہیں گی۔ کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

مستفتی
سید عبداللہ انجم جلالی
مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری دہلی
۲۸ اکتوبر ۱۹۵۹ء

الجواب

یہ معاملہ شرعاً صحیح نہیں ہے سب بکریوں و اسلئے کہ ہیں جوان بکریوں کی پرورش کرے گا اس کو پرورش کرنے کی اجرت ملے گا اور اگر اس نے اپنے پاس سے چارہ دیا ہے تو چارہ یا چارہ کی قیمت بھی وہ لے گا۔ ہاں اگر بکریوں والا نصف بکریاں دوسرے کے ہاتھ بیچ دے تو البتہ دوسرا بچوں میں بھی شریک ہو سکتا ہے عالمگیری میں ہے :۔

اذا دفع البقرة الى انسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث فهو لصاحب البقرة وللذالك الرجل مثل العلف الذی علفها واجر مثله فيما قام عليها والحيلة فی ذالك ان يبيع نصف البقرة من ذالك الرجل۔ انتهى۔ وهكذا فی الشامی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۸۹)

(۱) مشتری نے ایک زمین خریدی بعد میں معلوم ہوا کہ اس پر قبور ہیں تو اب وہ کس طرح تصرف میں لائے؟

(۲) اگر زمین پر صرف قبور کا ہونا معلوم ہے محل قبور نہیں معلوم تو کیا کیا جائے؟

(۳) بالعموم قبرستانوں کی بیع وشراء ہونے لگی ہے اور اس پر مکان وغیرہ بھی بنائے جاتے ہیں شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے۔

(۴) زید نے بکر کو ایک ہزار روپیہ دئے اور اس کے عوض زمین گروی رکھ لی پھر بکر اور روپیہ لیتا رہا حتی کہ ڈھائی ہزار روپے تک ہو گئے۔ اب بکر ان ڈھائی ہزار کے عوض وہ زمین زید کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے جو ابتک اس کے پاس گروی رکھی ہے کیا یہ بیع صحیح ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
قمر الدین ـــــ بستی نظام الدین
مسجد بنگلہ والی۔ نئی دہلی

الجواب

(۱) اگر یہ زمین قبرستان تھی تب تو اس کی بیع وشراء ہی ناجائز ہے ورنہ صرف محل قبور کو مشتری محفوظ

کردے باقی کو اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے :-

ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام او یطاء علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط۔

(۲) جس طرف قبور کا ہونا معلوم ہے بعد تفتیش اس کو محفوظ کردیا جائے پھر بھی معلوم نہ ہو تو اس کے ہر حصہ پر مکان وغیرہ بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ زمین قبرستان نہ ہو کہ وہ وقف ہوتا ہے۔

(۳) جب ثابت ہے کہ یہ قبرستان ہے تو اس کی بیع و شراء کیسے ہوسکتی ہے اور قبروں پر مکان وغیرہ کیسے بنایا جاسکتا ہے۔

(۴) یہ بیع صحیح ہے۔ راہن مرتہن کو اتنا اور کہدے کہ اب آپ اس زمین پر مالکانہ قبضہ فرمالیں کہ پہلا قبضہ دولیعۃً تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۰) دو شخص زید اور بکر کے درمیان زبانی معاہدہ کی بنا پر سلسلۂ تجارت شروع ہوا۔ جس میں روپیہ زید کا ہے اور محنت بکر کی۔ ساتھ ہی یہ بھی معاہدہ ہوا کہ بکر، زید کے مشورے سے مال تجارت خریدے گا ــــ چند روز بعد تیسرے شخص عمر نے ایک ہزار روپیہ نقد بکر کو اس معاہدہ پر دئے کہ نفع نقصان برابر، روپیہ میرا، محنت تمہاری ــــ بکر نے عمر سے کہا کہ میں کپڑے کی خریداری کے لئے جارہا ہوں اور اسی ارادہ سے مبلغ بارہ سو (۱۲۰۰) روپیہ لے کر چاند پور گیا، جس میں دوسو روپے زید کے اور ایک ہزار عمر کے شامل تھے۔ چاند پور میں اتفاقیہ ایک دوسرا مال مل گیا جس میں بظاہر بکر کو کچھ نفع معلوم ہوا چنانچہ بکر نے اپنی ذمہ داری پر منڈی سے مزید روپیہ بارہ آنے فی سینکڑہ سود پر روپیہ لے کر اور یہ روپیہ ملاکر مبلغ پانچ ہزار روپیہ کا مال خریدا، دوسرے روز فروخت کرکے قرضہ کی رقم ادا کی اور اصل رقم کا کپڑا خرید لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ بکر نے اپنی رائے سے جو مال خرید کر نفع حاصل کیا اس میں بارہ سو کی رقم دوسرے دو شرکاء (زید و عمر) کی شامل ہے جن سے اس مال کی خریداری کی اجازت نہیں لی گئی تھی تو جو منافع بکر نے حاصل کیا ہے وہ باقی دو شرکاء پر شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

شمس الدین۔ (سیوہارہ)

۶ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

الجواب

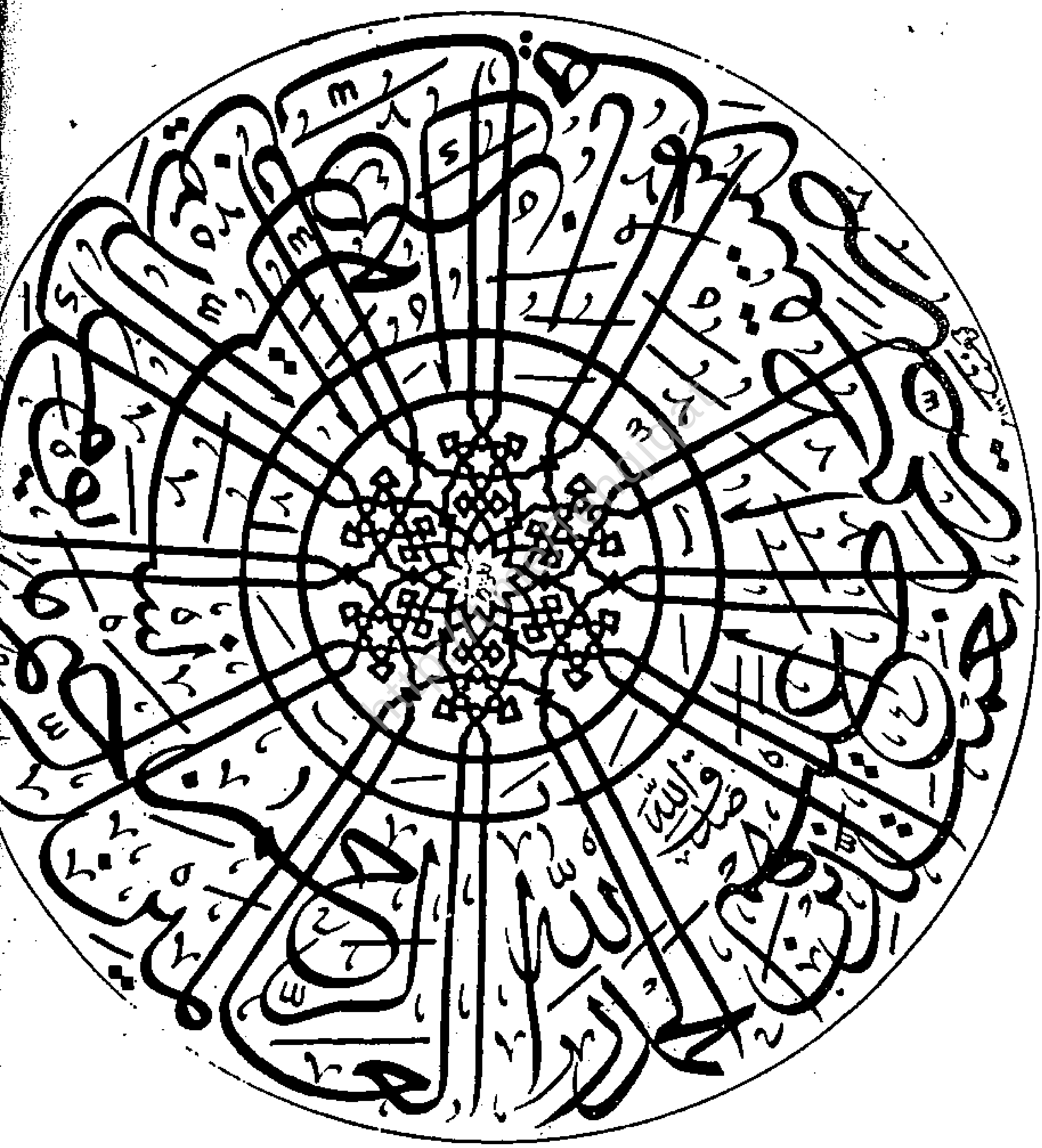
صورت مذکورہ میں زید نے عمر نے کسی خاص تجارت کی قید نہیں لگائی تھی البتہ زید کی یہ قید ضرور تھی کہ اس کے مشورے سے تجارت کا مال خریدا جائے، پس اگر اس کے بلا مشورہ یہ مال خریدا ہے تو اس کی مخالفت ضرور ہوئی اس لئے اس کے مال میں بکر غاصب قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا اس کے دو سو روپے کا بکر ضامن ہے گو زید کا اس وقت اس تجارت پر اعتراض نہیں لیکن اگر اس میں نقصان ہوتا یا اس کا مال تلف ہو جاتا تو وہ (عمر) اس کا ذمہ دار نہ تھا اور شرعاً اپنے دو سو روپے کا مستحق تھا۔ لیکن عمر نے کوئی قید نہ لگائی تھی اس لئے نفع کا $\frac{1}{2}$ اس کو ملے گا باقی $\frac{1}{2}$ بکر لے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(امام)
محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

الرزق علی اللہ

پانچواں باب

اوقاف



(سوال نمبر ۱۹۱) موضع اتھینی پرگنہ گڈھ مکتیسر تحصیل ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں عید گاہ نہیں ہے، ایک مسجد آبادی کے باہر غیر آباد پڑی ہوئی ہے، ابتک اس میں عیدین کی نماز ہوتی رہی ہے، اب ارادہ ہے کہ مسجد مذکور کو شہید کر کے عید گاہ بنادی جائے کیا یہ جائز ہے یا نئی عید گاہ بنانا بہتر ہوگا۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

مسجد کے احکام عید گاہ سے جدا ہیں اور مسجد کو عید گاہ کی صورت میں لانے سے ان احکام کا لحاظ نہیں رکھا جا سکے گا نیز اس ہیئت کی تغییر میں واقف کی منشاء کی بھی مخالفت ہے جو ناجائز ہے پھر بلا تغییر ہیئت اس وقت تک اس میں نماز عید بھی ادا کی جاتی رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تغییر کی کچھ زیادہ ضرورت بھی نہیں بنابریں اس مسجد کو اس ہیئت ہی پر رکھنا ضروری ہے، البتہ اگر کشادہ کرنے کی ضرورت ہو تو اور زمین شامل کر کے اس کو بڑھایا جا سکتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر بھی عید گاہ بنانے کی ضرورت نہیں کہ اس صورت میں مسجد مذکور کی تعطیل لازم آتی ہے اور وہ بھی ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د،

(سوال نمبر ۱۹۲) شاہ نواز خاں مرحوم نے غدر سے پہلے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ایک مسجد واقع محلہ مسجد تہور خاں میں تعمیر کرائی اور مسجد کے ملحق بہت سی اراضی متعلقہ مسجد یعنی صحن مسجد خام رکھا۔ مسجد مذکور میں جب سے اس وقت تک نماز پنجگانہ، نماز جمعہ اور تراویح وغیرہ ہوتی رہیں۔ امام اور موذن بھی ہمیشہ سے اس مسجد میں بستے چلے آئے ہیں اور اب بھی رہ رہے ہیں۔ مسجد کا دروازہ بالکل الگ ہے جس کا دوسرے مکان یا راستہ سے کچھ تعلق نہیں ہے، ایسی صورت میں یہ مسجد کسی شخصیت کی ملکیت یا وقف خاص ہو سکتی ہے یا وقف عام؟

جس قدر اراضی وجائداد متعلقہ مسجد تھی متولی مسجد اس کو فروخت کر کے خرد برد کر گیا ہے جو اس کو جائز نہ تھا، ایسے شخص کی تولیت کا حق ثابت ہے یا نہیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب وھو الموفق للصواب

مسجد پر جب شرعاً مسجد ہونے کا حکم ہو جاتا ہے تو وہ وقف خاص نہیں ہوتی لان المسجد ما لا یکون لاحد فیہ حق المنع (کذا فی الہدایہ)۔ اور صورت مذکورہ میں بلاشبہ تمام ائمہ کے نزدیک یہ مسجد مسجد ہے نہ اس کا کوئی مالک ہو سکتا ہے نہ کسی خاص قوم کو اس دعوی کا حق ہے کہ یہ صرف ہم پر وقف ہے دوسری قوم اس سے منتفع نہیں ہو سکتی۔ عالمگیری میں ہے:۔

لو جعل رجلا واحدا موذنا واماما فاذن واقام وصلی وحده لاصا مسجد بالاتفاق (کذا فی الکفایہ وفتح القدیر)

اور تنویر الابصار میں ہے :-

فاذا تم ولزم لا یملك ولا یعار ولا یرھن انتہی۔ فقط

اس جائداد کی بیع باطل ہے لانہ لا یقبل التملیك لغیرہ بالبیع ونحوہ لاستحالۃ تملیك الخارج عن ملکہ (انتہی مافی الشامی) پس حاکم پر واجب ہے کہ اس بیع کے بطلان کا حکم دے اور اس جائداد کو مسجد پر رد کر دے اور ایسے شخص کو معزول کر دے ورنہ گنہ گار ہوگا۔ چناں چہ درالمختار میں ہے :-

وینزع وجوبا بزازیہ لوالواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون (انتہی مافیہ) وقال العلامۃ الشامی مقتضاہ اثم القاضی بترکہ والاثم بتولیہ الخائن ولا شك فیہ بحر انتہی - فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب -

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۳)

(۱) ایک مسجد ریلوے اسٹیشن کے درمیان میں آگئی ہے راستہ نہایت خطرناک ہوگیا ہے، اور خطرہ ہے کہ کوئی نمازی ضائع ہو جائے۔

(۲) راستہ اس قدر مخدوش ہوگیا ہے کہ آمدورفت بہت مشکل ہے۔

(۳) مسجد کے متصل گرتے ایسے ہیں کہ مسجد منہدم ہو جانے کا بھی خطرہ ہے، مسجد کی پشت کے کونے کی طرف حدود مسجد سے بڑھے ہوئے دو حجرے ہیں، جو تعمیر مسجد کے بعد عرصہ گذر جانے پر کسی شخص نے بنوا دیئے ہیں، مگر یہ تحقیق نہیں کہ زمین حجروں کی موقوفہ ہے یا نہیں اب ریلوے کہتی ہے کہ یہ دونوں حجرے ہمکو دیدو اس کے عوض میں دو حجرے جدید بنوا دیئے ہیں وہ لے لو، وجہ لینے حجروں کی یہ ہے کہ ریلوے دوسری لائن ڈالے گی تاکہ آپس میں گاڑیوں کا تصادم نہ ہو اور آمدورفت میں کوئی حرج واقع نہ ہو۔ ریلوے یہ کہتی ہے کہ تم ہم سے تبادلہ کر لو گے تو ہم ساری مسجد کی درستگی اور پورے طور پر حفاظت کردیں گے اور راستہ آمدورفت نمازیاں بہت محفوظ اور قریب سے کر دیں گے تاکہ نمازیوں کے لئے کسی قسم کی تکلیف اور کوئی خطرہ نہ ہو۔

حالت موجودہ میں مسجد بالکل غیر آباد ہے، بصورت استبدال آباد ہو جاوے گی اور کسی قسم کا اندیشہ بھی نہ رہے گا، اگر ریلوے سے مصالحت اور استبدال نہ کیا جائے تو مسجد میں جانے کا راستہ غیر

محفوظ اور خطرناک ہوگا جس میں نمازیوں کی جانیں ضائع ہونیکا اندیشہ ہر وقت رہے گا ـــــــ از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔ بعض مساجد اسٹیشن میں گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں اگر یہ معاملہ طے ہوگیا تو ہم کو وہ مسجدیں بھی بدل جاویں گی۔

الجواب

بندہ نے مسجد مذکور کے موقع کو دیکھا ہے اور ہر ایک اعتبار سے مصالح مسجد و نمازیوں کا مقتضی یہ ہے معلوم ہوا کہ مذکورہ حجروں کو بدل لیا جاوے کیوں کہ بعد تسلیم اس امر کے کہ وہ حجرے وقف ہیں استبدال وقف کو بھی بعض صورتوں میں فقہاء نے جائز رکھا ہے درمختار میں ہے:-

واما الاستبدال ولو للمساکین بدون الشرط فلا یملکہ الا القاضی

درر و شرط فی البحر خروجہ عن الانتفاع بالکلیۃ وکون البدل عقارا

والمستبدل قاضی الجنۃ المفسر بذی العلم والعمل الخ

پس چوں کہ عدم استبدال کی صورت میں بہت مضرتیں ہیں اور مسجد کا بقاء دشوار ہے اور ویرانی اس کی تو لابدی معلوم ہوتی ہے اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ استبدال کی اجازت دی جائے اس صورت میں مسجد کا راستہ قریب ممر عام سے ہونا متصور ہے اور استحکام مسجد و آبادی مسجد و انتظام حجرہ وغیرہ بخوبی ہو جاوے گا، اور بصورت عدم استبدال یہ تمام امور مفقود ہیں اور بظن غالب کچھ زمانہ کے بعد وہ مسجد بھی ریلوے کے تصرف میں آجاوے گی کیوں کہ مسجد مذکور آبادی سے علیحدہ ہے اور کوئی محلہ اب وہاں آباد نہیں ہے اس کی آبادی بصورت موجودہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ راستے کے گذرنے والے مسلمان نماز پڑھیں اور منتظمین مسجد مسجد کی ضروریات کا انتظام رکھیں اور موذن و امام مقرر کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عزیز الرحمٰن عفی عنہ

مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳ ربیع الاول ۵ ۴ ھ

الجواب ھو الموفق للصواب

اگرچہ صورت مذکورہ میں استبدال وقف جائز نہیں لفقدان شرائط لیکن جب نفس مسجد کے ویران ہی نہیں بلکہ اس کے منہدم اور برباد ہونے کا ظن غالب کیا جاتا ہے اور راستہ کے لئے کوئی کوشش کارآمد ثابت نہ ہوئی یہاں تک کہ اب راستہ ملنے سے مایوسی ہو چکی اور سوائے اس ایک طریقہ استبدال کے دوسرا کوئی ایسا جائز طریقہ نظر نہیں آتا جس کے اختیار کرنے سے یہ مسجد آباد رہ سکے تو پھر ایسی صورت میں

مسلمان استبدال پر مجبور ہیں لانہ اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمہما ضررا بارتکاب اخفہما قال الزیلعی فی باب شروط الصلوٰۃ ثم الاصل فی جنس ھذہ المسائل ان ابتلی ببلیتین وھما متساویتان یاخذ بایتہما شاء وان اختلفا یختار اھونہما انتہی ما فی الاشباہ والنظائر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۴) ایک جگہ جہاں بطور مسجد سال ہا سال تک نماز ہوتی رہی تقریباً پچیس سال سے اس مسجد قدیمہ کے نصف سے زائد حصے کو مٹی سے بھر کر اور کرسی ڈال کر اوپر نئی مسجد بنا دی گئی باقی حصہ چھوڑ دیا گیا اس پر بھی لوگ برابر نماز پڑھتے رہے اب خیال ہے کہ اس جگہ پر دوکانیں بنا دی جائیں کیا صورت مذکورہ میں یہ جائز ہوگا۔ بدلائل قطعیہ انغ فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

مستفتی
اسحاق علی
از بیکانیر۔ (بھارت)

ھُوالموفق

اگر مسجد قدیم پر مسجدیت کا حکم ہو چکا تھا تو اب اس کے حصے پر جس پر بنا واقع نہیں ہوئی، دکانیں نہیں بنائی جا سکتیں لقولہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر الآیۃ۔ اور درمختار میں ہے:۔
لوبنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیہ ثم اراد البناء منع۔ انتہی ما فیہ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۵)
(۱) ایک مسجد کی چار دیواری پختہ بنی ہوئی ہے اور چار دیواری کے باہر بھی اراضی مسجد کی ہے اور کچھ اراضی مسجد پر قبرستان بھی موجود ہے۔ اس اراضی پر منتظمان مسجد نے کرایہ داران عملے آباد کیے ہوئے ہیں چنانچہ احاطہ مسجد کی ایک دیوار پر کرایہ داران نے اپنے مکانات کی دیوار تعمیر کر کے رہائشی مکان ہموار رکھا ہے آیا ان کرایہ داران عملہ داروں منتظمان مسجد کا یہ فعل درست ہے اور دیوار مسجد پر عملہ ڈال کر اس پر رہنا شرعاً جائز ہے؟

(۲) اس مسجد کی اراضی میں قبرستان بھی ہے ان قبروں پر مسجد کے غسل خانے کا اور وضو کا پانی گرتا ہے نیز بعض مکان جو اراضی مسجد پر آباد ہیں ان کا گندہ پانی بھی قبروں پر گرتا ہے اور ایک اکھاڑہ قبروں میں اراضی مسجد منتظمان نے بغیر کرایہ کے دے رکھا ہے، آیا اس سے مسجد و قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں اور آیا منتظمانِ مسجد کا یہ فعل درست ہے ؟

(۳) اس مسجد کے اور اراضی مسجد کے انتظام کے لئے تمام قوم نے دو اشخاص کو منتظم مقرر کیا تھا اس شرط کے ساتھ کہ اگر وہ قوم کی مرضی کے خلاف کام کریں گے تو قوم کو حق ہوگا کہ ان کو علیحدہ کر کے دوسرے آدمی ان کی بجائے مقرر کر دیں، اب قوم کی اکثریت ان کے کام سے ناخوش ہے چوں کہ حسابات بھی غلط اور فرضی بنا رکھے ہیں - قوم کی اکثریت نے ان کو منتظمی سے علیحدہ کر دیا ہے مگر وہ بموجب شرائط علیحدہ نہیں ہوتے، چناں چہ قوم نے ان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا ہے جس کا خرچ قوم کے چندہ سے پیدا کیا جا رہا ہے مگر مذکورۃ الصدر دونوں منتظمین نے جو جوابی دعوی کیا ہے وہ مسجد کی آمدنی سے اس خرچ کو پورا کر رہے ہیں آیا ان کا یہ فعل جائز ہے ؟

(۴) مسجد ہذا مرمت طلب ہے اور بغرض رفع تکلیف اور نمازیوں کی آسائش کے لئے اس مسجد پر خرچ کی ضرورت ہے مگر منتظمان بجائے اس طرف متوجہ ہونے کے اراضی مسجد کا صرفہ ایک مدرسہ میں دکھلا رہے ہیں جو خود انہوں نے اپنے نام سے کھول رکھا ہے کیا ان کا یہ فعل جائز ہے ؟

(۵) اراضی مسجد پر کرایہ داران نے عملے بنا رکھے ہیں بوقت کرایہ داران عمارہ خرید و فروخت منتظمانِ کرایہ داران سے بطور نذرانہ بغیر لئے خرید و فروخت نہیں کرنے دیتے اس طور پر نذرانہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور شرعاً نذرانہ لینا کیسا ہے ؟ فقط بینوا و توجروا

(ماخوذ از)

رسالہ المرشد دہلی، جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، ص ۳۰۰، ۳۰۱ ملخصاً

الجواب

(۱) دیوار مسجد پر کرایہ داران کو اپنی دیوار قائم کر کے عمارت بنانا درست ہے ردالمحتار میں ہے :-

او یوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقادا (انتہی)

(۲) ان افعال سے اہل قبور کی بے حرمتی ظاہر ہے مسلمانوں پر جس طرح زندہ مسلم کی حرمت لازم ہے اسی طرح وفات یافتگان کی بھی حرمت واجبات سے ہے چناں چہ فتح القدیر میں ہے :-

الاتفاق علی ان حرمۃ المسلم میتا کحرمتہ حیا -

اور شامی میں ہے :-

المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی

یعنی میت بھی اسی شے سے ایذا پاتی ہے جس شے سے زندہ تکلیف پاتا ہے۔

(۳) اگر منتظمان سے کسی قسم کی خیانت متحقق ہے تو بیشک یہ معزولی کے مستحق ہیں، صورت مذکورہ میں تو ان سے معاہدہ ہو چکا ہے، اگر معاہدہ بھی نہ کیا گیا ہوتا تب بھی ان کو علیحدہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا۔ درمختار میں ہے:۔

وینزع وجوبا لواقف غیر مامون فغیرہ بالاولیٰ۔ (انتہی ملتقطا)

پس اگر یہ علیحدہ نہ ہوں گے اور قوم کی مخالفت میں مسجد کا روپیہ صرف کریں گے تو اس روپے کے ضامن ہونگے اور قوم وہ روپے بھی ان سے وصول کر سکے گی۔

(۴) مسجد کا روپیہ مدرسہ میں صرف نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ مسجد کو فی الحال اس کی ضرورت نہ ہو، اور جب کہ مسجد کو اس روپیہ کی ضرورت بھی ہے تو اس حالت میں اس پر صرف نہ کرنا اور اس کی بجائے مدرسہ پر صرف کرنا صریحاً خیانت ہے۔

(۵) یہ نذرانہ رشوت ہے جس کا لینا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۱۹۶) کیا ایک مسجد کی اشیاء کو دوسری مسجد میں لگایا جا سکتا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

تنویر میں ہے:۔

حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنہما وارباط والبئر اذا لم ینتفع بہما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر الی اقرب المسجد اورباط او بئر الیہ۔

یعنی جب بھی کبھی فاضل شے کی ضرورت مسجد وغیرہ میں نہ ہو گی تب دوسری میں خرچ کی اجازت ہے۔ نیز اسی میں ہے:۔

صرف نقضۃ الی عمارتہ ان احتاج والا حفظ لیحتاج۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۱۹۷) ایسی مسجد جس کی آمدنی مسجد کے اخراجات سے فاضل ہے، اس آمدنی کو اس مسجد کا متولی یا اس کی منتظمہ کمیٹی دوسری لاوارث ضرورت مند مسجد جس کی مستقل کوئی آمدنی نہیں ہے اس کے امام یا کسی دینی اسلامی مدرسہ میں بطور امداد خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب

اگر یہ امید ہو کہ اس فاضل آمدنی کی ضرورت اس مسجد کو کبھی واقع نہ ہوگی تو اس کو اس کے قریب کی ضرورت مند مسجد کے لئے تو دیا جاسکتا ہے مدرسہ وغیرہ کے لئے نہیں دیا جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۳۰ جنوری ۱۹۶۰ء)

(سوال نمبر ۱۹۸) چند مساجد و مقابر بیرون ترکمان دروازہ (دہلی) جو انقلاب زمانہ کی وجہ سے زمین میں دب گئے تھے اور اب برآمد ہوئے ہیں مگر اس وقت تک حکومت کے قبضے میں ہیں جس میں سے ایک مسجد اور چند مقابر شہید و منہدم بھی کر دئے گئے ہیں، اگرچہ مشترکہ بورڈ انجمن ہائے دہلی نے ان کے تحفظ کے لئے گورنمنٹ کے پاس مسلمانوں کے مطالبات بھیجے ہیں لیکن تا ہنوز کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا اس لئے علمائے کرام کی جناب میں التماس ہے کہ ہم کو بتلائیں کہ ہم ان کے تحفظ کے لئے کیا صورت اختیار کریں۔ بینوا و توجروا۔

ھوالموفق

ظاہر ہے کہ اوقاف کسی کی ملک نہیں خصوصًا مساجد کہ ارشاد باری ہے :۔

ان المساجد للہ

اور قانونِ انگریزی کی رو سے بھی تمام اوقاف محفوظ ہیں جس کی بنا پر ہمیشہ یہ صورت رہی ہے کہ جس شخص نے بھی اوقاف میں سے کسی وقف کو نقصان پہنچانا چاہا یا اس کی آمدنی کو غیر مصرف میں صرف کرنے لگا فورًا حکومت سے چارہ جوئی کرکے اس کے تصرفات کو روک دیا گیا، پس یہی صورت یہاں بھی اختیار کی جائے اور وکلاء سے مشورہ کرکے اس شخص پر جس کے حکم سے اس مسجد اور مقابر کو منہدم کیا گیا ہے دعویٰ کیا جائے تاکہ پچھلے نقصان کی تلافی ہو اور آئندہ کے لئے ایسے افعال شنیعہ کا انسداد ہو اور جو مساجد و مقابر حکومت کے قبضے میں ہیں وہ بھی مسلمانوں کے لئے واگذاشت ہوں۔ جب مشترکہ بورڈ نے اس کام کو

اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے (جس میں تمام مسلم انجمنوں کے نمایندے کارکن ہیں) تو ایسی صورت میں بہت جلد کامیابی کی امید ہے لیکن پھر بھی چوں کہ یہ کوئی معمولی کام نہیں اس لئے ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متفقہ طور پر اس میں کوشش کریں جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر محلہ کے سربرآوردہ حضرات اراکین مشترکہ بورڈ سے مل کر اس میں جو کارروائی کی جارہی ہے اس کے حالات معلوم کرتے رہیں تاکہ اس انجمن کو اگر کسی قسم کی امداد کی ضرورت پیش آئے تو بآسانی امداد کی جاسکے۔

مسجد کی حفاظت اگرچہ واجب علی الکفایہ ہے اور مشترکہ بورڈ کی کوشش تمام مسلمانوں سے اس کے وجوب کو ساقط کردیتی ہے لیکن جب خود مشترکہ بورڈ اس کے تحفظ کے اسباب بہم پہنچانے میں حیران ہے تو ایسی صورت میں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس کمیٹی کی اس میں اعانت کرے ورنہ گنہ گار ہوگا کہ اسلام میں ہدم مسجد کا گناہ شرک کے قریب کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے :-

ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ الآیۃ

یعنی اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کرے اور ان کے برباد کرنے میں کوشش کرے۔

پس ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ جب وہ ایسے ظالم کا انسداد کرسکے تو اپنی پوری کوشش صرف کرنے سے کبھی دریغ نہ کرے ورنہ عالمگیر عذاب کا اندیشہ ہے لقولہ علیہ السلام :-

ان الناس اذا رأوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیہ اوشك ان یعمہم اللّٰہ بعقابہ منہ - (رواہ ابوداؤد)

جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جب ظالم کے ظلم کو دیکھ کر اس کو اس ظلم سے نہ روکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے اس جمود کی وجہ سے عام عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔"

اور جب ہدم مساجد کے گناہ کی عظمت اور اس میں طاقت ہونے کے باوجود کوشش نہ کرنے کا وبال معلوم ہوچکا تو اسی سے تحفظ مساجد کے ثواب کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کیا کچھ ہوگا۔ اعمال صالحہ میں ایمان کے بعد انہیں جیسے اعمال کا مرتبہ ہوگا چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں :-

فاذا کان الساعی فی تخریبہ فی اعظم درجات الفسق وجب ان یکون الساعی فی عمارتہ فی اعظم درجات الایمان۔

بلکہ خود باری تعالیٰ جل مجدہ فرماتا ہے :-

انما یعمر مساجد اللّٰہ الآیۃ۔ (یعنی) مسجد کی تعمیر تو وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر

ایمان رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

"جو شخص اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر تیار فرماتا ہے۔"

یہاں شاید یہ شبہ پیدا ہو کہ صورت مذکور میں تو تعمیر مسجد نہیں ہے اور یہ فضائل تعمیر مسجد کے باب میں ہیں، سو یاد رہے کہ خواہ مسجد کا بنانا ہو یا اس کی اصلاح اور اس کی حفاظت کرتے رہنا ہو یا محض اس میں نماز کے لئے داخل ہو کر اس کو آباد رکھنا، سب تعمیر مسجد میں داخل ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے :۔

عمارتها تكون بوجهين احدهما بنائها واصلاحها والثانی حضورها ولزومها۔

الحاصل مذکورہ واقع میں اعانت کرنا خواہ رائے دینے کے ساتھ ہو یا روپیہ کی مدد سے اور دوڑ دھوپ کی کوشش سے ہو یا فقط دوسرے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنے سے، جس طرح بھی ہو ہر مسلمان پر ضروری ہے اور ان حضرات کے فرائض سے ہے جو خطاب یافتہ اور گورنمنٹ کی نگاہ میں معزز سمجھے جاتے ہیں، ان کو چاہیئے کہ وہ گورنمنٹ کو اس کی اہمیت سے مطلع کریں اور اس کو سمجھائیں کہ قطع نظر آپ کے مواعید کے ایسے وقت کہ ملک کی فضا خراب ہو رہی ہے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھکرا دینا اور ان کے دین کی اہانت کر کے ان کو اپنا دشمن بنا لینا مصلحت وقت سے بہت بعید ہے اور شتر کہ بورڈ کو بھی چاہیئے وہ اس جدید عہد میں تہذیب کو ہاتھ سے نہ دے اور عقل و شریعت کے خلاف کوئی حرکت کر کے اس راہ کو پُرخطر نہ بنائے اسی طرح عوام پر بھی لازم ہے کہ وہ اس انجمن کے خلاف راہ عمل اختیار کر کے اس کے لئے مشکلات نہ پیدا کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(نوٹ) یہ فتویٰ تقریباً تیس سال قبل تحریر فرمایا تھا۔

(سوال نمبر ۱۹۹) زید ایک محلے کی مسجد کا متولی ہے اس مسجد کے صحن کے نیچے صرف دو دکانیں تھیں، زید نے صحن مسجد کے نیچے کھود کر اور ان دونوں دکانوں کو ملا کر ایک گودام سا بنا لیا ہے اور خود ہی اس پر قابض ہو گیا ہے اور کرایہ بھی نہیں دیتا۔ آیا متولی مذکور کا یہ فعل جائز ہے اور اگر ناجائز ہے تو کیا ایسے متولی کو مسجد کی تولیت سپرد کی جا سکتی ہے۔ اور کیا گودام کو توڑ کر پہلی حالت پر کر دیا جائے؟

(بینوا وتوجروا)

الجواب

(مسجد کے) بانی نے جو دکانیں مسجد کے فرش کے نیچے اس کے خرچ کے لئے نکالی ہیں وہ تو جائز تھیں لیکن پھر جو تمام فرش کے نیچے خلا کر کے ایک گودام بنالیا ہے یہ ناجائز ہے، بہرحال اب اس کو یونہی رہنے دیا جائے اور معقول کرایہ پر چند سال کی مدت مقرر کر کے اس کو دیا جائے اور سابق متولی کو معزول کر دیا جائے کہ یہ خائن ہے اور دوسرا متولی مقرر کر دیا جائے کہ اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات میں خرچ کرے اور بقایا کو محفوظ رکھے ——— فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۰)

(۲) کیا مسجد کو رہائش کے لئے کراس کا کرایہ یا معاوضہ امام یا موذن یا متولی کو جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یا خود امام یا موذن یا متولی کو مسجد رہائش کے لئے دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) کیا متولی یا منتظمہ کمیٹی کو شرع کے رو سے اختیار ہے کہ آباد یا غیر آباد مسجد کو کرایہ پر دے۔ اگر اختیار نہیں ہے تو یہ لوگ قابل سرزنش ہیں یا نہیں؟

(۵) کیا لوگوں کا یہ فعل کہ مسجد کو ڈھا کر یا ملحقہ حجرہ یا زمین موقوفہ کو فروخت کریں درست ہے یا نہیں؟

(۶) اوقاف کی جملہ املاک یا بعض کو اپنے تصرف میں لانا اس کے حسابات وغیرہ کو غلط طور پر درج کرنا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو ایسا کرنے والے قابل سرزنش ہیں یا نہیں؟

(۷) عام مسلمانوں کو مسجد کے متعلق حسابات نیز دیکھنے اور حفاظت کرنے کا حق ہے یا نہیں نیز موقوفہ جائداد کے متعلق واقف کے ورثاء اور دیگر مسلمانوں کو حق ہے یا نہیں؟

(۸) کیا عام مسلمانوں کو حق پہنچتا ہے کہ مسجد یا موقوفہ جائداد کے خراب ہونے کی صورت میں عدالتی چارہ جوئی کریں یا نہیں؟

(۹) کیا ترمذی شریف میں کوئی روایت ہے کہ قرب قیامت میں علماء خائن ہوں گے۔

(۱۰) کیا مسلمانوں کو مسجد میں باوضو داخل ہونا چاہیئے یا بے وضو اور اگر مسجد میں سوتے وقت محتلم ہو گیا تو کیا کرے۔؟

الجواب

(۲تا۸) مسجد یا اس کے کسی جز کو جو خادمان مسجد یا دوسری ضروریات مسجد کے لئے واقف نے بنایا ہے کرایہ پر

دینا یا اس کو فروخت کر دینا یا بلا معاوضہ ہی اس میں سکونت اختیار کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں یقیناً حرام ہے لان شرط الواقف کنص الشارع۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اشد درجہ کے ظالم اور سخت سرزنش اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں۔ آیۃ کریمہ ومن اظلم الآیہ (سورہ بقر) کی وعید شدید سے انہیں خوف کرنا چاہیئے، آیۃ کریمہ ان لوگوں کے حق میں وارد ہے جو مساجد کو مساجد کی شان میں رکھتے ہوئے کسی کو صرف اس میں نماز اور ذکر اللہ سے روکے اور جو خود مسجد ہی کو مسجدیت سے نکال دے اس کے جرم کی عظمت کا تو ٹھکانہ ہی کیا ہے کہ اس نے تو اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کی ٹھانی ہے اور اس کی خالص ملکیت پر غاصبانہ قبضہ کر رہا ہے۔ آج کسی کی ملکیت پر کوئی غاصبا قبضہ کرتا ہے تو بچاس اس کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں اور بیشک شرعاً ان پر واجب بھی یہی ہے تو یہ کیسے ممکن کہ مسلمانوں کو اپنے مالک و مولیٰ کی ملکیت کی حفاظت کا حق ہی نہ ہو۔ حالاں کہ وہ تعالیٰ مسلمانوں سے اس کا مطالبہ فرما رہا ہے چناں چہ فرماتا ہے کہ :۔

"مسلمانوں اللہ کے (دینی امور میں) مددگار ہو جاؤ" (سورۂ صف)۔

نیز اس کے فوائد بیان فرما کر اس پر برانگیختہ فرماتا ہے، چناں چہ فرماتا ہے کہ :۔

"اگر تم (دین) خدا کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔"

(سورۂ محمد)

اور اسی سورت میں بعض جہلاء کے اس قول کا رد فرماتے ہوئے کہ اسی کی چیز ہے وہ خود ایسے لوگوں سے بدلہ لے لے گا، اس کی حکمت بیان فرماتا ہے کہ :۔

"اگر اللہ چاہتا تو بیشک خود ہی ایسے لوگوں سے بدلہ لے لیتا لیکن اس نے تم میں سے بعض کی بعض کے ذریعہ آزمائش فرمائے" (تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے)

(۹) یہ روایت مجھے یاد نہیں اور اس وقت میرے نزدیک ترمذی شریف بھی نہیں ہے۔ ہاں اس مضمون کی احادیث ضرور مروی ہیں اور خیانت سے مراد مداہنت فی الدین ہے۔ اور اپنے مفاد یا کسی کی رعایت کی وجہ سے نصوص شرعیہ کے مطالب کا بدل دینا ہے۔

(۱۰) ہاں مستحب یہی ہے کہ مسجد میں باوضو داخل ہو لیکن بے وضو داخل ہونے میں بھی حرج نہیں اور مسجد میں سونے کی حالت میں اگر احتلام ہو جائے تو بعد بیداری فوراً تیمم کر کے مسجد سے خارج ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مہر (۱۴)

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۱) کافر اگر اپنی خوشی سے مسجد کے لئے چندہ دے تو وہ اس میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ کی توضیح و تشریح فرما دیں۔ بینوا توجروا۔

ھُوالموفق

اگر کافر نے کسی خاص قوم کو چندہ دیا ہے اس لئے کہ وہ اپنے لئے مسجد بنالیں تب تو بہرحال اس چندہ کا مسجد میں لگانا جائز ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اور اگر کسی ایسے مسلمان شخص کو دیا جو عام مسلمانوں کا وکیل تھا تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ اگر کافر کے اعتقاد میں مسجد بنانا ثواب کا کام ہے تب تو اس کا چندہ مسجد میں لگایا جائے ورنہ نہیں۔ ہدایہ شریف میں ہے :-

اذا اوصی بما یکون قربۃ فی حقنا ولا یکون قربۃ فی معتقدھم کما اذا اوصی بالحج او بان یبنی مسجد المسلمین او بان یسرج فی مساجد المسلمین فھٰذہ الوصیۃ باطلۃ بالاجماع اعتبارا لاعتقادھم الا اذا کان لقوم باعیانھم لوقوعہ تملیکا لانھم معلومون والجھۃ مشھورۃ ومنھا اذا اوصی بما یکون قربۃ فی حقنا وحقھم کما اذا اوصی بان یسرج فی بیت المقدس او یغزی الترک وھو من الروم وھٰذا جائز سواء کانت لقوم باعیانھم او بغیر اعیانھم لانہ وصیۃ بما ھو قربۃ حقیقۃ وفی معتقدھم ایضًا (انتھی)

اور آیۃ کریمہ میں تعمیر مساجد کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے لہٰذا اس سے اس پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ کفار سے چندہ نہ لیا جائے کہ اول تو اس فعل سے وہ مسلمانوں پر احسان رکھنا چاہتے ہیں دوسرے بعض علماء نے آیۃ کریمہ پر نظر رکھتے ہوئے اس سے ممانعت فرمائی ہے چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے :-

یجب علی المسلمین منعھم من ذالک لان مساجد اللّٰہ انما یعمر لعبادۃ اللّٰہ وحدہ فمن کان کافرا باللّٰہ فلیس من شانہ ان یعمرھا (ص-۱۰۰) انتھی

فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۲) زہرہ نامی ایک طوائف نے تائب ہوکر اپنی شادی حاجی محمد صدیق صاحب سے کرلی، پھر اپنے دو ذاتی مکان حاجی صاحب موصوف کو ہبہ کر دیئے جس کے بعد پورے طور پر رجسٹری بھی ہوگئی، مکانات مذکور پر قابض ہونے کے بعد ان دونوں مکانات کو ایک مسجد (رنگیلے شاہ) کے نام وقف کر دیا، شرائط وقف کے تحت کچھ عرصہ تک زہرہ موصوفہ اس کی متولیہ ہیں، ان کی وفات کے بعد ان کے شوہر حاجی صاحب متولی رہے، ان کے انتقال کے بعد اس کی تولیت محلے کے چند منتخبہ حضرات کے سپرد کردی گئی جو حاجی صاحب کی حیات ہی میں منتخب کرلئے گئے تھے، اب وہی لوگ متولی ہیں۔ کچھ لوگ معترض ہیں کہ یہ وقف بالکل ناجائز ہے اور اب مقدمہ بازی پر

آمادہ ہیں۔ از راہ کرم بدلائل واضح فرمائیں کہ از روئے شرع یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟

مستفتی
محمد خاں ولد گلزار خاں
بنارس (بھارت)

ھُوالموفق

اوّل تو ممکن ہے کہ یہ مکان فاحشہ کو کسی سے ترکے میں ملے ہوں تو اس صورت میں ان مکانوں کے وقف ہونے میں شبہ ہی کیا ہے اور اگر یہ ثابت ہو کہ اس نے اپنے پیشے کی نیکی حالت میں یہ مکانات حاصل کئے ہوں تو اس حالت میں بھی چوں کہ وہ بعض صورت میں مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس نے یہ مکان اسی مال سے خریدے ہوں اور ان کو حاجی صاحب کو ہبہ کئے ہوں پس اس صورت میں بھی حاجی صاحب کا ان مکانوں کو وقف کرنا صحیح ہے کہ وہ ان کی ملکیت میں آچکے تھے اور اگرچہ یہ ثابت ہونا قریب ناممکن ہے کہ اس نے خاص اس حرام مال سے خریدے تھے جو اس کی ملکیت ہی میں نہیں آیا تھا تب بھی ایسے مال سے جو شے اس طرح خریدی جاتی ہے کہ نہ اس مال کو خرید سے پیشتر دیا جاتا ہے نہ خرید سے پیشتر اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے وہ شے حلال اور جائز ہوتی ہے پس اس کا ہبہ، وقف بھی جائز ہوا۔

عن ابی حنیفۃ اذا اشتری الرجل بالدراھم المغصوبۃ طعاما ان اضاف الشراء الیھا ونقد غیرھا او لم یضف الشراء الیھا ونقد منھا لا یلزمہ التصدق الا ان یضیف الشراء الیھا ونقد منھا (کذا فی فتاوی قاضی خاں)

اور ظاہر ہے کہ رواج یہی ہے کہ اشیاء کی خرید کے بعد قیمت دی جاتی ہے بلا اس کے کہ مال کی طرف اضافت کی جائے اور کہا جائے کہ میں اس مال کے عوض یہ شے لیتا ہوں۔ غرض بہر حال ان مکانات کا وقف صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۳۱ جولائی ۱۹۶۰ء
۱۷ صفر المظفر ۱۳۸۰ھ

(سوال نمبر ۲۰۳) طوائف نے مرتے وقت اپنا سکنی مکان اس طرح وقف کیا کہ اس کی آمدنی سے مکان مذکور کی درستی و مرمت و مجلس محرم و شربت اور مسجد محلہ کی درستی کی جائے۔ کیا اس مکان کی آمدنی از روئے شرع مسجد میں لگائی جا سکتی ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

ھُوالموفق

اوّل تو یہی متحقق نہیں کہ مکان موقوفہ مال حرام سے بنایا گیا ہو اور اگر بالفرض مال حرام سے بھی بنائے مکان کے لئے اشیاء خریدی گئی ہوں تب بھی عموماً خرید فروخت اس طرح ہوتی ہے کہ مشتری مال لینے اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد قیمت ادا کرتا ہے اور چوں کہ نقود معاوضات میں متعین نہیں — کما فی الاشباہ حیث قال النقد لایتعین فی المعاوضات - اس لئے بیع کے اندر ثمن کا خبث شریک نہیں کہا جاسکتا اس لئے جو اشیاء خریدی گئیں وہ مشتری کی ملک میں بہ ملک صحیح آئیں اور تعمیر مکان میں کسی طرح حق خبث واقع نہیں ہوا پس بعد وقف اس کا کرایہ مسجد کی ضروریات میں اور ایصال ثواب کے لئے شربت وغیرہ میں صرف کرنے میں مضائقہ نہیں ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
امام
مسجد جامع فتحپوری، دہلی -

اعتراض[1]

اس جواب میں یہ خدشہ ہے کہ اگرچہ بیشک یہ صحیح ہے کہ نقد معاوضات میں متعین نہیں یعنی نقد مشار الیہ کا غیر عوض ہوسکتا ہے لیکن ہر بنی بعینہ جب مکان موقوف کی خرید میں قبضہ میں بائع کے یا کسی سامان کے ثمن یا اجیر کی اجرت میں قبضہ میں دیا گیا ہو تو وہ بالقبض متعین ہو جائے گا ۔ اور بنی کے ظاہر حال سے یہی مؤید ہے لہٰذا جب تک اس کی جانب سے اس قبضہ کا بیان نہ ہو کہ اس نے مکان موقوف پر مال حرام اس طرح صرف نہیں کیا، کسی سے قرض لے کر مکان بنایا پھر قرض اس مال سے ادا کیا جس طرح اجیر وغیرہ کو طوائف سے معاملہ کرنے میں اپنا حق وصول کرنے میں اس کے عوض لے کر دینے کو مکلف بنایا جاتا ہے ۔ لہٰذا مجیب صاحب اپنے جواب پر نظر ثانی فرمائیں ۔ فقط

ولایت احمد
مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری ،
دہلی ۔

---

[1] حضرت مولانا ولایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے صاحب زادگان کے استاد تھے اور حضرت کی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے ۔ لیکن ایسے حق گو تھے کہ کسی مسئلے میں ذرا بھی تردد ہوتا برملا اظہار فرما دیتے ۔ حضرت فقیہانہ وقار کے ساتھ ان کے تردداد کا ازالہ فرما دیتے ۔ پیش نظر اعتراض اسی قبیل کا ہے ۔

ھُوَ المُسَدِّد

میرے نزدیک جہاں تک ہو سکے ایسی صورت میں کہ کوئی صورت جواز کی بھی نکلتی ہو فعل مسلم کو اس ہی صورت پر حمل کرنا اولیٰ ہے سکنی مکان اکثر وارث کو مورث کے ترکہ میں ملتا ہے اور متروکہ مکان کو کسب حرام سے مورث نے حاصل کیا ہو وارث کے لئے حلال ہوتا ہے جب کہ وہ اس کے اصل مالک اقف نہ ہو کذا فی الدرر۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ نہیں یہ اس ہی کا بنایا ہوا ہے تو اوّل تو اس پر جزم ہی نہیں کیا جا سکتا معہذا اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ پاک مال سے حاصل کیا ہو کہ یہ لوگ اکثر ایسے ہی مال کو خیرات کرتے ہیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ کسب حرام کے مال سے اس نے حاصل کیا ہے تب بھی قیمت دینے سے پہلے جب وہ قابض ہو گئی تو یہ مکان آج ملک صحیح اس کی ملک میں آیا۔ اس کے بعد اگر وہ اس کی قیمت مہر بغی سے ادا کرے تو یہ شئے اس کی ملک صحیح کو حل کر فاسد کیسے کر دے گی۔ اور فرض کیجئے کہ شئے مورث فاسد ہو گئی تب بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کو خود تصرف میں لانا جائز نہیں لیکن جب اس نے اس کو وقف کر دیا تو اس سے بھی وہ بری ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی مکان کی بیع و شراء کو باطل تو کیا نہیں جا سکتا، فاسد ہی کہہ سکتے ہیں اور بیع فاسد میں اگر مشتری بیع کو وقف کر دے تو وہ وقف صحیح و لازم ہو جاتا ہے اور بائع کو اس کے توڑنے کا اختیار نہیں رہتا چناں چہ در مختار میں ہے:۔

فان باع (ای باع المشتری المشتری فاسدا) بیعاً صحیحا (الی ان قال) او وقفہ (وقفاً صحیحاً لانہ استھلکہ حین وقف واخرجہ عن ملکہ و مافی جامع الفصولین علی خلاف ھذا غیر صحیح) نفذ قال لشامی تحت قولہ غیر صحیح وحملہ فی البحر علی ما اذا لم یقض بہ اما اذا قضی بہ فانہ یرتفع الفساد للزومہ قلت لکن المسجد یلزم بدون القضاء اتفاقا فافھم۔

اس مسئلے میں اگرچہ تردد مجھے بھی تھا لیکن یہ مسجد کے لئے وقف کا معاملہ ہے اس کو حتی الامکان رائیگاں کرنے سے بچانا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، جب اس وقف کے باطل ہونے کا حکم کیا جائے گا تو پھر اس کی کیا حیثیت قرار دی جا سکتی ہے کیا پھر اس کو اسی کسبی کو واپس کر دیا جائے یا حکومت کے حوالے کیا جائے اور جب اس کی کسبی حرام ہے تو اسے کسی مسلمان کو کیسے کھلایا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ مجیب ایسی سخت گیری نہ فرمائیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۰) خالص سنّی عقیدے کے مسلمانوں نے جو لاکھوں اور کروڑوں روپے کے اوقاف مزارات اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ضروری مصارف کے لئے وقف کئے ہیں جن میں عرس کے مصارف بھی شامل ہیں

(۱) کیا ان اوقاف کی حفاظت، نگرانی اور انتظام کے لئے ان لوگوں کا مقرر کرنا جو اولیائے کرام سے عقیدت نہیں رکھتے جو ان کے مزارات کی تعظیم نہیں کرتے اور جو ان کے مراسم عرس کو شرک و کفر قرار دیتے ہیں۔ کیا ازروئے شریعت اسلام یہ جائز ہے؟ (۲) کیا اولیائے کرام کے معتقدین کے اعتقادی، مذہبی اور انتظامی امور میں زبردستی دخل دینا مداخلت فی الدین نہیں ہے؟ (۳) کیا سنی عقیدے کے مسلمانوں کے نکاح و طلاق اور مہر وغیرہ کے معاملات میں بدعقیدہ لوگوں کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے؟ اور کیا مسلمانوں کے پرسنل لاء مذہبی معاملات میں یہ نامناسب مداخلت نہیں ہے۔ ازراہ کرم شرعی احکام سے مطلع فرمائیں۔

مستفتی

مدیر اخبار غریب نواز (دہلی)

مطبوعہ اخبار مذکور ۱۵ نومبر ۱۹۶۷ء

الجواب

(۱) کسی وقف کا منتظم یا متولی وہی شخص ہو سکتا ہے جو مالِ وقف کو واقف کی شرائط کے موافق اس کے مصرف میں صحیح طور پر خرچ کر سکے۔ خیانت کا یا غیر مصرف میں خرچ کرنے کا اس سے اندیشہ نہ ہو۔ اور جو وقف اور جن لوگوں کو وقف کا نفع پہنچتا ہے ان کے حق میں بہتر ثابت ہو سکتا ہو، خود اپنے یا اپنے متعلقین کے اوپر صرف کرنے کی (خواہش) نہ رکھتا ہو بلکہ فقہا تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ ہر طرح کی قابلیت رکھتا ہو لیکن اگر وہ خود متولی ہونے کی درخواست کرتا ہے تب بھی اس کو متولی نہ کیا جائے۔ پس ان فقہی احکامات پر نظر رکھتے ہوئے وہ لوگ اہل اللہ کی درگاہوں کے نگران و منتظم کیسے بنائے جا سکتے ہیں جو ایک حد تک سرے سے ان درگاہوں ہی کے مخالف ہیں اور جب ان کے نزدیک وہ مراسم ہی بدعت و گناہ ہیں جو اوقاف کی آمدنی کے مصرف ہیں تو ان سے کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ شرائط وقف پر کما حقہ عمل کر سکیں گے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ جو شرائط وقف پر عمل نہ کر سکے وہ وقف کا متولی نہیں کیا جا سکتا۔

جس بل کے سلسلے میں یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ بل بھی مطالعہ سے گزرا ہے میرے نزدیک تو اس بل کے ماتحت وہ لوگ بھی شرائط واقف پر عمل نہیں کر سکتے جو منتظم ہونے کے حقیقت میں اہل سمجھے جاتے ہیں اور مزارات مقدسہ کا صحیح طور پر احترام کرنے والے ہیں۔ مانا کہ اس وقت بھی کما حقہ شرائط واقف پر عمل نہیں کیا جا رہا لیکن آج اگر مال وقف کے چار آنے تلف ہو رہے ہیں تو اس بل کے ماتحت آٹھ آنے تلف ہوں گے۔ اتنا ضرور فرق ہوگا کہ ابتک متولی کھاتے ہیں آئندہ دوسرے لوگوں کے لئے پیٹ پالنے کا ذریعہ نکل آئے گا۔ بہرحال وقف کو تو فائدہ جب بھی نہ ہوگا، اس لئے میرے نزدیک تو پہلی شے یہی ہے کہ اس بل کی مخالفت کی جائے، اوقاف کو سنی اوقاف بل سے کونسا نفع پہنچا جو اس سے پہنچ جائیگا؟

(۲) امور شرعیہ میں سے مسئلہ اوقاف بھی ایک مسئلہ شرعی ہے پس انتظام کے پردے میں اس کی مالیات کو برخلاف شرط واقف صرف کرنے کو لازم قرار دینا یا ایسا متولی یا منتظم اس پر مقرر کرنا جو ان صفات کا حامل نہ ہو جن کا ذکر اوپر کیا گیا اور اپنے سوء فہم کی وجہ سے بعض مصارف وقف ہی غیر شرعی سمجھتا ہو، یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔

(۳) اس وقت زیادہ تر قاضی کی ضرورت فسخ نکاح کے باب میں محسوس ہو رہی ہے اس صورت میں حکومت اگر قاضی کا تقرر نہ بھی کرے تب بھی مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے لئے قاضی مقرر کریں جو شریعت مطہرہ کے موافق ان کے فیصلے کرے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کے لئے بھی ایک قانون بنا دیا گیا ہے جس سے بہت سے دفعات شریعت حقہ کے مخالف ہیں پس قاضی مجبور ہوگا کہ اس کے موافق فیصلے کرے، اس کے خلاف اس کا فیصلہ قابل نفاذ نہ ہوگا، تو ایسی قضات نہ کسی کو قبول نہ یہ جائز ہے اور نہ اس کا فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا۔ اسی طرح اگر خود قاضی پر اندیشہ کیا جاتا ہے کہ وہ اہل سنت کے خلاف قضا یا فیصلہ کرے گا تو اس کا تقرر بھی جائز نہیں پھر قاضی کے تقرر کے لئے جو ووٹوں کا طریقہ رکھا جائے گا، یہ طریقہ بھی قاضی کو شرعی قاضی بننے نہ دے گا، علاوہ ازیں غیر مسلم حکومت کی طرف سے کسی کو قاضی بنانے کا جواز خود مختلف فیہ ہے تو حکومت کے تسلیم کرنے کے بعد جب تک خواص اہل اسلام اور علمائے اہل سنت بالاتفاق تسلیم نہ کریں گے اس کے قاضی ہونے میں کلام ہی رہے گا۔ چنانچہ شامی علیہ الرحمہ نے اس مسئلے پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:۔

اذا ولی الکافر علیہم قاضیا و رضیہ المسلمون صحت تولیتہ لاشبہۃ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۵)[1] دہلی میں چھ سو برس پرانی ایک جامع مسجد ہے جو محکمۂ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے، اس میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے جس کے لئے وقف بورڈ نے ایک امام مقرر کر رکھا ہے جو معمولی پڑھا لکھا ہے لیکن عیدین کی امامت کے لئے وقف بورڈ ایک عالم اور متقی کو مقرر کرتا ہے کیا امام مذکور کی موجودگی میں بورڈ کو دوسرا امام مقرر کرنے کا اختیار ہے؟

امام مذکور اور اس کے معتقدیوں کا خیال ہے کہ وقف بورڈ کا یہ غاصبانہ طرز عمل ہے اس لئے انہوں نے ایک عید کے موقعہ پر اس حق کو حاصل کرنے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں اس کے علاوہ یہ قدم بھی اٹھایا کہ جب امام عید مصلے پر آیا تو ایک نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہٹا دیا اور امام مذکور نے نماز پڑھائی کیا

---

[1] یہ سوال بہت طویل تھا احقر نے حرف مطلب اخذ کر کے مختصر طور پر لکھا ہے، اس کا پہلا جواب مولانا علی امام جلالی (مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی) نے تحریر فرمایا ہے پھر حضرت قدس سرہ نے ان الفاظ میں اس جواب کی تصدیق فرمائی ہے۔ (مرتب)

امام اور مقتدیوں کا یہ فعل جائز ہے اور کیا جو لوگ نماز میں شریک تھے ان کی نماز ہو گئی۔ بینوا توجروا۔

ھو المسدد

اس مسجد میں کہ جس میں پنج وقتہ نماز میں دو چار مقتدی ہوتے ہوں وقف بورڈ جمعہ اور عیدین کے لئے امام مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے کہ مشہور عالم متقی مقرر کر دے۔ اشباہ میں ہے:

وان تنازعوا فی نصب الامام والمؤذن مع اهل المحلة ان کان اختارہ اهل المحلة اولی من الذی اختارہ البانی فما اختارہ اهل المحلة اولی وان کانا سواء فمنصوب البانی اولی (انتهی)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مطلقاً وقف بورڈ کو امام و مؤذن مقرر کرنے کا حق ہے، اس حالت میں دو نمازیوں کے ایک جاہل کے مقابل ایک متقی عالم کو مقرر کر سکتا ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ سوال کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فسادی ہی ہے جنہوں نے اس فساد کو ہوا دی اور لوگوں کو نماز سے روکا[1] اور امام کے موافق لوگوں کو دعوت دی وہ گنہ گار ہوئے ان پر توبہ لازم ہے اور امام عید سے معافی مانگنا متحتم ہے اور ان کا اعتراض صحیح ہے جو امام کے مخالف ہیں اس کو یہ حق نہ تھا کہ امام عید کے مخالف نماز پڑھاتا۔

جب عیدین کے لئے امام مقرر ہے تو بلا وجہ امام عید سے اجازت لینے کی ضرورت ہے، نہ سنی بورڈ سے اس کو سنی بورڈ کے جائز احکام کی پیروی کرنی لازم ہے ورنہ ایسے امام کو برطرف کر دینے کا بھی اس کو حق ہے جو نص قرآنی کے مخالف بنے۔

میرے نزدیک امام پنج وقتہ نے چوں کہ امام عید کے خلاف قدم اٹھایا ہے اس لئے امام عیدین سے دریافت کرنا ضروری ہے اگر انہوں نے شریک ہوتے ہوئے اجازت دی تو نماز ہو گئی ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مہر: امام)
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
(۱۲ اپریل ۱۹۶۴ء)
(ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ)

---

[1] پنج وقتہ امام اور ان کے موئیدین نے جو تدابیر اختیار کی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ لوگوں کو متوقع فساد سے آگاہ کر کے یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ نماز دوسری جگہ پڑھیں اس طرح اپنے ہم نواؤں کو نماز عید کے وقت موجود رکھا تاکہ امام عید کو ہٹانے میں آسانی ہو۔

(نمبر ١٠٦)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مفتی صاحب دام اللہ فیضہٗ وارشادہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ حضرت شاہ غلام علی قدس اللہ سرہٗ نے خانقاہ شریف بنائی اور اپنی حیات مبارکہ میں اپنے خلیفۂ اجل حضرت شاہ ابو سعیدؒ کو اپنا جانشین اور خانقاہ شریف کا متولی بنایا اور آپ کو کلی اختیارات عنایت کئے۔ سنہ ١٢٤٠ ہجری سے خانقاہ شریف کی تولیت اور جانشینی آپ کی اولاد میں چلی آرہی ہے دہلی سنی مجلس اوقاف کے ناظر صاحب کا کہنا ہے کہ متولی وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو واقف متولی بنائے یا حکومت اس کو متولی بنائے ۔ جو صورت خانقاہ شریف کے متولی اور سجادہ نشین کی ہے اس کو ہم صرف منتظم کی حیثیت دے سکتے ہیں، ناظر صاحب کا یہ قول از روئے قواعد شریعت مطہرہ کہاں تک درست ہے ۔ نیز واضح رائے عالی ہو کہ یہ خانقاہ شریف عمومی وقف نہیں ہے بلکہ ایک خاص وقف ہے جس کا تعلق سلسلۂ شریفہ مجددیہ مظہریہ سے ہے ۔ بینوا رحمکم اللہ ۔

زید ابو الحسن فاروقی
خانقاہ حضرت شاہ غلام علی معروف
بہ درگاہ حضرت شاہ ابو الخیر ۔ چتلی قبر ۔
(دہلی)
١٣ ذوالقعدہ ١٣٧٩ھ ، ١٠ مئی ١٩٦٠ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب صاحبزادہ صاحب دامت برکاتہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ جواب کی ضرورت تو نہ تھی کہ جناب خود مجھ سے بہتر مسائل فقہیہ کا علم رکھتے ہیں لیکن حسب ارشاد مسئلہ مرقومہ کا جواب عرض کیا جاتا ہے وھو الملھم بالصدق والصواب ۔

الجواب

ناظر صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ غالباً قانون کی کسی دفعہ کا منشاء ہوگا، ورنہ شرعاً تو ہر متولی کو یہ حق ہے کہ وہ مرض موت میں دوسرے کو متولی مقرر کر دے اور اگر واقف نے متولی کو تخصیص کے ساتھ اختیار دیا ہے جیسا کہ صورت مذکورہ میں ہے تب تو ایسا متولی حالت صحت میں بھی جس کو چاہے متولی کر سکتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے :۔

ارادا المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض لہ

بالشرط متماصح والا لا یصح وان فی مرض موتہ صح۔ انتہی۔ وھکذا فی العالمگیری۔

بلکہ خانقاہوں کی تولیت میں تو اس کی بھی ضرورت نہیں کہ واقف کلّی اختیار بھی دے اس لئے کہ ایسے اوقاف میں تو عرفاً واقف کا صرف متولی کر دینا ہی کلّی اختیار دینے کا حکم رکھتا ہے :۔

لان المتعارف فینصرف المطلق الیہ ولانہ المعروف کالمشروط (کذا فی عامۃ کتب الفقہ)

چنانچہ تمام دنیا میں ان خانقاہوں کی تولیت کا یہی حال ہے، اس کے خلاف کوئی ایک خانقاہ بھی نظر نہ آئیگی ہاں اگر واقف تولیت دینے کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دے کہ تجھے دوسرے کو متولی بنانے کا حق نہ ہوگا تو البتہ پھر اس کو نہ حالت صحت میں اس کا اختیار رہتا ہے نہ مرض موت میں کذا فی عامۃ کتب الفقہ اور اپنے کئے ہوئے متولی کے لئے کلّی اختیار دینے کے بعد تصریحاً یہ شرط بھی لگا دے کہ اسے کوئی حاکم معزول نہ کرے لیکن اگر وہ خیانت کرے تو واقف کی شرط کا اور اس کے اختیارات دینے کا ہرگز اعتبار نہ کیا جائے گا اور وہ معزول کر دیا جائے گا، لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ واقف تو واقف سابق متولی بھی کسی کو متولی نہیں کرتا اور جس کا جی چاہتا ہے جبراً متولی بن بیٹھتا ہے اور خوب غبن کرتا ہے، پس ناظر صاحب کو ایسے اوقاف کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمانی چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ (امام)
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۷)

(۱) کیا عام مسلمان یا امام یا متولی یا موذن یا نگران مسجد موقوفہ جائداد کو شرعی حق ہے کہ دیگر لوگوں کو رہائش یا گودام یا کارخانہ قائم کرنے کے لئے مسجد یا ملحقہ جائداد کو دیں اور ان سے کرایہ وصول کریں یا کرائیں۔

(۲) کیا کسی مسجد کی عمارت کو ڈھا کر یا مسجد کے بقیہ حجرے کو یا مسجد کی خالی زمین کو فروخت کرنا جائز ہے؟

(۳) کیا تمام مسلمانوں کو یا خاص لوگوں کو یہ حق ہے کہ مسجد کی بے حرمتی کرنے والوں پر یا موقوفہ جائداد کے فروخت کرنے والوں پر یا منتظمین پر جو مسجد میں یا موقوفہ جائداد پر جائز خرچ نہ کریں، عدالتی چارہ جوئی کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) متولی یا کارکنان مسجد کو تو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسی جائداد کو جو کرایہ پر دینے کے لئے واقف

سے بنائی ہے، کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی مصالح مسجد پر خرچ کریں، کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں اور جو جائداد کسی غرض خاص کے لئے بنائی گئی ہے اس کو متولی بھی کرایہ پر نہیں دے سکتا نہ موقوفہ جائداد کی آمدنی برخلاف شرط واقف اپنے اوپر غیر مصالح مسجد خرچ کر سکتا ہے اور نہ وہ بلا کرایہ ہی کسی کو رہائش کے لئے دے سکتا ہے۔

(۲) مسجد یا موقوفہ جائداد کے کسی حصہ کو بھی فروخت کرنا حرام ہے، خواہ اس پر عمارت ہو یا نہ ہو ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مساجد یا دوسرے اوقاف کے ساتھ کوئی غیر شرعی امر دیکھے تو اسے روک سکتا ہے اور جو مسلمان اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ وہ خود یا بذریعہ حکومت ایسے امور کو دور کر سکتے ہیں، ان پر تو واجب ہے کہ جس طرح بن سکے ایسے ناجائز امور کو روکیں، اگر ایسے لوگ باوجود قدرت کے لاپرواہی اختیار کریں گے تو خوف ہے کہ نہ صرف وہ کسی سختی میں مبتلا ہوں بلکہ وہ سختی پیش آئے جس کے لپیٹے سے عوام بھی محفوظ نہ رہ سکیں، کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی فرمان ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:-

ان اللہ لا یعذب العامة بعمل الخاصة حتی یروا المنکر بین ظھرانیھم وھم قادرون علی ان ینکروہ فلا ینکروا فاذا فعلوا ذالك عذب اللہ العامة والخاصة۔ (انتھی)

اس مضمون کی بکثرت احادیث وارد ہیں پس مسلمانوں کو ایسی وعید سے خوف کرنا چاہئے خصوصاً ان حضرات کو جن کے ذمہ ان کے مولا نے دینی عبادت کے علاوہ ایک یہ فرض بھی متعین فرما دیا ہے کہ وہ مساجد و اوقاف کی نگہداشت کریں اور اس معاملے میں ہر خائن و غاصب کی اور ہر اس شخص کی جو برخلاف شرط واقف بے جا صرف کر رہا ہے سختی سے سخت گرفت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۰۸) مولانا عبدالکریم مرحوم نے شاہجہان پور محلہ خلیل شرقی متصل ڈھیر گنج میں ایک مسجد تعمیر کرائی، اپنی زندگی میں وہی اس کے متولی رہے ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا اکرام صاحب مرحوم پھر ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد کرامت اللہ مرحوم نے مسجد مذکور کے ساتھ مدرسہ تاج الکرامت، خانقاہ اور حجرہ وغیرہ کی تعمیر کرائی اور بالترتیب متولی رہے۔ مولانا کرامت اللہ کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی قمر النساء مرحومہ پھر ان کی صاحبزادی زہرہ بی مرحومہ اور پھر ان کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی ولی بیگم مدرسہ، خانقاہ و مسجد مذکور کی متولیہ ہیں، موخر الذکر نے اپنے صاحبزادے حافظ مسیح اللہ کو متولی بنا دیا حافظ صاحب نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے ایک دوسرے شخص حافظ نذیر احمد صاحب

کو اپنی طرف سے منتظم بنا دیا مگر جب نذیر احمد کا انتقال ہو گیا تو ایک نام نہاد شخص قمر الدین تولیت کا دعویدار ہو گیا۔ آیا یہ شخص تولیت کا حق رکھتا ہے یا یہ حق حافظ مسیح اللہ کو پہنچتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں حافظ مسیح اللہ ہی متولی ہیں، حافظ نذیر احمد تو ایک منتظم ہی کی حیثیت رکھتے تھے، منتظم صاحب مرحوم کا کوئی قریبی رشتہ دار بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ تولیت کا دعوی کرے، غالباً یہی معلوم ہوتا ہے کہ قمر الدین، نذیر احمد مرحوم کے کوئی عزیز ہیں جس کی وجہ سے وہ دعوی کر رہے ہیں لیکن شرعاً وہ تولیت کا استحقاق نہیں رکھتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۷ر جولائی ۱۹۵۶ء)

(نمبر ۲۰۹)

الجواب

(۱) اگر یہ زمین قبرستان تھی تب تو اس کی بیع و شراء ہی ناجائز ہے ورنہ صرف محل قبور کو مشتری محفوظ کر دے باقی کو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:۔

ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام او یطأ علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط۔

(۲) جس طرف قبور کا ہونا معلوم ہے بعد تفتیش اس کو محفوظ کر دیا جائے، پھر بھی معلوم نہ ہو تو اس کے ہر حصہ پر مکان وغیرہ بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ زمین قبرستان نہ ہو کہ وہ وقف ہوتا ہے۔

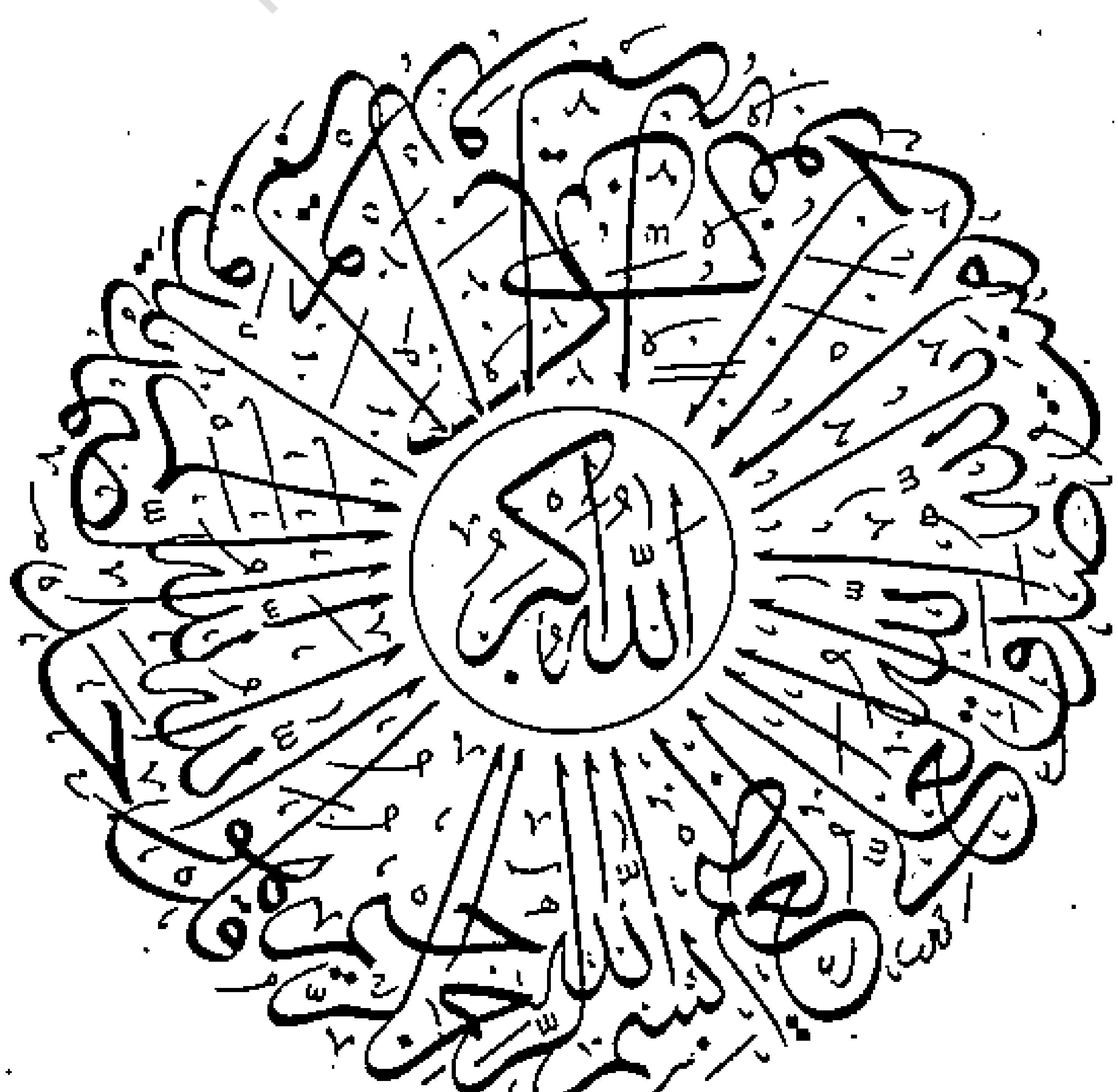
(۳) جب ثابت ہے کہ یہ قبرستان ہے تو اس کی بیع و شراء کیسے ہو سکتی ہے اور قبروں پر مکان وغیرہ کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

(سوال نمبر ۲۱۰) ۱۹۴۷ء کے بعد دہلی کے قبرستان پر بعض ایسے خود غرض لوگوں کا قبضہ ہو گیا ہے جن کو قبرستان کی حرمت کا خیال نہیں، یہ لوگ قبرستان کی زمینوں کو فروخت کرتے ہیں اور کرایہ پر دیتے ہیں قبرستان پر عوام غلاظت کرتے ہیں، بعض جگہ پختہ رہائشی مکان بھی بن گئے ہیں، کیا قابضین قبرستان کا یہ فعل جائز ہے۔ جو لوگ ان افعال کے مرتکب ہوتے ہیں ان کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے۔
بینوا توجروا۔

الجواب

قبرستان کی زمین کا فروخت کرنا اس کو کرایہ پر دینا حرام ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں نہایت درجہ کے گنہ گار اور مجرم ہیں اور جو لوگ قبروں پر غلاظت کرتے ہیں اور اس میں رہائش رکھتے ہیں جوئے وغیرہ کھیلتے ہیں وہ بھی سخت گنہ گار ہیں، جو لوگ اس کے انتظام پر قادر ہیں اور لاپرواہی کرتے ہیں وہ بھی گنہ گار ہیں سوائے اس کے کیا کیا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں سے مقاطعہ کیا جائے اور مسلمان اس کے تدارک کے لئے کوئی انجمن بنائیں اور اس کا تدارک کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۸ مارچ ۱۹۵۶ء)



صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سُنی تھی، چراغ لے کے چلے

ترے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خُدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سُراغ لے کے چلے

جناں بنے گی محبانِ چار یار کی قبر
جو اپنے سینے میں یہ چار باغ لے کے چلے

گئے، زیارتِ در کی، صد آہ! واپس آئے
نظر کے اشک پونچھے، دلِ کا داغ لے کے چلے

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے؟
تم اور آہ! کہ اتنا دماغ لے کے چلے!

چھٹا باب

احکام



حضرت ابوالحسن زید صاحب دہلی کے برگزیدہ عالم اور صوفی ہیں، جامعہ آزہر (مصر) کے فارغ ہیں، آپ نے عربی میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا تھا جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ محض داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ ہے، اس میں کسی قسم کی قید نہیں اور فقہاء نے جو قید رکھی ہے وہ فی الواقع صحیح نہیں، یہ رسالہ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کو مطالعہ کے لئے پیش کیا، آپ نے اس پر جو تبصرہ وتنقید فرمائی وہ ایک طویل مکتوب کی صورت میں ہے جو مصنف ممدوح کے نام ارسال فرمایا تھا۔ وھو ھٰذا

(نمبر ۲۱۱)

مخدومی جناب صاحبزادہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم وقلبی لدیکم۔ فقیر نے جناب کا رسالہ دیکھا ماشاء اللہ بہت ہی بہتر ہے۔ جس قدر جناب نے اس میں کوشش فرمائی بلاشبہ قابل تحسین ہے لیکن افسوس بہت سے مقامات پر فقیر کو شبہات واقع ہو گئے: ابتداء میں ان شبہات کو مختصر طور پر تحریر بھی کیا لیکن جب داڑھی کی تحقیق نظر سے گزری تو خیال میں آیا کہ پچھلی تحریر اس ہی حکم کے ثابت کرنے کے لئے بمنزلہ توطیہ تھی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس ہی کے متعلق کچھ عرض کروں۔

جناب کو جو اس باب میں شبہ ہوا ہے اور علامہ ابن ہمام رحمہم اللہ تعالیٰ کی فتح القدیر کی عبارت سے ہوا ہے اس ہی نے فقہاء کرام کے تخطیہ پر جرأت دلائی ہے جس کی جناب سے ہرگز توقع نہ تھی، یہ صرف جامعہ ازہر کی کرامت کا ظہور ہے؟ یا جامعہ ازہر کے نجوم فیضان کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، ورنہ میرا تو ظن غالب یہی ہے کہ جناب کی ذات ستودہ صفات ایسے مکروہ فعل سے بالکل بری ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کے ایسے مکائد سے جناب کو بری ہی رکھے۔ غرض اب جو کچھ عرض کروں گا اس میں میرے مخاطب وہی لوگ ہوں گے، آپ کے رسالہ پر رد لکھنا مدنظر نہیں ہے۔

میرے مکرم مصریو! تم نے جو علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت فتح القدیر سے استدلال کیا ہے اور اس میں وھی دون ذالك کے اشارہ کا مشار الیہ غالب لحیہ اور کل اللحیہ کے مجموعہ کو گردان کر اپنے فعل کو سہارا دیا اور تمام فقہا کا تخطیہ کیا ہے میرے نزدیک بالکل غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا تھا کہ صائم تطویل لحیہ کی غرض سے تیل نہ لگائے جب کہ وہ قدر مسنون ہو، اور قدر مسنون قبضہ ہے اس لئے کہ قبضہ سے زیادہ بڑھانا کچھ ضروری نہیں ہاں اگر قدر قبضہ سے کم ہے تو لگا سکتا ہے کہ قدر قبضہ بڑھانا مسنون ہے۔ اس پر علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاشیہ فتح القدیر میں نہایہ سے یہ عبارت نقل فرمائی ہے جو آپ کی مستدل ہے جس میں قبضہ سے دونوں طرفوں کا حکم بتلایا ہے ——— پہلے فرمایا کہ قبضہ سے زائد لحیہ کا کاٹنا واجب ہے (لان فیہ تعریض نفسہ لمن یسخر بہ کذا فی العینی) گویا فرماتے ہیں کہ قدر قبضہ ہونے کے باوجود مہر تطویل لحیہ کی غرض سے داڑھی میں تیل لگانے کی ممانعت

کی یہ وجہ ہے۔ اس کے بعد جو اس قول پر اعتراض وارد ہوتا تھا کہ حضور نے تو مطلقاً اعفائے لحیہ کا حکم فرمایا ہے پس قبضہ سے زائد کو بھی کیوں کر کاٹ سکتے ہیں؟ - اس کا احادیث سے استدلال کرتے ہوئے جواب دیا ہے کہ احادیث میں اعفائے لحیہ کے حکم کے ساتھ خالفوا المجوس بھی وارد ہے جو موقع تعلیل میں واقع ہوا ہے، اس لئے اعفائے لحیہ محمول ہے اس پر کہ غالب لحیہ یا تمام لحیہ نہ لیا جائے۔ اس سے جمع بین الروایات حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اس جواب سے فارغ ہونے کے بعد جمہور علماء کا اتباع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم تو قبضہ سے زائد کے لئے تھا، اب رہا داڑھی سے ایسی حالت میں لینا کہ وہ قبضہ سے بھی کم ہے اس کو تو کسی نے بھی مباح نہیں کہا۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے قبضہ سے کم ہونے کی صورت میں تطویل لحیہ کے لئے تیل لگانے کو جائز رکھا ہے۔ یہ تھا عبارت کا حاصل جس پر ماسوائے اوّل علماء کے جو مطلقاً داڑھی سے لینے کو منع کرتے ہیں، سوائے آپ لوگوں کے تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اس میں خواہ علامہ ابن ہمام ہوں یا ان سے اگلے پچھلے علماء کسی نے بھی نہیں فرمایا کہ قبضہ سے کم کرنا جائز ہے خالفوا المجوس کے یہ معنی لینا نہایت درجہ مضحکہ خیز ہیں کہ ایک یا نصف جو بھی جس نے بال سر کا دستے وہ عامل بالحدیث ہو گیا۔ میرے بزرگو! اس کے ساتھ احادیث کے الفاظ اعفوا، وفروا، اوفوا، ارخوا۔ پر بھی تو غور کیا ہوتا، کیا ان الفاظ جلیل المقدار کے معنی یہی ہیں۔ علامہ ابن ہمام نے تو صاف فرما دیا تھا کہ قبضہ سے کم لینا کسی نے مباح نہیں کیا لیکن آپ حضرات تمام فقہا کو بیوقوف بناتے ہوئے بولتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ حلق سے کم لینا کسی نے مباح نہیں کہا، اتنا تو سوچا ہوتا کہ حلق کے بعد لحیہ کا کیا حصہ رہے گا جس کے لینے کو علامہ ابن ہمام یا صاحب نہایہ مباح نہیں فرماتے۔ پھر آپ لوگ اسی پر بس نہیں کرتے، کہتے ہو کہ مباح نہ ہونا مستلزم اثبات کراہت تنزیہی کو بھی نہیں ہے چہ جائیکہ کراہت تحریمی یا حرام کو مستلزم ہو، سو اس پر عرض یہ ہے کہ اگر مباح نہ ہونا ان اقسام کو مستلزم نہیں تو لامحالہ مستحب یا واجب یا فرض کو مستلزم ہو گا، اس لئے کہ تم لوگوں کے نزدیک احکام شرعیہ کی یہی سات قسمیں ہیں۔ فرض و واجب، مستحب اور حرام مکروہ تحریمی، حرام اور مباح۔ مباح کی نفی سے تمہارے نزدیک حرام و مکروہ تحریمی و مکروہ تنزیہی کی تو نفی ہو چکی لیکن اب لامحالہ مامورات کے اقسام میں سے کسی قسم کے اثبات کو مستلزم ہو گا۔ پس فرض ہو گا یا واجب یا مستحب۔ اس لئے ان اقسام ہفت گانہ میں سے ایک کی نفی کردی جائے گی تو اب ضروری ہے کہ وہ فرض ہو گا یا واجب یا مستحب کہ منہیات کی تو پہلے ہی ہو چکی تو مہربانو! اگر اس کی بھی تصریح فرما دی ہوتی کہ حلق سے کم کے لینے کا کیا حکم ہے (آیا فرض ہے یا واجب یا مستحب) تو اس الجھن سے بھی چھٹکارا ہو جاتا۔

کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ قبضہ سے زائد کاٹنا تو واجب کہا جاتا ہے حالاں کہ وہ مفہوم احادیث اور حضور اکرم کے صریح مخالف ہے اور قبضہ سے کم کرنے کو برخلاف اپنے ائمہ کے اور عامہ فقہائے کرام کے کم از کم مباح کہا جائے یا مستحب۔

اس مسئلہ میں مجھے کہنا تو بہت کچھ تھا لیکن صرف انہی چند کلمات پر اکتفاء کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے اس ہی تحریر پر بہت کچھ شرمندگی ہے کہ آپ حضرات کی شان میں بعض نازیبا الفاظ صادر ہوگئے لیکن امید ہے مجھے معذور فرماتے ہوئے معاف فرمائیں گے، اس لئے کہ یہ سب اس اثر کی کارفرمائی ہے جس کو اس شے نے پیدا کیا ہے کہ تم لوگوں نے ایسے حضرات کی شان میں گستاخیاں کیں جن کی جوتیوں کے صدقہ میں تمہیں امور دینیہ میں بولنا آیا۔ ورنہ میں صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کرتا کہ اعفوا اللحیٰ کا حکم مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے جس کی نظیر مسح راس ہے اس اجمال کو آثار صحابہ نے واضح کر دیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ اس کی کم سے کم مقدار قبضہ ہے اس سے کم کرنا ناجائز۔ رہا قبضہ سے زائد کاٹنے کا وجوب وہ اس علت کی وجہ سے ہے کہ حد اعتدال سے داڑھی پر لوگ تمسخر کرتے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی اور آثار صحابہ نہ ہوتے تو یہ امر تو وجوب کے لئے تھا کہ ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ جس سے معلوم ہو کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں ہے جس کا مؤید حضور علیہ السلام کا بلا ترک اس پر مواظبت فرمانا ہے اس ہی لئے فقہاء کرام اس کو واجب فرما رہے ہیں اور قبضہ سے کم کرنے کو حرام یعنی مکروہ تحریمی فرما رہے ہیں، اور یہ کوئی محل تعجب و اعتراض نہیں کہ مکروہ تحریمی پر حرام کا اطلاق بکثرت کیا جاتا ہے پس اگر آثار صحابہ سے ہمیں یہ نہ معلوم ہوتا کہ لحیہ کی کم از کم کس قدر مقدار ہونی چاہیئے تو اس امر کے اطلاق کا مقتضا تو یہ تھا کہ داڑھی خواہ کتنی بڑی کیوں نہ ہوتی اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہ ہوتا۔

کس قدر تعجب ہے کہ عوام کالانعام کے تمسخر کا تو اتنا لحاظ کہ حد اعتدال سے زائد کے کاٹنے کو بعض فقہا واجب کہتے ہیں اور قبضہ سے کم کرنے والوں پر جو صالحین امت تمسخر و اعتراض کرتے ہیں ان کی بعض علماء پرواہ ہی نہیں کرتے، جب مجھ سے کسی عالم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قبضہ سے داڑھی کم رکھتا ہے تو مجھ کو بہت ہی شرم دامن گیر ہوتی ہے خصوصاً جب کہ میرے احباب میں سے وہ عالم ہوتا ہے بڑا افسوس اس پر ہوتا ہے کہ امور دینیہ پر عمل سے بڑی غفلت ہے خصوصاً سنت سنیہ سے، اس کے ترک پر اصرار کرتے ہیں اگر کچھ عرض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ صغائر پر اصرار فسق نہیں ہے بلکہ قلت مبالات فی الدین فسق ہے، نہ معلوم ان حضرات نے قلت مبالات کس شے کا نام رکھا ہے؟ کسی صغیرہ پر اعلانیہ اصرار خود قلت مبالات پر دال ہے۔ نیز فرماتے ہیں بڑے بڑے اولیاء اللہ صغائر پر اصرار کرتے چلے آئے انہیں کوئی فاسق نہیں کہتا۔ لیکن جب اس کی مثال طلب کی جاتی ہے تو خاموش۔ ان حضرات سے کسی صغیرہ پر اصرار ہوا بھی ہوگا تو اس پر محل کلام ہوگا۔ حلق لحیہ کے صغیرہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اصرار تو اصرار مسئلہ لحیہ میں صلحائے امت میں سے کسی ایک فرد کو بھی نہیں بتلایا جا سکتا جس نے حلق لحیہ تو درکنار قبضہ سے کم بھی داڑھی رکھی ہو۔ اس سے قبل فقیر کو بھی داڑھی کے باب میں کچھ تردد تھا لیکن مولیٰ تعالیٰ صاحب رسالہ کو جزائے خیر دے اور ان کے درجات عالی فرمائے کہ مجھے اس تردد سے نجات دی

اور اب مجھے قبضہ تک داڑھی کے وجوب میں شک نہ رہا ۔ فقط

اب مجھے اپنے محترم برادر کی خدمت میں بھی اتنا عرض کرنا ہے کہ اس عاجز کی سمجھ سے باہر ہے کہ بلا ارادہ کوئی شخص اپنے دانت سے کاٹ کر داڑھی کو ہر طرف سے چھوٹا کرے اور ممکن ہے کہ بتکلف ایسا کر بھی سکتا ہو لیکن وہ شخص اپنے متعلقین کے بارے میں کیا خیال رکھتا ہے کیا وہ بھی اس ہی بیماری میں مبتلا ہیں ؟

نیز اتنا اور عرض کر دوں کہ جس قدر چہرہ کی تزئین قبضہ سے زائد لحیہ میں ہے اس قدر قبضہ سے کم میں نہیں لیکن اس پر یقین جب ہو سکتا ہے جب کوئی اس کا تجربہ کرے ۔ ورنہ عوام کو تحلیق لحیہ میں تزئین معلوم ہوتی ہے فقط والسلام رسالہ بھی حاضر ہے ۔

محمد مظہر اللہ عفی عنہ (امام)

(۲۲ر جولائی ۱۹۵۷ء)

(سوال نمبر ۲۱۲) بعض حضرات تصاویر کھنچوانا جائز فرماتے ہیں اور جواز تصویر میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں :۔

(۱) جیسا کہ حدیث پاک میں ہے من صوّر صورۃ فان اللہ یعذبہ حتی ینفخ فیہ الروح ولیس بنافخ فیھا ابدا انتہی ۔ مؤیدین تصاویر کا یہ کہنا ہے کہ صورت سے مراد وہ مورتیاں ہیں جو مشرکین بناتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے ۔

(۲) جس طرح آئینہ پر شبیہ آتی ہے بالکل اسی طرح کیمرے کے شیشے سے گزر کر شبیہ ایک پلیٹ پر آجاتی ہے، تصویر اسی شبیہ کا حکم رکھتی ہے ۔

(۳) مؤیدین تصاویر مولانا ابو الکلام آزاد کا رسالہ پیش کرتے ہیں جو اس فتوے کے ساتھ منسلک کیا جا رہا ہے

(۴) ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے چوں کہ آج کل علمائے کرام بھی تصویریں کھنچواتے ہیں اس لئے ان کا فعل ہمارے لئے حجت ہے ۔

مندرجہ بالا دلائل صحیح ہیں یا نہیں، اگر نہیں تو تصویر کے سلسلے میں شریعت میں جو حکم ہو اس کو مدلل طور پر تحریر فرمادیں ۔

مستفتی
محمد ظفر احمد ۔ کراچی

ھُوَ الموفق

(۱) یہ قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ آئینہ میں صرف دیکھنے سے صورت نمایاں ہوتی ہے اور اس میں قائم نہیں رہتی ۔ مع ہذا انسانی صنعت کا بھی دخل نہیں بر خلاف تصویر کے کہ وہ قائم بھی رہتی ہے اور اس میں آلہ فوٹو گرافی کے

ذریعہ تصویر کشی کا عمل بھی کرنا پڑتا ہے اس لئے تصویر کا آئینہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) یہ بھی غلط ہے صرف تصویر ہو یا مورتی دونوں منہیات میں داخل ہیں، اور دونوں اس حدیث کے حکم میں شامل۔ دوسری احادیث میں اس کی صاف تصریح ہے جس میں مورتی کا ہرگز دخل نہیں چناں چہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام اور سیدنا اسماعیل اور سیدتنا بتول علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں کفار نے دیوار کعبہ پر منقش کر رکھی تھیں، جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو حضور نے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیج کر وہ سب محو کرائیں جب کعبۂ معظمہ میں خود داخل ہوئے تو بعض نشانات جو باقی رہ گئے تھے ان کو پانی منگوا کر خود بنفس نفیس دھویا اور بنانے والوں کو فرمایا "قاتلھم اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ انہیں قتل کرے۔ اسی طرح بخاری اور مسلم شریف کی ایک حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے سہ نشین پر ایک پردہ ڈالا جس میں تصویریں تھیں جب حضور تشریف لائے تو اس پردے کو پھاڑ ڈالا پھر حضرت عائشہ نے اس کے دو تکیے بنا دیئے۔ نیز ترمذی اور ابو داؤد شریف میں حضرت ابوہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہا کہ میں شب گزشتہ آیا تھا لیکن مکان پر ایک پردہ تھا جس میں تصویریں تھیں اور گھر میں (ممنوع) کتا تھا جس کی وجہ سے گھر میں داخل نہ ہوا۔ پس تصویروں کے سر کاٹنے کا حکم دیں تاکہ درخت کی صورت میں ہو جائیں اور پردہ کاٹ کر تکیے بنا لئے جائیں اور کتے کو نکالنے کا حکم دیں۔ انتہی۔ پس حضور نے ایسا ہی کیا۔ نیز بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصویریں تھیں، حضرت نے اس کو ملاحظہ فرمایا تو وہ دروازہ پر کھڑے ہو گئے گھر میں داخل نہ ہوئے، میں نے حضور کے چہرۂ انور پر ناخوشی کے آثار پائے (تو میں ڈری) میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں (یہ تو ارشاد فرمائیں) میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ فرمایا یہ تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے خریدا ہے اس لئے کہ آپ اس پر تکیہ لگائیں فرمایا:۔

ان اصحاب الصور یعذبون یوم القیامۃ ویقال لھم احیوا ما خلقتم قال ان البیت الذی فیہ الصورۃ لا تدخلہ الملئکہ۔

یعنی بتحقیق تصویریں بنانے والے قیامت کے روز عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا کہ جو تم نے بنایا ہے انہیں زندہ کرو۔ فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے۔

ان احادیث پاک سے یہ شبہ بھی نہیں ہوتا کہ ان سے مجسم بت مراد ہیں اور اس ہی عذاب کی اس میں بھی تہدید ہے جس کی حدیث سوال مذکورہ میں ہے۔

(۳) مولانا آزاد کا مقالہ جواز تصویر ثابت نہیں کر سکتا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ شارع کا فرض ہے کہ وہ جس طرح مفاسد کو روکے اس ہی طرح مقدمات و وسائل کو بھی روکے کہ کسی نہ کسی وقت مفاسد تک منجر

ہوں گی، پھر مفاسد سے زیادہ مقدمات مفاسد کے روکنے کی اہمیت کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے جن شرائع کا ظہور ہوا ان سب نے اپنی تمام توجہ محض مفاسد کے دفع و منع میں محدود رکھی، اسلام کا ظہور ہوا تو ضروری ہوا کہ آیندہ کے لئے مفاسد کا قطعی سد باب کر دیا جائے اور ان تمام سوراخوں کو بند کر دیا جائے۔ جہاں جہاں سے شر و فساد کے ابھرنے کے لئے راہیں ملتی ہیں، اس کے بعد وہ اعمال بتلائے ہیں جن سے اول ممانعت کی گئی تھی اور پھر ان کی اجازت دی گئی یا اپنے فضل سے ان کو مباح قرار دے دیا لیکن کہیں یہ نہ بتلایا کہ تصویر کشی کو حرام فرمانے کے بعد کسی وقت اس کی اجازت بھی دی گئی ہے اگر یہ شے حدیث سے ثابت نہ تھی تو کسی مجتہد کا حوالہ دیا ہوتا لیکن اس کے برخلاف وہ خود ہی تصویروں کو تعظیم و تکریم سے رکھنے کو لیقربونا الی اللہ زلفا۔ کے حکم میں داخل کر کے حرام فرما رہے ہیں اور پھر دلائل سے اس کو نہایت مضبوط کر رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو شخص تصویر کھنچوائے گا وہ اسے زمین پر ڈال کر روندنے کے لئے تو نہ کھنچوائیگا بلکہ اس کو چوکھٹے میں لگوا کر مکان کی دیواروں یا شیشیں پر لگائے گا یا اسے پرنٹ کرا کر اپنے اعزہ اور احباب کو تحفۃً بھیجے گا اسے صندوق وغیرہ میں احتیاط کے ساتھ رکھے گا، اور ان تمام صورتوں میں اس کی تعظیم ہے اور اس کی تعظیم ہی موجب حرمت ہے تو اس کی اباحت اور جواز کی کیا صورت ہے؟ ہدایہ میں ہے:۔

لوکانت الصورۃ علی وسادۃ ملقاۃ او بساط مفروش لایکرہ لانہا تداس و توطا بخلاف ما اذا کانت الوسادۃ منصوبۃ او کانت علی السترۃ لانہ تعظیم لہا۔ انتہی۔

مولانا موصوف خود ہی فرماتے ہیں:۔

"چونکہ یہ ایک قومی و عام تر وسیلۂ اصنام پرستی ثابت ہوا ہے اس لئے شرک و بت پرستی کا سد باب ضروری تھا کہ اس کو بھی سختی کے ساتھ روک دیا جائے۔"

اب مسلمان غور کریں کہ جب شریعت مطہرہ نے بت پرستی کے اس دروازہ یعنی تصویر کشی اور تصویر رکھنے کو سختی کے ساتھ بند کر دیا ہے تو اب اس کا کھولنا کس کی قدرت میں ہے؟۔ اگر اس میں کچھ بھی گنجائش ہوتی تو مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کسی صورت میں اس کی اجازت دیتے لیکن مجتہدین اور جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ یہ حرام (یعنی مکروہ تحریمی) ہے۔ تو باوجود اس کے مولینا موصوف کا چند ایسے نظائر پیش کر کے جس کی ممانعت کے بعد اجازت دی گئی ہے یہ کہنا کہ خیال ہوتا ہے کہ تصویر کا معاملہ بھی اسی سلسلے میں داخل ہوگا، یہ مولینا کی خود اپنی رائے ہے جس میں مولانا نے اپنے خیالِ فاسد کا ذکر کیا ہے جو اس کے جواز کو نہیں بتاتا۔

مولانا موصوف نے بعض فقہا کی اس تعلیل کو رد کیا ہے کہ انہوں نے اس کی علت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس میں خدائے تعالیٰ کی صفت خالقیت کی نقل اتاری جاتی ہے لیکن ان بیچاروں کا کیا قصور جب

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھئون بخلق اللہ، متفق علیہ۔ یعنی "بروز قیامت عذاب میں سب سے زیادہ وہ لوگ سخت ہیں جو مشابہت کرتے ہیں اللہ کی پیدائش کے ساتھ"۔ اس معنی میں کئی حدیثیں وارد ہیں تو یہ رد تو ان فقہا کا نہ ہوا بلکہ خود سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا رد ہوا۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ)

تصویر ذی روح کی ممانعت بھی محض اس ہی تعظیم کی وجہ سے ہے اگر اس کو اہانت کے ساتھ زمین پر پڑا رہنے دیا جائے یا بلا سر کی ہو یا ایسی چھوٹی ہو جس کی عبادت نہیں کی جاتی تو اس کے رہنے میں کراہت نہیں نہ مانع دخول ملائکہ ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔

لو کانت الصورۃ علی وسادۃ ملقاۃ او بساط مفروش لا یکرہ لانھا تداس وتوطأ بخلاف ما اذا کانت الوسادۃ منصوبۃ او کانت علی الستر لانہ تعظیم لھا۔

اور شامی میں ہے:۔

فعدم دخول الملئکۃ انما ھو حیث کانت الصورۃ معظمۃ۔ انتھی

پھر ظاہر ہے کہ تصویر تو ذی روح ہوتی نہیں نہ وہ کسی حال میں جملہ اعضاء مدار حیات کا استیعاب کرتی ہے۔ بلکہ پورا مجسم بت بھی اس سے عاری ہے، فقط فرق حکایت فہم ناظر کا ہے اگر وہ یہ کہے کہ میں زندہ ذوالتصویر کو دیکھ رہا ہوں تو تصویر ذی روح کی ہے ورنہ بے روح کی اور مردہ کے مجسم بت صحیح الاعضاء کی بھی حالت یہی ہے۔ تو فرق صرف ناظر کی سمجھ کا ہے۔ اگر مع چہرہ تصویر ہے تو وہ زندہ کی سمجھتا ہے اور اگر بلا چہرہ کی ہے۔ گو بلا چہرہ پورے بدن کی ہو۔ تو وہ مردہ کی سمجھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں چہرے کے دور کرنے یا اس کے مٹا ڈالنے کا حکم آیا ہے کہ اب وہ زندہ کی صورت نہ سمجھی جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ عکسی تصویریں اگرچہ نیم قد یا سینہ تک بلکہ صرف چہرہ کی ہوں۔ نہ شجر وغیرہ کی مانند ہوتی ہیں، نہ صاحب تصویر کی مردگی کو ظاہر کرتی ہیں بلکہ یقیناً جیتے جاگتے کی اور اس کے حسن کی بہار کا نقشہ پیش کرتی ہیں، پجاری ہرگز بے سر والے کو نہیں پوجتے۔ غرض اصلی تصویر محض چہرہ ہی ہے، اگر چہرہ نہیں تو تصویر نہیں ہے چناں چہ ہدایہ میں ہے:۔

اذا کان التمثال مقطوع الرأس فلیس بتمثال۔

مولانا موصوف نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کونسی وجہ ہے کہ یہی فقہاء غیر حیوانات کی تصویروں کو ناجائز قرار نہیں دیتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیر حیوانات کی اشکال کو کسی نے آلۂ عبادت نہیں گردانا نیز حدیث بھی اس کو رد کر رہی ہے قال ابن عباس فان کنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر ومالا روح فیہ انتھی متفق علیہ یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر بنانا ضروری ہے تو درختوں کی نقاشی کر اور اس کی جس میں

روح نہ ہو، غیر ذی روح شے کے بنانے کو نقاشی کہتے ہیں، مصوری نہیں کہتے، احادیث میں غیر ذی روح شے کی نقشہ کشی کو نقاشی کہتے ہیں، تصویر کشی نہیں کہتے، جہاں اس پر مصوری کا اطلاق آیا ہے وہ بطریق مجاز ہے حدیث میں آیا کہ حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ ایک روز صبح حضور غمگین اُٹھے اور فرمایا کہ جبرئیل نے شب کو ملنے کا وعدہ کیا تھا لیکن آئے نہیں، پھر خیال آیا کہ خیمہ کے نیچے کتے کا بچہ پڑا ہے، اس کو نکالا اور جگہ پر پانی چھڑکا، پھر شام کو حضرت جبرائیل آئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے کل شب ملنے کا وعدہ کیا تھا، جبرئیل نے عرض کیا کہ بیشک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن لا ندخل بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ۔ یعنی ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو (رواہ مسلم) —— اس تصویر سے وہی تصویر مراد ہے جو ذی روح ہو۔ مولانا موصوف نے جب اشیاء میں روح ثابت کی ہے تو وہ روح تو ان اصنام میں بھی ہے کہ یہ شیئ من الاشیاء ہیں پھران کو اپنے اس قول میں کہ :۔

" اگر ایسا نہیں ہے تو کیا ایک بیجان صورت مستحق عبادت و پرستش ہو سکتی ہے"؟

بے جان کیوں کہا ؟۔ معلوم ہوا کہ مولانا کو بھی اس کا یقین ہے کہ احادیث میں روح سے وہ روح مراد ہے جو بالکل حرکت اور کلام وغیرہ پر قادر ہے اور جس کو حیوان کہا جاتا ہے ۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہی فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :۔

وھذا یختص بصورۃ الحیوان ولذا الك امر بقطع الرأس لتماثیل لتغیر کھیئۃ الشجر۔

یعنی یہ خاص ہے صرف حیوان کی صورت کے ساتھ، اس ہی لئے حکم فرمایا تصویروں کے سر کاٹنے کا تاکہ (ان کا نچلا بدن) درخت کی صورت پر ہو جائے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ اصل علت مشترک کا قطع کرنا ہے، لیکن ایک کام کے لئے کئی علتیں بھی ہوتی ہیں پس تخلیق کخلق سے بیشک یہ علت بھی ثابت ہوتی ہے جو فقہا نے بتلائی اور تعظیم تصویر بھی ایک قوی علت ہے اور انعدام دخول ملائکہ بھی علت ہے اور صفت خالقیت کی نقل بھی علت ہے اور شاہ صاحب نے تو ارفاہ و تزئین کو بھی علل میں شمار کیا اور ملاء اعلیٰ کی نفرت کو بھی علت گردانا ۔ چنانچہ اس عبارت کے بعد ہی یہ حدیث لائے :۔

ان بیت الذی فیہ الصورۃ لا تدخلہ الملٰئکۃ۔ انتھی ۔

اور وہ حدیث بھی لائے جن کے مطالب میں مولانائے موصوف فقہا کو دھوکہ میں سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک اصل اس میں علت تعظیم ہے جو تمام علل کی جامع ہے اور تصویر کے لئے تعظیم گویا لازم ہے، پس تصویر کشی ہرگز جائز نہیں ۔ وارثی حضرات کو ملاحظہ فرمائیں کہ وہ حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے اشیاخ کی تصویروں کے ساتھ کیسے کیسے مکروہ افعال کر رہے ہیں خود میرے پاس پاکستان سے کئی مرتبہ فرمائشیں آئیں کہ اپنی تصویر کھنچوا کر ہمارے پاس بھیج، آخر یہ کیوں؟ اس ہی لئے کہ اس کے ساتھ مکروہ افعال کئے جائیں، فقیر اس فوٹو کی قید کی وجہ سے چودہ سال تک پاکستان

سزگی، حالاں کہ وہاں بچوں کی شادیاں ہوئیں، ایک احقرزادہ جنید عالم کا وہاں انتقال ہوا[۱]، وہ آخر وقت لوگوں سے کہتا رہا کہ کسی طرح مجھے اس کی شکل دکھلا دو اور لوگ مجھے لکھتے رہے لیکن میں نہ جاسکا، حکومت میں بڑا پاسپورٹ کے درخواست کی گئی لیکن نامنظور ہوئی، ایک نواسی[۲] اور بعض مخلصین کا انتقال ہوا لیکن اس ہی قید کی وجہ سے نہ جاسکا، اب ایک عالم پاکستان سے تشریف لائے[۳] اور انہوں نے یہ ترکیب نکالی کہ بعض احباب نے شادیوں میں بے علمی میں فوٹو لے لیا ہے اس لئے پاسپورٹ بن سکتا ہے تو مجبوراً اجازت دی گئی اور علماء بھی اس ہی صورت سے یا اور کسی صورت سے جاتے ہوں گے پس ان کا عمل قابل حجت نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہٗ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ / ۱۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

سوال نمبر ۲۱۳) مکان یا بیٹھک میں قد آدم تصاویر یا سینہ سے نصف بالائی حصہ جسم کی تصاویر لگانا شرعاً جائز ہیں یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
میر محمد لودھیانوی
۳۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء

---

[۱] حضرت قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحبزادے مولینا محمد منظور احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان تشریف لے آئے تھے۔ حیدرآباد میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ بیمار ہوگئے۔ بیماری شدت اختیار کرتی گئی حتی کہ ۱۹۴۹ء میں حیدرآباد ہی میں ان کا وصال ہوگیا۔ حضرت علیہ الرحمہ کا یہاں صاحبزادہ مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔

[۲] حضرت قدس سرہ کی جوان سال نواسی جو قاری سید حفیظ الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی صاحبزادی تھیں اچانک کراچی میں انتقال کرگئیں، یہ سانحہ بھی ایک عظیم سانحہ تھا، یہاں اسی طرف اشارہ ہے۔

[۳] حضرت علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی حضرۃ العلامہ مفتی محمد محمود صاحب دامت برکاتہم حیدرآباد (مغربی پاکستان) دہلی تشریف لے گئے تھے اور پاسپورٹ بنوانے کی یہ صورت نکالی جس کا حضرت نے ذکر فرمایا ہے۔ یہاں حضرت موصوف ہی کی طرف اشارہ ہے۔

الجواب

تصویر پوری ہو یا سینہ تک بہرحال اس کا اپنے پاس رکھنا یا مکان وغیرہ کی دیواروں پر لگانا ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متواتر احادیث میں فرمایا ہے کہ لا تدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ ہاں اگر تصویر کا سر نہ ہو تب تو کراہت مدفوع ہے کہ کہ تصویر جاندار میں چہرہ ہی اصل ہے اور اگر چہرہ موجود ہو اور دوسرے اعضاء نہ ہوں تو جواز کا حکم نہ دیا جائے گا اس لئے کہ جاندار کی تصویر میں مقصود چہرہ ہوتا ہے، نہ دوسرے اعضاء، نیز صرف چہرہ کی بھی عبادت کی جاتی ہے اور فقہا نے ان تصادیر پر جن کی عبادت کی جاتی ہے کراہت کا حکم فرمایا پس اس پر بھی کراہت کا حکم کیا جائے گا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۱۴) ولایتی ادویات کا کاروبار اکثر اہل اسلام کے ہاتھ میں بھی ہے، یہ دوائیں ہندوستان میں مفردات و مرکبات دونوں طریق پر آکر فروخت ہوتی ہیں، مرکبات جن میں خصوصاً ٹنکچر، اسپرٹ، میتھیلیٹڈ، الکوہل، کلوروفارم بتفصیل و بتشریح ذیل شامل ہیں، ملاحظہ ہوں:-

ا۔ ٹنکچر یعنی ادویات مرکبات و مفردات کو ہمراہ اسپرٹ خالص شامل کر کے اس کی اصلی حالت کو دیرپا قائم رکھا گیا ہے جو عرصہ تک خراب نہیں ہوتا مگر اسپرٹ خالص جس کی تشریح یہ ہے۔

اسپرٹ خالص خمر سے تیار کی جاتی ہے (جیسا کہ سرکہ بھی تیار کیا جا سکتا ہے) یعنی خمر کو بطریق عرق گلاب وکیوڑہ وغیرہ بھبکے میں مقطر کرنے سے تیار کیا جاتا ہے اور اس اسپرٹ خالص سے کل جس قدر شرابیں وسکی برانڈی وغیرہ منشیات ہیں تیار ہوتی ہیں، لہٰذا ادویات ولایتی مرکبات میں رقیق ادویات کو حل کرنے اور دیرپا قائم رکھنا اس کا خاص جوہر ہے۔

ب۔ اسپرٹ میتھیلیٹڈ جو دراصل اسپرٹ خالص کو زہریلہ مادہ ملانے سے ناکارہ کر دیا گیا ہے اور اندرونی استعمال میں نہیں لائی جا سکتی اور جو اکثر روغن چوبی، آہنی وغیرہ میں کام آتی ہے۔ علاوہ ازیں طبی اصول پر ادویات کے ہمراہ شامل کر کے مالش تیار ہوتی ہے جو مریض کو بحالت درد بیرونی طریق پر استعمال کرائی جاتی ہے۔

ج۔ الکوہل۔ جو خالص اسپرٹ کو کئی بار مقطر کرنے سے تیار ہوتی ہے اس میں خوشبویات ولایتی شامل کر کے اینڈی کالون کے نام سے فروخت کی جاتی ہے۔ اینڈی کالون اکثر امراض سرسام، زیادتی بخار، نیز تبخیر دماغ کی صورت میں مریض کے سر پر ڈالی جاتی ہے یا رومال میں تر کر کے دماغ پر رومال رکھدیا جاتا ہے جس سے

مریض کی راحت اور نیند آجانے کا خیال ملحوظ ہے۔

۵ - کلوروفارم - جو خالص اسپرٹ کو سہ آتشہ اور چہار آتشہ کرنے کے بعد اور مقطر کئے جانے سے حاصل ہوتا ہے، عموماً عمل جراحی کے وقت ڈاکٹر صاحبان مریض کو احساس تکلیف جراحی سے محفوظ رکھنے کی خاطر مریض کو سونگھا کر بیہوش کر دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا ہر چہار ادویات میں خاص اور اصل جزو اسپرٹ خالص کا ہے جس کی تشریح نمبر ا میں کی جا چکی ہے کہ یہ کس طرح حاصل ہوتی ہے ——— گذارش یہ ہے کہ حکومت ہند نے نئے اصول و قوانین درآمد کی رو سے اس پر محصول نہایت زیادہ کر دیا ہے اور اس بات کی ضرورت لاحق ہوئی کہ تھوک فروش ادویات ولایتی ان ادویات کو یہاں خود تیار کریں جس میں منافع کی خاص رعایت مقصود ہے، لہٰذا اس صورت میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں:-

۱ - کیا ولایتی ادویات کا کاروبار جس میں اسپرٹ شامل ہو جائز ہے یا ناجائز؟

۲ - کیا کوئی شخص ان ادویات مذکورہ بالا کو تیار کرنے کے لئے اسپرٹ خالص خرید سکتا ہے؟

۳ - کیا اس کی روزی طیب ہے یا نہیں؟

۴ - کیا کوئی شخص بحالت مرض شفایابی کی خاطر ادویات ولایتی مذکورہ بالا ہر چہار قسم اندرونی یا بیرونی طریق پر استعمال کر سکتا ہے یا کرا سکتا ہے؟

مستفتی

محمد اسمٰعیل - کولوٹولہ اسٹریٹ

نمبر ۷۷، کلکتہ

نوٹ:- مندرجہ بالا فتویٰ مطبوعہ ہے جو جمالی پریس۔ نمبر ۲۱ زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں چھپا ہے۔ مگر حضرت کا جواب قلمی ہے۔

الجواب هو الموفق للصواب

خمر کا اطلاق مجازاً ہر ایک شراب پر کیا جانے لگا ہے لیکن کسی شراب کا نام اگر خمر رکھ دیا جائے تو وہ شراب خمر کا حکم پیدا کر لے گی، شراب کے اقسام بہت ہیں لیکن جو بالاجماع حرام ہے وہ خمر ہے شرعاً خمر اس شیرۂ انگور خالص کا نام ہے جو جوش مار کر نشہ لے آیا ہو بس یہی وہ شراب ہے جو قطعاً حرام ہے اور اسی کی نجاست، نجاست غلیظہ ہے، نہ اس کی بیع جائز ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا انتفاع حتی کہ دوا بھی استعمال نہیں کی جا سکتی قال فی التنویر:-

الخمر وھی النیٔ من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف بالزبد وحرم

قلیلها وکثیرها لعینها وهی نجسة نجاسة مغلظة کالبول وحرم الانتفاع بها و لا یجوز بیعها ولا یجوز بها التداوی۔ انتہی ملتقطا۔

اس کے علاوہ دوسری شرابیں اگرچہ عرق انگور ہی سے تیار ہوئی ہوں مختلف حکم رکھتی ہیں، بعض جائز ہیں بعض ناجائز مختلف فیہ۔ شیرۂ انگور کو پکا کر اگر شراب بنائی جائے تو اگر شیرہ پک کر ثلث سے زائد رہے اور پھر جوش مار کر نشہ لے آئے تو یہ حرام ہے، ایسی شراب کو "باذق" کہا جاتا ہے اور اگر جل کر نصف رہ جائے تو ایسی شراب بھی حرام ہے اس کو "منصف" کہتے ہیں، ہاں اگر خشک ہوتے ہوتے ثلث رہ جائے تو وہ حلال ہے ایسی شراب کو "مثلث" یا "طلا" کہتے ہیں اور اگر پانی میں مویز بھگوئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کر نشہ لے آئے تو یہ بھی حرام ہے اس کو "نقیع زبیب" کہتے ہیں اور اگر چھواروں سے ایسی شراب تیار کی جائے تو وہ بھی حرام ہے اس کو "سکر" کہتے ہیں، یہ سب شرابیں سوائے "مثلث" کے اگرچہ عامہ علماء کے نزدیک حرام ہیں اور جس طرح یہ کثیر مقدار میں حرام ہیں، قلیل مقدار بھی ان کی حرام ہے لیکن ان کا حکم خمر کے حکم سے کم ہے چنانچہ ان کی حرمت کا منکر کافر نہیں کہا جاتا اور ان کی نجاست میں بھی اختلاف ہے، بعض روایات سے غلیظ ثابت ہوتی ہیں بعض سے خفیفہ پھر اگر ان کو تھوڑا جوش بھی دے لیا جائے تو بغرض صالح ان کا پینا حلال ہے اس مقدار تک کہ جو نشہ نہ کرے چنانچہ عالمگیری میں ہے:۔

اما ما هو حرام عند عامة العلماء فهو الباذق والمنصف ونقیع الزبیب والتمر من غیر طبخ والسکر فانه یحرم شرب قلیلها وکثیرها۔ انتہی۔

اور تنویر الابصار میں ہے:۔

وحرمتها دون حرمة الخمر فلا یکفر مستحلها۔ انتہی

اور درمختار میں ہے:۔

نبیذ التمر والزبیب ان طبخ ادنی طبخه یحل شربه وان اشتد وهذا اذا شرب منه بلا لهو وطرب فلو شرب للهو وطرب فقلیله و کثیره حرام۔ انتہی مافیه۔

رہی وہ شرابیں جو شہد اور انجیر اور گیہوں اور جو وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں سو ان کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی غرض صالح کے لئے اس کا استعمال کیا جائے تو اس مقدار میں کہ جس میں وہ نشہ نہ لائے استعمال کی جا سکتی ہے اگرچہ اس کو جوش نہ دیا گیا ہو چنانچہ ہدایہ و عالمگیری و درمختار وغیرہ میں ہے:۔

واللفظ للدر نبیذ العسل والتین والبر والشعیر والذرة یحل سواء طبخ او لا بلا لهو وطرب۔ انتہی

ان اشربہ کی حلت بر مذہب شیخین ہے بلکہ امام محمدؒ سے بھی اصح روایت مذہب شیخین کے موافق ہے کما صرح بها

فی العالمگیریہ وفتح القدیر وغیرھما۔ لیکن ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان اشربہ کا استعمال بھی قلیل وکثیر سب حرام ہے اور چونکہ فساق نے ان اشربہ کا استعمال کثرت سے شروع کر دیا تھا اور ان کا منشاء اس سے سکر حاصل کرنا تھا لہٰذا علماء نے امام محمد کے قول پر فتویٰ بھی دیا، چناں چہ درمختار میں ہے :۔

وحرمھا محمد ای الاشربۃ المتخذۃ من العسل والتین ونحوھما قالہ المصنف مطلقا قلیلھا وکثیرھا وبہ یفتی ذکرہ الزیلعی وغیرہ۔ انتہی

اور عینی وغیرہ میں فرمایا :۔

الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبۃ الفساد۔ انتہی

پس اگرچہ اس میں اختلاف ہے لیکن جب مذہب شیخین اس کی حلت پر ہے اور امام محمد سے بھی اصح روایت یہی ہے اور فتویٰ علماء کی علتہ لغلبۃ الفساد بھی یہی بتلاتی ہے کہ ان کو صرف اس فسق کا سدباب منظور ہے تو ایسی صورت میں اشد ضرورت کے وقت ان اشربہ کا اس مقدار میں جو مسکر نہیں اگر بطور دواء استعمال کیا جائے تو اس میں گنجائش نظر آتی ہے اور کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ بحث تو اشربہ کی حلت وحرمت میں تھی اب رہا حکم بیع سو سوائے خمر کے ہر قسم کی شراب کی بیع جائز ہے چناں چہ درمختار اور ردالمحتار وہدایہ وفتح القدیر وعینی وعالمگیری وغیرہ میں ہے :۔

واللفظ للشامی وصح بیع غیر الخمر ای عندہ خلافا لھما فی البیع والضمان لکن الفتوی علی قولہ فی البیع۔ انتہی ما فیہ

اب جب اشربہ کی مجملاً اقسام اور ان کے احکام معلوم ہو گئے تو اب اپنے سوالوں کے جواب لیجئے۔

(۱) اگر اسپرٹ خمر سے تیار ہوتی ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں مگر بوقت اضطرار کہ وہ بنص الا ما اضطررتم الیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے پس اس کی بیع وشراء بھی جائز نہیں اور اس کا بذریعہ بھپکے کے مقطر کرنا اس کی حرمت کو زائل نہیں کرتا۔ ہدایہ شریف میں ہے :۔

والتاسع ان الطبخ لا یوثر فیھا لانہ للمنع من ثبوت الحرمۃ لا لرفعھا بعد ثبوتھا۔ انتہی

لیکن ہم نے یہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا یہی معلوم ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً خمر کہا جاتا ہے بلکہ ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع وشراء بھی جائز ہے یہی حکم اس تقدیر پر ہے جب کہ باذق یا منصف یا نقیع زبیب وتمر سے بنائی گئی ہو اس لئے کہ اس میں جوش دے دیا گیا ہے لہٰذا عامہ علماء کے نزدیک اس کا قلیل مطلقاً حرام نہیں کما صرحت من قبل اور اگر اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ کونسی شراب سے بنی ہے تب بھی یہی حکم ہے لقولہ علیہ السلام :۔

اذا کان احدکم فی الصلوٰۃ فوجد حرکۃ فی دبرہ احدث اولم یحدث
فاشکل فلا ینصرف حتی یسمع صوتا او یجد ریحا۔ رواہ ابوداؤد
وقال الفقہاء ان الیقین لا یزول بالشک والاصل فی الاشیاء الحل والطہارۃ۔ فقط

(۲) جن صورتوں میں اس کی بیع جائز ہے ان ہی صورتوں میں اس کی خرید بھی جائز ہے۔ فقط

(۳) اگر اسپرٹ علاوہ خمر کے کسی دوسری شراب سے بنائی گئی جیسا کہ بعض ڈاکٹروں کا بیان ہے تو اس کی خرید و فروخت جائز لیکن مکروہ ہے قال الشامی :-

ثم ان بیع غیر الخمر وان صح لکنہ یکرہ کما فی الغایۃ -

پس اس کا ترک اولیٰ ہے۔ فقط

(۴) جب دوا میں اسپرٹ شامل ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہے وہی ان ادویات کا بھی ہے پس اگر اسپرٹ یقیناً خمر سے تیار ہوئی ہے تو دیکھا جائے کہ اس سے شفا کا صرف احتمال ہی ہے یا ظن غالب اگر صرف احتمال ہے تو جائز نہیں اور اگر ظن غالب ہے تو اگر دوسری جائز دوا اس مرض کے لئے پائی جاتی ہے تب بھی ناجائز ہے ورنہ اختلاف ہے، درمختار میں ہے :-

اختلف فی التداوی بالمحرم وظاہر المذہب المنع کما فی رضاع البحر لکن
نقل المصنف ثمہ وھنا عن الحاوی وقیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم
دواء اٰخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیہ الفتوی -

پس اس صورت میں اگر اس کا بطور دوا استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اس سے بچا جائے۔ اور اگر اس کی ساخت بطریق تقطیر سوائے شراب کے دوسری اشربہ سے ہے تب بھی بہتر تو یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے لقولہ علیہ السلام

دع ما یریبک الی ما لا یریبک او کما قال

لیکن اگر زیادہ ضرورت دیکھی جائے تو اس کے استعمال میں بھی گنجائش ہے للاختلاف ولعموم البلوٰی۔ چنانچہ علامہ شامی نے احکام افیون کے بارے میں فرمایا ہے۔

الحاصل ان استعمال الکثیر المسکر منہ حرام مطلقا واما القلیل فان کان للھو
حرم وان کان للتداوی فلا۔ انتہی

لیکن یہ حکم جب ہے کہ قلیل استعمال کیا جائے ورنہ قدر مسکر بجز اضطرار کے بطور دوا بھی جائز نہیں کما قالہ العلامۃ الشامی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہ ولوالدیہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

ذ ر ش ر فتویٰ تقریباً نصف صدی قبل تحریر فرمایا تھا

(سوال نمبر ۲۱۵) اسپرٹ کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

اس کا پینا تو حرام ہے لیکن دوسرے کاموں میں استعمال کرنا اگرچہ مختلف فیہ ہے لیکن عموم بلوٰی کی وجہ سے اس کی خرید و فروخت میں اور دوسرے کاموں میں استعمال کی گنجائش ہے لیکن مقامات مقدسہ میں اس کا استعمال خالی از کراہت نہ ہوگا، چناں چہ درمختار میں ہے:-

وصح بیع غیر الخمر وقال الشامی لان الخلاف فیہا لا فی المباحۃ ایضاً وعند محمد فیما یظہر مما یاتی من قولہ بحرمۃ کل الاشربۃ ونجاستہا۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

مالِ حرام

(سوال نمبر ۲۱۶) رنڈی کے مکسوبہ مال کو کوئی شخص اپنے مکان کے کرایہ میں لے سکتا ہے یا نہیں اور جو شخص لیتا ہو اگر وہ کسی کی دعوت کرے تو اس کی دعوت کھانی چاہیئے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اگر کسبی اس شخص کو کرایہ اس مال سے ادا کرتی ہے جو اس نے ناجائز طریق سے حاصل کیا ہے تو مکاندار کو وہ مال کرایہ میں نہ لینا چاہیئے کہ وہ ناپاک مال ہے، اس کا اپنے صرف میں لانا حلال نہیں لقولہ تعالیٰ:-

ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب

ولقولہ علیہ السلام:-

لا یحل ثمن الکلب ولا حلوان الکاھن ولا مہر البغی۔ (رواہ ابوداود)

پس جو شخص خالص اس مال کو دعوت میں صرف کرتا ہے جو اس نے رنڈیوں کی ناپاک کمائی سے حاصل کیا ہے تو اس کی دعوت قبول نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر رنڈیوں نے اس کو ناجائز کمائی سے کرایہ نہیں دیا یا یہ شخص ان کے کرایہ کے علاوہ دوسرے پاک مال کو دعوت میں صرف کر رہا ہے یا رنڈیوں کا دیا ہوا مال بھی مخلوط ہے مگر پاک مال اس سے زائد ہے تو ان صورتوں میں اس شخص کی دعوت قبول کرنے میں حرج نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:-

اذا کان غالب مال المھدی حلالا فلا باس بقبولیتہ واکل

مالہ لم تتبیّن انہ من حرام -

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

سُود

(سوال نمبر ۲۱۷) میرے بھانجہ کو تعلیمی ضرورت کے لئے روپے چاہئیں، میری بہن اس کی یہ ضرورت پوری کرنے پر قادر نہیں، ڈاک خانہ میں میرا کچھ روپیہ بطور سود موجود ہے کیا یہ روپیہ بھانجہ کو دے سکتا ہوں، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ ڈاک خانہ سے نکالنا ہی ضروری ہے یا اتنی رقم اپنے پاس سے دے دوں - بینوا و توجروا -

الجواب

یہ رقم اپنے بھانجہ کے تعلیمی خرچ کے لئے دے سکتے ہو مگر ڈاک خانہ سے نکال کر اپنے پاس سے نہیں دے سکتے - فقط واللہ تعالیٰ اعلم -

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۱۸)

(۱) زید بینک میں رقم جمع کرتا ہے اور در اصل رقم پر جو زائد رقم ملتی ہے اسے اپنے لئے حلال و جائز سمجھ کر اپنے تصرف میں لاتا ہے کیا یہ زائد رقم سود ہے اگر سود نہیں تو کس زمرے میں شامل کی جائیگی ؟

(۲) زید کفار کو رقم قرض پر دیتا ہے اور راس المال سے زیادہ رقم وصول کرتا ہے اور اس زیادہ رقم کو سود نہیں کہتا اس کا کھانا اس لئے حلال بتاتا ہے کہ وہ کافر کا مال ہے، شرع میں ایسے مال کے لئے کیا حکم ہے ؟[1]

الجواب

مفتی صاحب دامت برکاتہم کا جواب فقیر کی نظر سے گزرا، اس میں شک نہیں کہ امامنا امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور ان کا مذہب یہی ہے کہ مسلم اور حربی کے درمیان ربوا کا تحقق نہیں ہوتا (خلافا لابی یوسف و ائمۃ ثلاثہ) لقولہ علیہ السلام لا ربوا (الحدیث) اس حدیث سے صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے مذہب

[1] اس سوال کا پہلا جواب حضرت مفتی مصطفےٰ رضا خاں بریلوی کا ہے اس کے بعد حضرت نے جواب مرحمت فرمایا ہے جو پیش ناظر ہے -

کی تقویت پر استدلال کیا ہے اور یہ حدیث بیہقی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ قطع نظر اس کے کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے اس میں شک نہیں کہ حدیث احاد ہے جو آیۃ کریمہ احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ کا مقابلہ نہیں کر سکتی کہ یہ حرمت ربوا پر دلیل قطعی ہے اور حرمت بھی علی الاطلاق۔ پس دلیل ظنی اس کے اطلاق کو کیسے اٹھا سکتی ہے !۔ اور اس میں تقیید کیسے پیدا کر سکتی ہے لیکن جب اس کی علت پر نظر جاتی ہے تو امام صاحب کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے اور اس مسئلے کا باب ربوا سے تعلق ہی نظر نہیں آتا اور وہ علت دارالحرب میں حربی کے مال کا غیر معصوم ہونا ہے جس کو مسلمان اس کی رضا سے بہر صورت لے سکتا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ تو اس میں اس صورت میں حقیقت میں اپنے مال کے عوض کچھ زیادتی لینی نہ ہوئی بلکہ حربی کی رضامندی سے اس کے اس زائد مال کو لینا ہوا جو بالاتفاق جائز ہے اگرچہ اس کو سود کہا جائے العبرۃ للمعنی لا للالفاظ ہاں اس صورت میں لینے والا اس کو سود سمجھ کر نہ لے کہ یہ ممنوع ہے بلکہ یہ سمجھ کر کہ حربی سے اس کی رضامندی کے ساتھ اس کے مالِ مباح میں سے ایک حصہ لیا ہے لان شئی الواحد تتعین بالحل والحرمۃ باعتبار ماقصد لہ (اشباہ) وانما الاعمال بالنیات ولولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ ۔۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ اس حدیث مذکور میں دارالحرب کی قید احترازی ہے اور عبارات فقہاء سے بھی یہی مستفاد ہے

چنانچہ درمختار اور شامی میں ہے :۔

(ولا بین حربی ومسلم مستامن) احترز بالحربی عن الاصلی والذمی (ثمہ) ای فی دارالحرب قید بہ لانہ لو دخل دارنا بامان فباع منہ مسلم درہما بدرہمین لایجوز۔ انتہی۔

اور عبارت ہدایہ سے بھی یہی مستفاد ہے کہ وہ اس مسئلے میں سود کی نفی کی دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ دارالحرب میں حربی کا مال مباح ہوتا ہے تو بغیر عذر کے جس طرح چاہے لے سکتا ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے :۔

ولنا قولہ علیہ الصلوۃ والسلام لاربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب ولانہم مالہم مباح فی دارہم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالہ مباح اذا لم یکن فیہ عذر۔ انتہی

غرض میرے نزدیک یہ صحیح ہے کہ حدیث میں یہ قید احترازی ہے اور فقہا نے جو تعریف دارالحرب کی کی ہے وہ ہندوستان پر صادق نہیں آتی اس لئے یہاں حربی سے سود لینا جائز نہیں اور اگر قید اتفاقی بھی مان لی جائے تب بھی قید احترازی کا احتمال تو یقینی ہے فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال پس آیۃ کریمہ کا حکم اپنے اطلاق پر باقی ہے اور مسلم کو حربی سے اس کا مال لینا نہ اس وجہ سے جائز ہے کہ اس سے سود لینا جائز ہے بلکہ اس وجہ سے کہ دارالحرب میں اس کا مال غیر معصوم ہے پس جب تک ہندوستان کا دارالحرب ہونا ثابت نہ ہو حربی کے مال کا غیر معصوم ہونا ہندوستان کے اندر نہیں کہا جا سکتا پس اس سے ایسی زیادتی

سوٗد ہو گی اور وہ حرام ہے اس کو لے کر اپنے صرف میں لانا حرام ہے ہاں اگر اس غرض سے لے کر غرباء کو دے کر اس زیادتی کو اعانت کفر میں نہ صرف کیا جا سکے تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ (۱۱)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ :۔ سود کے تصرف میں لانے کے بارے میں مختلف سوالات کئے گئے تھے جو سود دے کی کتاب میں درج نہیں، یہاں حضرتؒ کے جوابات درج کر کے حاشیے میں ضروری تشریح کر دی گئی ہے۔

(نمبر ۲۱۹)

الجواب

زید اس روپیہ کو جو سود کے نام سے وصول کیا ہے ہر جائز کام میں صرف کر سکتا ہے بشرطیکہ نہ اس سے ثواب کی نیت کی جائے نہ اس میں کسی طرح کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مضمر ہو پس غیر مسلم کو اپنا یا اپنا جائز حق سمجھ کر خود لینا یا نمبر ۹[۱] کے مصارف میں خرچ کرنا یا ۱۱[۲] و ۱۲[۳] کے مصارف میں صرف کرنا بہتر نہیں کہ ان میں اپنا مفاد ہے ہاں ہاؤس ٹیکس یا چنگی یا جرمانہ وغیرہ ایسے مصارف میں صرف کر سکتا ہے جو ظلماً وصول کئے جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ (۱۲)
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۷ مئی ۵۸ء)

بیمہ

(سوال نمبر ۲۲۰) کیا دوکان کے لئے آگ یا چوری کا بیمہ کرنا جائز ہے جب کہ دشمن نقصان پہنچانے کے درپے ہو۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
عبدالخالق ۔ سکھر
([illegible])

---

[۱] اپنے اوپر کسی ناجائز الزام، دباؤ یا ظلم کا مقابلہ کرتے یا رشوت نذرانہ کے طور پر دیکر چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے استعمال کرنا۔

[۲] اپنی برادری کا لحاظ کرتے ہوئے بطور اسراف بے جا اس کو صرف کیا جائے۔

[۳] اپنے قرض اتارنے کے لئے اس کو استعمال کیا جائے۔

الجواب

بیمہ ایک طرح کا قمار ہے جو ناجائز ہے خواہ وہ دکان کا کیا جائے یا زندگی کا۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
(امام)

(سوال نمبر ۲۲۱) کالا خضاب یا ایسا مرکب جس میں سیاہی سرخی مائل ہو لگانا جائز ہے یا نہیں۔

مستفتی
خالد حسن نظام آبادی
متعلم مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری۔ دہلی

الجواب

سیاہ خضاب ممنوع ہے، سرخی مائل ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔ فقط

(۱۲ اگست ۱۹۵۱ء)
محمد مظہر اللہ غفرلہ
(امام)
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۲۲) زید نے ایک بیوہ عورت ہندہ سے شادی کی، ہندہ اپنے ساتھ کئی بچے لائی جن میں ایک لڑکی بھی تھی، زید نے اس لڑکی کے ساتھ جماع کیا اور لڑکی کو حمل قرار پا گیا اور بچہ بھی ہو گیا۔ اندروئے شرع زید کے لئے کیا سزا ہے اور کیا ہندہ زید کے نکاح میں رہی یا نکاح فسخ ہو گیا نیز اس لڑکی اور بچہ کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

سزا تو حاکم مسلم کے ہاتھ ہے جس کا اجراء ہندوستان میں ممکن نہیں، رہی یہ زید کی بیوی سو اس پر حرام ہو چکی، اس کو چاہیئے طلاق دے کر علیحدہ کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
(امام)
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۲۳) زید خارش کا مریض ہے بہت سے علاج کر چکا ہے مگر فائدہ نہیں ہوا، اب ایک شخص نے بتایا ہے کہ مینڈک کا گوشت کھانے سے یہ مرض جاتا رہے گا، کیا وہ شرعاً کھا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا

مستفتی
فصیح الدین دہلوی
۱۶ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

الجواب

جب تک حلال چیز علاج کے لئے میسر آئے اس وقت تک اس کا استعمال درست نہیں اس کے لئے حلال چیزیں بہت ہیں، کسی حاذق حکیم سے مشورہ لیں اگر متقی حاذق حکیم کہدے کہ اس کے سوا کوئی علاج نہیں تو پھر اسکا استعمال کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۲۶ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

(سوال نمبر ۲۲۴) زید نے کسی آدمی کے کہنے سے کہ تمہارا مرض جاتا رہے گا کچھوا کھالیا، ایسی صورت میں زید کا ایمان رہا یا جاتا رہا، زید کا حقہ پانی بند کرنا درست ہے یا نہیں اور شرعاً زید کے لئے کیا حکم ہے اور کیا بطور علاج کچھوا کھانا جائز ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
حاجی نور محمد

الجواب

کچھوا کھانا شرعاً جائز نہیں لیکن اس کے کھانے سے ایمان نہیں جاتا، نہ یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کی سزا میں اس کے کھانے والے کا حقہ پانی بند کیا جائے خصوصاً جب کہ ازالۂ مرض کے لئے کھایا، جن لوگوں نے زید کا حقہ پانی بند کیا ہے وہ گنہ گار ہوئے ان پر توبہ اور زید کا حقہ پانی کھولنا لازم ہے، البتہ زید پر بھی توبہ لازم ہے پس اس سے صرف توبہ کرالینا کافی ہے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۳۱ مئی ۱۹۶۰ء)

(سوال نمبر ۲۲۵)

(۱) فال کھولنا یا کھلوانا یا فال لینا شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟ ایسے افعال کا مرتکب کیا شرعاً کافر ہے

اور اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے ؟

(۲) زید کے لئے ایک دوسرے شخص عمر نے فال کھلوائی جو زید کے علم میں بھی نہ تھی لیکن جب برادری والوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے زید کو خارج از اسلام سمجھ کر اس سے اور اس کے گھر والوں سے مقاطعہ کر لیا اور اس کی تشہیر بھی کرادی، آیا برادری والوں کا یہ فعل از روئے شرع جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

نیک فال لینا تو عمدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کام کے وقت کوئی اچھی بات سنے تو خوش ہو اور اس کام کو مبارک سمجھے اس میں اصلاً مضائقہ نہیں ہاں کسی فال کھولنے والے کے پاس جانا اور اس سے فال کھلوانا برا ہے اور گناہ۔ اس میں جو وعیدات وارد ہوئی ہیں اس سے مراد تشدید ہے، اس کا مرتکب کافر نہیں ہوتا نہ نکاح ٹوٹتا ہے البتہ ایسا اعتقاد کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا ضرور سخت گناہ ہے۔ ایسے شخص سے صرف توبہ کرانا کافی ہے، اور جب کام کرنے والے کے غیر نے فال کھلوائی ہے کہ کام کرنے والے کو اس کا علم بھی نہ ہوا تو ایسی صورت میں ان پر کیا گناہ؟ ان پر ایسا تشدد کہ ان کے تمام گھر والوں کو اسلام سے خارج کر کے ان سے مقاطعہ کرنا اور اس کی تشہیر کرنا سخت ظلم ہے جن لوگوں نے ان پر یہ ظلم کیا ہے ان کو ان سے معاف کرانا لازم ہے ورنہ سخت گنہگار ہوں گے اور قیامت میں ان کے اعمال صالحہ ان کو دلائے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
۱۳۷۱
مسجد جامع فتحپوری دہلی

الرزق على الله

ساتواں باب

سیاسیات


وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ

۱۹ نومبر ۱۹۵۹ء کو الٰہ آباد سے مشتاق احمد نظامی مدیر ماہنامہ پاسبان کا مکتوب ــــ مولانا عبدالرب صاحب (مدرس مدرسہ نعمانیہ، دہلی) کے نام آیا تھا، اس میں مدیر صاحب نے کتاب "خلافت معاویہ ویزید" از محمود عباسی) کے چند اقتباسات پیش کرتے ہوئے اس کے متعلق حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کی رائے اور مولانا نے موصوف اور مفتی محمد مشرف احمد صاحب (نائب مفتی مسجد فتحپوری، دہلی) کی تصدیقات طلب کی تھیں۔ جب یہ خط حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے مندرجہ ذیل جواب مرحمت فرمایا :-

(نمبر ۲۲۶) **جوابِ گرامی**

مکرمی زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کے جو واقعات آپ نے حضرت علی وحضرت حسین علیہما السلام کے متعلق تحریر فرمائے وہ اس کے مصنف نے غالباً بعض کتب سیر سے لکھے ہوں گے اور کتب سیر پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو اس واقعہ میں آپ کو متناقض اقوال ملیں گے اور سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اس لئے میرے نزدیک ان کو نظر انداز ہی کرنا بہتر ہے کہ قرآن کریم اور حدیث مولیٰ العلیم ہیں اس فیصلے کے لئے کافی ہے۔

فعن عائشۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فادخل معہ ثم جاءت فاطمۃ فادخلہا ثم جاء علی فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ الخ۔ (رواہ مسلم)

ان ارشادات کو دیکھتے ہوئے ایسے پاک نفوس کی طرف جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا ہو ایسے ناپاک افعال کی نسبت وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس ہی تعالیٰ نے ناپاک کیا ہو پس میرے نزدیک مسلمانوں کے لئے یہ کتاب زہر قاتل ہے اور کسی ایسے مفسد کے ذہن فاسد کا نتیجہ ہے جس میں اس کا کوئی دنیوی مفاد مضمر ہے جس کے نشے میں اس کو نہیں سوجھا کہ اس سے مسلمانوں میں اختلاف کی آگ کس درجہ شعلہ زن ہوگی اور جس کے نتیجے میں اغیار کو ان کے تباہ کرنے کے لئے سنہری موقع ہاتھ آئیگا۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۲۷) زید اپنی ایک مطبوعہ کتاب "خلافت معاویہ ویزید" میں حسب ذیل عبارات تحریر کرکے حضرت امیر المومنین علیؓ وحضرت سیدنا امام عالی مقام حضرت حسین کی اہانت کرتا ہے، ایسے شخص پر جو حضرات اہل بیت

اہانت پر سب و شتم کرے اور یزید جیسے فاسق شخص کی حکومت کو حضرت سیدنا حسینؓ کے مقابلہ میں متفق علیہ حکومت کہے اور حضرات اہل بیت کی تذلیل کرے اس کے متعلق شریعت کے کیا احکام ہیں کیا ایسے شخص کی اعانت کرنا اس کے مضامین شائع کرنا جائز ہے؟ مؤلف کتاب کے چند نمونے پیش خدمت ہیں صفحہ ۴۹ و ۵۰ پر تحریر ہے :-

(۱) علم و فضل تقویٰ و پرہیزگاری پابندی صوم صلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید حد درجہ کریم النفس حلیم الطبع سنجیدہ متین تھے حکمرانی و فرماں روائی سے مطلب و مقصد امیر یزید کے نزدیک خدمت خلق تھا اور اس خدمت خلق کا آئیڈیل اور مطمح نظر امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ کی عادلانہ و صالح حکومت و سیاست تھی۔

(۲) حسینؓ کے متعلق شروع سے لے کر آج تک مسلمانوں کو جو کچھ یاد ہے وہ سب غلط ہے اور اس سلسلہ میں مسلسل جھوٹ بولا گیا ہے۔

(۳) امیر یزید متفق علیہ خلیفہ تھے وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسا اور حضرت علی کا فرزند ہونے کی حیثیت سے مستحق ہوں کہ مجھے خلیفہ بنایا جائے۔

(۴) مصنف نے اپنی کتاب میں حضرت عبداللہ بن زبیر کو ملحد لکھا ہے۔

(۵) مصنف مذکور نے یزیدی افواج کے سپہ سالار ابن سعد و شمر ان کو تو صحابہ شمار کیا ہے مگر حضرت حسین کو صحابی تسلیم کرنے پر تیار نہیں چنانچہ صفحہ ۱۷۶ پر لکھتا ہے کہ وہ (یعنی حضرت حسین) تابعی تھے صحابہ کے زمرہ میں شامل نہ تھے۔

(۶) مصنف مذکور حضرت حسینؓ کو شہید کہنا بھی گوارہ نہیں کرتا بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ حضرت حسینؓ ارشادات نبویہ سے ناواقف تھے، وہ آپ کی شہادت کو جاہلیت کی موت قرار دیتا ہے اور آپ کے اعزاء کی جانوں کو ضائع ہونے سے تعبیر کرتا ہے ص ۲۶ و ص ۲۱۳

(۷) مصنف مذکور نے اپنی ۴۰۰ کے قریب صفحات کی کتاب میں کسی ایک جگہ بھی حضرت سیدنا حسینؓ کو امام نہیں کہا ہے بلکہ ص ۳۲۹ پر تصریح کر دی ہے کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کو امام نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے بالمقابل یزید کا بات بات پر امیر المؤمنین اور رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۸) یہ مصنف اس کتاب کے ص ۵۷ پر لکھتا ہے حسین نے (یزید کے خلاف) اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی ہے جس سے امت پر افتراق و اختلاف کا وبال پڑا اور آج تک محبت و العنت کے ستون کو جھکا لگا، یہ خروج طلب حکومت و خلافت کا ایک ایسا سیاسی مسئلہ تھا جو مقتضائے زمانے اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا ص ۸ پر مصنف لکھتا ہے کہ اخلاف کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں یہی کیفیت اسلاف کی تھی جن کے متعلق ایرانی شاید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطا

ذلیل اور قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گام ہوئے، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے ص۲۷ حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے انتہائی نا عاقبت اندیشی سے (یزیدی) فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا ص۲۱۱

ایسے شخص کے متعلق جس کی کتاب کے چند اقتباسات اوپر مذکور ہوئے علمائے دین کیا فیصلہ دیتے ہیں۔

- ——— کیا حضرت مولا علیؓ اور حضرت سیدنا امام حسینؓ کی تحقیر کرنا جائز ہے؟
- ——— حضرت سیدنا مولا علیؓ کے مناقب اور فضائل کیا ہیں؟
- ——— حضرت سیدنا امام حسینؓ کے مناقب کتب احادیث میں کیا درج ہیں؟
- ——— کیا یزید حضرت امام حسینؓ سے افضل تھا؟
- ——— کیا یزید کی بیعت صحیح تھی؟
- ——— ایک ایسا شخص جو حضرت حسینؓ کو صحابیت کے درجہ میں شامل نہ کرے آپ کے نزدیک کیسا ہے؟

مستفتی

محمد اسماعیل خاں عاقل، اکبرآبادی

الجواب

آج تک تو یہ رونا اور چیخنا تھا کہ غیر مسلم اکابر اسلام کی اہانت کر رہے ہیں اور تاریخ اسلامیہ کو مسخ کئے دے رہے ہیں تاکہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ اور متنفر کریں۔ لیکن اس سوال کو دیکھ کر تو حیرت ہی ہو گئی کہ جو کام غیر مسلم بھی نہ کر سکے اس کا بیڑا آج ایک مدعی اسلام نے اٹھایا ہے ——— بیسیوں غیر مسلموں کے بیانات اس واقعہ کے متعلق دیکھے جنہوں نے حضرت امام عالی مقام کے اس فعل کو بنظر تحسین دیکھا ہے، اور یزید پلید کو ظالم ٹھہرایا ہے، لیکن حضرت امام عالی مقام کی توہین کرنے والا اور یزید عنید کا ثنا خواں دیکھا تو اس زید مدعی اسلام کو ——— حالاں کہ یہ دونوں امر موجب فسق ہیں، بلکہ اہل بیت کی اہانت تو موجب اذیت رسول ؐ ہے اور وہ موجب کفر۔ پس زید پر کید کے فاسق ہونے میں اصلاً کلام نہیں کتب تواریخ اور آثار صحابہؓ ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہو گا کہ علم و عمل، زہد و تقویٰ، جود و سخا، شجاعت و قوت، اخلاق و مروت، صبر و شکر، عفت و حیا وغیرہا صفات حسنہ میں سے کونسی صفت ایسی ہے جو اس بارگاہ کی کنیزوں میں نہ ہو۔ اسی لئے علما فرماتے ہیں کہ ان کے فضائل شریفہ حد حصر سے خارج ہیں، ذرا ذرا سی بات پر کنیزوں کا آزاد کر دینا تو آپ کے لئے ایک معمولی شے تھا۔ ان کی ایک ایک صفت سے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اگر وہ یکجا قلم بند کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو۔ میرا کیا زہرہ کہ ان کے کچھ فضائل بیان کر سکوں، جب ان کا موئی نحو دان کی اور ان کے

والدین اور ان کے برادر عالی وقار کی منقبت بیان فرمائے :-

انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا۔

اس میں اہل بیت سے مراد بالمعنی الاخص یہی حضرات مراد ہیں جس پر بکثرت احادیث دال ہیں یونہی آیت کریمہ مباہلہ :-

——— فقل تعالوا ندع ابناءنا وابنائکم الآیہ میں بھی یہی حضرات مراد لئے گئے ہیں، اور آیۃ کریمہ ———

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ میں بھی مسلمانوں سے اپنی ذوات عالیہ کی محبت مطلوب ہے اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے فضائل تو علماء نے اور بھی بکثرت آیات سے ثابت کئے ہیں، اور ان حضرات کی شان میں احادیث کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے، چند حدیثوں کا ذکر کروں، فرمایا کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوں گے ایک قرآن کریم ہے، دوسری، اہل بیت۔ یعنی جب تک احکام قرآنیہ کو بجا لاتے اور اہل بیت سے محبت کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے (ترمذی) اور فرمایا میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں میرے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں قصور نہ کرنا، میرے اہل بیت کے حقوق میں قصور نہ کرنا۔ (ترمذی) اور فرمایا اشتد غضب اللہ علی من اذانی فی عترتی اور فرمایا ان سے محبت مجھ سے محبت ہے اور ان سے بغض مجھ سے بغض ہے اور علی الخصوص حضرت امام ہمام کی شان میں فرمایا کہ حسین (علیہ السلام) سے جو لڑے اس سے میں لڑنے والا ہوں (معاذ اللہ) یہ ہیں مختصر فضائل اہل بیت کے اور اگر کسی کو بالتفصیل دیکھنا ہو تو وہ کتب سیر مثل تاریخ الخلفاء صواعق المحرقہ ہی کو ملاحظہ کرے۔ لیکن یزید پلید کے فضائل میں وہ کونسی آیت یا حدیث یا کسی مستند کتاب کی تاریخی روایت ہے جس میں یزید خبیث کے ان فضائل کا ذکر ہے جو یزیدی ٹولہ بیان کرتا ہے، ابھی تک تو جو یزید کے حامی نظر آئے ان کو بھی یہی کہتے سنا کہ یزید کیسا ہی فاسق فاجر سہی لیکن تھا تو خلیفۂ وقت۔ اگرچہ یہ بھی غلط ہے۔ لیکن انہوں نے بھی اسے ایسے صفات جلیلہ کا حامل نہ بتایا۔ ہم نے تو بعض احادیث میں یزید مرید کے متعلق یہ پیشگوئی پائی ہے فرمایا کہ ہمیشہ میری امت انصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ بنی امیہ میں ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا وہ اس دین میں رخنہ کرے گا اور وہ میری سنت کو بدلے گا (صواعق المحرقہ) اور کتب سیر پر نظر جاتی ہے تو ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شراب خور، تارک نماز، اور زنا جیسے دوسرے منکرات کا رواج دینے والا تھا، چنانچہ عبداللہ بن حنظلہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم یزید پر جب مقابلہ کے لئے اٹھے جب اس کے افعال خبیثہ کی وجہ سے ہم کو یہ خوف ہوا کہ اب آسمان سے پتھر برسیں گے (تاریخ الخلفاء وصواعق المحرقہ)، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

امتنع الحسین علیہ السلام من بیعتہ لانہ کان فاسقا مدمنا للخمر ظالما

(سر الشہادتین)

بلکہ خود اس کے لڑکے معاویہ ابن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرماتے ہوئے خلافت کو ٹھکرا دیا کہ میں ایسی خلافت

کو کیوں کر قبول کر سکتا ہوں جس کی بدولت میرے باپ یزید نے جو نااہل تھا، سرکار اقدس کے نواسے سے منازعت کی اور عترت رسول کو قتل کیا، اور شراب کو مباح کیا، اور خانۂ کعبہ کو خراب کیا۔ میں ایسی خلافت کو قبول نہیں کر سکتا، پھر دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور پھر نہ نکلے یہاں تک کہ چالیس روز کے بعد انتقال فرمایا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون (صواعق المحرقہ) ایسے ہوتے ہیں حق گو کہ حق کہنے میں اپنے باپ کی بھی رعایت نہ کی، غرض یہاں تو اس بدنصیب کے یہ مناقب ملتے ہیں اور اس کے فسق میں کسی کا بھی اختلاف نظر نہیں آتا۔ ہاں اس کے کفر میں البتہ اختلاف ہے۔ چنانچہ صواعق المحرقہ میں ہے :-

ان اهل السنة اختلفوا فی تکفیر یزید بن معاویه فقالت طائفة انه کافر (الی قوله)

وبعد اتفاقهم علی فسقه اختلفوا فی جواز لعنه انتهی ملتقطا۔

جو حضرات اسے کافر کہتے ہیں ان کے دلائل دیکھتے ہوئے تو ان ہی کا قول راجح معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے محرمات قطعیہ کو حلال کر دیا اور حضرت سید الشہداء اور آپ کے ساتھیوں کو ظلماً شہید کرایا۔ اور حضرت کے سر اقدس کے ساتھ بے ادبی کے ساتھ پیش آیا، نہ صرف یہ بلکہ اس کے بعد اس جرم پر کہ اہالی حرمین شریفین نے اس کی بیعت سے انکار کیا حرمین شریفین میں قتل عام کرایا جس میں سینکڑوں صحابہؓ اور قرار شہید کئے گئے، بلکہ اس کے علاوہ بھی وہاں جو مظالم اور شرمناک افعال شنیعہ کرائے وہ قابل بیان نہیں تو ایسی صورت میں اس کے کفر میں کیا شک رہ گیا، لیکن بایں ہمہ پھر بھی بربنائے شک محتاط علماء فرماتے ہیں کہ اس باب میں سکوت ہی بہتر ہے، اور اس کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ جس کی زید پرکیہ صفت و ثنا کرتا ہے۔ اس کے مظالم کی داستان اگر دیکھنی ہو تو کتب سیر، صواعق محرقہ وغیرہ ملاحظہ کریں، جس سے آپ کو اس پلید کی پرہیزگاری اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور کریم النفسی کا ڈھونگ بخوبی ہویدا ہو جائیگا، اور حضرت امام ہمام علیہ السلام کے فضائل جلیلہ کی بھی سیر ہو جائے گی۔ جس کو یہ بدنصیب زید کہتا ہے کہ حسینؓ کے متعلق شروع سے آج تک مسلمانوں کو جو کچھ یاد ہے وہ سب غلط اور مسلسل جھوٹ بولا گیا ہے، اس بدبخت نے نہ صرف مؤرخین کو بلکہ احادیث صحیحہ کو جھوٹا کہا ہے (معاذ اللہ) تعجب ہے کہ حکومت پاکستان ایسے مفسدین کی طرف کچھ بھی التفات نہیں کرتی۔ خلیفہ برحق امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جو خلفائے راشدین میں شمار کئے گئے ہیں، ان کی مجلس شریف میں کسی نے یزید کو امیر المومنین کہدیا تھا تو امیر المومنین نے اس کو صرف اتنی بات پر بیس تازیانے لگوائے تھے کہ تو ایسے ناپاک کو امیر المومنین کہتا ہے (صواعق)، اور اس نے تو نہ صرف اس ناپاک کو امیر المومنین کہا بلکہ اس کو امام ہمام سے افضل کہا۔ اور حضرت کی شہادت کو جاہلیت کی موت بتلایا۔ اور حضرت امیر المومنین ابن زبیر جیسے جلیل القدر صحابی کو ملحد کہا، جن کی شان یہ ہے کہ ان کے جسم میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اطہر کی آمیزش تھی، اور ان کی عبادت کا یہ حال تھا، کہ ایک شب صبح تک قیام میں صرف فرماتے تھے، اور دوسری شب رکوع میں اور تیسری شب سجدہ میں۔ اپنی زندگی کے ایام کو اسی طرح تقسیم کر رکھا تھا (تاریخ الخلفاء)

یہ ہیں اس نابکار کے ان ذوات عالیہ پر ناپاک حملے۔ پھر اس نے ان کو اپنی ہی ذات کے ساتھ مخصوص نہ

رکھا بلکہ اس کی طرف عام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے، تو اس کا جرم تو نہایت ہی عظیم ہے، اس لئے سخت سزا کا مستحق ہے اور اس کی یہ تصنیف جلا دینے کے قابل ہے کہ ان اقوال کے علاوہ اور بھی بہت اقوال لغو و باطل اور موجب توہین امام ہمام ہیں ——— کہتا ہے کہ حضرت کا صحابہ میں شمار نہیں حالاں کہ وہ صحابی ہونے کے علاوہ جگر گوشۂ رسول تھے، اور بعض ایسے جزوی فضائل سے ممتاز رہے جو کسی بڑے سے بڑے صحابی کو بھی حاصل نہ تھے۔ کتب احادیث میں چند احادیث مرفوعہ کی روایت بھی ان سے پائی جاتی ہے تو ان کی صحابیت کا انکار نہ کرے گا مگر پاگل۔ رہا ابن سعید امرِ خبیث تو ان کے ایمان کے ہی لالے پڑے ہوئے ہیں۔ جب ان کے ایمان کی طرف سے اطمینان ہو تو ان کی صحابیت پر غور کیا جائے، بعض علماء کو ان کے ایمان ہی میں کلام ہے ——— کہتا ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا، اس کی خلافت کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہؓ کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے بعض شرائط پر خلافت عطا فرمائی تھی، جن میں ایک شرط یہ تھی کہ ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنائیں، اور ان کے بعد مسلمان مختار ہوں گے جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں، اور بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ یہ شرط تھی کہ ان کے بعد پھر خلافت ہماری ہوگی، تو اس صورت میں تو حضرت معاویہ کا یزید کو خلیفہ بنانا ہی صحیح نہیں ہوا کہ اذا فات الشرط فات المشروط۔ نیز اہل حل وعقد اور عام اہل حرمین نے بھی اس کی خلافت کو نہ مانا۔ چناں چہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں حضرت ابو محمد عبداللہ بغدادی جو دوسری یا تیسری صدی کے ایک بڑے فاضل ثقہ گذرے ہیں فرماتے ہیں کہ:۔

> حضرت معاویہ نے جب بیعت یزید حاصل کرنے کا فرمان مروان عامل مدینہ کو لکھا تو اس نے جواب دیا کہ آپ کی قوم یزید کی بیعت سے انکار کرتی ہے، تو اس کو معزول کر کے سعید بن العاص کو مقرر کیا اور ان کو لکھا کہ بزرگانِ امت کو تو نہ چھیڑ، باقی لوگوں سے سختی کے ساتھ بیعت یزید حاصل کر اور انصار و مہاجرین اور ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔ تو انہوں نے بھی جو کچھ سختی کرنی تھی کی لیکن کچھ نہیں بنا۔ تو ناچار انہوں نے بھی حضرت معاویہ کو لکھ دیا کہ لم یبایعنی احد وانما الناس تبع لھؤلاء النفر فلو بایعوک بایعک الناس جمیعا ولم یتخلف عنک احد، یعنی لوگ تو بزرگوں کے تابع ہیں، اگر یہ بیعت کرلیں تو پھر تو ایک بھی بیعت سے انکار نہ کرے گا، آخر خود حضرت معاویہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے اور بہت کچھ ترکیبیں کیں کہ اکابر امت سے یزید کی بیعت حاصل کریں، لیکن ناکام رہے۔ (انتہی خلاصتہ)

ان حالات میں یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یزید متفق علیہ خلیفہ تھا، بلکہ بعض روایات میں تو یہ بھی آیا ہے کہ امیر معاویہ آخر وقت یزید کے ولیعہد بنانے پر نادم ہوئے اور اپنی اس تجویز کو واپس لے لیا اور بہ ظاہر یہ روایت بھی صحیح معلوم ہوتی ہے، کہ ان کی شان کی موافقت کرتی ہے، تو اس صورت میں تو استخلاف کی حقیقت تو در کنار اس کی صورت بھی باطل ہو گئی، اور یزید کی متغلبانہ حکومت رہ گئی۔ یہی وجہ تھی کہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز

رضی اللہ عنہ نے یزید کو امیرالمومنین کہنے والے کو سزا دی۔

اور یزید کا یہ قول بھی محض باطل کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس دعویٰ کی بنا پر یزید پر خروج کیا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہوں حضرت امام ہمام ہرگز لشکر لے کر اس کے مقابلہ کو نہ نکلے۔ وہ تو جب شامیوں نے یزید کو خلافت کا گدا بنا کر بٹھایا تب بھی خاموش ہی بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب آپ کے قتل کی تدبیریں کی جانے لگیں تب آپ بنظر تحفظ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور جب وہاں بھی اندیشہ دیکھا اور کوفیوں کے پے درپے ایلچی اور خطوط آئے اور آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ حالت موجودہ میں مجھے ان کی درخواست کا رد کرنا جائز نہیں تو مجبوراً آپ نے بذریعہ امام مسلم ان کی بیعت لینا قبول کی جس کا انکار اہل عقد میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں۔ ہاں یہ ثابت ہے کہ انہوں نے کوفہ جانے سے ضرور منع کیا تھا، لیکن آپ نے فرمایا کہ اصلی بات یہ ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد سے سُنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مکہ میں ایک مینڈھا ہوگا جس کی وجہ سے کعبہ کی حرمت حلال ہو جائیگی (یعنی ایک شخص ہوگا جو مینڈھے کی طرح ذبح ہوگا اور کعبہ کی بے حرمتی ہو گی) ایسا نہ ہو کہ وہ مینڈھا میں ہی ہوں اور میری وجہ سے کعبہ کی بے حرمتی ہو، غرض جب آپ کی طلب پر مزید تقاضے ہوئے تو آپ نے اہل مکہ کو شدید آہ وزاری میں چھوڑ کر اپنے اقارب اور بعض احباب کے ہمراہ کوفہ کا قصد کیا تھا، پھر جب آپ محصور کر لئے گئے تب بھی آپ نے ہرگز جدال کا قصد نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا کہ یا مجھے واپس جانے دو یا یزید کے پاس لے چلو۔ اور اگر تم مجھے دنیا میں دیکھنا ہی نہیں چاہتے تو مجھے ترکستان وغیرہ کی طرف جانے دو۔ تاکہ کفار سے جہاد کر کے ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں اور تمہاری مراد بر آئے، تم خود کیوں اس گناہ عظیم کے مرتکب ہوتے ہو، لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی اور پھر جو کچھ مظالم نہ کرنا تھے کئے۔ اور سب سے اول ابن سعد نے آپ کی طرف تیر پھینکا۔ اور مفرج کو گواہ کر کے کہا کہ تمہیں گواہی دینی ہوگی کہ سب سے پہلے امام کی طرف ابن سعد نے تیر چلایا تھا، اب اس واقعہ کو کون ایسا بے وقوف ہے سوائے زید کے کہ وہ امام کا یزید پر خروج کہے گا اور یوں بکے گا، کہ آپ نے یزیدی فوج پر اچانک قاتلانہ حملہ کیا، اور آپ کی موت معاذ اللہ جاہلیت کی موت تھی۔ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ آپ یقیناً نہ صرف شہید بلکہ سید الشہداء ہیں، جن کی شہادت کی خبر ان کے مولیٰ تعالیٰ نے بذریعہ جبریل امین وغیرہ ملائکہ متعدد بار دی، نیز وحی کی کہ میں نے یحییٰ (علیہ السلام) کے عوض ستر ہزار قتل کئے اور تمہارے نواسے کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار قتل کروں گا، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوا، اور حضرت امام الشہداء رضی اللہ عنہ کے مخالفین نہایت ذلت کے ساتھ قتل کئے گئے، اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جو شخص اس وقت وہاں موجود ہو وہ اس کی مدد کرے۔ اور حضرت امام کے مخالفین کے حق میں فرمایا کہ وہ لوگ میری شفاعت سے محروم ہوئے اس کے علاوہ شہادت کے روز سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کے خوابوں میں آ کر بحالِ پریشان اس واقعہ کی خبر دینا آسمان کا رونا، اور خون کا برسنا، تین روز تک اندھیرا رہنا۔ بیت المقدس میں جس پتھر کو اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون دیکھنا، جنات کا نوحہ کرنا اور مرثیئے پڑھنا، سر اقدس سے واقعاتِ عجیبہ کا ظہور ہونا، وغیرہ وغیرہ۔ کیا ایسے

امور میں جن کا کسی باغی کے قتل پر ظہور ہوا کرتا ہے۔
الحاصل زید اپنے ان اقوال واہیہ، کاذبہ، مردودہ کی وجہ سے اشد درجہ کا فاسق ہے جس کا فسق حد کفر کو پہنچ چکا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات کے مکتوب ۵۴ میں فرماتے ہیں:-

"یزید بے دولت از اصحاب نیست در بدبختی او کرا سخن است۔ کارے کہ آں بدبخت کردہ ہیچ کافر فرنگ نکند، بعضے کہ از علماء اہل سنت در سخن او توقف کردہ اند نہ آں کہ از وے راضی اند بلکہ رعایت احتمال توبہ کردہ اند۔"

زید پر بھی لازم ہے کہ توبہ بلکہ احتیاطاً تجدید اسلام کرے۔ اگر باز نہ آئے تو مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد مظہر اللہ غفر اللہ لہ
(دہلی)

۱۹۵۹ء میں محمد اسمٰعیل خاں عاقل اکبر آبادی مدیر ماہنامہ "اذان" (کراچی) کی طرف سے ایک فتویٰ بابت کتاب "خلافت معاویہ ویزید" حضرت مولانا ناصر جلالی علیہ الرحمہ (سرپرست ماہنامہ اذان) نے ارسال فرمایا تھا جس کا جواب حضرت نے مرحمت فرما دیا تھا جو اوپر نقل کیا گیا اور جو اذان کے نومبر ۱۹۵۹ء کے شمارے میں شائع بھی ہو گیا تھا، یہ جواب سائل نے کتاب مذکور سے جو اقتباسات پیش کئے تھے اس کو پیش نظر رکھ کر دیا گیا تھا۔ مگر جب اصل کتاب حضرت علیہ الرحمہ کے مطالعہ میں آئی تو حضرت مولانا ناصر جلالی صاحب ممدوح کو مندرجہ ذیل مفصل و مدلل جواب ارسال فرمایا:-

(نمبر ۲۲۸) جوابِ گرامی

مکرمی جناب مولینا محمد ناصر صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔ اس سے قبل آپ کے سوالات کے جوابات میں شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق فتویٰ ارسال کر چکا ہوں، اس کے بعد اتفاق سے مجھے ایک بزرگ نے عاریۃً عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" مطالعہ کے لئے بھیجی (غالباً اسی کتاب کے مصنف کے متعلق جناب نے استفسارات فرمائے تھے)، چناں چہ میں نے اس کے چند صفحے دیکھے جن کے دیکھنے سے قلب پر نہایت درجہ کدورت اور وحشت محسوس ہوئی اس لئے واپس کر دیا، میرے نزدیک اس کے مصنف نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یقیناً ایسا ہے کہ مسلمانوں کو حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے بدظن کرنے اور سنی شیعہ قضیہ کو پھر برانگیختہ کرنے والا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے ادلہ کا علیٰ وجہ التفصیل کما حقہٗ رد کیا جائے لیکن فقیر علیل ہے، خدا کرے کہ یہ کتاب تمام پاکستان میں ضبط کر لی جائے ورنہ جس طرح بن پڑے گا اس کے رد میں حتی الامکان کوشش تو کی جائے گی آج علالت میں کچھ افاقہ معلوم ہوتا ہے اس لئے مختصراً چند کلمے عرض کرتا ہوں۔

میں نے یہاں تک لکھا ہے اس کے مصنف نے اپنے دعوی کے اثبات میں تاریخ ابن کثیر (بدایہ نہایہ) کی زیادہ تر عبارتیں پیش کی ہیں جس میں سخت دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، اگر اس کی ہر عبارت کے متعلق اجمالاً بھی کلام کیا جائے تو کلام بہت طویل ہو جاتا ہے اس لئے میں علامہ ابن کثیر کی صرف ایک ہی عبارت پیش کرتا ہوں جس سے ناظرین کو علامہ موصوف کا عندیہ معلوم ہو جائے گا اور وہ سمجھ سکیں گے کہ ایسا شخص اپنی تصنیف میں یزید کو کس طرح محاسن جلیلہ کا حامل اور متقی کہہ سکتا ہے فقال :-

قد اخطأ یزید خطأ فاحشا فی قوله لمسلم بن عقبة ان یبیح المدینة ثلاثة ایام وهذا خطأ كبير فاحش مع ما انضم الی ذالك من قتل خلق من الصحابة وابنائهم وقد تقدم انه قتل الحسین واصحابه علی ید عبید الله بن زیاد وقد وقع فی هذه الثلاثة ایام مفاسد العظیمة فی المدینة النبویة ما لا یحد ولا یوصف مما لا یعلمه الا الله عز وجل وقد اراد بارسال مسلم بن عقبة توطیل سلطانه وملكه ودوام ایامه من غیر منازع فعاقبه الله بنقیض قصده وحال بینه وبین ما یشتهیه فقصمه الله قاصم الجبابرة واخذه اخذ عزیز مقتدر (انتهی، ص-۲۲۶)

(ترجمہ) یعنی فرماتے ہیں کہ یہ تو پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ یزید سے امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو ابن زیاد کے ہاتھوں شہید کرایا اس کے علاوہ اس سے یہ اور بھی نہایت ہی بڑی اور ذلیل تر خطا سرزد ہوئی کہ اس نے مسلم بن عقبہ کے لئے مدینہ کو تین روز تک مباح کر دیا (کہ ان ایام میں جو کچھ تم سے مظالم کئے جائیں اس میں کمی نہ کرنا) چنانچہ (تابعین کا تو ذکر ہی کیا ہے جلیل القدر) صحابہ اور ان کی اولاد میں سے ایک مخلوق قتل کی گئی اور مدینہ نبویہ میں ان مفاسد عظیمہ کا ارتکاب کیا گیا جن کی حد نہیں اور جو بیان نہیں کئے جا سکتے اللہ تعالیٰ ہی ان کو خوب جانتا ہے مسلم بن عقبہ کو بھیج کر یہ مظالم کرانے سے اس کا قصد بلا نزاع اپنی سلطنت و بادشاہت کی پختگی تھی، آخر اللہ نے اس کے مقصد کے برخلاف مواخذہ فرمایا اور اس کے مقصد اور اس کے درمیان اس قہار کا حکم آڑے آ گیا، پس سرکشوں کے ہلاک کرنے والے قادر مطلق نے اسے ہلاک کر دیا اور ایسی گرفت فرمائی جس طرح ایک زبردست صاحب قدرت کی گرفت ہوتی ہے۔

(مضمون عبارت ختم ہوا)

اب ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ اس عبارت میں جو کچھ ابن کثیر فرما رہے ہیں کیا امیر المومنین خلیفۃ المسلمین اور اتقی المتقین کے حالات اس ہی طرح بیان کئے جاتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ بعض مقامات میں ابن کثیر نے اس کے محاسن بھی بیان کئے ہیں تو اس سے اس پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک

وہ خلیفۃ المسلمین اور متقی تھا ـــــــ فاسق تو فاسق اشد درجہ کے کافر کے بھی بکثرت محاسن بیان کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ شیطان کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا عابد تھا، معلم الملکوت تھا، تو اس کی اس صفت بیان کرنے والے پر یہ کیسے الزام لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اسے مومن عابد سمجھتا ہے جب کہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کر کے راندۂ درگاہ ہو گیا۔ یہی حال یزید کا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی وقت میں پسندیدہ اخلاق رکھتا ہو اور امارت کے نشہ نے اسے خراب کیا ہو یا حالت امارت میں بھی کچھ اچھے اخلاق رکھتا ہو اور ان قبائح عظیمہ نے سب پر پانی پھیر دیا ہو۔ بہرحال اب تو وہ یہ شان رکھتا ہے کہ محدث ابن جوزی، حضرت امام احمد بن حنبل، ابو یعلی جیسے حضرات اس پر لعنت کے جواز کے قائل ہو گئے بلکہ محدث ابن جوزی نے اس شخص کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جو یزید کی مذمت کرنے کو منع کرتا ہے، جس کا نام :-

"الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید"

رکھا (نبراس) ـــــــ شرح عقائد نسفی میں کہا :-

الحق ان رضاء یزید بقتل الحسین (صلی اللہ علیہ وسلم) واستبشارہ بذالک واھانتہ اھل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناہ وان کانت تفاصیلہ آحادا فنحن لا نتوقف فی شانہ بل نتوقف فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ۔ انتہی۔

لیکن جیسا میں پہلے بتلا چکا ہوں احتیاط اس ہی میں ہے کہ اس پر لعنت نہ کرنی چاہیئے، اکثر علماء کا یہی مسلک ہے، ہاں کسی محب اہل بیت سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کو برا بھی نہ کہے، فرض کیجیئے یزید اعلیٰ درجہ کا متقی پرہیزگار ہی سہی لیکن اس کے برا کہنے میں اس قدر نقصان کا خوف نہیں جس قدر سرکار عالی تبار فداہ نفسی وابی وامی حضرت امام عالی مقام کی طرف سے مسلمان کے قلب میں ادنی درجہ میل آنا بھی باعث نقصان ہے، کوئی تعجب نہیں کہ مسلمان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

عباسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یزید باتفاق مسلمین خلیفہ تھا اور جس نے اس کی مخالفت کی وہ باغی تھا، اور یہ سراسر غلط ہے، شامیوں نے برضا و رغبت بیعت کی ہو تو ممکن ہے کہ وہ اپنی بہبودی اس ہی میں دیکھتے ہوں ورنہ اہالی حرمین شریفین اور عراق اور مصریوں میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جنہوں نے برضا و رغبت بیعت کی ہو گی، کسی نے دھوکہ میں آکر بیعت کی اور کسی نے جان کے خوف سے اور بعض اکابر نے بصراحت انکار کر دیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ قیصر و کسریٰ کے طریق پر اپنے لڑکے کے لئے بیعت لے رہے ہیں؟ یعنی مسلمانوں کا اتفاق اس کی بیعت پر ہرگز نہیں ہے۔ نہ کسی خلیفہ نے اپنے کسی لڑکے کو اپنا ولی عہد بنایا حالاں کہ ان کے صاحبزادے آپ کے لڑکے سے بدرجہا افضل و اولیٰ تھے، ہم ہرگز اس کی خلافت پر بیعت نہ کریں گے ـــ غرض یہ اپنے مقام پر ثابت ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت اور ان کی اولاد اس کی اطاعت سے

باہر تھی اور جو اس دھوکہ میں کہ اکابرین صحابہ نے بیعت کر لی ہے اور جو جان کے خوف سے بیعت ہو گئے تھے، ان پر جب اس دھوکہ کا انکشاف ہوا اور خوف گیا تو انہوں نے بھی بیعت توڑ دی اور یہ ان کے لئے جائز تھا، بلکہ بعض ان لوگوں نے جنہوں نے برضاء و رغبت بیعت کی تھی، جب اس کی شراب نوری اور ترک نماز اور حرام باتوں کے حلال کر دینے کا حال دیکھا تو انہوں نے بھی بیعت توڑ دی کہ ان کے نزدیک فاسق کی بیعت جائز نہ تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی خلافت پر مسلمانوں کا اتفاق تھا اور اس کا مخالف باغی تھا۔ کیا اب مسلمان کے قلب سے خدا کا خوف بالکل جاتا رہا کہ ایک فاسق و فاجر کے مقابل ایک جماعت صحابہ بلکہ اکابرین صحابہ بلکہ جگر گوشۂ مصطفےٰ علی صاحبہ التحیۃ و الثناء کو فاسق و باغی ٹھہراتا ہے، جو ان کی ایذا کا باعث ہے؟ اور حدیث شریف میں آیا ہے "جس نے ان کو ایذا دی بلاشبہ اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی یقیناً اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی گرفت فرمائے گا۔"

معہذا میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حق نہ تھا کہ برخلاف عہد، یزید کو خلیفہ کرتے، ان کو ان کی زندگی تک خلافت سپرد کی گئی تھی ان کے بعد پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مستقل خلیفہ تھے، گویا کہ اپنی زندگی کے زمانے میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے نائب تھے چناں چہ صواعق محرقہ میں ہے

ولذا نائب معاویۃ عنہ

پس نائب کو کیا حق کہ وہ اپنا کسی کو قائم مقام کرے، حضرت امام نہ رہے تھے تو مسلمان مختار تھے، خلافت کے لئے جس کو چاہتے انتخاب کرتے، اور اس سلسلے میں عباسی کا یہ کہنا حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دب کر صلح کی تھی، یہ بالکل غلط ہے ان کے ساتھ تو اتنا بڑا جرار لشکر تھا جس سے خوف کھا کر حضرت امیر نے پیغام صلح بھیجا اور حضرت امام کی وہ شرائط جو نہ منظور کی جا سکتی تھیں طوعاً و کرہاً سب منظور کیں ورنہ حضرت امام کا شرائط پیش کرنا کیا معنی رکھتا تھا؟ ۔ چناں چہ صحیح بخاری کتاب الصلح میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے مقابلے میں پہاڑوں کی مانند لشکر لے کر گئے تھے اس کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ سے کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب تک اپنے حریفوں کو قتل نہ کر لیں گے پیٹھ نہ پھیریں گے انہوں نے کہا اگر ان کے لشکر نے ہمارے لشکر کو قتل کر دیا ——— تو میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے والا اور لشکریوں کی عورتوں اور ان کے مالوں کا انتظام کرنے والا کون رہ جائے گا؟ (جب یہ خوف دامن گیر ہوا، تو حضرت معاویہ نے بنی عبد شمس کے دو آدمیوں یعنی عبد الرحمٰن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر کو حضرت امام کی خدمت میں صلح کی بات چیت کرنے کو بھیجا، جب وہ حضرت امام کی خدمت میں پہنچے اور صلح کے لئے عرض کیا تو حضور نے فرمایا کہ "ہم بنی عبد المطلب ہیں (یعنی کسی سے دبنے والے نہیں پھر) یہ تو سوچو کہ

(جنگ کی طیاری میں)، ہم کس قدر مال خرچ کر چکے ہیں ادھر لشکر ہے کہ جنگ کے لئے بےچین ہے، دونوں نے عرض کیا کہ معاویہ کی تو جناب کی خدمت میں یہی درخواست ہے۔ آخر حضرت امام نے کچھ شرائط پیش کیں پس جو شرط بھی پیش کی انہوں نے منظور کی (یعنی ناچار مسلمانوں میں خون ریزی کے خوف سے)۔ حضرت امام نے حضرت معاویہ سے صلح کر لی۔"

(انتہی)

اسی مضمون کی بخاری شریف "کتاب الفتن" میں حضرت سفیان بن عیینہ سے اور بھی ایک روایت ہے بلکہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سادہ کاغذ حضرت امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیا کہ جو چاہیں شرائط تحریر فرمائیں مجھے سب منظور ہیں، اب ناظرین ملاحظہ فرمادیں کہ کیا دبے ہوئے انسان کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کی طرف سے خواہ کیسی ہی سخت سے سخت شرائط پیش کی جائیں غالب انسان بلا جھجک سب تسلیم کئے چلا جاتا ہے اور کیا ایسی صحیح قوی حدیثوں کے مقابل کسی کی ایسی روایت پیش کی جا سکتی ہے جو ان احادیث کی تردید کرے اور یہ کہا جا سکے کہ حضرت امام نے خوف زدہ ہو کر ہتیار ڈال دیئے اور خلافت امیر معاویہ کو سپرد کر کے دست بردار ہو گئے حالاں کہ حالت یہ تھی کہ اس مصالحت سے آپ کے لشکریوں کو سخت رنج پہنچا اور بعض بیوقوف کہہ اٹھے "یا عار المسلمین" ! حضور نے تو ہم سب کو شرمندہ اور ذلیل کر دیا۔ لیکن آپ نے اس کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اور یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میرے والد ماجد سے مقابلہ کیا اور ان کے ساتھ چال بازی سے پیش آیا پھر آج میرے مقابلہ میں کھڑا ہے اور میرے پنجہ میں آچکا ہے لیکن جب وہ ندامت اور لجاجت سے پیش آیا تو آپ نے فوراً اسے دامن حمایت میں ڈھانپ لیا اور سرکار اقدس کی پیشین گوئی "یہ میرا بچہ دو بڑے گروہ میں صلح کرائے گا" ہو بہو پوری ہو گئی۔ امیر معاویہ و ان کے لشکریوں کا کیا ذکر دنیا اس جرأت و شجاعت کی داد دیتی ہے کہ بڑے بڑے دلیر اور قوت والے دیکھے لیکن اس امام کی شجاعت کے مقابلے میں تو کوئی نظیر ہی نہیں ملتی ہاں البتہ ان کے نانا جان کو ضرور دیکھا کہ جب فتح مکہ کرتے ہیں تو اپنے جانی دشمنوں کو صدائے عام دیتے ہیں کہ "لا تثریب علیکم الیوم" سبحان اللہ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو کہ مظہر الٰہی ہیں ——— اس رحمان و رحیم کے مظہر جو فرماتا ہے سبقت رحمتی علی غضبی۔ غرض صحیح یہی ہے کہ امام علیہ السلام نے اپنی تمام شرائط منوا کر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات تک امارت ان کے سپرد کی تھی جس میں ایک اہم شرط یہ بھی تھی :-

لیس لمعاویۃ بن ابی سفیان ان یعھد الی احد من بعدہ عھدًا بل یکون الامر من بعدہ شوریٰ بین المسلمین۔

یعنی معاویہ کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ اپنے بعد کسی کے لئے اس امر امارت کی وصیت کریں بلکہ ان کے بعد مسلمانوں کے مشورے اور اتفاق سے طے پائے گا۔

اس صورت میں امیر معاویہ، یزید کو خلافت سپرد کرنے کا حق نہ رکھتے تھے ان کی یہ غلطی بھی ایسی ہی تھی جیسی حضرت

علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مقابلے میں ان سے سرزد ہوئی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ بھی باوجودیکہ حضرت امام کے نائب ہوئے لیکن پھر بھی خلیفہ نہ تھے کہ خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ لقولہ علیہ السلام :-

الخلافۃ بعد ثلثون سنۃ ثم یصیر ملکا عضوضا (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

فمعاویۃ ومن بعدہ لا یکون خلفاء بل ملوکا و امراء۔ (شرح عقائد)

ہاں مجازاً ان کو خلیفہ کہا جا سکتا ہے اور وہ بھی اس وقت تک جب تک وہ شرائط کی پابندی کے ساتھ نیابت کرتے رہے لیکن جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رنگ بدلا تو ان کی اور ان کے بعد کے امراء کی حیثیت خالص بادشاہوں کی سی ہو گئی خصوصاً اس وقت سے جب کہ انہوں نے ایک نااہل کو اپنا خلیفہ کیا جس نے اپنا قبضہ جماتے ہی حضرت امام کی جس قدر شرائط تھیں سب ہی کو تو پامال کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں اختلاف رونما ہو گیا اور اس کی مجموعی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، پس ہر ملک والے کو اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ جس کو چاہے اپنا بادشاہ تسلیم کرے اور جس سے چاہے قطع تعلق کرے کہ اب خلافت کا تو خاتمہ ہی ہو چکا تھا گو یہ حالت مسلمانوں کے زوال کا باعث ہوئی اور اس کی وجہ سے جو فسادات ظہور میں آئے ان کا بیان متعذر ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کا بانی کون تھا؟ اس کے بانی تھے حضرت معاویہ اور اسے حضرت امام کے سر تھوپا جاتا ہے، سرکار اقدس کا ارشاد تھا اذکرکم اللہ فی اھل بیتی یعنی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں میرے اہل بیت کے حقوق میں قصور نہ کرنا۔" اسے مکرر سہ کرر بطور مبالغہ کے فرمایا جس پر بعض بے وقوف آج جو عمل کر رہے ہیں "کتاب خلافت معاویہ و یزید" سے ظاہر ہے گویا اب اس کے یہ معنی لئے جا رہے ہیں کہ میں تمہیں اس لئے ڈراتا ہوں کہ کہیں میرے اہل بیت کی محبت اور ان کی پیروی نہ کر بیٹھنا! ۔ سرکار اقدس کا ارشاد تھا :-

لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔

یعنی قرآن کریم اور اہل بیت ہرگز آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر مجھے ملیں گے۔

(یعنی اہل بیت کا ہمیشہ وہی عمل رہے گا جو قرآن کریم کا ارشاد ہو گا) تو ذرا غور کرتے رہنا کہ ان دونوں کے معاملے میں میرے کیسے خلیفہ رہتے ہو؟ لیکن آج اس کی تکذیب کی جانے لگی ہے اور کہا جانے لگا ہے کہ حضرت امام کا عمل قرآن کریم کی آیۂ کریمہ لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا کے خلاف ارشاد نبوی تھا :-

الا ان مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک۔

یعنی مسلمانو! یاد رکھو کہ میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی کی مانند ہے کہ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو سوار نہ ہوا ہلاک ہوا۔

یعنی اسی طرح میرے اہل بیت کے ساتھ جس نے محبت کی اور انہیں اپنا قائد بنایا اس نے نجات پائی اور جس نے ان سے منہ پھیرا ہلاک ہوا، لیکن آج بجائے اہل بیت کے یزید کو اس حدیث کا مصداق بتلایا جاتا ہے اور افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ حضرت امام نے یزید کی پیروی نہ کرکے اپنے ساتھیوں کو (معاذ اللہ) ہلاک کیا گویا اس پر افسوس ہے کہ یہ کشتی بھی کیوں نہ بھنور میں پڑ گئی تاکہ امت محمدیہ کے لئے کوئی سہارا ہی نہ رہتا و لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ نہ معلوم اہل بیت علی الخصوص حضرت امام حسین علیہ السلام سے بعض الناس کو کیوں پرخاش ہے اور حضرت نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔

پہلے حضرت امام عالی مقام کے لئے ایصال ثواب پر حملہ کیا گیا کہ ان کی فاتحہ کا شربت پیشاب کا حکم رکھتا ہے لیکن جب دیکھا کہ اس کا عام مسلمانوں پر کچھ اثر نہ ہوا تو یہ خیال میں آیا کہ جب تک مسلمانوں کے قلوب میں امام عالی مقام کی محبت جلوہ فگن ہے اس سے مسلمان باز نہ آئیں گے لہٰذا وہ چال چلنی چاہیئے کہ یہ محبت ہی ان کے قلوب سے جاتے اور بجائے اس کے یزید کے شیفتہ ہوں اور حضرت امام کے رویہ سے تنفر کرنے لگیں گویا ان کے قلوب میں امت محمدیہ کا بڑا درد ہے۔ خیال کرتے ہیں کہ یہ معاذ اللہ ایک فاسق (حسین علیہ السلام) کی ثنا خوانی اور ایک مرد متقی (یزید پلید) کی مذمت کرکے گنہ گار ہو رہے ہیں ان کو اس سے بچایا جائے مگر نہیں جانتے کہ اپنا گھر دوزخ میں بنا رہے ہیں لقولہ علیہ السلام :-

والذی نفسی بیدہ لا یبغضنا اھل البیت احد الا ادخلہ النار۔

یعنی خدا کی قسم ہم اہل بیت سے جو شخص بغض رکھے گا اسے اللہ تعالیٰ ضرور دوزخ میں داخل کرے گا۔

میں اپنے موضوع سے ہٹ گیا بتلانا مجھے یہ تھا کہ جو حالات یزید کو امیر بنانے سے پیش آئے وہ ہرگز ہرگز ایسے نہ تھے کہ یزید کی امارت کی مخالفت کو خروج ممنوع سے تعبیر کیا جا سکے، خروج ممنوع وہ ہے جو ناحق ایسے امام برحق پر کیا جائے جس کی امامت پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہو (قطع نظر ایک طامع کے) اور یزید کے لئے یہ بات نصیب ہی تھی تنویر اور اس کی شرح درمختار میں ہے :-

(البغاۃ شرعا، ھم الخارجون علی الامام الحق بغیر حق فلو بحق فلیسوا ببغوۃ۔ انتھی

درمختار میں ہے :-

ان المسلمین اذا اجتمعوا علی امام وصاروا آمنین فخرج علیہ طائفۃ من المؤمنین فان فعلوا ذالک لظلم ظلمھم فلیسوا من اھل البغی انتھی

اور یہ ثابت ہے کہ یزید کی امارت پر مسلمانوں کا اجماع نہ تھا بس جن مسلمانوں نے اس کی امارت تسلیم ہی نہ کی تھی

اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اگر اس کو امیر تسلیم کر لیا گیا تو دین میں خرابی واقع ہو جائیگی، وہ جب اس کی رعایا میں داخل ہی نہ ہوئے تھے تو ان کے اس فعل کو کہ انہوں نے اس سے کنارہ کر لیا کیسے خروج ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے لہٰذا یہ خروج ایسا ہی تھا جیسے کوئی شخص کسی مفسد سے علیحدگی اختیار کرے جو شرعًا اس پر لازم ہے۔

غرض عباسی کا اسے خروج ممنوع قرار دینا ہرگز صحیح نہیں، مجھے ان پر اس قدر افسوس و تعجب نہیں کہ کسی دنیوی مفاد نے انہیں اس پر غور کرنے کا موقعہ نہ دیا اور افراد انسانیہ سے دنیا کی طمع میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے سخت تعجب تو عوام پر ہے کہ اتنا نہیں خیال کرتے کہ کیا لاکھوں اکابرین امت معاذ اللہ اندھے ہو گئے تھے جن میں بیسیوں محدثین بھی داخل ہیں، تیرہ سو سال تک کسی کو بھی وہ تحقیق میسر آئی جس پر چودھویں صدی کا ایک علامہ کامیاب ہو گیا اور اس نے پوری امت کو جھوٹا ثابت کر دکھایا نہیں بلکہ سرکار اقدس کی صحیح حدیثوں کو موضوع ثابت کر دیا، ایسے مواقع پر حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالۃ بہت پیش کی جاتی ہے اور اس کو اصول میں داخل کر رکھا تھا لیکن علامہ عباسی کی تحقیق سے آج کھلا کہ معاذ اللہ یہ بھی موضوع ہی ہے، شرم! شرم! شرم!

میری اس تحریر میں میری عادت کے خلاف بعض نامناسب الفاظ ضرور آئے ہوں گے لیکن ناظرین مجھے معذور رکھیں کہ کیسا ہی کوئی بردبار کیوں نہ ہو لیکن جب اس کے جان نواز محبوب کو کوئی چھیڑتا ہے تو وہ بھی چیخ اٹھتا ہے مولیٰ تعالیٰ علامہ عباسی کی اس کتاب کے زہری اثر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ فقط

نوٹ:۔ فتاویٰ نمبر ۲۲۷ و ۲۲۸ محمد اسمٰعیل خاں عاقل اکبرآبادی کی تالیف "تردید یزیدیت" مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۶۰ء میں شائع ہو چکے ہیں (ص ۶۰-۷۱-۹۱-۱۰۶)

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی
(۶ دسمبر ۱۹۵۹ء)

(سوال نمبر ۲۲۹) زید کہتا ہے کہ منافق کی شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں ہے لیکن بکر کہتا ہے کہ ضرور کوئی حد مقرر ہوگی۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

زید صحیح کہتا ہے کوئی حد مقرر نہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۳۰)

(۱) جمعیۃ العلماء الہند دہلی کے عقائد کیسے ہیں؟

(۲) جمعیۃ العلماء ہند دہلی میں شرکت کرنا، جابجا شہر شہر اس کی شاخیں قائم کرنا اور اس کو مضبوط بنانا از روئے شرع گناہ تو نہیں؟

(۳) جمعیۃ مذکور میں کوئی سنی عالم شریک ہوا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

(۴) سنی علماء کرام کی بھی کیا کوئی جماعت قائم ہے؟ اگر ہے تو اس کا کیا نام ہے اور اس نے کیا کارنامے انجام دیئے، اس میں مسلمانوں کا شریک ہونا کیسا ہے؟

(۵) جمعیۃ العلماء کے کسی عالم کو جلسہ عید میلاد النبی میں دعوت دینا اور تقریر کے لئے بلانا کیسا ہے؟

جواب باصواب مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی

پیرزادہ سید محمد اصغر علی سنی حنفی قادری

سگ درگاہ جیلانی۔ قاضی شہر و خادم شرع

جاورد (مدھیہ بھارت)

الجواب

جمعیۃ العلماء ہند دہلی میں اکثر دیوبندی حضرات ہیں اور انہیں کی طرف یہ جمعیت منسوب ہے، اور عام طور پر سب ہی اس سے واقف ہیں کہ ان کے بعض خیالات اہل سنت کے مسلک کے مخالف ہیں ہاں سنا جاتا ہے کہ ایک صاحب علمائے اہل سنت سے بھی اس میں شریک ہیں، عام طور پر علماء اہل سنت کا اس جمعیۃ کی شرکت سے احتراز کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آقا حکیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ان کو اس سے ممانعت فرمائی ہے:۔

فقال علیہ السلام مثل الجلیس الصالح وجلیس السوء کمثل صاحب المسک و کیر الحداد لا یعدمک من صاحب المسک اما ان تشتریہ او تجد ریحہ و کیر الحداد یحرق بدنک او ثوبک او تجد منہ ریحا خبیثۃ۔ (جامع الصغیر)

بلکہ خود مولیٰ جل وعلیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔

یہی وجہ ہے کہ حکماء فرماتے ہیں ؎

نخست موعظت پیر مجلس این سخن است کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید۔

بلکہ خود جبلتِ انسانی کا اقتضا بھی یہی ہے کہ الجنس الیٰ جنسہ یمیل -

دوسری جماعت اہلِ سنت کی "رضائے مصطفےٰ" ہے جو بریلی میں قائم ہے- ان جماعتوں کے علاوہ اور بھی طرفین کی چھوٹی موٹی جماعتیں ہیں لیکن چونکہ فقیر دونوں جماعتوں کی شرکت سے محروم ہے اس لئے یہ تو نہیں بتلا سکتا کہ ان دونوں نے مسلمانوں کے سیاسی کام کیا کئے - جمعیۃ العلماء تو سیاست سے علیحدہ ہو چکی ہے وہ تو اس میں کر بھی کیا سکتی ہے ہاں دینی مسائل میں ان کے بعض ایسے کام معلوم ہوئے جو ان کو نہ کرنے چاہیئے تھے پس جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کا حاصل یہی ہے کہ ایک سنی کو کسی سنی جماعت میں شریک ہونا چاہیئے اگر اس میں کچھ خامی یا کمزوری محسوس کرے تو اس کے دور کرنے کی کوشش کرے -

عید میلاد النبی کا مسئلہ بھی چونکہ خاص اہلِ سنت کا ہے اور جمعیۃ کی اکثریت اسے ناجائز کہتی ہے تو ایسے فرد کو جو اسے ناجائز کہتا ہے اس جلسۂ مبارکہ میں شرکت کے لئے کیسے تکلیف دی جا سکتی ہے وہ کسی مصلحت سے یا آپ کی مروّت سے قبول بھی کرے گا تو گو آپ کو اس کا احساس نہ ہو، کوئی نہ کوئی سنسنہ ضرور دروقوع میں آئے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی میں جو جلیس سوء کی مضرت مذکور ہے وہ لابدی ہے - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۶ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ / ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۵ء

(سوال نمبر ۲۳۱)

(۱) کیا کسی پبلک مذہبی جماعت کے منتخب صدر کی حیثیت شرعی "امیر المومنین" کی ہوتی ہے ؟

(۲) کیا اس قسم کی جماعت کے قائم کردہ بیت المال کی حیثیت خلافت حقہ کے بیت المال کی ہوتی ہے ؟

(۳) کیا اس قسم کے بیت المال کے سربراہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وصول شدہ رقوم زکوٰۃ و فطرہ کو حیلۂ تملیک کے ذریعہ شخصی ملکیت بنا دے اور اس کے نتیجے میں جس طرح چاہے تصرف کرے ؟

(۴) کیا اس قسم کے بیت المال میں دی گئی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے[1] ؟

مستفتی
رضا احمد صدیقی، دہلی

---

[1] اس فتویٰ کا پہلا جواب مولانا عبد الغنی صاحب مدرسہ امینیہ دہلی نے تحریر فرمایا ہے دیکم ذیقعدہ ۷۹ھ) اس پر تصدیق حضرت نے فرمائی ہے جو پیشِ ناظرین ہے -

الجواب

نہ ایسی جماعت (کا صدر) امیر المومنین کا حکم رکھتا ہے نہ اس کا نام نہاد بیت المال خلافت حقہ کے بیت المال کی حیثیت رکھتا ہے البتہ یہ جماعت مزکی کی جانب سے وکیل کی حیثیت ضرور رکھتی ہے پس اگر اس کا اطمینان ہو کہ وہ ادائے زکوٰۃ کے شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے بلا تاخیر مصرف زکوٰۃ ہی میں خرچ کرے گی اور اس کو اپنے بیت المال میں جمع نہ رکھے گی نہ غیر مصرف میں خرچ کرے گی تو اس کو اس امر میں وکیل بنانے میں مضائقہ نہیں ورنہ ناجائز ہے اور بہتر بھی یہی ہے کہ کسی کو وکیل بھی جب بنائے جب اسے خود کوئی اچھا مصرف نظر نہ آئے ورنہ خود ہی صرف کرے۔

حیلۂ تملیک کا اگر یہ منشاء ہو کہ مستحق زکوٰۃ مالِ زکوٰۃ پر قبضہ پاکر پھر واپس کر دے تو یہ تو محض بیکار ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، نہ ایسا کرنے والے کو وکیل بنانا جائز، ہاں اگر کوئی ایسا مصرف پیش آجائے جس میں خرچ کرنا واجب ہے لیکن وہ مصرف زکوٰۃ نہ ہو، نہ اس پر کوئی خرچ کرنے والا تو مزکی زکات کسی غریب کو دے کر اسے مشورہ دے کہ اس میں خرچ کر دے یا اس میں سے کوئی معقول رقم خرچ کر دے اور باوجودیکہ اس پر اس کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں اپنی خوشی سے اس میں صرف کر دے تو جائز ہے۔ اس صورت میں مزکی کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اور خرچ کرنے والے کو ثواب بھی ملے گا۔ کذا فی کتب الفقہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(امام)
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۳۲)

(۱) تبلیغی جماعت والے نماز کے فوراً ہی بعد جب کہ بعض لوگ مسجد میں نماز پڑھتے ہوتے ہیں تقریر شروع کر دیتے ہیں، کیا یہ فعل جائز ہے۔
(۲) تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں کہ ان تحریک، تحریک صلوٰۃ ہے، کیا یہ صحیح ہے؟
(۳) اس جماعت کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ان کی تقریر سُننا کیسا ہے؟
(۴) ان کو کسی مسجد یا خانقاہ کی کمیٹی کا ممبر بنانا کیسا ہے؟ بینوا و توجروا۔

مستفتی
محمد یوسف نور محمد
مقیم حال ۹۶ - مورلینڈ روڈ بمبئی ۸
یکم رجب ۱۳۸۶ھ / ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۶ء

الجواب

اوّل تو نماز پڑھنے والوں کے پاس تقریر کرنا حرام ہے دوسرے نمازیوں کو نماز کی تبلیغ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے نماز کی تبلیغ ایسے مجمعوں میں کرنی چاہیئے جس میں بے نمازی ہوں، تیسرے حقیقت میں نماز کی تبلیغ ہی مطمح نظر نہیں ہے اپنے ان مسائل کا پردہ ہے جو اہل سنت کے خلاف (ہیں اور ان) مسائل سے (ان کا) ذہن مملو ہے، چنانچہ قائداوّل مولوی الیاس صاحب اپنی دعوت کے صفحہ ۲ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"میاں ظہیر الحسن میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ تحریک صلوٰۃ نہیں ہے۔ ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا کہ میاں ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے۔"

اس کلام میں بصراحت فرمایا کہ اس سے منشاء کچھ اور ہے اور وہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے مسائل کی ترویج ہو جو اہل سنت کے خلاف لکھتے ہیں جن کا ذکر اکثر کتابوں میں موجود ہے۔

اس جماعت میں مختلف اقسام کے لوگ موجود ہیں جو شخص اہل سنت کے خلاف بیان کرتا ہو اس کی تقریر سننا نہ چاہیئے کہ ظاہر میں نماز کی تبلیغ کرتے ہیں۔ موقع پاتے ہیں تو خلاف مسائل کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں تو ان کی تقریر سننا ممنوع ہے، نہ ان کی اقتداء جائز ہے نہ ایسے کو کمیٹی کا رکن بنانا جائز۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۳۳) اہل ھنود کی مسلمہ کتب مذہبیہ سے یہ ثابت ہے کہ اشیاء خوردنی مثلاً مٹھائی، شربت پانی وغیرہ ملیچھ (مسلمان) کے پرچھاویں سے اہل ھنود کے نزدیک ناپاک (نجس) ہو جاتی ہیں اس پرچھاویں سے محفوظ رکھنے اور ناپاک چیز کو پاک کرنے کے لئے ان اشیاء پر "گئو موتر" یعنی گائے کے پیشاب کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں، پرچھاویں سے محفوظ رکھنے اور ناپاک کو پاک کرنے کے لئے اہل ھنود کے ہاں سوائے گئو موتر کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اگر کوئی ہندو کسی مسلمان کے ہاتھ چھوا ہو یا مسلمان کے گھر کا پکا ہوا کھانا کھالے تو وہ شخص اس وقت تک کبھی "شدھ" یعنی پاک نہیں ہو سکتا جب تک "پنچ گئویہ" یعنی گائے کی پانچ چیزیں ملا کر نہ پی لے یعنی گوبر، پیشاب، گھی، دودھ، دھی ــــ مشاہدے سے یہ ثابت ہو گیا کہ صبح کو جب اہل ھنود دوکانیں کھولتے ہیں یا خوانچے والے اشیاء خوردنی فروخت کرنے کے لئے لے کر گھر سے نکلتے ہیں یا برہمن پرپیاؤ پہ پانی پلانے کے لئے بیٹھتا ہے تو لازمی ہوتا ہے کہ پہلے ہر چیز پر اور پانی کے مٹکوں میں گئو موتر کے چھینٹے ڈال دے تاکہ ملیچھ (مسلمان) کا پرچھاواں پڑ کر ناپاک نہ ہو جائے۔ ایسی شکل میں

ہندؤں کے ہاتھ کا کھانا، ان کی دوکانوں سے مٹھائی وغیرہ خریدنا یا ان کے پیاؤ سے پانی پینا مسلمانوں کے لئے حرام ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب ھو الموفق للصواب

اس باب میں لوگوں کا مختلف بیان ہے کہ ان اشیاء خوردنی میں جو ساختہ اہل ہنود ہیں اور اہل اسلام کے ہاتھ وہ فروخت کرتے ہیں۔ اہل ہنود گائے کا پیشاب ملاتے ہیں یا نہیں —— سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دوکاندار ایسا کرتا ہے لیکن اکثر سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ عام ہندؤں کا روزمرّہ کا یہ عمل نہیں پس ایسی صورت میں عام طور پر تو اشیاء بلحاظ اپنی اصل کے پاک ہیں لان الخبرین تساقطا بحکم التعارض فتعتبر الاباحۃ الاصلیۃ۔ ہاں اگر کسی خاص مٹھائی وغیرہ کے متعلق کوئی ایک مسلمان عادل بھی اس قسم کی خبر دے یا کسی دوسری وجہ سے یہ بات بظن غالب ثابت ہو جائے کہ اس دوکاندار نے اس میں نجاست ملائی ہے تو اس کا استعمال حرام ہوگا۔ عالمگیری میں ہے :۔

خبر الواحد یقبل فی الدیانات کالحل والحرمۃ والطہارۃ والنجاسۃ اذا کان مسلما عادلا۔ انتہی

پس اگرچہ ان اشیاء کے طاہر و حلال ہونے میں تو شک نہیں لیکن بصورت موجودہ میں ان اشیاء میں نجاست کا وقوع کا شک ضرور واقع ہو گیا ہے لہٰذا جب مسلمان سوداگروں کے یہاں یہ اشیاء دستیاب ہو سکتی ہیں یا کم سے کم وہ اپنے ہاتھ میں اس تجارت کو لے سکتے ہیں تو اہل ہنود سے اشیاء مشتبہ کا خریدنا اور ان کا استعمال دونوں کراہت سے خالی نہیں :۔

لاباس بان یکون بین المسلم والذمی معاملۃ اذا کان مما لابد منہ۔ کذا فی السراجیہ (اقول وما نحن فیہ مما لیس منہ) وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ویکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل (انتہی ما فی الہندیہ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۲۴) زید اہل ہنود میں سے ہے وہ سائل بن کر مسلمانوں کے پاس آتا ہے اور وہ دولت مند بھی ہے کیا اس کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

(مستفتی) فضل احمد۔ کراچی

الجواب

دولت مندرجہ حربی کو بلا کسی عوض کے مال دینا نہ چاہیئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۳۵)

(۱) اسلامی اعتبار سے گائے کی قربانی شریعت غرّا میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟

(۲) اگر حکومت اپنی طاقت سے گائے کی قربانی پر پابندی لگائے تو مسلمانوں پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟

(۳) کیا مسلمان اسلامی اخلاقی اعتبار سے دیگر اقوام کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی ترک کر سکتے ہیں اگر نہیں تو جو مسلمان اس فعل کے مرتکب ہوئے ہیں یا آئندہ ہوں ان کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

(مستفتی)

فضل احمد۔ دہلی

الجواب

(۱) گائے کی قربانی دین الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے لقولہ تعالیٰ :۔

والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر۔

یعنی اونٹ اور گائے کی قربانی کو تمہارے لئے دین الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنایا ہے جس میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔

درمختار میں ہے :۔

بدنۃ ھی الابل والبقر سمیت بھا لضخامتھا۔

بدنہ اونٹ اور گائے ہے ان کے ڈیل ڈول دار ہونے کے سبب ان کا یہ نام ہوا۔

(۲) ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ ہر ممکن کوشش سے اس اسلامی نشان کی محافظت کریں، کہ اس سے لاپرواہی عتاب الٰہی کا موجب اور عتاب الٰہی کا خوف اس کی محافظت کا سبب ہے چنانچہ ارشاد ہے :۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب

جو شخص اللہ کے دین کی محترم نشانیوں کی محافظت کرے گا تو یہ محافظت کرنا دلوں کے خوف کا مقتضی ہے۔

(۳) اس کا جواب تو بہت ظاہر ہے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ دینِ الٰہی کی نشانیوں کو مٹانا اور اس کی بجائے کفری نشان قائم کرنا کس طرح غضبِ الٰہی کا موجب ہوگا، جس طرح گائے کا ذبیحہ اسلامی نشان ہے یونہی اس کا بند کرنا کفری نشان ہے پس اس کی بندش کا اقدام تو بڑی شے ہے، اس کی جانب قلب کا میلان بھی عذابِ نار کا موجب ہے۔ یہ خیال کہ اس سے ہمیں حکومت ہند کی حمایت و خوشنودی میسر آجائے گی محض ایک شیطانی دھوکہ ہے، ایسی حالت میں حمایت درکنار ان لوگوں کا کوئی رفیق بھی نہیں ہو سکتا لقولہ تعالیٰ:۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون ۔

اس مقام پر حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کے واقعہ پر غور کیجئے کہ جب یہ یہودیت سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو انہیں خیال آیا کہ اونٹ کا گوشت شریعت موسوی میں حرام ہے اور اسلام میں محض مباح تو کیا حرج ہے کہ ہم اونٹ کا گوشت نہ کھائیں اس پر نہایت عتاب آمیز انداز میں ممانعت فرمائی گئی چنانچہ ارشاد ہوا:۔

یا ایہا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین ۔ الآیۃ

یعنی ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو (اور ایسے خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، پھر اس کے بعد بھی کہ تمہیں واضح دلائل پہنچ چکیں اگر لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے (اس کے عذاب کا کوئی روکنے والا نہیں) حکمت والا ہے (کہ بمقتضائے حکمت جب اور جس قدر چاہے سزا دیتا ہے)

اس واقعہ میں اور متنازع فیہ واقعہ میں اصلاً فرق نہیں، جس طرح عبداللہ بن سلام نے اونٹ کے گوشت کو مباح سمجھا اور غلطی یہ کی کہ شعارِ اسلام نہ سمجھتے ہوئے ترک کا ارادہ کر لیا وہی قصد یہاں ہے۔ پس جس طرح وہ موردِ عتاب ہوئے جو لوگ اس کو ترک کریں گے وہ بھی یقیناً موردِ عتاب ہوں گے، بلکہ مستحق عذاب کہ یہاں اس سے بڑی ایک شے اور بھی موجود ہے اور وہ ہنود کے عقائدِ باطلہ کی ترویج ہے جو اشد معاصی ہے اور عصیان میں کسی کا بھی حکم کیوں نہ ہو اس کی پیروی موجبِ استحقاقِ عذاب ہے کہ ان الحکم الا للہ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے اور تمام مخلوق اسی کی محکوم۔ مشرکین مکہ نے بعض جانوروں کو اپنی طرف سے حرام کیا ہوا تھا اللہ تعالیٰ ان کی اس تحریم کی بھی تردید فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

یا ایہا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً الآیۃ

یعنی لوگو جو چیزیں زمین میں حلال و پاکیزہ موجود ہیں ان سے کھاؤ (اور ان کی تحریم کا ارتکاب کر کے) شیطان کی پیروی نہ کرو، یقیناً وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے (کہ ایسے واہیات خیالات

ہے تم کو ہر طرح کا نقصان دے رہا ہے، وہ تمہیں ان ہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو (میرے نزدیک) بری اور بے حیائی کی ہیں اور یہ (کرے گا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جس کی تم سند بھی نہیں رکھتے (جیسے گائے کی حرمت کہ منجانب اللہ تمہارے پاس اس کی کوئی سند نہیں)۔

اس آیۂ کریمہ میں جس طرح مشرکین مکہ کو حکم ہے کہ تم حلال جانوروں کو حرام ٹھہرا کر شیطان کی پیروی نہ کرو اور اللہ پر بہتان نہ باندھو یونہی ہندوؤں کو بھی حکم ہے کہ گائے کے باب میں ایسا معاملہ نہ کرو پس جب خود ہنود کو یہ حکم ہے تو مسلمانوں کے لئے کب جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے عمل سے ان کے اس عقیدے کو قوت پہنچائیں اور شیطان کے اتباع اور خدا پر بہتان بندی میں ان کا ساتھ دیں، مانا کہ مسلمان اس کو حرام جان کر ترک نہ کریں گے لیکن اس ترک میں قرآنی حکم کے خلاف غیر قرآنی حکم کی تقویت تو ہے اور سن چکے کہ آسمانی کتاب کے حکم منسوخ پر بھی عمل حرام کر دیا گیا ہے تو پھر کسی انسانی حکم اس کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے واقعہ پر پھر غور کی نظر ڈالیے کہ باوجودیکہ اونٹ کی حرمت ایک آسمانی کتاب میں موجود تھی لیکن چونکہ اس کی حرمت منسوخ ہو چکی تھی اس لئے یہ اصحاب اسلامی حکم سے اس کو حلال ہی سمجھتے تھے، غلطی یہ ہو گئی کہ اس کو شعار اسلام نہ سمجھا اور ترک کا ارادہ کر لیا جس کو تہدیداً شیطان کا اتباع قرار دیا گیا اور اپنے غضب کا اظہار فرمایا گیا۔ اونٹ کچھ یہود کے معبودوں سے نہ تھا پس یہاں عتاب تو صرف اس پر ہے کہ حکم منسوخ پر عمل کا کیوں ارادہ کیا گیا اور گائے کا تو معاملہ ہی جداگانہ ہے کہ اس کی حلت تعلیم توحید اور ایک شرک جلی کے ابطال پر ہے تو اب مسلمان خود ہی غور کرے کہ اس کا ترک کیا معنی رکھتا ہے یہی کہ اس میں توحید کا ابطال اور شرک کا اعلان ہے۔

یہ حکم تو صرف مطلقاً ذبیحہ گاؤ کے ترک کا ہے لیکن اس پر قربانی کا ترک حکم میں اس سے بھی اشد ہے کہ وہ عبادت الٰہی ہے پس اس کے ترک میں ایک مخصوص عبادت کا ترک ہے تو مسلمان کو یہ پوچھتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ اس کو میں ترک کر سکتا ہوں یا نہیں؟ —— یقیناً اپنی خوشی سے جو اس کو ترک کریں گے یا اس میں اعانت کریں گے وہ سخت گنہ گار ہوں گے۔

اور یہ خیال کہ محض ہنود کی خوشی حاصل کرنے کے لئے اس کی قربانی کا ترک مقصود ہے اور کسی کو خوشی حاصل کرنا تو کوئی جرم نہیں تو اول تو حق تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلہ میں کسی کی رضا کی طلب خود ہی حرام ہے دوسرے وہ محض اتنی بات سے کہ آپ نے ذبیحہ گاؤ کو ترک کر دیں پوری طرح خوش بھی نہیں ہو سکتے کہ حقیقت میں ان کو صرف گائے کی قربانی کا ترک مطلوب نہیں بلکہ ایک بہت بڑی مہتم بالشان قربانی مطلوب ہے یعنی ایمان کی قربانی لقولہ تعالیٰ ودّوا لو تکفرون۔ یعنی ان کی خوشی تو اس میں ہے کہ تم کس طرح کافر ہو جاؤ چنانچہ آج مسلمان اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو کیا مسلمان اس کو برداشت کر کے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا سکتے ہیں؟ ——

میرے دوستو! امور دنیوی میں آپ کو ان سے مدارات سے کوئی نہیں روکتا، کیجئے اور ضرور کیجئے لیکن ایسی مدارات جس سے کوئی شعار اسلامی چھوٹے اور امور مذہبی پامال ہوں ہرگز جائز نہیں آپ کو ان کی خوشی اس ہی لئے تو درکار ہے کہ اتفاق میسر آجائے جس کی آج سخت ضرورت ہے لیکن کیا وہ یوں حاصل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں کہ یہ شے تو اور اختلاف کی بنیاد مضبوط کرنے والی ہے۔ اتفاق حاصل کرنے کی تو صرف ایک ہی صورت ہے اور یہ کہ جس طرح تم ان کے مسلمات میں کوئی مداخلت نہیں کرتے اسی طرح ان کو بھی چاہیئے کہ اسلامی احکام کے بجا لانے میں ہم سے کچھ تعرض نہ کریں۔ ان کو بتلایئے کہ فروعات ایک طرف ہے اصول پر نظر ڈالیے کہ شرک کیسی بدترین شے ہے جس میں معبود برحق کے مقابلہ کا اعلان ہے لیکن جب مشرکین ہمسایہ ہو جاتے ہیں تو کیا کوئی مسلمان ان سے تعرض کرتا ہے؟ کہ اپنے بت خانے توڑ دو، شرک چھوڑ دو، ہم سے معبود برحق کا مقابلہ نہیں دیکھا جا سکتا! پس جب مسلمانوں کی طرف سے اس قدر وہ آزاد ہیں تو ان کیلئے کیا گنجائش کہ ہم سے مطالبہ کریں کہ گائے کی قربانی ترک کرو حالاں کہ اس ہی کے نام پر قربانی کی جاتی ہے جس کو وہ بھی معبود جانتے ہیں اور خود ان کے اکابر سے بھی یہ فعل ثابت ہے جو اپنے مقام پر بدلائل واضح ہو چکا ہے[1]۔

الحاصل مسلمانوں کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنی رضا سے گائے کی قربانی ترک کریں بلکہ ہنود کو سمجھائیں کہ وہ اس کے ترک پر اصرار کر کے ایک نیا فتنہ نہ کھڑا کریں کہ یہ ہمارے مذہب میں مداخلت ہے جو قانوناً بھی ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نوٹ[1]) حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے جن اکابر کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس فتوے میں ان کا کہیں ذکر نہیں فرمایا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مجملاً اس پر روشنی ڈالیں۔

قارئین کرام کے لئے شاید یہ امر باعث حیرت و استعجاب ہو کہ ہنود کے ویدوں، پرانوں اور شاستروں میں کوئی رشی ایسا نظر نہیں آتا جس نے گوشت اور بالخصوص گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہنود میں گوشت سے نفرت اور گائے کی مذہبی اہمیت بدھوں اور جینیوں کے اثرات کے تحت پیدا ہو گئی ہے۔ بعض انصاف پسند ہندوؤں نے قربانی کی اس رسم قدیم کو برملا بیان کیا ہے چناں چہ ۱۹۰۴ء میں تو کمان تلک نے بڑودہ کانفرنس میں کہا تھا:-

دو ہزار سال پیشتر ہندو اپنے مذہبی اصول کے ماتحت جانوروں کی قربانی کیا کرتے تھے، ان کے خون سے ندیاں سرخ ہوتی تھیں۔ (اخبار کیسری مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۴ء)

اسی طرح ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر مونجے (کانپور) نے گائے کی قربانی کے حق میں ایک تحریک چلائی تھی اور ہندوؤں کو

تلقین کی تھی کہ قربانی ان کا مذہبی شعار ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے طفیل برسوں ان کے ہاتھ میں اقتدار رہا۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گائے کی قربانی کے سلسلے میں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے چند اقوال پیش کر دیئے جائیں تاکہ محققین کی تشنگی باقی نہ رہے اور حقائق واضح ہو جائیں۔

(۱) سری کرشن جی نے یاگ (قربانی) کا وقت آپہنچنے کی وجہ سے جانور قربان کئے، ان میں ایک گائے بھی تھی۔ (دھیاگوت گیتا، دسواں اسکند، باب-۵۸)

(۲) سیتا دیوی نے بن باس جاتے وقت گنگا ماتا سے منت کی تھی کہ اسے گنگا مائی اگر میں بن باس سے صحیح سلامت واپس آؤں گی تو تیرے کنارے پر ایک ہزار گائے قربان کروں گی اور سیتا دیوی بفضل خدا صحیح سلامت آئیں اور ایک ہزار گائیوں کی قربانی کی۔ (والمک پوران، اجودھیا کھنڈ، شلوک ۲-۵)

(۳) ایصال ثواب کے لئے گائے کا گوشت کھلوانا بہترین طریقہ ہے۔
(اپستھنب، گرنتھ سوتر-۱، ص-۵، باب-۱۷)

(۴) ایصال ثواب کے لئے اگر برہمنوں کو گائے کا گوشت کھلایا جائے تو باپ دادا ایک سال تک نجات پاتے ہیں۔ (ایضاً، ص، ۷، باب-۱۵و۱۷)

(۵) ایصال ثواب کی دعوت میں اگر کوئی برہمن گوشت سے نفرت کرے تو اس جانور کے جسم پر جس قدر بال ہیں اتنے دن وہ دوزخ میں رہتا ہے۔
(کورام پوران سوتر-۴، ادھیائے-۱۷)

(۶) منوجی نے ایک مرتبہ نربدا ندی پر کثرت سے جانوروں کی قربانی کی ان میں پانچ لاکھ گائیں بھی تھیں، اس ضیافت کو پانچ کروڑ انسانوں نے کھایا۔
(برہماوی ورت پوران)

تعجب ہے کہ ان حقائق کے باوجود متحدہ ہندوستان میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں گائے کی قربانی قانوناً جرم قرار دے دی گئی تھی۔ چناں چہ دور اکبری کے مؤرخ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اور دور شاہجہانی کے مؤرخ محسن فانی نے دبستان مذاہب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ حالاں کہ منقسم ہندوستان میں گائے کی قربانی کے خلاف ملک گیر مہم کے باوجود اس مطالبہ کو قانوناً تسلیم نہیں کیا گیا۔

(مرتب)

(سوال نمبر ۲۳۶) آج کل جب کہ دنیائے کفر پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو کچل دینے پر آمادہ ہے مسلمانوں کو اپنی جائز حفاظت کے لئے ہندوستان کے ایک خاص فرقہ کی طرح ہر حالت میں تلوار اپنے ساتھ

رکھنا مذہبی حیثیت سے واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(مستفتی)
مسلمانانِ دہلی

الجواب

جبکہ مخالف اسلام لوگ اپنی تلوار یا کسی ہتھیار کے ذریعہ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے لگیں اور یہ بات صاف طور پر ثابت ہو جائے کہ ان کا مقصد بجائے کسی مذہبی پابندی کے دوسرے فریق پر تعدی کرنا ہو تو مسلمانوں پر بھی اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار رکھنا لازم ہو جاتا ہے، ان کو تو قرآنِ پاک میں واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ میں یہ حکم خدائے پاک کا صاف و صریح موجود ہے کہ دشمنوں کی مدافعت کے لئے جو قوت تم بنا سکتے ہو بناؤ اور تیار رکھو پس دوسرے فریق کو مسلح اور مسلمانوں کو تہیدست رکھنا انصاف کے خلاف ہے۔

(مفتی) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

الجواب ھو الموفق للصواب

جواب صحیح ہے اگرچہ اپنے بچاؤ اور دشمن پر اظہار قوت کے لئے یہ امر تو مسلمانوں پر ہمیشہ لازم ہے کہ وہ مدافعت کے سامان سے ہر وقت تیار رہیں جیسا کہ آیت کریمہ واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم سے مستفاد ہے، اگر مسلمان اس پر عامل ہوتے تو ہرگز دشمن کو یہ جرأت نہ ہوتی جو آج دیکھنے میں آرہی ہے کہ نزلہ عضو ضعیف پر ہی گرتا ہے لیکن ایسی حالت میں کہ دشمن ان کے مقابل کھڑا ہو گیا اور ان کو نقصان بھی پہنچانے لگا تو اس صورت میں تو یہ امر اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے لقولہ تعالیٰ خذوا حذرکم یعنی مسلمانوں اپنے بچاؤ کے لئے ہتھیار رکھو، دوسری جگہ ارشاد ہے ودالذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ یعنی کافر چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ ہی تم پر حملہ کر دیں، یہ آیت کریمہ نہایت وضاحت اور تاکید کے ساتھ مسلمانوں کو متنبہ فرما رہی ہے کہ خوف کے وقت کبھی بھی اپنے سے ہتھیار جدا نہ کرنا اور اپنے بچاؤ سے ہرگز غافل نہ ہونا۔ غرض احکم الحاکمین نے تو مسلمانوں پر اپنے تحفظ کے لئے ہر قسم کے سامان کا تیار رکھنا لازم کیا ہوا ہے اب ہماری غفلت یا مجبوری ہے کہ ہم اس پر عمل سے قاصر ہیں۔ خیر اب تک جو فرو گذاشت ہو گئی ہو گئی آیندہ مسلمانوں کے فرائض سے ہے کہ وہ حکومت سے مطالبہ کریں کہ کم از کم تلوار یا بندوق رکھنے کی اجازت دی جائے تاکہ مخالف کو ہم پر ظلم و تعدی کی جرأت نہ ہو سکے اور امن قائم ہو جائے۔ تعجب ہے کہ انتظام

کرفیو آرڈر جاری کر کے مسلمانوں کے مذہب میں تو مداخلت کی جائے اور ان کو محلہ کی مسجد میں نماز کے لئے جانے سے روکا جائے حالانکہ اس میں امن عامہ کے خلل کا ادنیٰ ادنیٰ اندیشہ بھی نہیں اور غیر کو مذہب کے نام پر وہ آلات دے دئیے جائیں جس سے سارا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے نہ اس کی تحقیق کی ضرورت سمجھی جائے کہ یہ شے ان کے مذہب میں لازم بھی ہے یا نہیں؟ نہ ان سے پوچھا جائے کہ پہلے تیرے پاس کرپان تھی اب نیا حکم تلوار کا کہاں سے آیا؟ اور پھر وہ بھی ننگی تلوار کا، پس حکومت کو چاہیئے کہ ان امور پر غور کرے۔ فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ: دہلی کے ایک مشہور سیاسی کارکن سیٹھ احمد یمین پاکستانی نے اس فتوے کو تقسیم ہند سے قبل بصورت اشتہار چھپوا کر شائع کیا تھا سیٹھ صاحب مرحوم نے حضرت علیہ الرحمہ سے سیاسی معاملات میں بکثرت فتوے لئے تھے، افسوس یہ سارا علمی اثاثہ سیٹھ صاحب کے کراچی میں انتقال کر جانے کے بعد معدوم ہو گیا۔ (مرتب)

(سوال نمبر ۲۳۷) ہندوستان میں جہاں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے جب مساجد کے سامنے غیر مسلم زور سے باجہ وغیرہ بجاتے ہیں تو مسلمان مزاحم ہوتے ہیں کیا ایسے ماحول میں اس قسم کی مزاحمت مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

یہ تو غلط ہے کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے، مسلمانوں کے حقوق سے یہ بات اشد درجہ ضروری ہے کہ وہ اپنی عبادت نہایت اطمینان سے ادا کریں اور کوئی امر ایسا پیش نہ ہو جو ان کے خیالات کو پریشان کرے، قرآن کریم میں بہت سی ایسی آیات وارد ہیں جو اس امر میں سخت تاکید کرتی ہیں حتی کہ نماز کے وقت کسی کو قرآن کریم بھی باآواز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے اور مفسدین کو اس سے روکا ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ

اور

ما کان صلوتہم عند البیت الا مکاء وتصدیہ

اور

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون۔

پس اس صورت میں مسلمانوں کو اپنے اس حق کے حاصل کرنے کی حکومت سے کوشش کرنی چاہیئے غیر مسلموں کو اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ مسجدوں کے سامنے دیر تک کھڑے ہو کر باجا بہت زور سے بجاتے رہتے ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۳۸) ایک شخص مسلمان جو پہلے انجمن اسلام کا ممبر تھا اب کانگریس میں شامل ہو کر نعرہ ہائے مندرجہ ذیل لگایا کرتا ہے "مہاتما گاندھی کی جے"، "بھارت ماتا کی جے"، "بندے ماترم" وغیرہ۔ آیا ایسے شخص سے میل جول رکھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور سوشل تعلقات رکھنا درست ہیں یا نہیں[له]۔ بینوا و توجروا

مستفتی
احمد رضا خاں۔
ایس۔ پی۔ ڈبلیو۔ آئی ریٹائرڈ

ھُوالموفق

گاندھی کو "مہاتما" کہنا اور اس کی فتح کے نعرہ لگانا شرعاً ناجائز و حرام ہے کہ "مہاتما" کے معنی ہیں "روح اعظم" اور روح کا اطلاق قرآن پاک میں "جان" پر بھی آیا ہے اور "وحی" پر بھی اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو بھی یہ لقب عطا ہوا ہے اور حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو بھی۔ پس ان معانی و القاب پر نظر کرتے ہوئے اس کے یہ معانی ہوں گے کہ "تمام جانوں میں بڑی جان" یا "حق تبارک و تعالیٰ کی وحیوں میں بڑی وحی" یا "حضرت عیسیٰ و حضرت جبرئیل علیٰ نبینا وعلیہم السلام سے بلند مرتبہ"۔۔۔ اب مسلمان خود ہی غور کر لیں کہ جس لفظ کے یہ معانی ہوں اس کو ایسے شخص کے لئے (جس کو نصوص قطعیہ میں ذلیل سے ذلیل بتایا گیا ہو) کیوں کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس ہی طرح کفار کی شان میں ارشاد ہوا :-

ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء و یبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوء و دوا لو تکفرون۔

یعنی اگر کفار تم پر قابو پالیں گے تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور تم پر دست درازی اور زبان زوری کریں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ (ان کی مانند کسی طرح) تم بھی کافر ہو جاؤ۔

چناں چہ برابر اس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ جب کبھی بھی ان کو قوت میسر آئی مسلمانوں کا تباہ کرنا ان کا پہلا فرض رہا۔۔ اس ہی تحریک میں ملاحظہ کر لیجئے کہ باوجود یکہ ابھی کامیابی کی جھلک بھی نہیں دکھلائی دی ہے

له اس فتویٰ کا پہلا جواب مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم نے تحریر فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک اس قسم کے نعرے لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت نے اس کی تردید فرمائی جو پیش ناظرین ہے۔

لیکن ابھی سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ "گاندھی کی جے کے مقابل اللہ اکبر کے نعرے نہ لگاؤ، وہ زمانہ گزر گیا جس میں ہم خاموشی کے ساتھ یہ نعرے سنتے رہے اب ایسا نہیں لگا سکتے" ـــــ دو روز ہوئے کہ جمعیۃ الفاعنہ چوموں (ریاست جے پور) کا ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے کلمہ کمیٹیاں بنانے کی استدعا کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ :۔

"یہاں کے مشرکین عام طور پر نقارہ کی چوٹ کہہ رہے ہیں کہ مسلمان اب تو کلمہ ہمارے روبرو نہیں پڑھ سکتے وہ دن دور ہوئے جب ہم ایسے نادان اور بودے تھے کہ اس کلمے کے سننے کی تاب لا سکتے تھے اب ان کو سمجھ آ گئی یہ کلمہ تو ہندو دیوتاؤں کی شان میں گستاخی ہے، اس کو پکارنا ہے تو مکہ، مدینہ چلے جاؤ ہمارے دیس میں اس کا کیا کام" (انتہی بلفظہ)

اب شاید یہ کہا جائے کہ یہ تمام ہنود کے اقوال نہیں، ان کا کیا اعتبار، تو پھر ذمہ دار کا قول لیجئے۔ رسالہ شدھی سماچار مورخہ ۱۵ ارجون سنہ ۱۹۳۰ء میں "بھارت شدھی سبھا" (دہلی) کے جنرل سکریٹری نے شدھی اور سوراج" کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اس کا ترجمہ بعض اخبارات نے چھاپا ہے جس کے چند الفاظ یہ ہیں :۔

"ہمیں تو جہاں حصول سوراجیہ کے میدان میں لڑائی کرنا منظور ہے وہاں ہم ان دھوکہ دے کر قتل کرنے والوں اور پڑوسی لیٹروں سے بھی اپنے گھر کی حفاظت کریں گے جو سر ڈال کر چھپ کر ہمارے گھر میں نقب لگانے کی تاک میں بیٹھے ہیں"

غرض اس حالت کو دیکھتے ہوئے اس تحریک کی فتح یابی (کہ یہی گاندھی کی فتح ہے) کے لئے نعرے لگانا اپنی بربادی پر نعرے لگانے کے معنی میں ہوگا اور یہ یقیناً حرام ہے۔ "بھارت ماتا کی جے" اور "بندے ماترم" کے معنی اگر صرف مادر ہند کے فتح ہی کے ہیں تب بھی چونکہ یہ مشرکین کے خاص قومی نعرے ہیں اور ان کے شعائر سے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان نعروں میں بھی شرکت کرنا شرعاً جائز نہیں لما فیہ التشبیہ بالکفار وھو ممنوع فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری، دہلی
(سنہ ۱۹۳۰ء)

(سوال نمبر ۲۳۹)

(۱) آج کل قوم ہنود آزادی حاصل کرنے میں بڑی سرگرم نظر آتی ہے اور اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ حکومت کی قانون شکنی کر کے اس کو مجبور کیا جائے تاکہ وہ ہم کو آزاد تسلیم کر لے۔ اگر اس مقابلہ میں حکومت کی جانب سے نقصان برداشت کرنے پڑیں تو اُن کو بھی بلا مدافعت برداشت کیا جائے یہاں تک کہ ان کی گولیاں اپنے سینے پر لی جائیں، لیکن قدم پیچھے نہ ہٹے۔ پس اس صورت میں ہنود کے ساتھ مسلمانوں کی شرکت جائز ہے یا نہیں اور اس امر میں جمعیۃ العلماء کا یہ فیصلہ کہ مسلمانوں کو شریک ہونا چاہیئے حق بجانب ہے یا اس سے غلطی ہوئی ؟

(۲) اگر اس مقابلہ میں کوئی مسلمان گولی لگنے کی وجہ سے مرجائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں ؟

(۳) محض اس لئے کھدر پہننا کہ ہنود اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں اور مشرک کا بول بالا رہے اور اس کو اپنے لئے بمنزلہ فرض کے سمجھنا اور جو لوگ کھدر نہ پہنتے ہوں اُن کو بہ نظر حقارت دیکھنا یہاں تک کہ اس کی وجہ سے اُن کی نمازوں میں قصور بتلانا یہ سب امور جائز ہیں یا نہیں ؟

(۴) مشرک "قانونِ نمک" کے توڑنے کا حکم دیتا ہے اس پر کسی مسلمان کا یہ کہنا کہ چونکہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی ہے لہٰذا اُس کے حکم کی تعمیل فرض ہے، پس یہ کہنا جائز ہے یا نہیں ؟ - بینوا بالدلائل -

الجواب

(۱) مسلمانوں کا آزاد ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ احکامِ کفر یک قلم نابود ہو جاویں۔ اور اہلِ اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے جو مطلوب شارع ہے اور ہندوؤں کی آزادی یہ ہے کہ مسلمانوں کو نیست کر دیں اور کسی مسلم کو یہ قوت نہ رہے کہ وہ شرک اور کفر کی برائی بھی کر سکے، اس سے ظاہر ہے کہ دونوں آزادیوں میں تضاد ہے، ایک ملک میں دونوں آزادیوں کا اجتماع محالاتِ عقلیہ سے ہے -

پس صورتِ مذکورہ میں اگر آزادی ہو سکتی ہے تو ان دونوں قوموں میں صرف ایک قوم آزاد ہو سکتی ہے اور ایسی صورت میں غیر آزاد قوم یقیناً آزاد قوم سے مغلوب رہے گی، اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہنود مسلمانوں کی آزادی چاہتے ہیں، ہرگز نہیں، اخبار بین حضرات پر اچھی طرح روشن ہے کہ ہنود کا اصلی منشاء اپنی بھی کامل آزادی نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ گورنمنٹ کے سایہ میں ہم کو وہ قوت میسر آجائے جس سے مسلمانوں کی مالی قوت تو برباد کر ہی چکے ہیں، دینی قوت بھی مٹا ڈالیں کہ آج اس کی کوشش کی جاتی ہے تو گورنمنٹ آڑے آتی ہے۔ جب ہم خود مختار ہو جاویں گے تو اپنے تیس ممبروں میں مسلمانوں کے دس ممبروں کو جذب کر لینا کونسی بڑی بات ہوگی، کہ اول تو وہ ممبر خود بھی ایسے ہونگے جو ہماری آواز پر لبیک کہنے والے ہوں گے، لہٰذا اگر کبھی انہوں نے کسمسانا چاہا بھی تو پھر کثرتِ رائے کے بھاری پہاڑ سے بچ کر ان کے لئے بھاگنے کی راہ بھی کہاں ہوگی - غرض پھر جس طرح نچائیں گے ان کو ناچنا پڑے گا - کیا "ساردا ایکٹ" کے مسئلہ سے تجربہ نہ ہو چکا جو ہندو مسلم ممبروں کی کمیٹی نے پاس کر دیا وہ آج اٹل ہے، اس کے منسوخ کرانے میں کیا کوئی دقیقہ اٹھا رکھا گیا، لیکن باایں ہمہ آج تک اس کو جنبش نہیں ہوئی اور گورنمنٹ کی جانب سے یہ جواب دے دیا جاتا ہے کہ ہم کیا کریں، یہ سب تمہارے نمائندوں کی روشنی دماغ کا نتیجہ ہے۔

پھر ہم نے تو احتیاطاً تمہارے بعض معتمد علماء سے بھی دریافت کر لیا تھا لیکن جب ہم کو ان سے بھی

اجازت مل جائے تو پھر ہمارا کیا قصور۔ دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب کسی ملک میں مختلف مذاہب موجود ہوں اور کوئی اصلاحی اسکیم جاری کی جاوے تو اس وقت اصلاح معاشرت عام ہوتی ہے، کسی خاص قوم کا اس میں استثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی قسم کے اور بھی جواب سنے جاتے ہیں۔ جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ اب چیختے چلاتے رہو جو ہونا تھا ہو چکا، غرض یہی قصہ آئے دن اُس وقت ہوگا، جب یہ دنیا کے دلدادہ منصب حکومت پر فائز ہوں گے، اور زہر کفر، عسل اسلام کی معجون تیار کر کے اسی کے ساتھ قوم کا علاج شروع کریں گے۔ مسلمانو! ہوش میں آؤ۔ اپنے ہاتھوں اپنے کو برباد نہ کرو اس مسئلے میں جمعیۃ علماء ہو یا کوئی دوسری جماعت جو بھی تم کو شرکت مشرکین کی رائے دے وہ سخت غلطی میں ہے۔ ایک نہیں دو نہیں بیسیوں آیات ہیں اس کی حرمت ظاہر و باہر ہے۔ تبرکاً صرف دو آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں، ارشاد ہوتا ہے

یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة الآیة

"مسلمانوں غیروں کو اپنا بھیدی نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کمی نہ کریں گے انہیں تمہارا تکلیف میں پڑنا اچھا معلوم ہوتا ہے، ان کی زبانوں سے دشمنی ظاہر ہو رہی ہے، اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اور بھی زیادہ سخت ہیں۔ اگر تم کو عقل ہے تو ہم نے کھلی کھلی نشانیاں بیان کردیں"۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے :-

یا ایها الذین آمنوا ان تطیعوا الذین کفروا الآیة

یعنی مسلمانو! اگر تم نے کافروں کا کہنا مان لیا تو یاد رکھنا وہ تم کو الٹا پھیر دیں گے (اور تمہاری پچھلی پستی کا نظارہ پھر تم کو دکھلا دیں گے) پھر تم نقصان میں جا پڑو گے (یہ تمہاری کیا مدد کریں گے تم اپنے پاؤں پر کھڑے تو ہو) اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے ہم عنقریب تمہارا رعب کافروں کے دلوں میں ڈالے دیتے ہیں"۔ (انتہی ترجمہ)

بعض مسلمانوں کو جو بات ہنود کی ہمراہی پر اُبھار رہی ہے یہ ہے کہ اب یہ ان کے ذہن نشیں ہو چکا ہے کہ جس روش پر اس قوم کی اس وقت جد و جہد ہے اگر کچھ زمانہ یونہی رہی تو ضرور بازی لے جائیں گے۔ پھر ہمیں سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اور جب انہوں نے حقوق حاصل کر لئے تو یہ گورنمنٹ اور نیز دوسری سلطنتوں کی نگاہ میں معزز ہو جاویں گے، اور ہم ذلت کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو جن حقوق کا مطالبہ ہے وہ خالص ہنود کے حقوق نہیں ہیں، بلکہ مشترکہ تمام ہندوستانیوں کیلئے ہیں، تو اگر حاصل ہو بھی گئے تو مسلمان محروم نہ رہیں گے۔ پھر خواہ مخواہ ان کا اس بری صورت کے ساتھ دخل انداز ہونا کیا معنے خصوصاً جب کہ ہنود بھی کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمانوں کی شرکت کی حاجت نہیں اور اگر کہتے ہیں کہ ہمارے حقوق تو برائے نام ہیں اصل میں وہ حقوق زیادہ تر انہیں کے حق میں مفید ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر ان کے حاصل کرنے کے لئے آپ کیوں کوشاں ہیں، آپ کو چاہیئے کہ

گورنمنٹ کی خدمت میں ایسے حقوق پیش کریں جو آپ کے لئے مفید ہوں مگر قانونی حدود میں رہتے ہوئے اور تہذیب کے ساتھ تاکہ بلا کسی نقصان کے آپ کو حقیقی کامیابی میسر آجائے کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ درخواست کنندگان میں سے گورنمنٹ ایسے اشخاص کو محروم رکھے جو اس کے قواعد کے ساتھ درخواست کرتے ہیں اور ان کو کامیاب بنادے جو اس کے ساتھ برسرپیکار ہیں رہا عزت کا سوال ——— ان کے ساتھ تو شرکت ممنوع ہے لقولہ تعالیٰ :۔

ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا ۔

"یعنی کیا تم ان کی شرکت میں عزت ڈھونڈ رہے ہو۔ عزت تو تمام کی تمام محض اللہ ہی کیلئے ہے"

پس عزت اگر ہے تو صرف اس میں کہ حاکم حقیقی کے حکم کے آگے کسی کے حکم کی پرواہ نہ کی جاوے اور تمام مسلمان اتفاق کے ساتھ اس پر مضبوطی کے ساتھ عامل ہو جاویں، پھر ہو نہیں سکتا کہ کامیابی ہمارے قدم نہ چوم لے اگر یہی نفریق اور بد دینی رہی تو ذلت کی شکایت بے جا ہے کہ اس کا ارشاد ہو چکا :۔

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم ۔

یعنی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی فرماں برداری کرو اور آپس میں نزاع نہ ڈالو ورنہ تم کم ہمت اور سست پڑ جاؤ گے ۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ۔

سچ فرمایا باری تعالیٰ جل مجدہٗ نے آخر نہ دیکھا آج سے دس سال پہلے (۱۳۳۹ھ) اگرچہ حالت بہت تباہ ہو چکی تھی مگر پھر بھی کیسی ہوا بندی ہوئی تھی لیکن جب تم نے اس کے حکم کی مخالفت کی اور ہنود سے دوستی گانٹھی اور جو کچھ اسلام کے خلاف نہ کرنا تھا وہ کیا جس کے بیان کے لئے دفاتر بھی گنجائش نہیں رکھتے یہاں تک کہ مخالفین کو سارے گھر کے بھید دے دئیے اور ان کی دلی مراد پوری کر دی، کہ آپس میں اچھی طرح سے مخالفت پیدا کر لی اور آج وہ حالت ہو گئی کہ وہ تم کو کسی شمار میں نہیں لاتے لیکن تمہاری شراب محبت کا خمار اب بھی نہیں اترا اسی کوشش میں لگے ہے ہو کہ کسی طرح یہی سہی یہ اسلامی شان بھی ہندوستان سے مٹ جاوے ۔ ہنود کے روزمرہ کے سلوک دیکھ رہے ہو لیکن آنکھیں ایسی بند ہو گئی ہیں کہ کچھ سوجھتا ہی نہیں ۔ مسلمانو ! خدارا خواب غفلت سے بیدار ہو اور بہت جلد ان وسائل سے کام لو جن سے آپس کا اتفاق نصیب ہو تاکہ اجتماعی قوت سے آنے والی مشکلات کی مدافعت کر سکو کہ آج ایک قوت کے کرشموں کا رونا رو رہے ہو کل دوسری قوت کے مظالم کا سامنا پڑنا ہے لیکن تمہاری ہر کوشش اور ہر نقل و حرکت ۔ محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور پابندی دین کے ساتھ ہو ورنہ کامیابی کی امید نہ رکھنا اس مسئلے میں نصوص صریحہ قطعیہ کی مخالفت کی جا رہی ہے لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جس جلسہ میں اس کے سامنے اس نام نہاد جنگ آزادی میں شرکت کا مسئلہ پیش ہو وہ صاف بلند آواز سے کہدے کہ ہم شرکت سے ہرگز راضی نہیں اس میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں ۔ ورنہ یاد رکھیں کہ قیامت میں اس سے سخت باز پرس ہو گی ۔

بعض لوگ شرکت مشرکین پر یہ بیان کر کے ابھار رہے ہیں کہ غیر مسلم قوم جب مسلمانوں کے ملک پر قبضہ کرے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے ملک کو اس سے آزاد کرائے سو یاد رہے کہ مسئلہ تو یونہی ہے مگر اول تو یہ ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ ان مسلمانوں پر فرض ہے کہ جو آزاد کرانے کی طاقت رکھتے ہوں، ہندوستان کے مسلمان اس پر ہرگز قدرت نہیں رکھتے۔ دوسرے جو آزادی شارع کو مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ خالص مسلمانوں کی قوت و شوکت کے حصول کی امید ہو اور یہاں ایسی آزادی کی ہرگز امید نہیں بلکہ اور نقصان کا اندیشہ ہے۔ عالمگیری میں دشمن کا مقابلہ کی اباحت کے شرائط کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا :-

والثانی ان یرجو الشوکۃ والقوۃ لاھل الاسلام باجتھادہ او باجتھاد من یعتقد فی اجتھادہ ورایہ وان کان لا یرجو القوۃ والشوکۃ للمسلمین فی القتال فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء نفسہ فی التھلکۃ -

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہم اس حکومت کی وجہ سے طرح طرح کے نقصانات کے شکار ہو رہے ہیں۔ سو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا کہ :-

اسمعوا واطیعوا فانما علیھم ما حملوا وعلیکم ما حملتم -

"تم تو سنتے جاؤ، اطاعت کرتے رہو کہ جو حقوق حکام پر ڈالے گئے ہیں وہ ان پر لازم ہیں اور جو تم پر ڈالے گئے ہیں وہ تم پر لازم ہیں"۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا نفسِ شرکت کے متعلق تھا کہ اس وقت کی شرکت کا کیا حکم ہے لیکن اس کے علاوہ اس راہ کے دوسرے اور بھی صدہا منہیات کا ارتکاب کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے یہ شرکت اشد حرام کا حکم پیدا کر لیتی ہے چونکہ ان تمام کا ذکر موجب طوالت تھا دوسرے ان کے متعلق سوال میں استفسار بھی نہیں تھا اس لئے ان کو ترک کیا گیا۔

(۲) اس مقابلے میں اگر قوم کی جانب سے ایسا تشدد وقوع میں آئے جس میں پولیس یا فوج کے افراد میں سے بعض کے تلف ہو جانے کا خوف ہو اور ایسی صورت میں حکومت کی جانب سے گولی چلا دی جاوے اور کوئی مسلمان گولی کے صدمہ سے مر جاوے تو شہید کہلائے گا اور اس کے تلف ہونے کا سبب ایسے وقت "ظلم" ٹھہرے گا اور ظلماً مارا جانا شہادت ہے لیکن ایسے وقت میں بھی اگر کسی مسلمان کا اس پر گمان غالب ہو جاوے کہ اگرچہ میرا کوئی ایسا سنگین گناہ نہیں ہے لیکن حکومت اس پر بھی گولی چلا دے گی تو ایسی صورت میں اس پر فرض ہو گا کہ وہ اس مقام سے ہٹ جاوے اگر نہ ہٹے گا اور مارا جائے تو شہید نہ کہلائے گا۔ اگر قوم کی جانب سے ہی ایسے تشدد کی ابتدا کی گئی جس میں گورنمنٹی ملازمین سے بعض افراد مارے گئے یا ان کے مارے جانے کا قوی اندیشہ تھا کہ وہ آلات جارحہ کے استعمال کا ارتکاب کر رہے تھے اور ایسی صورت میں مجمع کے منتشر کرنے کے لئے گولی چلائی گئی اور اس میں کوئی مسلمان بھی مارا گیا تو اس کو بھی شہید کہا جائے گا کہ اس موقع پر وہ یقیناً جانتا ہے کہ گولی چلنا لابدی ہے پس ایسے وقت اس کا ٹھہر جانا اپنے اوپر موت کا پیش کرنا ہے، جو حرام ہے، پھر جن صورتوں میں شہادت کا حکم

نہیں کیا گیا اگر وہ جانتا تھا کہ شرعاً مجھے یہاں ٹھہرنا ممنوع ہے تب تو وہ خودکشی کا مرتکب ٹھہرے گا ورنہ امید ہے کہ ماخوذ نہ ہو۔ حکومت کے خلاف جن امور پر اصرار کیا جاتا ہے وہ تو مکروہات سے بھی نہیں علماء نے حفاظتِ جان کے لئے بعض محرمات کے ارتکاب کو بھی فرض فرمایا ہے۔ عالمگیری میں ہے :-

السلطان اذا اخذ رجلاً وقال لاقتلنك او لتشربن هذا الخمر كان في غالب رأيه انه لو لم يتناول يقتل فان لم يتناول حتى قتل كان اثما في ظاهر الرواية عن اصحابه وذكر شيخ الاسلام انه اثم ماخوذ به الا ان يكون جاهلا بالاباحة حالة الضرورة ثم اذا كان عالما بالاباحة كان ماخوذا كذا قال محمد رحمه الله تعالى۔

(۳) کھدر کا استعمال فی نفسہ مباح ہے لیکن اس نیت سے پہننا جو سوال میں مذکور ہے ممنوع ہے کہ مباح اشیاء کا استعمال اچھی نیت سے مستحسن ہے اور بری نیت سے مکروہ۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی نیت سے نہ "قانون نمک" کے توڑنے کا حکم دیا گیا نہ یہ ارشاد مبارک کا مقصود ہے کہ اگر کوئی حکومت نمک پر محصول لے تو اس کی مخالفت کر کے ایسے قانون کو توڑ دیا جاوے غرض بہر حال مذکور محض کذب ہے۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نوٹ :-) یہ فتویٰ تقریباً ۱۹۳۰ء/۱۳۴۹ھ میں لکھا گیا تھا۔ سید رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب "اوراقِ گم گشتہ" کے صفحات ۳۲۶ تا ۳۳۱ پر اس فتوے کو نقل کیا تھا، ہم نے یہ فتویٰ وہیں سے نقل کیا ہے۔
(مرتب)

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) نحل: ۴۳

فتاویٰ مظہریّہ

جلد دوم

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارۂ مسعودیہ ۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

از

پروفیسر محمد مسعود احمد

اس سے قبل کہ ہم حصۂ دوم کے پہلے باب کا آغاز کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمہیدًا کچھ عرض کردیں۔ حضرت مجیب علیہ الرحمہ سے مسلک دیوبند سے متعلق بعض علماء کے بارے میں چند فتوے لئے گئے تھے جو پہلے باب میں شامل کردئے گئے ہیں۔ جس زمانے میں یہ فتوے لئے گئے ان حضرات کے اقوال عوام وخواص میں مشہور تھے، اس لئے سوالات میں ان کا ذکر کرنا تحصیل حاصل سمجھا گیا اور جوابات میں بھی ان کا ذکر نہیں صرف ان پر حکم لگایا گیا ہے لیکن اب حالات قدرے مختلف ہیں، سوالات وجوابات میں ابہام محسوس ہوتا ہے اس لئے مناسب سمجھا کہ بعض اہم اقوال نقل کردیئے جائیں۔ ہم ان علماء کی بعض کتابوں سے صرف وہی اقتباسات پیش کرینگے جن سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہے اور جن کی تائید یا تاویل ان علماء نے کی ہے جن کے متعلق سوالات میں استفسار کیا ہے، طبقاتی کشمکش، تعصب و تنگدلی اور مناظرہ و مجادلہ کے ذوق وشوق سے بالاتر ہوکر، کم مائیگی اور تہی دامانی کے شدید احساس کے ساتھ ہم چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ پیش کریں گے جن سے ان اقوال کی تردید ہوتی ہے۔ حاشا وکلا اس سے کسی کی دل آزاری یا تحقیر و تنقیص مقصود نہیں ؎

فقیہہ شہر کی تحقیر، کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

یہ محض اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ حضرت مجیب علیہ الرحمہ نے ان اقوال پر (جو سوال میں مذکور نہیں) صرف احکام لگائے ہیں ان کے متعلق دلائل وبراہین بیان نہیں فرمائے کیونکہ جواب میں وہی کچھ ہوتا ہے جو سوال میں پوچھا

جاتا ہے اس لئے اس قسم کے جوابات میں ابہام کو دور کرنے کے لئے ضروری تشریح کی گئی تاکہ قارئین کرام کسی الجھن میں مبتلا نہ رہیں۔

حیات طیبہ کا یہ المیہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو مناظرہ و مجادلہ کے لئے موضوع سخن بنا لیا گیا اور اظہار خیال اور اسلوب بیان کے وہ وہ پیرائے اختیار کئے گئے جو نہ قرآن کریم میں دیکھے گئے اور نہ احادیث میں پائے گئے۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین محبت کے پتلے تھے انہوں نے محبت کے طفیل سب کچھ پالیا، ہماری فکری بے راہ رویوں نے دولت عشق و محبت کو برباد کردیا اور افسوس ہم کو احساس تک نہ رہا ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

پاک و ہند میں مسلک دیوبند کے علماء نے چونکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی حمایت و تائید کی ہے اس لئے ہم ان کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

شیخ نجدی ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے، ۱۱۴۳ھ میں مدینہ منورہ کو خیرباد کہہ کر مشرقی علاقے میں چلے گئے اور اپنی تحریک کا آغاز کیا، ۱۲۰۶ھ میں تقریباً ۹۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

شیخ مذکور کے بعض اقوال سید احمد بن زینی دحلان مکی نے اپنی تالیف "الدرر السنیۃ" (۱۲۹۸ھ) میں نقل کئے ہیں، ہم اسی کتاب سے چند اقتباسات نقل کریں گے۔

(۱)

شیخ نجدی خطبہ جمعہ میں کہا کرتے تھے :-

من توسل بالنبی فقد کفر۔ (الدرر السنیۃ، مطبوعہ منظر عام پریس، پشاور)

جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا اس نے کفر کیا۔

اقول

وسیلہ کے سلسلے میں اگر اس آیت کریمہ کو بغور مطالعہ کیا جائے تو مسئلہ سمجھ میں آجاتا ہے :-

ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الاٰخر ویتخذ ما ینفق قربٰت عند اللہ وصلوٰت الرسول الا انہا قربۃ لہم سیدخلہم اللہ فی رحمتہ ان اللہ غفور رحیم ۔ (توبہ - ۹۹)

اور بعض اہل دیہات ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عنداللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رکھو

کہ ان کا خرچ کرنا ان کے لئے موجب قربت ہے، ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کریں گے، اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور رحمت والے ہیں۔
ذات اقدس جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے وسیلۂ مغفرت ونجات سمجھنا تو اور بات ہے یہاں تو یہ فرمایا جارہا ہے کہ جو یہاں انفاق زر کو اللہ سے نزدیکی وقرب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا طلبی کا وسیلہ بناتے ہیں ان کو قربِ رحمت سے نوازا جائے گا۔

(۲)

مسجد نبوی کے میناروں پر مؤذنین کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا شیخ نجدی پر سخت گراں تھا، چناں چہ اسی جرم وفا کی پاداش میں ایک نابینا موذن کو شہید کیا گیا، شیخ دحلان اس واقعہ کو اس طرح نقل فرماتے ہیں :۔

وکان ینھی عن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویتأذی من سماعھا و ینھی عن الاتیان بھا لیلۃ الجمعۃ وعن الجھر بھا علی المنائر ویوذی من یفعل ذلک ویعاقبہ اشد العقاب حتی انہ قتل رجلا اعمیٰ کان مؤذنا صالحا ذا صوت حسن نھاہ عن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فامر بقتلہ فقتل ثم قال ان الربابۃ فی بیت الخاطئۃ یعنی الزانیۃ اقل اثما مما ینادی بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنائر۔ (ص۔ ۴۵، ۴۶)

(ترجمہ) (شیخ نجدی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے سے روکتے تھے اور اس کو سن کر تکلیف دیتے تھے ــــــ اور شب جمعہ کو روضۂ انور پر حاضری سے منع کرتے تھے، مسجد نبوی کے میناروں پر آواز بلند درود وسلام پڑھنے سے بھی روکتے تھے جو ایسا کرتا تھا اس کو تکلیف ہی نہیں سخت سے سخت سزا دیتے تھے۔ چناں چہ مسجد نبوی میں ایک نابینا مؤذن تھا جس کی بڑی سریلی آواز تھی اس کو منارۂ مسجد پر درود وسلام پڑھنے سے روکا، جب وہ نہ مانا تو اس کے قتل کا حکم دے دیا چناں چہ اس کو قتل کر دیا گیا ــــ پھر شیخ نجدی نے کہا کہ زانیہ کے گھر سے ساز کی آواز سننا اتنا بڑا گناہ نہیں جتنا مسجد نبوی کے میناروں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی آواز سننا گناہ ہے۔ (معاذ اللہ)

اقول

شیخ نجدی کا یہ عمل خدا جانے کن جذبات کے تحت تھا، جو نہایت تعجب خیز اور افسوس ناک ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کی جس آیت میں بلا تحدید نشست وبرخاست اور مکان ومقام تلقین کی گئی ہے وہ ہر عالم وعامی جانتا ہے :۔

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ (احزاب-۳۳)
بیشک اللہ اور فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اور ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

آیت مذکورہ کے بعد ہی یہ آیت آتی ہے:-

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لہم عذابا مہینا۔ (احزاب-۳۴)
بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ دنیا و آخرت میں ان پر لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آیت اولیٰ میں حق جل مجدہٗ نے سرکار دوعالم پر درود و سلام پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ سیاق و سباق سے آیت ثانی کے معنی واضح ہیں کہ جس نے درود و سلام پڑھنے میں بخل سے کام لیا تو یہ بات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی کا باعث ہے، اور اس کی سزا یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں اس پر اللہ کی لعنت ہو اور انجام کار وہ خوار کرنے والے عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

جس پیکر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو جل مجدہٗ مومنین کے لئے وجہ راحت وسکون فرمائے "وصل علیہم ان صلوتک سکن لہم" اس ذات ستودہ صفات پر درود وسلام نہ بھیجنا حد درجہ تنگ دلی ہے۔

(۲)

شیخ نجدی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایلچی سمجھتے تھے جس کا کام یہ ہے کہ بادشاہ کا پیغام قوم تک پہنچا دے اور بس۔ چناں چہ شیخ دحلان فرماتے ہیں:-

فمنہا ان یقول انہ طارش وھو فی لغۃ اھل المشرق بمعنی الشخص المرسل من قوم الی اٰخرین فمرادہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم حامل کتاب ای غایۃ امرہ کالطارش الذی یرسلہ الامیر او غیرہ فی امر الاناس لیبلغہم ایاہ ثم ینصرف۔ (ص-۴۷)

انہیں کے اقوال میں ایک یہ قول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایلچی ہیں، اہل مشرق کی لغت میں طارش کے معنی اس شخص مرسل کے ہیں جو ایک قوم کی طرف سے دوسری قوم کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ شیخ نجدی کی اس سے مراد یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حامل کتاب اللہ ہیں یعنی ان کی ادائے فرض کی غایت وہی ہے جو ایک ایلچی کی ہوتی ہے جس کو بادشاہ وغیرہ ایک قوم کے پاس پیغام رسانی کیلئے بھیجتے ہیں پھر اس کا کام ختم ہو جاتا ہے۔

اقول

شیخ نجدی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طارش (ایلچی) کہہ کر جو بات ہلکی کی ہے وہ ایک صاحب ایمان سے متوقع نہیں ہو سکتی، جب قرآن پاک میں دربار رسالت کے آداب کی فہرست نظر سے گزرتی ہے (جس کو آگے چل کر مناسب مقام پر ہم بیان کریں گے) تو آنکھیں کھل جاتی ہیں یہ آداب ہرگز ایک ایلچی کے لئے نہیں ہو سکتے، یہ تو نائب سلطان ہی کو زیب دیتے ہیں۔

قرآن پاک کی متعدد آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق جل مجدہٗ کی تابعداری اور نافرمانی کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور نافرمانی اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے، اسی لئے احسانات الٰہیہ کے ساتھ احسانات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ایک علیحدہ حیثیت ہے۔ یہ آیات ملاحظہ ہوں :-

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلٰلا مبینا ہ واذ تقول للذی انعم اللہ علیه وانعمت علیه الایة۔ (احزاب - ۳۶)

اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا اور نہ ایمان دار عورت کا جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر۔ اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا الخ۔

قرآن پاک کی اکثر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت درحقیقت مولیٰ تعالیٰ کی اطاعت ہے، پھر یہ اطاعت برائے اطاعت الٰہیہ ہی مقصود نہیں بلکہ فی نفسہ بھی مقصود ہے اسی لئے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کی جزا الگ الگ ہے :-

ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین۔
(احزاب - ۳۱)

اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے دیویں ہم اس کو اس کا ثواب دوبار۔

اس آیت میں لفظ "مرتین" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادی شان کی غمازی کرتا ہے، دوہری اطاعت کا صلہ بھی دوہرا ہی ہونا چاہیئے، اگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف ایلچی کی ہوتی تو پھر اطاعت کیسی اور جزا کیسی؟

قرآن کریم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میکانکی پیروی کا داعی نہیں کہ وہ محض ناپائیدار و ناستحکم ہوتی ہے بلکہ وہ تو شارع علیہ السلام سے محبت و عشق پیدا کرانا چاہتا ہے، ایسی محبت جو کائنات سے بے نیاز کر دے۔

ع حیات کیا ہے، خیال و نظر کی مجذوبی

ایسی بے نیازی جس طرح محبت الٰہی بے نیاز کر دیا کرتی ہے (قل ان کان اٰباؤکم و ابناؤکم الاٰیۃ) محبت کے طفیل جو جذبۂ اتباع پیدا ہو سکتا ہے وہ بغیر محبت محض ظاہری سمجھ لینے سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہاں صرف ماننے سے کام نہیں بنتا، چاہنا بھی ضروری ہے، اور چاہت ہی پر قسمتوں کے فیصلے ہوا کرتے ہیں۔

علامہ محمد عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:-

من لم یر ولایۃ الرسول علیہ السلام فی جمیع احوالہ ولم یر نفسہ فی ملکہ لایذوق حلاوۃ سنتہ۔ (تصحیح العقائد، ص-۳۲)

جو ہر حال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک نہ سمجھے وہ سنت نبویہ کی حلاوت سے اصلاً خبردار نہ ہوگا۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات عرض کرتا چلوں کہ شیخ نجدی اور ان کے متبعین کی کتابوں کے مطالعہ سے اس میں شک نہیں حق جل و علا کی وحدانیت و عظمت کا شدید احساس ہوتا ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ قاری کے ذہن پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام اور سلف صالحین کی بے بسی و بیکسی کا جو نقش مرتسم ہوتا ہے وہ روح قرآن کے یکسر منافی ہے، قرآن عظیم کو پڑھ کر ایک طرف حق تعالیٰ کا نقش کبریائی دلوں پر ابھرتا ہے تو دوسری طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت و رسالت اور محبوبیت و عظمت کا سکہ دل پر بیٹھتا ہے ؎

ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک
ایک سرمستی و حیرت ہے تمام آگاہی

ہمارے خیال میں مسئلہ رسالت پر اگر "دانش برہانی" سے غور و فکر کیا گیا تو نتائج اتنے ہی خطرناک ہو سکتے ہیں جو ابلیس کے انداز فکر نے پیدا کئے اور جس کا ذکر شرح و بسط کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ کے آگے جھکنا کچھ اتنا مشکل نہیں، محبت کا اندازہ تو اسی وقت ہوتا ہے جب محبوب حقیقی اپنے محبوبوں کے آگے جھکنے کا حکم دیتا ہے، یہ امتحان بڑا کٹھن ہے، یہاں شخصی "انا" کو سخت صدمہ پہنچتا ہے، اسی "انا" کو "فنا" کرنا مقصود قرآن ہے

ع کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

فی الحقیقت مسئلہ رسالت پر غور کرنے کے لئے "دانش برہانی" نہیں بلکہ "دانش نورانی" کی ضرورت ہے جو حق جل مجدہ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال تعلق و محبت کے بعد پیدا ہوتی ہے، خوب کہا ہے ؎

اک دانش نورانی، اک دانش برہانی
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

●

اک شرع مسلمانی، اک جذب مسلمانی
ہے جذب مسلمانی سر فلک الافلاک

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

(۴)

شیخ نجدی کے دل میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف اتنا احترام تھا جتنا کسی قوم کے دل میں اس کے بادشاہ کے بھیجے ہوئے ایلچی کا ہوتا ہے تو ان کو یہاں تک کہنے کی جرأت ہوئی کہ معاذ اللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے ان کی ذات بیکار محض ہے اور ان سے بہتر تو ایک لکڑی ہے جس سے سانپ تو مارا جا سکتا ہے۔ چناں چہ شیخ دحلان فرماتے ہیں :-

وکان یقول عصای ہذہ خیر من محمد (العیاذ باللہ) لانہا ینتفع بہا فی قتل الحیۃ ونحوہا ومحمد قد مات ولم یبق فیہ نفع اصلاً وانما ھو طارش وقد مضی۔ (ص ۴۲)

شیخ نجدی کہا کرتے تھے کہ میرا یہ عصا محمد سے بہتر ہے (معاذ اللہ) اس لئے کہ اس سے سانپ کو مارنے کا کام لیا جا سکتا ہے اور اسی قسم کے دوسرے کام بھی۔ اور محمد تو مر گئے اور ان میں مطلقاً کوئی نفع نہ رہا۔ وہ تو ایک ایلچی تھے چلے گئے۔ (معاذ اللہ معاذ اللہ)

اقول

مولانا اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو "مٹی میں ملنے" سے جو تعبیر کیا ہے تو وہ خیال بھی اسی قول سے مستنبط معلوم ہوتا ہے اگرچہ بظاہر انہوں نے اس قول کو ایک حدیث پاک سے مستنبط کیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتفاعیت وافادیت میں اپنے عصا کو بہتر سمجھنا اور آں حضرت کے پیکر قدسی کو بیکار محض کہنا بڑی جرأت ہے جو ایمان کی مقتضی نہیں۔

نبی کی بات تو نبی کے ساتھ ہے عام مومنین کے لئے بھی قرآن کریم میں حیات طیبہ کی بشارت موجود ہے — چناں چہ ارشاد ہوتا ہے :-

من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیٰوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون ۰ (نحل - ۹۷)

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے۔

یہ پُرلطف زندگی حق تعالیٰ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ومحبت ہی کا نتیجہ ہے، اسی طرح شہداء کے لئے جو حیات باقیہ کا وعدہ فرمایا گیا وہ بھی اسی محبت کے طفیل ہے، موٹی سی بات ہے جس کی محبت کے طفیل زندگی مل رہی ہے وہ کیسے محروم زندگی رہ سکتا ہے۔ آیۃ کریمہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ الایہ کے تحت

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں :-

اور یہی حیات ہے جس میں انبیاء، شہداء سے بھی زیادہ امتیاز و قوت رکھتے ہیں کہ باوجود سلامتی جسم کے بعض احکام میں بھی وہ مثل زندہ کے ہیں، مثلاً بعد موت ظاہری کے ان کے ازواج کا نکاح کسی سے درست نہیں ہوتا، ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا، اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء صالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔

(حاشیہ قرآن کریم، مطبوعہ قرآن محل، کراچی، ص - ۳۵)

پس جب انبیاء علیہم السلام کے اجساد اطہار کا یہ حال ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الانبیاء اور خاتم النبیاین ہیں ان کے جسد اطہر کی کیا کیفیت ہوگی، وہ جان پاک جس کے لئے قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون ۰ (حجر - ۷۲)

قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔

اس لئے یہ کہنا کیسی بے باکی ہے :-

ومحمد قد مات ولم یبق فیه نفع اصلاً۔ (نعوذ باللہ)

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی ایک تالیف کتاب التوحید" کے نام سے مشہور ہے اس میں بعض کلمات ایسے ملتے ہیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و رضا طلبی کو اثم و عدوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض صحابہ منافقین و مشرکین کی ایذا رسانیوں سے پریشان ہوکر دربار رسالت میں فریاد لے کر آئے تو جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے تواضعاً فرمایا کہ فریاد تو اللہ سے ہونی چاہیئے مجھ سے نہیں طبرانی کی یہ حدیث پیش کر کے صاحب کتاب التوحید نکات بیان فرماتے ہیں، اور چوتھا نکتہ یہ نکالتے ہیں :-

الرابعة ان اصلح الناس لو یفعله ارضاءً لغیرہ صار من الظالمین۔

(کتاب التوحید، مطبوعہ لاہور - ص - ۵۴)

چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ غیر اللہ کی رضا جوئی کے لئے اگر مصلح ترین انسان بھی ایسی غلطی کرے تو وہ بھی گنہ گاروں میں سے ہو جاتا ہے۔

اقول

شاید شیخ نجدی کی نظر سے یہ آیت نہیں گزری اور گزری بھی ہو تو وہ بات پیدا نہ ہو سکی جو مطلوب و مقصود قرآن ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازیؔ نہ صاحب کشاف

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :۔

یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین۔

(توبہ۔۶۲)

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر وہ ایمان رکھتے ہیں ۔

حق جل مجدہ نے اپنے خاص طرز عمل سے اپنے بندوں کو بتایا کہ تکمیل ایمان کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کس قدر ضروری ہے، تحویل قبلہ کا مشہور واقعہ طلب رضا کا ایک کرشمہ تو ہے، ایک رخ کیا پھیرا، سارے عالم کے رخ پھیر دئے ۔ ؎

اے زہے شان عبدیت تری　　　　تو جدھر ہے اُدھر خدائی ہے

ارشاد ہوتا ہے :۔

قد نری تقلب وجھك فی السماء فلنولینك قبلۃ ترضاھا فول وجھك شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (بقرہ۔۱۴۴)

ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جس کے لئے آپ کی مرضی ہے، پھر اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی کی طرف کیا کرو۔

سورۂ ضحیٰ میں تو صاف صاف ارشاد ہوتا ہے :۔

ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ (ضحیٰ۔۵)

اور عنقریب آپ کا پروردگار دے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا :۔

لعلك ترضیٰ　　(طٰہٰ۔۱۳۰)

شاید آپ راضی ہوجائیں ۔

جس ذات اقدس کی رضا و خوشنودی حق تعالیٰ کو منظور و مطلوب ہو، اس کی رضا جوئی توعین بندگی ہے ۔ نہ معلوم شیخ نجدی نے صحابہ جیسے محمود و مقبول بندوں کو گنہ گاروں اور ظالموں میں کیسے شمار کرلیا ۔

(۶)

ابوداؤد شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا :۔

فان تسلیمکم لیبلغنی این کنتم ۔

کیوں کہ تم جہاں بھی ہوگے تمہارے بھیجے ہوئے درود مجھ کو پہنچ جائیں گے ۔

اس حدیث پاک سے شیخ نجدی یہ نکتہ نکالتے ہیں :-

بان صلوۃ الرجل وسلامہ علیہ یبلغہ وان بعد فلا حاجۃ الی ماینوھمہ من اراد القرب ۔ (ص-۸۲و۸۳)

چوں کہ ہر جگہ سے صلوٰۃ وسلام حضور کو پہنچ جاتا ہے اس واسطے خیالِ قرب وہم محض ہے -

اقول

استدلال و استنباط کی اگر یہی صورت ہے تو پھر تقرب الٰہی کا خیال بھی عبث محض ہے کیوں کہ اس کی حضوری کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں ——— ہمارے خیال میں اس حدیث شریف میں مہجوروں کے لئے خوشخبری، دلاسا اور تشفی ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں گے ہم ان کے قریب ہوں گے - خود صحابۂ کرام حاضر ہوتے اور بڑے رقت انگیز مناظر دیکھنے میں آتے۔ عہد فاروقی میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ دیارِ شام سے جس والہانہ انداز سے مرقدِ انور جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے ہیں اس کیفیت کو پڑھ کر تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں، ابن عساکر ابو داؤد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

فاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ فاقبل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما فجعل یضمھما ویقبلھما الخ

(تصحیح العقائد-ص-۱۱۹)

روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، قبر شریف کے پاس پہنچ کر (بے اختیارانہ) رو دئے اور اپنا چہرہ قبر شریف سے ملنے لگے، اتنے میں حضرت امام حسن وحسین (علیہما السلام) تشریف لے آئے، پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے -

ایک عاشق دل فگار اپنے محبوب کے مرقدِ انور پر اسی طرح حاضر ہوا کرتا ہے اور اس کے محبوبوں کو اسی طرح لپٹاتا اور چومتا ہے، یہ محبت کی بات ہے، اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ محبت ناآشنا ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا کہ وہ روحانی بلوغ کو نہیں پہنچا -

علامہ ابن حجر مکی آیتہ کریمہ ولو انھم اذ ظلموا الآیہ سے استدلال کرتے ہوئے "جواہر المنظم" میں فرماتے ہیں :-

ھذہ الآیۃ دالۃ علی ترغیب المسلمین للسفر والمشئ والحضور فی خدمۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم للاستغفار من اللہ تعالی وایضا دالۃ علی الحضور والمجئ بعد الانتقال للاستغفار، لانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی بجسدہ وروحہ بھیئۃ التی کان قبل وفاتہ ولم یبدل منہ شئ -

یہ آیت مسلمانوں کو طلب استغفار کے لئے حضور کی خدمت میں حاضری کی رغبت پر دلالت کرتی ہے نیز

حضورؐ کی دعائے شریفہ کے حصول کے لئے بعد وفات حاضری پر دلالت کرتی ہے کیوں کہ بلا شبہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بدن وروح کے ساتھ اس ہیئت پر حیات ہیں جیسے قبل وفات تھے اور آپ میں کچھ تغیر بھی نہیں ہوا۔

اور یہ جس حدیث پاک سے شیخ نجدی نے دربار رسالت میں عدم حاضری پر استدلال کیا ہے وہ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد وفات پر شاہد عادل ہے، اور جب حیات متحقق ہوگئی تو پھر یہاں اُن تمام نصوصِ قطعیہ کا اطلاق کیا جائے گا جس میں دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مؤدبانہ حاضری کی تحریص و تشویق کی گئی ہے۔

(۷)

بخاری شریف اور مسلم شریف میں بعض ایسی احادیث ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمالِ عشق و محبت کو تکمیل ایمان کے لئے لابدی قرار دیا گیا ہے، کتاب التوحید میں یہ احادیث نقل کی گئیں ہیں، مگر نکتہ رس طبیعت نے اپنا گل کھلایا ہے، محبت کی بات تھی محبت پر ختم ہو جاتی لیکن ایسا نہ ہوا، یہ نکتہ نکالا :-

ان من اتخذ ندًا تساوی محبتہٗ محبۃ اللہ فھو شرک الاکبر۔

جو محبت میں کسی کو اللہ کا شریک بناتا ہو اور اللہ کے برابر اس سے محبت رکھتا ہو وہ اپنے اس فعل کے ذریعہ شرک اکبر کرتا ہے۔

اقول

حدیث پاک میں محبت کے ذکر کے سوا اور کچھ نہ تھا، نہ معلوم شیخ نجدی نے "شرک اکبر" کا نکتہ کہاں سے نکالا، اس قسم کی باتوں سے شخصیت کی گہرائی میں اترا جاسکتا ہے اور ایک خاص قسم کی نفسیاتی کیفیت کا پورا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔

یہ تسلیم کہ اللہ کے برابر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو تو شرک اکبر میں مبتلا ہے، مگر محبت کا یہ سبق خود حق جل مجدہٗ پڑھائے تو پھر کیا کیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

قل ان کان اٰباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموالُ اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ و اللہ لا یھدی القوم الفسقین ﴿ (توبہ-۲۴)

آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو، اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجدے اور اللہ بے حکمی کرنے والے

لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔
آیت مذکورہ میں حق جل مجدہ نے اپنی ذات اور ذات اقدس جناب رسالت مآب سے محبت و عشق کی جو تعلیم دی ہے، اس میں درجہ بندی نہیں فرمائی، بلکہ جو اس بے نیازانہ اور خود فراموشانہ محبت کے لئے تیار نہ ہو اس سے فرمایا جاتا ہے کہ تو عذاب الٰہی کا انتظار کر کہ تو حکم عدولی کرنے والوں میں ہے جن کی لوح تقدیر سے حرف ہدایت مٹا دیا گیا ہے۔

(۸)

ابن ماجہ کی ایک روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم عالم وارفتگی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارکہ میں اکثر فرمایا کرتے تھے "جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہیں" ایک روز آں حضرت نے مصلحت وقت کے تحت تواضعاً ایسا کہنے سے منع فرمایا۔ شیخ نجدی اس حدیث پاک سے استدلال کرتے ہوئے قصیدہ بردہ کے مصنف بوصیری علیہ الرحمہ کے مدحیہ اشعار پر سخت گرفت کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلتنی للہ ندا فکیف بمن قال "مالی الوذ بہ سواک" والبیتین بعدہ -(ص-۱۳۳)

حضور کا ارشاد کہ کیا تم نے مجھ کو اللہ کا مثیل بنادیا ہے[لہ] - تو اس کا کیا حال ہوگا کہ جس نے کہا ہے حضور کے علاوہ میری کوئی جائے پناہ نہیں اور اس کے بعد کے دو شعر بھی ایسے ہی ہیں۔

شیخ نجدی کا اشارہ علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کے اس شعر کی طرف ہے ؎

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ
سواک عند حلول الحادث العمم

اقول

جب شاعر "یا اکرم الخلق"! کہہ کر خطاب کر رہا ہے تو پھر شرک کا کونسا شائبہ رہ گیا ؟ ذات اقدس جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے لئے جائے پناہ تو حق تعالیٰ نے بنایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :-

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ہ

اگر وہ لوگ جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتے تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔

لہ یہ آں حضرت کے الفاظ مبارکہ نہیں بلکہ شیخ نجدی نے شدت جذبات میں اس کے مفہوم کو اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔

امور دنیا سے قطع نظر امور عقبیٰ کو دیکھئے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قیامت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصیبت زدہ امتیوں کے جائے پناہ ہوں گے، یہ وہ وقت ہوگا جب کسی نبی کے دامن میں پناہ نہ ملے گی ہاں حضور کے دامن رحمت میں ضرور پناہ ملے گی اور آپ اپنے امتیوں کی بخشش کے لئے دربار الہٰی میں حاضر ہونگے اور مقام محمود پر فائز ہوں گے، ترمذی شریف اور دوسری کتب احادیث میں یہ طویل حدیث موجود ہے، پس اگر علامہ بوصیری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدح میں فرمایا کہ مالی الوذ بہ سواک الخ تو یہ تو قرآن و حدیث کے عین مطابق اور منشاء ربانی کے عین موافق ہے، خود صحابہ کرام سے اس قسم اقوال و اشعار منقول ہیں، چنانچہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے رجزیہ اشعار میں ایک شعر یہ بھی تھا ؎

فاغفر فداء لك ما ابقينا

وابقين سكينة علينا

تو حضور بخشدیجئے، جو گناہ ہمارے رہ گئے ہیں، ہم حضور پر قربان، اور ہم پر سکینہ اتاریئے۔

وثبت الاقدام ان لاقينا

ونحن عن فضلك ما استغنينا

جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو ہمیں ثابت قدم رکھیں، ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محسن و مشفق عم محترم حضرت ابو طالب حضور کی شان اقدس میں فرماتے ہیں:۔

تلوذ به الهلاك من آل هاشم

فهم عنده في نعمة وفواضل

بنی ہاشم تباہی کے وقت ان کی پناہ میں آتے ہیں، ان کے پاس نعمت و فضل میں بسر کرتے ہیں۔

(تصحیح العقائد، ص-۶۱)

اس باب میں جن علمائے دیوبند کے معتقدات کے بارے فتوے لیے گئے ہیں وہ سب ان اقوال کے مؤیدین میں تھے، کسی نے تردید نہیں کی، بلکہ تاویلات سے کام لیا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جیسا متبحر عالم بھی شیخ نجدی کے ان واضح اقوال کے باوجود ایک سوال کے جواب میں تحریر کرتا ہے:۔

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے، اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدین اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان

میں فساد آگیا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ کراچی، ص - ۲۲۵)

شیخ نجدی کے جو اقوال اوپر پیش کیئے گئے ان سے قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ شیخ نجدی اوران کے متبعین بھی حد سے بڑھ جانے والوں کے زمرے میں شامل تھے، اس سے زیادہ اور کیا ستم ظریفی ہوگی کہ شیخ نجدی کے نزدیک ان کے اوران کے پیروؤں کے علاوہ سب مشرک تھے اور ان کا قتل باعث حصول جنت، چناں چہ علامہ دحلان فرماتے ہیں :-

"وکان یقول لہما انی ادعوکما الی الدین وجمیع ما ھو تحت السبع الطباق مشرک علی الاطلاق، ومن قتل مشرکاً فلہ الجنۃ۔" (ص - ۴۸)

پاک و ہند میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات سے اہل دیوبند نہ صرف متفق بلکہ متاثر بھی ہیں اسی لئے بالعموم لفظ 'دیوبندی' اور 'وہابی' کو مترادفات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، ہم ان حضرات کی کتابوں سے بھی چند اقوال پیش کرتے ہیں جو پاک و ہند میں اس تحریک کے پیشرو ہیں، سب سے پہلے ہم مولانا سید احمد، مولانا اسمٰعیل مرحوم کی کتاب 'صراط مستقیم' اور 'تقویۃ الایمان' سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں :-

(۹)

دانشمند لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن میں سے غریب مسائل کے استخراج کا فکر نماز کی تکمیل ہے بلکہ یہ اس کا ناقص کرنا ہے اور اہل مکاشفات[۱] یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح و فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا حاصل کرنا ہے جو مومنوں کے لئے معراج ہے، نہیں ہرگز نہیں، نماز میں یہ توجہ بھی شرک کی ایک شاخ ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفیٰ۔

(صراط مستقیم، مطبوعہ لاہور، ص - ۱۹۹، ۲۰۰)

اقول

مولانا نے اپنی اس تحریر میں حضرت امام ابو حنیفہ اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہما اللہ جیسے برگزیدہ علماء و صوفیہ کو شرک خفی کا مرتکب گردانا ہے، یہ وہ حضرات ہیں جن کی عظمت و شوکت حضرات اہل سنت والجماعت میں مسلم ہے۔

مفتی حجاز علامۃ الشیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی المکی (م - ۹۷۳ھ) اپنی تالیف "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" (مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ) کی پندرھویں فصل میں حضرت

---

[۱] مولانا اسمٰعیل اہل مکاشفات کے متعلق ایک جگہ بڑے غضب سے فرماتے ہیں گویا کہ انجام بچشم خود ملاحظہ فرما رہے ہیں :-
"کشف و استخارے اسے سب اعراف میں داخل ہیں"۔
(تقویۃ الایمان، مطبوعہ کراچی، ص - ۵۳، ۵۴)

امام اعظم علیہ الرحمہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

وکان اذا اشکلت علیہ مسئلۃ قال لاصحابہ ما ھٰذا الا لذنب أحدثتہ فیستغفر اللہ وربما قام فتوضأ وصلی رکعتین ویستغفر فتفرج لہ المسئلۃ (موہم)

جب آپ کو کسی مسئلے میں مشکل درپیش ہوتی تو اپنے رفقاء سے فرماتے کہ یہ اشکال میرے کردہ گناہ کی وجہ سے ہے پس اللہ تعالیٰ سے طلب استغفار فرماتے اور بسا اوقات کھڑے ہوتے، وضو فرماتے، دوگانہ ادا کرتے، توبہ استغفار فرماتے تو وہ مسئلہ حل ہو جاتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رح کے نام ان کے مریدین خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرکتی علیہما الرحمہ نے ایک مکتوب ارسال کیا جس کا مفہوم حضرت مجدد رح کے الفاظ میں یہ ہے :-

خواجہ محمد اشرف در رزش نسبت رابطہ را نوشتہ بودند کہ بحدے استیلا یافتہ است کہ در صلوات آں را مسجود خود می دانند و می بینند و اگر فرضاً نفی کند او منتفی نمی گردد۔

اس مکتوب کے جواب میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں :-

محب اطوارا ! ایں دولت متمنائے طلاب است از ہزاراں مگر یکے را بدہند، صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبت است محتمل کہ باندک صحبت مقتدا جمیع کمالات او را جذب نماید۔ رابطہ را چرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ، چرا محاریب و مساجد را نفی نہ کنند ؟۔ ظہور ایں قسم دولت، سعادت منداں را میسر است تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند، نہ در رنگ جماعۂ بے دولت کہ خود را مستغنی دانند و قبلہ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند و معاملۂ خود را برہم زنند۔

(مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۳۰، مطبوعہ دہلی، ص - ۴۵ و ۴۶)

(ترجمہ) محب اطوار ! یہ دولت (تصورِ شیخ کی یہ کیفیت) وہ شے ہے جس کی طالبانِ صادق آرزو رکھتے ہیں، یہ کیفیت ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے (اس کیفیت) کا حامل فیض معرفت کے لئے مستعد اور شیخ مقتدا کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہے؛ ایسے شخص کے متعلق یہ احتمال ہے کہ صرف چند روزہ صحبت سے اپنے شیخ مقتدا کے کمالات اپنے اندر جذب کر لے۔ نسبت رابطہ (تصورِ شیخ) کی نفی نہیں کرنی چاہیئے کیوں کہ وہ تو مسجود الیہ (جس کی طرف سجدہ کیا جائے) ہے نہ کہ مسجود لہٗ (جس کو سجدہ کیا جائے) (اگر یہی بات ہے تو پھر) مسجدوں کی محرابوں کی نفی کیوں نہیں کرتے ؟ (حالاں کہ ان کی طرف بھی سجدہ کیا جاتا ہے)۔ ایسی دولت کا ظہور سعادت مند کو میسر آتا ہے تاکہ تمام حالات میں صاحب رابطہ (شیخ مقتدا کو) اور تمام اوقات اسی (شیخ مقتدا)

کی جانب متوجہ رہیں۔ ان بدنصیبوں کی طرح نہیں بنیں جو اپنے آپ کو بے نیاز جانتے ہیں اور اپنی توجہ کا قبلہ اپنے شیخ سے پھیر لیتے ہیں اور اپنے معاملۂ طریقت کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ جس بات کو مولانا سید احمد؁ شرک خفی سے تعبیر کر رہے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی؁ کے نزدیک وہ کیفیت ہزاروں میں سے کسی ایک کو میسر آتی ہے، جو مقبول و محبوب ہے مردود نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک اس کیفیت روحانی سے روگردانی کرنے والا بے نصیب اور معاملۂ طریقت کو برباد کرنے والا ہے۔

(۱۰)

صراط مستقیم میں ایک جگہ لکھا ہے :۔

زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے، اور شیخ یا اس جیسے بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔ (صراط مستقیم، ص - ۲۰۱)

اقول

اس تحریر میں پھر حضرت امام غزالی اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگوں پر طنز کیا گیا ہے، حضرت مجدد؁ کا قول تو اوپر نقل کیا جا چکا ہے، حضرت امام غزالی، احیاء العلوم میں فرماتے ہیں :۔

واحضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم و شخصہ الکریم وقل سلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

التحیات میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صورت پاک کو دل میں حاضر کرو اور پھر کہو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام؛ میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

(۱۱)

مولانا اسمٰعیل؁ نے تقویۃ الایمان میں بعض مقامات پر کنایۃً حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات اہل اللہ کو حق جل مجدہ کے سامنے چوہڑے چمار سے تعبیر کیا ہے، کہیں ان حضرات کو شیطان، بھوت و پریت کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

ہمارا جب خالق اللہ ہے تو ہم کو چاہئیے کہ ہر کاموں میں اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو ایک بادشاہ کا غلام ہو وہ اپنے کام کا علاقہ دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا کسی چوڑھے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

اگر ان میں سے کوئی بات غیر اللہ میں ثابت کی جائے تو شرک ہے کہ اس کو خدا سے چھوٹا ہی سمجھا

جائے اور خدا کی مخلوق اور اس کا بندہ ہی مانا جائے، پھر اس معاملے میں نبی، ولی، جن، شیطان، بھوت، پریت اور پری وغیرہ سب برابر ہیں۔ (تقویۃ الایمان، ص-۱۴)

(۱۲)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلے میں مولینا اسمٰعیل تقویۃ الایمان میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

اللہ پاک نے آپ ہی سے فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان فرماویں کہ مجھے نہ تو کچھ قدرت حاصل ہے اور نہ ہی غیب داں ہوں، میری قدرت کا یہاں سے اندازہ لگاؤ کہ میں اپنی جان تک کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں دوسروں کو تو کیا بھلائی برائی پہنچا سکوں گا، اگر میں غیب داں ہوتا تو کام سے پہلے انجام معلوم کر لیا کرتا۔ (تقویۃ الایمان، ص-۲۹)

اقول

قرآن کریم میں بعض آیات وہ ہیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفعت شان کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض آیات وہ ہیں جن میں حق جل مجدہ نے تواضعاً کچھ باتیں کہلوائی ہیں، اگر اس قسم کی آیات کو تواضع پر محمول نہ کیا جائے تو رفعت شان والی آیات کو تفاخر پر محمول کیا جائے گا ورنہ تضاد لازم آتا ہے۔ اور ایک ہی شخصیت میں دو متضاد کیفیات کا اجتماع قرین عقل نہیں ——— اس لئے ان دونوں قسم کی آیات میں فرق کرنا ضروری ہے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت قلبی سے نوازا ہے انہوں نے اس فرق کو محسوس کیا ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب الآیۃ (انعام)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خزائن خدا ہیں اور میں غیب جانتا ہوں الخ

کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفسیر خازن تحریر فرماتے ہیں :-

وانما نفی عن نفسہ الشریفۃ ھٰذہ الاشیاء تواضعاً للہ تعالیٰ واعترافاً بالعبودیۃ۔ (تصحیح العقائد-ص-۴۲)

یعنی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان اشیاء کی اپنی ذات میں موجود ہونے کی صرف اس لئے نفی فرمائی کہ آپ کو بارگاہ خداوندی میں تواضع مقصود تھی اور اپنی بندگی کا اقرار و اعتراف۔

اس قسم کی آیات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے بسی و بے اختیاری (معاذ اللہ) پر استدلال کرنے کے بجائے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ حصول درجات و مراتب عالیہ کے بعد تواضع و انکساری کتنی ضروری ہے اور اسلامی تہذیب میں اس کی انفرادی اور اجتماعی کیا اہمیت ہے، حق جل مجدہ معلم رسالت مآب ہے سنقرئک فلا تنسیٰ۔ پس جو بات تواضعاً سکھائی گئی ہے اس کو حقیقت پر محمول کر لینا مفاہیم و معانی قرآنی کے ساتھ خیانت ہے۔

(۱۴)

مولانا اسمٰعیل تقویۃ الایمان میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

سب کاموں کے مختار کا نام اللہ ہے اور جس کا نام محمدؐ یا علیؓ ہے اس کو کسی بات کا اختیار نہیں۔ (ص-۴۴)

اقول

مولانا اسمٰعیل نے جس پیکر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار و مجبور بتایا ہے حق تعالیٰ اس کو صاحب اختیار فرما رہا ہے اور ان کے مقامات کا اس طرح ذکر فرماتا ہے :-

لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمٰن عہدا ۔ (مریم-۸۷)

نہیں اختیار رکھتے لوگ شفاعت کا مگر جس نے لے لیا ہے رحمٰن سے وعدہ -

یہ وعدہ لینے والا کون ہے؟ وہی جس کے فرق اقدس پر تاج شفاعت رکھا گیا ہے :-

عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا ۔ (بنی اسرائیل-۷۹)

قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں -

بخاری شریف وغیرہ میں یہ احادیث مذکور ہیں جن میں آں حضرت نے رب تبارک و تعالیٰ سے شفاعت کا وعدہ لیا ہے ، یہ اختیار نہیں تو اور کیا ہے -

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے محامد و محاسن تو ایک روایت کے مطابق خود حق جل مجدہ نے سورۂ دہر (۸-۲۲) میں بیان فرمائے ہیں جنتی ہیں ان حضرات کو جن ترقیات سے نوازا جائے گا اور جن بلندیوں سے سرفراز کیا جائے گا اس کا عجیب دل آویز نقشہ کھینچا ہے، کہیں ارشاد ہوتا ہے

ولقّٰھم نضرۃ وسرورا ۔

(اللہ تعالیٰ) ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا -

تو کہیں ارشاد ہوتا ہے :-

وسقٰھم ربھم شرابا طھورا ۔

اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پلائے گا -

پھر ان کی رفعت و اختیارات کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے :-

اذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا ۔

(اے مخاطب) اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے -

ان حضرات کے متعلق مولینا نے اپنے خیالات کا جس انداز سے اظہار فرمایا ہے وہ حق جل مجدہ ہی کے شایان شان

ہیں، کسی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس بیدردی سے ان حضرات کا نام لے اور حق تعالیٰ نے تو نہایت دل آویزی کے ساتھ ان حضرات کی محبوبیت اور رفعتِ شان کا ذکر فرمایا ہے، جس سے ان کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

(۱۴)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب صحابۂ کرام نے زمیں بوس ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے تواضعاً فرمایا "اپنے بھائی کا احترام کیا کرو"۔ یعنی میں تمہارا بھائی ہی ہوں، یہ اخوت و محبت کی بات تھی، کسی طرح اس سے استدلال صحیح نہیں مگر مولانا اسمٰعیل نصوص قطعیہ کی موجودگی میں حدیث مذکور سے یہ عجیب و غریب نتیجہ نکالتے ہیں :-

معلوم ہوا کہ جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۶۰)

اقول

مولانا اسمٰعیل نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بھائی کا رتبہ دیا ہے مگر قرآن کریم تو باپ کہنے کی بھی ممانعت فرما رہا ہے چہ جائیکہ بھائی کہنا! ارشاد ہوتا ہے :-

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ۰

نبی تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور (رسول کیسے) خاتم النبیین۔

بلکہ یہاں تک فرمایا :-

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم۔ (احزاب - ۶)

نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

'اولیٰ' 'اقرب' کے معنی میں بھی آتا ہے، اس معنی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس آیت کی تلاوت کی جائے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید تو آیت مذکورہ میں ایک عجیب شئی نظر آتی ہے۔

آیت ثانی کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہو سکتی ہیں مگر نبی باپ نہیں ہو سکتا حالاں کہ یہاں تو قیاس چاہتا تھا کہ نبی کو باپ ہی ہونا چاہئیے مگر قرآن حکیم نے اس عقلی استدلال کو مطلقاً رد کر دیا اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ نبی تو رسول اللہ اور خاتم النبیین ہے، ذوات مومنین سے اس کی قرب و نزدیکی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ ہاں ان کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں مگر دیکھنا ان کو عام ماؤں کی طرح نہ سمجھ لینا :-

ینساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن الآیۃ (احزاب - ۳۲)

اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں اگر تم ڈر رکھو۔

(۱۵)

تقویتہ الایمان میں ایک جگہ مولانا اسمٰعیل تحریر کرتے ہیں :-

بشر رسول بن کر بھی بشر ہی رہتا ہے —— نبی بن کر بشر میں خدائی شان نہیں آجاتی —— بشر کو بشریت ہی کے مقام پر رکھو (ص - ۶۲)

اقول

حق تعالیٰ نے آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام بشریت سے مقام رسالت پر فائز کیا اور پھر خاتم النبیین کے مقام رفیع پر سرفراز فرمایا، اس سرفرازی و سربلندی کو دیکھتے ہوئے ایک اہل ایمان کو تو یہ کہنا چاہیئے کہ رسول بشر ہوتے ہوئے بھی رسول ہی رہتا ہے، رسول بن کر وہ صفات الٰہیہ سے متصف ہوتا ہے، رسول کو رسول ہی کے مقام پر رکھو۔ مشرکین عرب نے بشر کو بشریت ہی کے مقام پر رکھا۔ اس لئے وہ ایمان جیسی متاع گراں بہا سے محروم رہے، قرآن حکیم میں شہادتیں موجود ہیں مگر جن حضرات نے حقیقت محمدیہ اور مقام رسالت کی عظمتوں کو سمجھ لیا اور دیکھ لیا وہ دولت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ پس عظمت انبیاء کا احساس جزو ایمان ہے، اسی لئے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر، ابتداء سے لے کر انتہا تک عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار بیان کیا ہے تاکہ نقش عظمت دل پر مرتسم ہو جائے۔

مولانا اسمٰعیل کے متذکرہ بالا اقوال کی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا ایک بڑا طبقہ بددل ہو گیا، لیکن بعض علماء نے ان اقوال کی پُرزور تائید کی اس لئے جانب مخالف کی بددلی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ورنہ چاہیئے تو یہ تھا کہ جن اقوال سے شان رسالت مآب میں ذرا بھی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو اس کو قلم زد کر دیا جاتا یہ خود صاحب کتاب کی دنیا و عاقبت کے لئے بہتر ہوتا، افتراق و بے چینی نہیں پھیلتی اور بددلی ختم ہو کر وحدت کا سماں سامنے آتا مگر ایسا نہیں کیا گیا دور از کار تاویلات سے کام لیا گیا، مثلاً ہم مولانا گنگوہی کے دو فتوے نقل کرتے ہیں :-

(۱) سائل نے مولانا اسمٰعیل کے اس قول کے بارے میں استفسار کیا :-

"یہ یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے"۔

مولانا گنگوہی جواباً فرماتے ہیں :-

اس عبارت سے مراد حق تعالیٰ کی بے نہایت بڑائی ظاہر کرنا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ص - ۴۳)

(ب) مولینا اسمٰعیل کے اس قول کے بارے میں استفسار کیا گیا جو انہوں نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اپنے دل سے کہے تھے :-

"یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کیا سجدہ کے لائق ہوں"

مولانا گنگوہی فرماتے ہیں :-

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ خلط ہو جائے ـــــ دوسرے مٹی سے ملاقی اور متصل ہو جانا یعنی مٹی سے مل جانا تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ، ص-۴۸)

اس قسم کی تاویلات سے شدید ردعمل پیدا ہوا اور بعض علماء نے کفر کے فتوے بھی دے دیئے، چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں کہ مولینا اسمٰعیل کو کافر کہنے والوں کے ساتھ کیا برتاؤ رکھا جائے، مولانا گنگوہی فرماتے ہیں :-

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو جو لوگ کافر کہتے ہیں بتاویل کہتے ہیں اگرچہ وہ تاویل ان کی غلط ہے لہٰذا ان لوگوں کو کافر کہنا اور معاملہ کفار کا سا نہ کرنا چاہیئے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص-۴۸)

مولانا گنگوہیؒ نے تاویل کا ذکر فرمایا حالانکہ خود مولانا اسمٰعیل نے تاویل کی مطلق گنجائش نہیں چھوڑی۔

(۱۹)

ابتداء میں راقم مولینا کے اقوال کو ان کی فطری سخت گیری اور ماحول کے شدید ردعمل کا نتیجہ سمجھتا تھا اور یہ خیال کرتا تھا کہ اگر مولینا کو ان کی زندگی میں اس طرف توجہ کیا جاتا تو شاید وہ رجوع کر لیتے اور اپنے اقوال کی سمیّت کو ختم کر دیتے لیکن ملا بغدادی کے نام مولینا کے مطبوعہ خط کو دیکھ کر سخت تعجب اور افسوس ہوا، ملا بغدادی نے تقویۃ الایمان (رد الاشراک) کے انداز بیان کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے مولینا کو لکھا تھا :-

ان تساوی الاصنام وجمیع الناس والانبیاء فی باب المخلوقیۃ وعدم الاختیار وان کان حقا داخلا فی العقیدۃ لکنہ نوع من سوء الادب۔

(تقویۃ الایمان، ص-۲۷)

خدا کی مخلوق ہونے اور بے اختیار ہونے میں بتوں اور عوام کو انبیاء کے برابر کر دینا اگرچہ حق ہے اور عقائد میں داخل ہے مگر ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

مولینا اسمٰعیل مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہوئے ملا بغدادی کو لکھتے ہیں :-

والعجب کل العجب من جنابکم انکم اقررتم ان ھذا الامر حق داخل فی العقیدۃ ثم قلتم انہ سوء الادب ـــــ اذا کان ثابتا من البراھین داخلا فی العقیدۃ کیف یتصور انہ سوء الادب وکلامکم لیشیر الی اجتماع الضدین

مجھے آپ پر سخت تعجب ہے کہ آپ یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ میری بات معقول ہے اور عقیدے میں

بھی داخل ہے پھر آپ اس کو بے ادبی پر محمول کرتے ہیں، ذرا غور تو فرمائیے کہ جب یہ بات مدلل و معقول ہے اور عقیدے میں بھی داخل ہے تو پھر بے ادبی کے کیا معنی ہوئے؟ ۔ آپ کے کلام میں اجتماع ضدین لازم آتا ہے ۔

اقول

مولانا کی اس تحریر سے یقین ہوجاتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے تحریر کیا اس کی صداقت و معقولیت پر ان کو پورا پورا یقین و اصرار تھا ـــــــ حقیقتِ آداب دلائل منطقیہ سے بالاتر ہے، انبیاء علیہم السلام کا مقام تو بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے اگر مولٰینا کے متذکرہ بالا اقوال کی روشنی میں ان سے کہا جاتا کہ آپ اپنے مرشد و پیشوا کے حضور بھری مجلس میں یہ تو فرما دیں :-

"تو حق تعالیٰ کے سامنے اتنا ہی بیکس و مجبور ہے جتنا شیطان، جن، بھوت، پری، دیو اور اس حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے چوڑے اور چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے"۔

ہمارا خیال ہے کہ مولٰینا کو ہرگز یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ اس قسم کے ناشائستہ اور نازیبا الفاظ اپنے مکرم و محترم پیشوا کے سامنے فرماتے، پس حضرات انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا کتنی بڑی جرأت ہے ۔

قرآن کریم نے نو بتوں کی تنقیص کی ممانعت فرمائی ہے، حالاں کہ عقلاً وہ مستحق تنقیص ہیں، اسی طرح کسی شخص کی ایسی برائی جو نفس الامر میں اس کے اندر پائی جاتی ہو، اس کو پس پردہ بیان کرنے کو غیبت کہا ہے اور اس کے قائل کے لئے ارشاد ہوا :-

ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتۃ فکرھتموہ ۔

کیا تم پسند کرو گے کہ مردہ بھائی کی لاش کھالو، ہرگز پسند نہ کرو گے ۔

اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ نفس الامر میں جب عیوب موجود ہیں تو پھر ان کے بیان میں کیا مضائقہ ہے لیکن آداب معاشرت اور آداب دین کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کی تنقیص شان ہوتی ہو تو نفس الامری معائب کو بھی بیان نہ کیا جائے ۔ جب عامۃ الناس کے لئے قرآن حکیم یہ آداب سکھاتا ہے تو پھر قارئین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا کچھ آداب بتائے ہوں گے ۔ ع

حرف پریشاں نہ کہہ اہل نظر کے حضور

یہاں تفہیم مدعا کے لئے قرآن کریم سے دربار رسالت کے چند آداب کا ذکر کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ ہم کو اس دربار میں کتنا مؤدب رہنا ہے، یہ وہ دربار ہے جہاں ذرا سی آواز اونچی کرنے پر صحابہ جیسے جلیل القدر ہستیوں کے اعمال صالحہ اکارت ہوجانے کا اندیشہ ہے ۔

(ا)

دربارِ رسالت میں جب کسی صحابی کے کوئی بات ذہن نشین نہ ہوتی تو وہ سرکار کو دوبارہ متوجہ کرنے کے لئے "راعنا" (ہماری رعایت فرمائیں) کہتے، مگر اس لفظ کے دوسرے معنی (ہمارے چرواہے) سے چونکہ تنقیص شان کا پہلو نکلتا تھا اور شریر لوگوں نے ان معنی میں استعمال بھی کیا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی:-

یاایہا الذین آمنوا لا تقولوا "راعنا" وقولوا "انظرنا" واسمعوا (البقرہ)

اے ایمان والو تم نہ کہو "راعنا" اور کہو "انظرنا" (ہماری طرف نظر کرم فرمائیے) اور (جو کچھ آپ فرمائیں سراپا گوش بنے) سنتے رہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ابتدائی دور میں بکریاں چرائیں تھیں اس لئے "راعنا" کہنا عقلاً صحیح تھا، مگر اس دربار میں تو عقل و ہوش کو قربان کرنا ہے۔

(ب)

دربارِ رسالت میں یہ بھی اجازت نہیں کہ کوئی صحابی نبی محترم کے آواز پر اپنی آواز بلند تو کرے اس بے ادبی پر ——— جو شاید اہل عقل کے نزدیک معقول ہو ——— تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جانے کی وعید نازل ہوئی:-

یاایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہٗ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ لہم مغفرۃ واجر عظیم ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرہم لا یعقلون۔ (حجرات - ۲، ۳، ۴)

اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر اور اس سے نہ بولو تڑخ کر جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر، کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو، جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے، ان کے لئے معافی اور ثواب عظیم، جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔

اونچی آواز سے بولنا عقلاً کچھ اتنا برا نہیں کہ اس کی وجہ سے تمام اعمال اکارت کر دئے جائیں، مگر دربار رسالت میں یہ اتنا ہی برا ہے، اسی لئے جو باادب ہیں اور دبی آواز سے بولتے ہیں ان کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ "ان کی عقلوں کو جانچ لیا ہے" بلکہ فرمایا کہ "دلوں کو جانچ لیا ہے" کہ ادب کا تعلق عقل سے نہیں دل سے ہے۔

(ج)

یہ تو تھے دربار رسالت میں بولنے کے آداب، قرآن کریم نے اس مجلس اقدس سے اٹھنے کے آداب بھی بتائے ہیں اور صرف اس ایک حکم کی نافرمانی کرنے والوں کو فتنہ عظیم اور عذاب الیم کی وعید سنائی ہے، ارشاد ہوتا ہے :-

انما المومنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ ، ان الذین یستاذنونک اولٰئک الذین یومنون باللہ ورسولہ فاذا استاذنوک لبعض شانھم فاذن لمن شئت منھم واستغفر لھم اللہ ان اللہ غفور رحیم ۔ (نور - ۶۲)

ایمان والے تو وہی ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں، تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں، جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو ان میں سے تو چاہے، ان کے واسطے بخشش کی دعا کر، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس سے اگلی آیت شریفہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا ، قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا ، فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم ۔ (نور - ۶۳)

تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو آڑ میں ہو کر تم میں سے کھسک جاتے ہیں، جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیئے کہ ان پر کوئی آفت آن پڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

(د)

ان آیات میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے خطاب ہے، اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کے لئے ادب آموزی کے اتنے سخت احکام ہیں تو ہمارے لئے کیا کچھ نہ ہوں گے، قرآن حکیم میں اس قسم کی بیشمار آیات ہیں کس کس کو بیان کیا جائے ۔ ایک آیت میں صحابہ کرام کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے پر حاضر ہونے، کھانے، اور کھانے کے بعد اٹھ کر چلے آنے کے آداب اس طرح بیان فرمائے ہیں :-

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت کھانے کے لئے تم کو اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلالیا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں کرتا۔

(احزاب - ۵۳)

ادب و تہذیب اور محبت و عشق کی ان فضاؤں میں مولانا اسمٰعیل کے کلمات کو دوہرایا جائے تو کتنے تلخ معلوم ہوتے ہیں۔

"یہ یقین جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے"

"بشر رسول بن کر بھی بشر ہی رہتا ہے ——— نبی بن کر بشر میں خدائی شان نہیں آجاتی ——— بشر کو بشریت ہی کے مقام پر رکھو" (وغیرہ وغیرہ)

(۱۷)

عرض کیا جاچکا ہے کہ علمائے دیوبند نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولٰنا محمد اسمٰعیل دہلوی وغیرہم کے اقوال و معتقدات کی تائید کی ہے بلکہ بعض علماء کی تصانیف میں ان کے اثرات بھی صاف نظر آتے ہیں، مثلاً صاحب براہین قاطعہ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (مولٰنا خلیل احمد: براہین قاطعہ، ص-۵۱، مصدقہ مولٰنا گنگوہی)

اقول

ابلیس اور ملک الموت کے علم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے بر تر جاننا محض اس لئے کہ معارف قرآنیہ کے ادراک میں بصیرت قلبی نے ساتھ نہ دیا، حد درجہ کی کوتاہ بینی ہے، اسرار و معارف قرآنیہ کو جس انداز سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا ہے، کون سمجھ سکتا ہے ؟- ہم کو قرآن حکیم میں وہی کچھ نظر آتا ہے جو نگاہوں کے سامنے ہے، جو ماوراء ہے نظر نہیں آتا - اسی کی طرف قرآن کریم اس طرح اشارہ فرماتا ہے :-

مافرطنا فی الکتاب من شیٔ۔ (انعام)

(ہم نے قرآن میں کچھ نہیں چھوڑا سب کچھ لکھ دیا ہے)

اس آیت کریمہ کے تحت صاحب تفسیر عرائس البیان فرماتے ہیں :-

الی ما اخرنا فی الکتاب ذکر احد من الخلق لکن لا یبصر ذکرہ فی الکتاب الا المؤیدون بانوار معرفتہ -

ہم نے قرآن میں کسی ایک کا بھی مخلوق میں ذکر باقی نہ رکھا سب کچھ بیان کر دیا لیکن اس ذکر کو صاحبان باطن جن کو نور معرفت حاصل ہو وہی معلوم کرتے ہیں۔

اسی طرح آیۃ کریمہ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما کے تحت صاحب تفسیر مدارک تحریر فرماتے ہیں :-

من امور الدنیا والشرائع او من خفیات الامور وضمائر القلوب -

یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم امور شریعت ہونے کے علاوہ تمام پوشیدہ امور کا عالم اور دلوں کے بھیدوں کا واقف بنا دیا - (تصحیح العقائد، ص-۱۴۱)

جملہ آیات و احادیث سے قطع نظر صرف اس ایک آیت پر غور فرمائیں :-

" انا اعطینٰک الکوثر "

یہ آیۃ کریمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جمیع اقسام کی وسعتوں پر شاہد عادل ہے - جس میں وسعت علم و حکمت بھی شامل ہے جو در حقیقت "خیر کثیر" ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا -

جس کو حکمت عطا کی گئی بلاشبہ اس کو خیر کثیر عطا کی گئی -

لفظ "کوثر" کے لغوی معنی 'بہت زیادہ' کے ہیں جس میں ہر قسم کی کثرت شامل ہے ، یہ نکتہ بھی ذہن نشیں رہے کہ لفظ 'کثیر' اپنے معنی کے اعتبار سے اضافی ہے ـــــ جو شے ایک مسکین کے لئے 'کثیر' ہے ، وہ ایک متوسط کے لئے نہیں ، جو ایک متوسط الحال کے لئے 'کثیر' ہے وہ ایک امیر و کبیر کے لئے نہیں اور جو ایک امیر و کبیر کے لئے 'کثیر' ہے وہ اس سے بالاتر ہستی کے لئے نہیں (علیٰ ہذا القیاس) کثرت کے حقیقی معنی و مفہوم کا تعین قائل کے مقام و مرتبہ کو دیکھ کر کیا جاتا ہے ، اسی پر قیاس کر کے اندازہ لگائیں کہ جس شے کو خود حق جل مجدہ 'کثیر' نہیں بلکہ "کوثر" (بہت زیادہ) فرمائے اس کی عطا کی وسعت کا کیا ٹھکانہ ہوگا ! کسی کی عقل اس عطائے کوثر کا احاطہ نہیں کر سکتی ـــــ علم الٰہی کی وسعت کا اندازہ اس آیۃ کریمہ سے ہوتا ہے :-

وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون -

یعنی علم الٰہی میں ایک دن ہمارے ہزار سال یا ۳ لاکھ ۶۵ ہزار دنوں کے برابر ہے ، اس نسبت کو پیش نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے عبد کامل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا احاطۂ عقل سے باہر ہے - اور اس کا مقابلہ کوئی مخلوق نہیں کر سکتی کہ ہر مخلوق عطائے کوثر سے محروم ہے -

(۱۸)

صاحب حفظ الایمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلے میں فرماتے ہیں :-

پھر یہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے، یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔

(مولینا اشرف علی تھانوی؛ حفظ الایمان، ص ۷، ۸)

اقول

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو بچوں، پاگلوں، حیوانوں اور درندوں کے مماثل قرار دینا کس درجہ بیباکی و گستاخی ہے، عرض کیا جا چکا ہے کہ بے عقل بے مایہ کو اپنا پیشوا و امام بنایا جائے گا تو وہ یہی گل کھلائے گی ـــــــ خود حق جل مجدہ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امور غیبیہ سے مشرف کرنے اور علم غیب سے سرفراز فرمانے کا ذکر کیا ہے۔ آں حضرت کے علم غیب کے متعلق جب بھی گفتگو کی جائے گی تو گو بظاہر روئے سخن انسانوں کی طرف ہو لیکن حقیقتاً پروردگار عالم کی طرف منصور ہوگا اور یہ جرأت معلم الملکوت کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں اور ہم نے اس کا انجام دیکھا جو دیکھا ـــــــ قرآن کریم میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق بکثرت آیات موجود ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :-

(ا) ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب لکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔

(آل عمران، ص - ۱۷۹)

اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

(ب) علم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا ہ الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ و من خلفہ رصدا ہ (جن، ۲۶، ۲۷)

غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو اس (پیغمبر) کے آگے اور پیچھے محافظ (فرشتے) بھیج دیتا ہے۔

(ج) وما ھو علی الغیب بضنین ہ (تکویر، ص - ۲۴)

اور یہ غیب کی بات بتانے میں بخیل نہیں۔

(د) تلک انباء الغیب نوحیھا الیک۔ (ہود، ص - ۴۹)

یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف۔

(ھ) و یوم نبعث فی کل امۃ شہیدا علیھم من انفسہم وجئنا بک شہیدا

علیٰ ھٰٓؤُلَآءِ ط ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشریٰ للمسلمین ہ (نحل - ۸۹)

اور جس دن ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ جو انہیں میں کا ہوگا ان کے مقابلے میں قائم کریں گے اور ان لوگوں کے مقابلے میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے - اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے، جو کہ تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوش خبری سنانے والا ہے -

آیت مذکورہ میں تمام امتوں پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانا محل فکر ہے، گواہی کے لئے علم الیقین ہی نہیں بلکہ عین الیقین ہونا بھی شرط ہے اور یہاں تو حق الیقین کی بات ہے اور یہ اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب تسلیم کیا جائے کہ ہر ہر امت کا عمل حضور کی نگاہوں کے سامنے ہے ــــ آیت کے دوسرے حصے میں قرآن کریم کے لئے فرمایا تبیانا لکل شیء، (تمام باتوں کا بیان کرنے والا) پس جس سینۂ مبارکہ پر یہ کتاب مقدس اتری اس کو کیا کچھ علم نہ ہوگا - حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں تو یہ فرمایا: وعلم آدم الاسماء کلھا (ہم نے آدم کو تمام نام سکھا دیے) اور یہاں 'کل شیء' فرمایا جس میں کل اسماء بھی شامل ہیں، اس سے حضور کی علم کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضور کے صحابی حضرت مالک بن عوف نے آپ کی شان اقدس میں خوب فرمایا ؎

اوفیٰ واعطیٰ للجزیل لمجتد
ومتیٰ تشاء یخبرک عما فی غد

سب سے زیادہ وفا کرنے والا اور سب سے زیادہ سائل کو عطا کرنے والا اور تو چاہے تو آیندہ کی خبر دینے والا -

(پروفیسر) محمد مسعود احمد
کوئٹہ (مغربی پاکستان)
۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء / ۹ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

پہلا باب

معتقدات

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

گود میں عالمِ شباب، حالِ شباب کچھ نہ پُوچھ
گُل بُنِ باغ نُور کی، اور ہی کچھ اُٹھان ہے

تجھ سا سیاہ کار کون؟ اُن سا شفیع ہے کہاں!
پھر وہ تجھی کو بھُول جائیں، دل یہ ترا گمان ہے!

پیشِ نظر وہ نَو بہار، سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے

بارِ جلال اُٹھا لیا، گرچہ کلیجہ شق ہُوا
یُوں تو یہ ماہِ سبزہ رنگ، نظروں میں دھان پان ہے

خوف نہ رکھ رضاؔ ذرا، تُو تو ہے عبدِ مُصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حاضر و ناظر

(سوال نمبر ۲۴۰) (۱) حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناظر بمعنی لغوی کہنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو بمعنی لغوی ناظر جاننے والے کا شرع میں کیا حکم ہے۔[۱]

مستفتی

محمد حسن جان ۔ ربی

ھو الموفق

لفظ "ناظر" کو اس کے حقیقی معنی میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے استعمال کرنا بلا شبہ جائز ہے تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور حیات ہیں اور روضہ شریف کے حاضرین کے حال کو ملاحظہ فرماتے اور ان کے سلام و معروضات کو سنتے ہیں چنانچہ مواہب اور اس کی شرح زرقانی میں ہے ویلازم الادب و الخشوع والتواضع غاضا لبصرہ کما کان یفعل بین یدیہ فی حیاتہ (اذھو حی) و یستحضر علیہ بوقوفہ بین یدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وسماعہ لسلامہ کما ھو فی حیاتہ۔ انتھی۔ اور شیخ محقق مدارج میں فرماتے ہیں:۔

حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علمائے ملت و ہیچ کس را خلاف نیست دراں۔

بلکہ اس لفظ سے یہ معنی مراد رکھنے بھی جائز ہیں کہ حضور بواسطہ ملائکہ تمام امت کے حالات و اعمال پر نگراں ہیں چنانچہ مدارج شریف میں ہے:۔

وبزاء برجال صحیح از عبداللہ بن مسعود می آرد کہ فرمود مر خدا را فرشتگان اند سیاح در زمین کہ می رسانند مرا اعمال شمارا، از انچہ بہتر است کہ شکر می گویم مر خدا را براں، وانچہ بد می بینم استغفار می کنم شمارا، انتہیٰ۔

نیز محدث دہلوی نے رسالہ سلوک "اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل" سے نقل فرمایا ہے:۔

---

[۱] اس سوال کے جواب میں مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم نے تحریر فرمایا تھا کہ "ناظر کو اپنے معنی میں حضور کے لئے استعمال کرنا اور یہ سمجھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کو دیکھتے ہیں غلط اور نا جائز ہے"۔ ——— یہاں حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے اس خیال کا رد فرمایا ہے۔

با چندیں اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را و متوجہان آں حضرت را مفیض و مربی۔ انتہی

ہاں اگر اس معنی کے اعتبار سے حضور پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس بلا کسی واسطہ کے اپنی امت کے ہر فرد کی حرکات و سکنات کو ملاحظہ فرماتے ہیں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے احتیاط اس ہی میں ہے کہ ایسے معنی مراد نہ رکھے جائیں، لیکن اگر کوئی حضور کا عاشق اس معنی کی بھی تصریح کر کے حضور کے لئے اس لفظ کا استعمال کرے تو کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اس امر کو ناجائز بتلا کر کہنے والے کو گنہ گار قرار دے کہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں پس اس شخص کو گنہ گار بتلانا حقیقت میں ان حضرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گنہ گار بتلانا ہے۔

بعض احادیث میں ارشاد ہوا کہ جب مسلمان اپنے گھر میں جائے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھیجے، علامہ علی قاری شرح شفا میں اس کی یوں دلیل بیان فرماتے ہیں :۔

ای لان روحہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام۔

مدارج شریف میں ہے :۔

تواند بود کہ ویرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم در قبر از تصرف و نفوذ حالتے بود کہ از سموات و ارض و جہاں حجاب مرتفع شدہ باشد بے تجاوز و انتقال زیرا کہ امور آخرت و احوال برزخ را بر دنیا قیاس نتواں کرد۔ انتہی

نیز حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ جمع البرکات میں فرماتے ہیں :۔

وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر احوال و اعمال امت مطلع است و بر مقربان و خاصان درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است انتہی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۴۱) مندرجہ ذیل تین عبارات اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق ہیں یا نہیں۔ ہر ایک کا جواب مع حوالہ کتب شرعیہ کے مرحمت فرمائیں۔

محمد ولی اللہ
دھمولی ضلع گیا (بہار)
ستمبر ۱۹۶۱ء

عبارات مسئولہ

(۱) "ہاں یہاں لباس ضرور بشریت ہے لیکن خوب یاد رہے اور ہر عاقل و منصف جانتا ہے کہ لباس لابس کی حقیقت نہیں۔ لباس اور ہے اور لابس اور ہے۔ لباس کو ہی لابس کی حقیقت بتانے والا خبیث اور شریر النفس دین سے جاہل ہے"۔

(۲) "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بشری لباس میں ضرور تشریف لائے لیکن آپ کی حقیقت ہرگز ہرگز بشریت نہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مظہر اکمل اور اس کے محبوب اجمل ہیں"۔

(۳) "ہاں اس موقعہ پر یہ مسئلہ خوب یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا جائز نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفیہ ہیں اور قرآن عظیم اور کسی متواتر حدیث کریم میں حاضر و ناظر اللہ تعالیٰ کے لئے وارد بھی نہیں ہوا، نیز یہ دونوں لفظ حاضر و ناظر اپنے ظاہری معنی کے لحاظ سے اللہ عزوجل کے لئے معاذ اللہ نقصان و عیب پر مشتمل ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے ان کا بولنا الحاد فی اسماء اللہ تعالیٰ ہے جو بحکم قرآن مجید ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ تو شہید و بصیر ہے اور اس کا پیارا حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) حاضر و ناظر ہے، یہی عقیدہ رکھنا چاہیئے"۔

الجواب

سرکار اقدس کی حقیقت تو نور ہے لیکن حضور انور چوں کہ بشری جنس میں مبعوث ہوئے ہیں اس لئے حضور پر بشر کا اطلاق تو ضرور آتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم جس پر دلیل قطعی ہے، پس اس کو لباس سے تعبیر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ پھر کسی بشر کو بشر نہ کہیں گے۔ ہاں اسے بے ادب لوگوں کی زبان بند کرنے کے لئے جو حضور کو کہتے ہیں کہ ہم ہی جیسے بشر ہیں اور اس کے ساتھ اور کچھ خرافات بکتے ہیں —— —— لعل بدخشاں کی ناقص مثال دی جاسکتی ہے کہ باوجودیکہ وہ پتھر کی جنس سے ہے لیکن اسے پتھر نہیں کہتے اور اس میں اس کی اہانت سمجھی جاتی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ کی شان اقدس میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ بشر ہیں۔

اللہ جل مجدہ کی شان میں حاضر و ناظر کہنا جائز ہے کہ حضور بمعنی علم ہے اور ناظر بمعنی رویت چناں چہ شامی میں ہے:۔

فان الحضور بمعنی العلم مایکون من نجوی ثلثۃ الا هو رابعهم و الناظر بمعنی الرویۃ۔ الم یعلم بان اللہ یری۔

اور حضور اقدس کو بھی بایں معنی حاضر و ناظر کہا جاسکتا ہے کہ باذن اللہ احوال امت کا علم رکھتے ہیں، اور اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں۔ چناں چہ مجمع البرکات میں شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

وے علیہ السلام بر احوال و اعمالِ امت مطلع است و بر مقربان و خاصانِ درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است۔

اس مسئلے میں تفصیل کی ضرورت تھی لیکن میں علالت کی وجہ سے مجبور ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۴۲)

(۱) کیا اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنے والا کافر ہے؟

(۲) کیا ذات الٰہی پر شے کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اگر کوئی کرے تو اس پر توبہ اور تجدید نکاح لازم ہے یا نہیں؟

(۳) خدا کی ذات با وجہ وجہ ثابت ہے یا وجود ہے؟

الجواب

(۱) درمختار جلد سوم میں ہے یا حاضر یا ناظر لیس بکفر اور شامی میں اس کے ماتحت ہے فان الحضور بمعنی العلم شائع ما یکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم۔ والناظر بمعنی الرؤیۃ الم یعلم بان اللہ یری فالمعنی یا عالم من یری (ص-۲۲۵)۔ پس مولیٰ تعالیٰ کی نسبت جو شخص حاضر و ناظر کہے گا، وہ ہرگز کافر نہ ہوگا۔

(۲) مولیٰ تعالیٰ کی جناب میں شے کے اطلاق میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کا اطلاق نہ کرنا چاہیئے لیکن اگر کوئی کرے تو وہ بھی کافر نہ ہوگا بدلیل قولہ تعالیٰ قل ای شئی اکبر شہادۃ۔ قل اللہ وکل شئی ھالک الا وجھہ الا منہ المستثنیٰ داخل فی المستثنیٰ منہ فثبت ان یکون شیئا۔ پس اس پر توبہ اور تجدید نکاح لازم نہیں۔

(۳) بفضلہٖ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ کان اللہ ولم یکن معہ شیئا یعنی ابتداء میں صرف اللہ تعالیٰ تھا، اور اس کے سوا کچھ نہ تھا، پس حقیقت میں وجود تو اسی کا ہے دوسری مخلوق کا اعتباری ہے اور اس کے وجود کا ظل ہے۔ حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں، ان کے حقائق تو عدم محض ہیں، وجود ہی کی ظلال نے ان میں منعکس ہو کر ان کو مزین کیا ہے۔ آیۂ کریمہ وما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک اسی مضمون کی شاہد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۴۳) مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور ہر جگہ موجود ماننے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۱) کیا یہ عقیدہ شریعت حقہ کے نزدیک صحیح ہے؟

(۲) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ جاننے والا خارج از اسلام ہے؟

(۳) کیا ایسے عقیدے کے منکر کو کسی قسم کی جانی و مالی تکلیف پہنچانی کسی مسلمان کے لئے جائز ہے؟

ازراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

۱۱ر جون ۱۹۶۴ء

الجواب ھو الموفق للصواب

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم میں "شاھد" کا اطلاق آیا ہے اور شاہد کہتے ہیں گواہ کو جو اپنی آنکھوں سے دیکھی شے کی گواہی دیتا ہے تو حضور چوں کہ روحانی قوت سے مخلوقات پر نظر رکھتے ہیں اس لئے بعض اہل سنت نے آپ کو حاضر و ناظر کہا ہے اس لئے کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مخلوقات میں ساری ہے اس وجہ سے حکم کرتے ہیں کہ مصلی کو اس معنی سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ بہر حال حضور کو علم کی وجہ سے حاضر کہا گیا ہے یا سریان حقیقت محمدیہ کی وجہ سے، لیکن عوام اس معنی سے غافل ہیں اور حاضر و ناظر سے سمجھتے ہیں کہ حضور بنفس نفیس حاضر ہیں اس لئے حاضر و ناظر کہنے کی ان کو اجازت نہیں دی جا سکتی۔ پس جو حضرات حضور کو بنفس نفیس موجود مانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور جو علم کی بنا پر حضور کو حاضر مانتے ہیں نہ بنفس نفیس وہ حق پر ہیں، دونوں جانب تاویل ہو سکتی ہے لہٰذا کسی کو خارج از اسلام کہنا یا جانی مالی تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر سخت علیل ہے جس کی وجہ سے مختصر جواب دیا گیا۔ لکھا بھی نہیں جاتا۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

درود شریف

(سوال نمبر ۲۴۴) درود شریف پڑھنا درست ہے یا نہیں، زید اس کو ناجائز اور بدعت بتلاتا ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ چند اشخاص جمع ہو کر بصورت حلقہ بیٹھ کر درود شریف کا ورد کریں تو یہ بھی ناجائز ہے، اس سلسلے میں شرع شریف کا جو حکم ہو اس کی وضاحت فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب وھوالموفق للصواب

اللّٰھم انی اعوذبک من فتنۃ ھٰذا الزمان کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ آج وہ زمانہ آگیا کہ درود شریف کے جواز میں (جو بلا شبہ عبادت ہے) کلام کرنے والے بھی ہندوستان میں پیدا ہو گئے، یہ ساری خوبیاں یہاں اس ہوا کی ہیں جس کو حریت و آزادی سے تعبیر کیا جارہا ہے اور جو آج اس کا باعث ہوئی ہے کہ کوئی نماز میں کلام کرتا ہے تو کوئی روزہ میں اور کوئی سود کے جواز کے درپے ہورہا ہے تو کوئی طرق عبادت پر کفر و بدعت کا حکم لگانے میں دلیر نظر آتا ہے غرض کہ وہ بے تمیزی طوفان برپا ہے کہ الامان الامان اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ درود شریف واجب ہے اگر اختلاف ہے تو صرف اس میں کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ واجب ہے یا جب حضور کا ذکر شریف ہو۔

اتفق العلماء علی وجوب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم اختلفوا۔ فقیل تجب فی العمر وھو الاکثر وقیل تجب کلما ذکر واختار الطحاوی کذا فی الخازن مختصرا۔

اور اس میں امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد واجب ہے اور ایک روایت امام محمدؒ سے بھی ایسی ہی آتی ہے۔ کذا فی الخازن ——— یہ اختلاف تو اس میں تھا کہ درود شریف کس قدر واجب ہے لیکن اس میں کسی کو بھی کلام نہ ہوا کہ ایسے وقت و مقام میں کہ جہاں درود شریف پڑھنا ممنوع و مکروہ نہیں ہے اس کا پڑھنا بہترین عبادت ہے خواہ اکیلا پڑھے یا دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ۔

عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من صلی علی صلوٰۃ واحدۃ صلی اللّٰہ علیہ بہا عشرا وحطت عنہ عشر خطیئات ورفعت لہ عشر درجات اخرجہ الترمذی وعن ابن مسعود قال، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علی صلوٰۃ اخرجہ الترمذی۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ پڑھنے کے وقت لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور حلقہ کیا جاتا ہے تو یہی کونسا مذموم ہے یہ خود محمود ہے۔ لقولہ علیہ السلام:-

لا یقعد قوم یذکرون اللّٰہ الا حفتہم الملئکۃ وغشیتہم الرحمۃ ونزلت علیہم السکینۃ وذکرھم اللّٰہ فیمن عندہ" رواہ مسلم۔ ولقولہ علیہ السلام۔ اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا، قالوا وما ریاض الجنۃ، قال حلق الذکر" رواہ الترمذی۔

اور ایسے شخص کا حکم جو درود شریف پڑھنے کو بدعت کہتا ہے ظاہر ہے کہ وہ خود بدعتی گمراہ اور اشد درجہ کا فاسق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ:۔ یہ فتویٰ نصف صدی قبل تحریر فرمایا تھا، پرانے مسودات سے دستیاب ہوا ہے۔

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ و لوالدیہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

صفاتِ نبویؐ

(سوال نمبر ۲۴۵) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز پاک تھا یا ناپاک؟ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آپ کے فضلے کو زمین جذب کر جایا کرتی تھی، اس کی کیا وجہ تھی۔ مع حوالۂ کتب جواب مرحمت فرمائیں۔
بینوا و توجروا،

ھو الموفق

بیشک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بول و براز پاک ہے، جس پر وہ حدیث دال ہے جس میں ذکر ہے کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور سے عرض کیا کہ حضور میں پیاسی تھی، میں نے حضور کا پیشاب پاک پی لیا۔ تو حضور نے تبسم فرمایا، اور ان کو نہ منہ دھونے کا حکم دیا نہ یہی فرمایا کہ پھر ایسا نہ کرنا اور فرمایا تو یہ فرمایا کہ "اب تمہارے پیٹ میں ہرگز درد نہ ہوگا" ——— اسی طرح ام یوسف نے بھی پی لیا تھا تو ان کو فرمایا "صحت یا ام یوسف" چنانچہ بجز مرض موت کے کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوئیں۔ کذا فی المدارج (ص-۲۵)۔ شامی رد المختار میں فرماتے ہیں:۔

صحح بعض ائمۃ الشافعیۃ طہارۃ بولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسائر فضلاتہ۔ وبہ قال ابو حنیفۃ کما نقلہ فی المواہب اللدنیۃ عن شرح البخاری للعینی وصرح بہ البیری فی شرح الاشباہ۔ وقال الحافظ ابن حجر تظافرت الادلۃ علی ذلک وعد الائمۃ ذالک من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انتہی (ص-۲۲۳)

اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کے غائط کو زمین نگل جاتی تھی تاکہ کسی شخص کی نظر اس پر نہ پڑے اور اس مقام سے خوشبو مہکتی تھی چنانچہ شیخ محقق مدارج میں فرماتے ہیں:۔

"و چوں آنحضرت می خواست تغوط کند، یعنی قضائے حاجت نماید، شگافتہ می شود زمین و فرو می برد بول و غائط او را و فائح می شد ازاں بوئے خوش، مطلع نمی شد بر آنچہ بیروں آمد از وے ہیچ بشرے"۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۴۶) قرآن پاک چھٹے پارے میں جو یہ آیت ہے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ، کیا اس آیت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کا وسیلہ حاصل کرنا ثابت ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

صالحین سے توسل پکڑنا اگرچہ جائز ہے لیکن اس آیت کریمہ سے استدلال صحیح نہیں کہ یہاں اکثر مفسرین کے نزدیک وسیلہ سے مراد عبادات ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام
محمد مظہر اللہ غفرلہ
جامع فتحپوری، دہلی

علمائے دیوبند

(سوال نمبر ۲۴۷) مولوی اسمٰعیل دہلوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی مدرسہ دیوبند)، مولوی اشرف علی مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو گستاخانہ عبارتیں لکھی ہیں ان کی وجہ سے ان پر کفر کا حکم لگایا جائے یا نہیں؟

مستفتی
محمد ایوب الرحمٰن خطیب جامع مسجد سبزی منڈی
خانیوال (مغربی پاکستان)

الجواب

اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں سے جو بعض اقوال صادر ہوئے ہیں وہ یقیناً کفر ہیں لیکن اب جب کہ یہ لوگ انتقال کر گئے اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ کی یا نہ کی اور ان کی عاقبت کیسی ہوئی ہے اس لئے میرے نزدیک ان کے حق میں سکوت بہتر ہے، البتہ جو شخص ان عبارتوں کا قائل ہو یقیناً کافر ہے۔ فقط

امام
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۴۸) جو حضرات علماء دیوبند کی ایسی تحریرات کی تاویلیں پیش کرتے ہیں جن سے حضور اکرم علی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی مترشح ہوتی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ علماء بریلوی ان عبارات کے غلط معنی

وغیرہ مفہوم لیتے ہیں تو ایسے حضرات کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا وتوجروا۔

مستفتی

محمد ایوب الرحمن خطیب جامع مسجد سبزی منڈی

ساہیوال (مغربی پاکستان)

۲۹ر جولائی ۱۹۵۷ء

الجواب

جو عبارتیں مابہ النزاع ہیں وہ خالص اردو کی عام فہم ہیں، پس ان کے معنی کے سمجھنے میں نہ کسی دیوبندی کا اعتبار ہے اور نہ بریلوی کے فہم کا، بلا کسی رو رعایت کے عام ہندوستانی جو ان عبارات کے معنی بتلائیں اس ہی کا اعتبار ہے، پھر اس پر شریعت مطہرہ کا جو حکم ہے اس پر عمل لازم۔ البتہ اگر کوئی شخص ایسے مقام کا ہے جس میں رہنے والوں کی سمجھ ہی اوندھی ہوتی ہے جیسے ہندوستان میں بھونگر یا تسکارپور وغیرہ۔ یا ہے تو وہ شخص خطہ حکماء کا لیکن قسام ازل نے اسے سمجھ ہی ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس کے سمجھ ہی میں کسی عبارت کے ایسے ظاہری معنی نہیں آتے جو موجب کفر ہیں بلکہ ایسے معنی سمجھ میں آتے ہیں جو موجب کفر نہیں تو ایسے شخص کی دیانۃً تکفیر نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسے معنی کا قائل نہیں جو موجب تکفیر ہیں لیکن اگر وہ ان عبارات کے قائلین کی رعایت سے ایسے معنی بیان کرتا ہے حالاں کہ اس کا قلب گواہی دیتا ہے کہ ان کے معنی وہی ہیں جو ظاہر کلام سے مفہوم ہوتے ہیں تو ایسے شخص کی تکفیر نہ کرنا اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام)

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۴ر اگست ۱۹۵۷ء

(سوال نمبر ۲۴۹) دیوبندی حضرات کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور کیا ان سب کو کافر کہا جائے یا بعض کو؟ اور ان سے رشتہ رکھنا شادی بیاہ کرنا کیسا ہے؟ کتاب "مالا بد منہ" میں ترجمہ باب الکفر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب نے لکھا ہے کہ "میں اہل قبلہ کو کافر نہیں جانتا اور جو ان کو کافر جانے میں اس کو کافر جانتا ہوں" ازراہ کرم ان سوالات کے جوابات بالتفصیل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

السائل

رحیم بخش، سائن کا نکر کھیڑہ۔

۹ر ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

الجواب ھو الموفق للصواب

یہ تو صحیح ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر کہنا جائز نہیں، لیکن اہل قبلہ سے حقیقۃً وہ لوگ مراد ہیں جو نہ کوئی عقیدہ کفریہ رکھتے ہوں نہ ان سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہوا ہو جو موجب کفر ہو گو وہ مرتکب کبائر ہوں برخلاف خوارج کے کہ وہ مرتکب کبائر کو بھی کافر کہتے ہیں، یہ ہرگز مراد نہیں کہ جو قبلہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتا ہے وہ اہل قبلہ ہے اگرچہ وہ بت کو پوجتا ہو۔ اللہ و رسول (جل و علی و صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں گستاخیاں کرتا ہو اور ضروریات دینی میں سے کسی امر کا منکر ہو کہ ایسا شخص بالاجماع کافر ہے جو نص قطعی سے ثابت ہے چنانچہ مولیٰ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے :۔

"یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم"

نیز فرماتا ہے :۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب الآیہ

اور ردالمحتار میں ہے :۔

لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام۔

الحاصل جب یہ معلوم ہو گیا اگرچہ صورۃً کوئی اہل قبلہ ہو لیکن اگر اس سے کوئی کفر سرزد ہوگا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو ایسے شخص کے متعلق بالیقین یہ جانتے ہوئے کہ اس سے ایسا کفر صادر ہوا ہے جس کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی پھر بھی اسے مسلمان سمجھے گا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ لقولہ تعالیٰ :۔

ومن یتولھم منکم فانہ منھم

تو ایسی صورت میں نہ کسی دیوبندی کی تخصیص کی جا سکتی ہے نہ کسی بریلوی کی نہ کسی دہابی کی ہو سکتی ہے نہ کسی سنی کی اور یہ حکم نہ کسی نجدی کے ساتھ خاص ہے نہ کسی مکی مدنی کے ساتھ جس سے بھی ضروریات دینی میں سے کسی شئے کا خلاف وقوع میں آئے گا اسی پر کفر کا حکم کیا جائے گا، خواہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ پس کسی مقام سے نسبت رکھنے والے کو عام طور پر کیسے کافر کہا جا سکتا ہے ؟ ہاں اگر اس نسبت سے ایسے شخص کے ساتھ نسبت مراد ہے جو کافر ہو چکا ہے اور جس وجہ سے کافر ہوا ہے وہ وجہ اس سے نسبت رکھنے والے میں موجود ہو تو پھر عام طور پر اس ہر نسبت والے کو کافر کہا جائے گا۔ جیسے "قادیانی" کہ وہ باوجودیکہ صورۃً اہل قبلہ تھا لیکن ادعائے نبوت اور اہانت انبیاء کی وجہ سے کافر ہوا تھا اور اس کے ہر معتقد میں بھی یہ امر موجود ہے کہ وہ اس کو ان امور میں سچا جانتا ہے یا کم از کم یہ جانتے ہوئے کہ اس سے یہ امور صادر ہوئے اس کو مسلمان اور اپنا پیشوا جانتا ہے پس اگر دیوبندی میں بھی کوئی ایسا ہو جو کسی ایسے شخص جس کے متعلق اسے یقیناً معلوم ہو کہ اس سے کلمہ کفر سرزد ہوا ہے اور اس کا خاتمہ بھی اسی کفر پر ہوا ہے اسے مسلمان جانتا اور اپنا پیشوا

مانتا ہو تو اس کی تو اس کے پیچھے تو نماز جائز نہ ہو گی (ہادیٔ مطلق اس کی اصلاح فرمائے) ورنہ حرج نہیں، البتہ چوں کہ ان لوگوں میں سے اکثر ایسے کے معتقد ہیں جن سے کلمات کفریہ سرزد ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ ان کو اس کا علم ہے یا نہیں اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ان میں سے کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور پڑھ لی ہو تو لوٹائی جائے تاکہ فرض وقت کی ادائیگی میں شبہ نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۰) مولوی اسمٰعیل دہلوی، مولوی محمد قاسم علی نانوتوی (بانیٔ مدرسہ دیوبند) مولوی اشرف علی مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں جو گستاخانہ عبارتیں لکھی ہیں ان عبارتوں کی وجہ سے ان کو کافر کہا جائے یا نہیں۔

مستفتی
محمد ایوب الرحمٰن
خطیب جامع مسجد سبزی منڈی
خانیوال ضلع ملتان

الجواب

اس میں شک نہیں ان لوگوں سے جو بعض اقوال صادر ہوئے ہیں وہ یقیناً کفر ہیں لیکن اب جب کہ یہ لوگ انتقال کر گئے اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ کی یا نہ کی اور ان کی عاقبت کیسی ہوئی اس لئے میرے نزدیک ان کے حق میں سکوت بہتر ہے البتہ جو شخص ان عبارتوں کا قائل ہو یقیناً کافر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۱) علمائے دیوبند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں جو گستاخانہ عبارات لکھی ہیں ان کے متعلق دیوبندی حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ عبارتیں تو ٹھیک ہیں لیکن علمائے بریلوی جو اس کا مطلب سمجھتے ہیں وہ نہیں۔ اس قسم کے حضرات جو ان عبارات کی تاویلات کرتے ہیں ان پر کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

(مستفتی) محمد ایوب الرحمٰن نقشبندی، مجددی
خطیب جامع مسجد سبزی منڈی، خانیوال ضلع ملتان
۲۹ر جولائی ۱۹۵۷ء

الجواب

جو عبارتیں ما بہ النزاع ہیں وہ خالص اردو کی عام فہم ہیں پس ان کے معنی کے سمجھنے میں نہ کسی دیوبندی کا اعتبار ہے نہ بریلوی کے فہم کا - بلا کسی رد و رعایت کے عام ہندوستانی جو ان عبارات کے معنی بتلائیں اس ہی کا اعتبار ہے پھر اس پر جو شریعت مطہرہ کا حکم ہے اس پر عمل لازم - البتہ اگر کوئی شخص ایسے مقام کا ہے جس میں رہنے والوں کی سمجھ ہی اوندھی ہوتی ہے جیسے بھونکریا شکارپور وغیرہ یا ہے تو وہ شخص خطاء حکما کا لیکن قسام ازل نے اسے سمجھ ہی ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس کے سمجھ ہی میں کسی عبارت کے ایسے ظاہری معنی نہیں آتے جو موجب کفر ہیں بلکہ ایسے معنی سمجھ میں آتے ہیں جو موجب کفر نہیں تو ایسے شخص کی دیانۃً تکفیر نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسے معنی کا قائل نہیں جو موجب تکفیر ہیں لیکن اگر وہ ان عبارات کے قائلین کی رعایت سے ایسے معنی بیان کرتا ہے حالاں کہ اس کا قلب گواہی دیتا ہے کہ ان کے معنی وہی ہیں جو ظاہر کلام سے مفہوم ہوتے ہیں تو ایسے شخص کی تکفیر نہ کرنا اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۲) آگرے کی شاہی مسجد جامع کے مفتی، مولانا مولوی سلطان حسن صاحب سے حسب ذیل فتویٰ لیا گیا تھا :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ ہندوستان میں سُنی حنفیوں کی دو جماعتیں ہیں، ایک دیوبندی کے نام سے مشہور ہے دوسری خود کو بریلوی کہتی ہے، ان میں کونسی جماعت حق پر ہے جس میں ہم کو شریک ہونا چاہیئے۔ یہ حضرات ایک دوسرے کو کافر و مشرک تحریر فرماتے ہیں۔ فقط

مستفتی

حکیم سید حکمت علی، سید پور ضلع بدایوں

مندرجہ بالا سوال کا مفتی صاحب موصوف نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا :-

مسئلہ مذکورہ میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان میں کسی کے ساتھ وابستہ نہ ہو۔ بریلوی حضرات اولیاء کرام کی عظمت لے ور انبیاء سے وابستگی ضروری سمجھتے ہیں اور اپنے تمام کام انہیں انبیاء اولیاء سے پورے کرا لیتے ہیں۔ دیوبندی حضرات کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ براہ راست تمام امور اللہ ہی سے وابستہ کرتے ہیں۔ سنی حنفی کو تو اللہ کی بھی ضرورت اور رسول کی بھی ضرورت ہے نہ تو وہ مشرک ہے اور شان انبیاء و اولیاء میں گستاخ ہے، بس یہ طریقہ ہے درمیانی - ایک دوسرے

کو برا کہنا سخت گناہ ہے۔ مجھ کو اپنی ہی برائیوں سے فرصت نہیں۔ میں کس کو اچھا یا برا کہوں۔

سلطان حسن
جامع مسجد، آگرہ۔

مفتی صاحب موصوف کا جواب صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

ھوالموفق

اس جواب میں مفتی صاحب سے لغزش ہوئی کہ دونوں گروہوں پر چوٹ کی۔ اگر بریلوی ایسے ہیں کہ وہ اپنے تمام کام اولیاء سے کراتے ہیں اور مولیٰ تعالیٰ جل اسمہ کو خالق افعال نہیں جانتے اس لئے اس تعالیٰ سے اپنی قضائے حاجات میں سروکار نہیں رکھتے تو بیشک اس گروہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ اور ان پر یہ محض اتہام ہے تو ان کو متہم کرنے والا سخت گنہ گار ہے اور دیوبندیوں کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اولیاء و انبیاء سے سروکار نہیں رکھتے اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔ اور آخر میں سنی حنفی کی تعریف میں جو بتلایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بریلوی مشرک ہے اور دیوبندی کافر کہ انہوں نے مولیٰ تعالیٰ سے سروکار نہ رکھا اور انہوں نے اولیاء انبیاء کی شان رفیع میں گستاخی کی۔ پس قائل نے اپنے قول کے خلاف دونوں ہی کو اس قدر برا کہا جس کے بعد برائی کا درجہ ہی نہیں رہتا ——— دیوبندی اور بریلوی فرقے صرف ہندوستان ہی میں تقریباً سو سال کے اندر پیدا ہوئے ہیں پس میرے نزدیک ایک ہی بہتر راہ یہ ہے کہ دونوں ہی کو نظر انداز کرتے ہوئے دیکھنا چاہیئے کہ جس مسئلے میں ان دو گروہوں کا اختلاف ہے اس میں جمہور اہل اسلام کیا خیال رکھتے ہیں۔ اس کے موافق جس کا قول ہو اسے اختیار کرنا چاہیئے کہ وہی گروہ اس مسئلے میں حق پر ہے اور جو مسئلہ ایسا ہو جس کو اہل اسلام ممنوعات میں داخل کرتے یا کفر رکھتے ہوں وہ جس کا عقیدہ ہو اس سے سخت احتراز لازم ہے اور اس کا معلوم کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ اپنے زمانے کی اسلامی دنیا پر نظر ڈال کر دیکھ سکتے ہیں کہ جمہور اہل اسلام اس مسئلے میں کیا خیال رکھتے ہیں کہ سرکار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی طریقہ بتلایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:۔

المسلمون حسن فھو عند اللہ حسن

یا حضرت مجدد صاحب سرہندی، حضرت شاہ عبدالحق صاحب دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کتابوں پر نظر ڈالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۳) ایک غیر مسلم داخل اسلام ہونا چاہتا ہے مگر پہلے ایک سوال کا جواب چاہتا ہے وہ یہ کہ علمائے بریلی و دیوبند کے نزدیک شیعہ، قادیانی، احمدی، اہل قرآن، اہل حدیث، خاکسار، احرار، مودودی وغیرہ فرقے بالاتفاق کافر ہیں۔ علمائے بریلی کے نزدیک جس پر آٹھ سو علمائے عرب و عجم کا متفقہ فتویٰ ہے کافر ہی نہیں بلکہ جو ان کو کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہے ——— اور علمائے دیوبند کے نزدیک علمائے بریلی بدعتی، مشرک اور کافر ہیں نیز خانہ کعبہ جو تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرکز ہے وہاں کا امام ایسا اکفر ہے کہ جو اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ غیر مسلم یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ دنیا میں کونسا فرقہ مسلمان ہے جس میں داخل ہو کر مسلمان بنوں، کیوں کہ بموجب فتویٰ علمائے احناف اس دنیا میں تو کوئی مسلمان ہے نہیں اور اسلامی جرائد دنیا میں ساٹھ کروڑ مسلمان لکھتے ہیں تو وہ مسلمان کس سرزمین یا جزیرہ میں آباد ہیں ان کا پتہ بھی تحریر فرمائیے گا۔ بینوا و توجروا

المستفتی

صوفی عبد الصمد چشتی صابری، صوفی منزل،
چندپورہ، مالاگڑھ، بلند شہر

الجواب

اول تو یہ غلط ہے کہ مذکورہ فرقوں میں سے ہر فرقہ کافر ہے جس کے بیان کے لئے تفصیل کی ضرورت ہے نہ کسی کے کافر کہنے سے مسلمان کافر ہوتا ہے۔ کافر تو صرف وہ ہے جس سے کوئی ایسا قول یا فعل کفر کا سرزد ہو جس کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی ہو یا نصوص قطعیہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، یا وہ یقین کے ساتھ جانتے ہوئے کہ اس سے کوئی قول یا فعل کفر کا سرزد ہوا، مسلمان سمجھتا ہو اور لا اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان تمام فرقوں کا ہر ہر فرد کافر ہے تو بھی وہ یہ کیسے سمجھ بیٹھا کہ مسلمان صرف انہیں فرقوں میں محصور ہیں، اسے خالص مسلمان ہونا چاہیئے جسے اہل سنت و الجماعت کہا جاتا ہے جس کا مسکن نہ کوئی خاص سرزمین ہے نہ کوئی جزیرہ - تمام دنیا میں پھیلے پڑے ہیں۔ اور جو ان مذکورہ فرقوں سے صدہا گونہ زائد ہیں پھر اسے کون کہتا ہے کہ مسلمان ہو کر تو ایسا قول یا فعل کیجیو جس سے تو ان میں سے کسی گروہ میں داخل ہو جائے - اسے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اہل سنت کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے بجز ان کے جن کا ذکر ہوا اور یہ اس نے کس نابکار کذاب سے سنا جو بیت اللہ کے امام کے متعلق کہتا ہے، جو محض جھوٹ ہے - فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۱۴ ار فروری ۱۹۶۰ء)

دوسرا باب

آداب

صلی اللہ علیہ وآلہ

یا سید السادات جئتک قاصدا
ارجو رضاک واحتمی بحماک

انت الذی لولاک ما خلق امرء
کلا ولا خلق الوری لولاک

انا طامع بالجود منک ولم یکن
لابی حنیفۃ فی الانام سواک

صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ابدا ابدا

آدابِ القاب

(سوال نمبر ۲۵) خداوند کریم کی مخلوقات میں خواہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، نبی ہوں یا غوث، ان کے واسطے "ملک الاملاک"، "شہنشاہ دوجہان"، "سردار دوجہان"، "مالک کون ومکان" کے القاب استعمال کرنا شریعت محمدی میں کیسے ہیں؟ اور جو شخص یہ القاب استعمال کرے اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ فقط بینوا وتوجروا۔

الجواب

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان اللہ فضل محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الانبیاء وعلی اھل السماء (رواہ الدارمی، کذا فی المشکوٰۃ)۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء وملائکہ سے افضل کیا ——— امام رازی تحت آیۂ کریمہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین فرماتے ہیں لما کان رحمۃ للعالمین لزم ان یکون افضل من کل العالمین۔ یعنی حضور تمام عالم کے لئے رحمت ہیں تو واجب ہوا کہ تمام ماسوا اللہ سے افضل ہوں، بلکہ خود حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے انا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر (رواہ الترمذی) یعنی میں تمام مخلوق اولین وآخرین سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزیز وجلیل ہوں اور اس پر فخر نہیں۔ اور فرمایا انا سید العالمین (رواہ البیہقی) میں تمام عالم کا سردار ہوں۔ بحمد اللہ ان نصوص نے ثابت فرما دیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) "سردار دوجہان" ہیں۔ پس اگر کوئی شخص حضور کی شان میں ایسے کلمے کہدے تو اصلاً حرج نہیں، رہے دوسرے کلمات سو احتیاط تو یہی ہے کہ حضور کی شان میں بھی ان کا استعمال نہ کیا جاوے کہ محاورات عرب وعجم میں ان کا استعمال سوائے مالک حقیقی جل مجدہٗ کے اور کسی کے لئے نہیں کیا جاتا لیکن بایں ہمہ اگر کوئی مسلمان حضور کے لئے ان کلمات کا استعمال کرے تو بیجا بھی نہ ہوگا کہ یہ تو کیوں کر گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس کی مراد ان کلمات سے مالک حقیقی ہے۔ رہی مجازی ملک سو وہ حضور کے لئے ثابت ہے حضرت شاہ عبد العزیز (رحمۃ اللہ علیہ) تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ توریت کے سفر چہارم میں ہے قال اللہ تعالیٰ لابراھیم ان ھاجر تلد ویکون من ولدھا من یدہ فوق الجمیع وید الجمیع مبسوطۃ الیہ بالخشوع۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرمایا بیشک ہاجرہ کی اولاد ہوگی اور اس کے بچوں میں وہ ہوگا جس کا ہاتھ سب پر بالا ہے اور سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں عاجزی کے ساتھ۔ اسی تحفہ میں زبور سے منقول ہے

الاممر یخرون تحتك كتاب حق جاء الله به من الیمن والتقدیس من جبل فاران وامتلأت الارض من تحمید احمد و تقدیسه وملك الارض ورقاب الامم ـــ

(اے احمد) سب امتیں تیرے قدموں میں گریں گی، سچی کتاب لایا اللہ تعالیٰ برکت و پاکی کے ساتھ مکہ کے پہاڑ سے بھر گئی زمین احمد کی حمد سے اور اس کی پاکی بیان کرنے سے، احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا ـــــــ زرقانی شرح مواہب میں ہے من لم یرو لایۃ الرسول علیہ فی جمیع احواله ویر نفسه فی ملکه لایذوق حلاوۃ سنتہ (کذا فی الدین والعلی)

جو شخص ہر حال میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک نہ جانے وہ سنت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلاوت نہ پائے گا ــــــ غرض حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تو ان کلمات کے استعمال کرنے میں گنجائش ہے کسی دوسرے کے لئے نہیں کہے جا سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(مسودات قدیم)

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری، دہلی

(**سوال نمبر ۲۵۵**) بعض اصحاب کسی بڑے آدمی یا اپنے بزرگ کو حضورؐ یا سرکار عالیؐ یا حضرتؒ کہہ کر پکارتے ہیں اس کہنے سے کوئی گناہ تو سرزد نہیں ہوتا۔

ایک سائل

فضل احمد

الجواب

ہاں اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

جامع فتحپوری، دہلی

آدابِ قیام

(**سوال نمبر ۲۵۶**) عمرو کہتا ہے کہ نماز اور ذکر خدائے عزوجل اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کے علاوہ حالت قعود میں بیٹھنا منع ہے۔ زید کہتا ہے کہ اگر کسی بزرگ یا عالم کے سامنے ادب کے لحاظ سے بیٹھ جائے تو کیا قباحت ہے۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب

زید صحیح کہتا ہے اور عمرو کا قول محض تحکم ہے ۔ ذکر خدا اور رسول (جل وعلیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی مجلس میں جب اس قعود کو جائز جانتا ہے تو پھر دینی بزرگوں کے حضور میں ناجائز کہنے کے لئے کیا دلیل رکھتا ہے ؟ عبارت سوال میں اہمال ہے ، غالبًا سائل کا منشاء اس قعود سے نماز کے قعدہ کی ہیئت قعود ہوگی ۔ اسی بنا پر یہ جواب دیا گیا ہے ۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د ہلی

آداب قدم شریف

(سوال نمبر ۲۵)

(۱) پتھروں پر قدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات ہونے کی کیا اصلیت ہے ؟

(۲) صحیح قدم رسول ہونے کی کیا شناخت ہے ؟

(۳) ایسے پتھروں کو بوسہ دینا یا ان کے آگے سر جھکانا کہاں تک جائز ہے ؟

(۴) دنیا میں ایسے کتنے قدم رسول ہیں ؟

(۵) کیا ہر پتھر جس پر قدم کے نشانات پائے جاتے ہیں بغیر کسی تصدیق کے قدم رسول مان لیا جائے ؟

مستفتی
رضا محمد جعفر تجی ۔ ناظم ونگران کمیٹی
جامع مسجد گوالیار ، ۲۴ رنومبر ۱۹۵۸ء

الجواب

(۱) اس مسئلے میں اس وقت کوئی حدیث یا اثر تو مستحضر نہیں البتہ بعض علماء نے اس کو ثابت مانا ہے اور اس مسئلے پر بعض نے رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں ۔ مواہب شریف میں ہے :-

القسم الرابع فیما اختص صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل ومنہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا مشی علی الصخر تماصت قدماہ فیہ کما ھو مشہور

قدیماً وحدیثاً۔

(۲) صاحب باطن کو اس مقام پرانوار کا مشاہدہ ہونا۔

(۳) شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک فتوے میں تحریر فرماتے ہیں "تبرک بآثار صالحین شعائر دین است قدیماً وحدیثاً، از کتاب وسنت ثابت است، انکار آں چہ کلام در آں غیر از الحاد وزندقہ چہ تواں گفت"۔

(۴) اس کا اللہ ہی کو علم ہے، دہلی میں جو قدم شریف ہے جس کے جوار میں حضرت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قیام کو پسند فرمایا، وہ زیادہ مشہور ہے جس کی زیارت کے لئے بکثرت علماء وفضلاء اپنی حاضری کو باعث سعادت خیال فرماتے رہے۔

(۵) یہ امر قابل استفتاء نہیں، جس شخص کو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے وہ ہر اس شے کی تعظیم کرے گا جو حضور سے نسبت رکھتی ہوگی، اور مولیٰ تعالیٰ اس کی نیت صالح پر اجر عطا فرمائے گا۔ محب کیا جانے تحقیق کو وہ تو صرف اپنے محبوب کی طرف نسبت دیکھتا ہے اور جب اس کو تحقیقاً معلوم ہو جائے تو پھر وہ اس کو متبرک کیوں سمجھنے لگا مثلاً کسی نے اس کے سامنے پتھر پر کھڑا ہو تو ایسے پتھر کو حضور سے کیوں نسبت دینے لگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
۲۶ر نومبر ۱۹۵۸ء

آدابِ ازواج مطہرات

(سوال نمبر ۲۵۸) حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۳۶، ۳۷، ۳۸ پر حضرت سیدنا ام المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدحت میں جو قصیدہ چھپا ہے اس کی تمہید میں سات اشعار ان گیارہ کافرہ مشرکہ دلہنوں کے متعلق ہیں جن کا ذکر بخاری شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، نسائی شریف وغیرہ کتب حدیث کی حدیث صحیح مرفوع متصل میں ہے ـــــ یہ اشعار ناقل یا کاتب کی غلطی سے بے موقع چھپ گئے ہیں اس بے ترتیبی کو آڑ بنا کر ان اشعار کو معاذ اللہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں بتا کر مولوی محبوب علی خاں کو جو اس حصہ دیوان کے شائع کنندہ ہیں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین کا مرتکب ٹھہرایا جا رہا ہے ـــــ مولوی محبوب علی خاں کو جب اس غلطی پر اطلاع ہوئی تو انہوں نے

اس غلطی سے کئی بار زبانی اور تحریری طور پر صریح توبہ کی چنانچہ ۱۰ رجولائی ۱۹۵۵ء کو ان کا توبہ نامہ بھی شائع ہو گیا، اس پر یہ اعلان بھی شائع کر دیا کہ فقیر نے اس ورق کو صحیح ترتیب کے ساتھ چھپوالیا ہے جس میں سات شعروں کو بالکل ہی نکال دیا ہے جن صاحب کے پاس حدائق بخشش حصہ سوم ہو وہ مہربانی فرما کر صفحات ۳۷، ۳۸ والا ورق نکال کر فقیر کے پاس بھیج دیں اور یہ صحیح چھپا ہوا واپس لے لیں۔ اس توبہ اور اعلان کے بعد مسلمانان اہل سنت کو ان کا توبہ نامہ قبول کر لینا اور ان پر طعن و تشنیع سے پرہیز کرنا چاہیئے یا نہیں اور ان کی اقتداء میں سُنّی مسلمانوں کی نماز شرعاً جائز ہے یا نہیں فقط بینوا و توجروا۔

مستفتی

مصلیان جامع مسجد مدن پورہ
بمبئی نمبر ۸

ھُوالموفق

اس واقعہ کے متعلق فقیر کے پاس اس سے قبل بھی دو یا تین مرتبہ سوال آچکے ہیں جس میں کسی خاص شخص کے متعلق سوال نہ تھا، انداز سوال سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوال فریق مخالف کی جانب سے ہے، ایک مرتبہ چند اشعار کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی توہین کے متعلق سوال تھا جس کا جواب جیسا ہونا چاہیئے تھا، دیا گیا پھر اس کی توبہ کے متعلق سوال آیا جس میں بعض شکوک کا بھی ذکر تھا، ہر چند اس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ کسی بد مذہب کے متعلق سوال ہے لیکن توبہ کی جس نوعیت کا ذکر تھا وہ وہ تھی کہ توبہ کی تکمیل میں کوئی دقیقہ بھی باقی نہ چھوڑا تھا، اس لئے یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہاں اس کی بد مذہبی سے کیا علاقہ اس خاص گناہ سے تو وہ بری ہو چکا، لہٰذا اس کا جواب ویسا ہی دیا گیا اور جو اس پر شکوک پیش کئے گئے تھے ان کو بھی کماحقہ رفع کیا گیا تھا لیکن اس سوال سے چوں کہ حقیقت واقعہ پر پوری روشنی پڑتی ہے اور وہ اوراق بھی جس کے بعض اشعار پر اعتراض کیا جارہا ہے، نیز جس مسودے سے یہ اشعار نقل کئے گئے ہیں، اس کی حقیقت بھی میرے سامنے موجود ہے اس لئے اب میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا محبوب علی خاں صاحب ہرگز ہرگز ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین کے مرتکب نہیں ہوئے، ان کی غلطی صرف اس قدر ہے کہ جب مسودہ ایسا تھا کہ اس کے اشعار کو بغیر کسی عالم کے دوسرا ترتیب دے سکتا تھا تو انہوں نے ایک جاہل ناقل پر کیوں اعتماد کیا، ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی اگر ان کو سرسری نظر سے بھی دیکھے تو ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ ان اشعار کو اس مقام سے کچھ بھی تعلق ہے بلکہ میرے نزدیک تو ان کا تعلق ادنیٰ مشرکہ عورتوں سے بھی نہیں معلوم ہوتا جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے بلکہ مجھ کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار ہی نہیں معلوم ہوتے خدا جانے اس میں کسی کی اور کیا سازش ہے، میرے ساتھ بھی کئی مرتبہ ایسی چالیں چلی گئیں ہیں۔ لیکن

بایں ہمہ جب مولانا نے موصوف اس معمولی بے احتیاطی پر اپنی غلطی مان کر اس شان سے توبہ کر رہے ہیں جو مرتکب توہین کے لائق ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان ان کی توبہ کا اعتبار نہ کریں اور ان کے ساتھ طعن و تشنیع سے پیش آئیں اور ان کو روحانی ایذا دے کر خود مجرم بنیں لقولہ علیہ السلام سباب المسلم فسوق (یعنی مسلمانوں کو ایذا دینا فاسق کا کام ہے) نہایت تعجب ہے کہ مسلمان ایسے صریح امور کو جو موجب براءت ہیں کیسے نظر انداز کر رہے ہیں حالانکہ محض ایک ادنیٰ شبہ سے حدود تک ساقط ہو جاتے ہیں، کیا اس کو قذف محصنہ گردانا گیا ہے؟ اور اجرائے حد کا مطالبہ ہے!۔ تو اول اس واقعہ کی حقیقت قذف نہیں لانہ ھو شرعًا الرمی بالزنا کذا فی کتب الفقہ۔ مع ہذا اس کے لئے بھی بہت سے شرائط ہیں جن کا یہاں اجرا ہی نہیں پایا جاتا، پھر وہ بھی شرعًا ایک مقررہ سزا ہے اس سے قاذف گناہ سے پاک نہیں ہوتا، گناہ سے پاک کرنے والی تو صرف توبہ ہے اور وہ بہمہ شرائط یہاں موجود ہے۔ چناں چہ در مختار میں ہے ولیس حد مطھر عند نا بل المطھر التوبہ۔ قاذفین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نظر ڈالئے، حضرت حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ کئی صحابہ اس جرم عظیم کے مرتکب ہوئے تھے لیکن ان میں سے کسی کے متعلق بھی یہ روایت نظر سے نہ گزری کہ ان پر حد جاری کی گئی ہو یا بلحاظ حق عبد انہوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے معافی طلب کی ہو، غالب یہی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معاف فرما دیا ہو اور اس کی توبہ ہی اس معافی کا سبب بن گئی ہو تو اب کونسا اشکال باقی رہ گیا جس کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ اس معمولی غلطی کو جو شرعًا قابل گرفت بھی نہیں، ان کی ذات کریمہ معاف نہ فرمائے گی اور فرض کیجئے کہ وہ معاف فرمائیں گی تب بھی مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ کہ یہ معاملہ ایک خطا کار بچہ کا اور اس کی مشفقہ ماں کا ہے، جس پر کروڑہا ماؤں کے اشفاق بے پایاں نثار پھر یہ معاملہ تو قیامت کا ہے۔ دنیوی احکام تو صرف توبہ پر ختم ہو جاتے ہیں۔

صحت توبہ پر یہ ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے (جس کا پہلے سوال میں ذکر تھا) کہ مولانا نے اس غلطی پر واقف ہونے کے فورًا بعد ہی توبہ نہ کی اس لئے قبول نہیں ——— اور کیا تعجب ہے کہ اس پر آیۃ کریمہ ثم یتوبون من قریب سے استدلال کیا جاتا ہو تو یاد رہے کہ استدلال محض باطل ہے ——— مفسرین نے اس آیۃ کریمہ میں لفظ "من" کو تبعیضیہ فرمایا ہے اور لفظ "قریب" سے معصیت اور موت کا درمیانی وقت مراد لیا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس درمیانی زمانے کے جس جزء میں بھی بندہ توبہ کر گیا زمانہ قریب ہی میں توبہ کرنے والا ہو گا۔ چناں چہ تفسیر سراج المنیر میں ہے:-

معنی من فی قولہ تعالیٰ من قریب تبعیض ای یتوبون بعض زمان قریب کانہ سمی ما بین وجود المعصیت وبین حضور الموت زمانًا قریبًا لان اوقات الحیوٰۃ قریب لقولہ تعالیٰ قل متاع الدنیا قلیل ففی

ای جزء من اجزاء ھذا الزمان فھو تائب من قریب والا فھو تائب من بعید۔ انتھی ما فیہ۔

علاوہ اس کے اس معنی پر بکثرت شواہد ہیں۔ صحیحین کی حدیث ہے ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب اللہ علیہ، یعنی بندہ جب بھی اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور ترمذی شریف کی حدیث میں ہے ان اللہ یقبل التوبۃ العبد مالم یغرغر۔ بلکہ خود قرآن کریم میں اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ غرض ہرگز اس دھوکہ میں نہ پڑیں کہ توبہ کا وقت نکل چکا ہے، اب توبہ قبول نہ ہوگی اور اس کا خوف کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کو ناجی کر دے اور تم کو ناری چناں چہ حدیث میں ہے کہ حضور نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کا ذکر فرمایا جو آپس میں دوست تھے، ایک عابد تھا دوسرا گنہ گار —— عابد ہمیشہ اس کو گناہوں پر متنبہ کرتا کہ باز آ —— ایک مرتبہ وہ کہہ اٹھا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تجھ کو نہ بخشے گا —— جب دونوں نے انتقال کیا تو گنہ گار کو ارشاد ہوا کہ میری رحمت سے تو جنت میں داخل ہو اور عابد سے کہا کہ کیا تو یہ طاقت رکھتا ہے کہ میرے بندہ کو میری رحمت سے محروم کر دے؟ عرض کیا کہ "نہیں یا الٰہی"۔ حکم ہوا فرشتوں کو کہ لیجاؤ اس کو جہنم میں (مشکوۃ) اعاذنا اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے محفوظ رکھے کہ وہ مولانا موصوف کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت خراب کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۵۹) زید (مولوی محبوب علی خاں برادر خورد مولوی حشمت علی خاں) جو عالم دین، ایک مسجد کا امام اور مفتی ہے۔ آج سے تقریباً ۳۲ سال قبل ایک مجموعہ نظم ترتیب سے کر حدائق بخشش حصہ سوم چھپواتا ہے اور اس کو بہت احتیاط سے ایک خاص حلقہ میں فروخت کرتا ہے، اس مجموعے کے متعلق اس کا کہنا ہے کہ یہ کلام فاضل بریلوی مولینا احمد رضا خاں صاحب مرحوم کا ہے اس میں ایک قصیدہ حضرت ام المومنین، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منقبت میں بھی ہے، جس میں مندرجۂ ذیل اشعار بھی ہیں :۔

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار —— مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت —— کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے سینہ و بر
خوف ہے کہ کشتیٔ ابرو نہ بنے طوفانی —— کہ چلا آتا ہے حسن ابلہ کی صورت بڑھ کر

لیکن فاضل بریلوی کے صاحبزادہ مولینا مصطفےٰ رضا خاں صاحب اور مدرسہ منظر الاسلام، بہاری پورہ، بریلی کے مفتی مولینا ثناء اللہ صاحب اعظمی فرماتے ہیں کہ "یہ اشعار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہیں ہیں"۔ ان اشعار میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت بھی اور اہانت بھی ہے اور یہ

دونوں باتیں پہلے مصرعے میں موجود ہیں جو ایذاءِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب ہے ——— جب یہ مجموعۂ کلام ایک کافی عرصہ کے بعد اہل سنت والجماعت کے بعض حضرات تک پہنچا تو انہوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ زید کو توجہ دلائی، زید نے اس پر دھیان نہ دیا بلکہ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "یہ قصیدۂ مبارکہ شرعی عیوب سے پاک ہے" ——— اور کبھی یہ کہہ کر کہ یہ اشعار گیارہ کافر و مشرکہ دلہنوں کے متعلق ہیں ——— ام زرعہ اور گیارہ دلہنوں سہیلیوں کے واقعہ پر مشتمل ہیں حالاں کہ قابل اعتراض اشعار کے پہلے مصرعے میں "ان" ہے جو تعظیمی ہے اور دوسرے مصرعے میں "قبا" ہے ——— اگر گیارہ کافر و مشرکہ دلہنوں کے متعلق یہ اشعار تھے تو قبائیں ہونا چاہیئے تھا لیکن یہ بات بھی ان کی سمجھ میں نہ آئی تو اخبارات کے ذریعہ زید کو توجہ دلائی گئی تو زید نے تمام تاویلات کے دروازے اپنے اوپر بند دیکھ کر توبہ و ندامت کا اظہار اس اعلان کے ساتھ کیا :-

"حدائق بخشش حصہ سوم میں حضرت سیدنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے قصیدۂ مدحیہ میں چند شعر جن کا مضمون قابل اعتراض اور حضرت ام المومنین کے لئے مقام مدح کے سراسر منافی ہے فقیر کے تساہل و تغافل کی وجہ سے شائع ہو گئے"۔ اس اعلان میں اس بات کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ "اس قابل مواخذہ شرعیہ ترتیب شعری کو حضور سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین ملت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی کی طرف نسبت کرنے سے بھی فقیر اپنی انابت و براءت کرتا ہے"۔ اور اسی اعلان میں یہ بات بھی موجود ہے کہ "فقیر کی توبہ پر مطلع ہونے کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت زبان طعن دراز کرے تو یہ اس کی نری فساد انگیزی اور خالص شر پسندی کا ثبوت ہوگا"۔ اور اپنی توبہ کے لئے التائب من الذنب کمن لاذنب لہٗ کو سہارا بنایا ہے (یہ حدیث کس پایہ کی ہے اور اس سے استدلال کہاں تک صحیح ہے، یہ علماء امت ہی بتا سکتے ہیں) ۔ لیکن مسلمانوں نے اس معذرت نامہ کو ناکافی سمجھا اور زید سے امامت سے علیحدگی اور کتاب کے ضائع کرنے کا مطالبہ کیا لیکن زید نے عملاً ان دونوں باتوں سے انکار کر دیا اور زید کو اور زید کے برادر محترم اور ان کے چند رفقاء کو توبہ کی قبولیت پر یقین ہے نیز یہ کہ ان کی امامت جائز امامت ہے۔

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ

(۱) ایسا شخص جس نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی ہو، اہانت کی ہو، اس طرح ایذاء رسول اکرم کا مجرم بنا ہو، ایک عرصہ تک اس کی اشاعت بھی کرتا رہا ہو اور توجہ دلانیوالوں سے عجیب عجیب انداز میں تاویلوں سے بھی کام لیتا رہا ہو، اور پھر مجبور ہو کر اقرار بھی کر لیا ہو تو کیا اس کی توبہ کتاب اللہ، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ اور اجماع امت کی روشنی میں قابل قبول ہے اور وہ شرعاً کسی سزا کا مستحق نہیں ہے اور کیا اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے ؟

(۲) اور کیا مسلمان ایسے شخص کو امام بنا سکتے ہیں ؟

(۳) جو اس کی توبہ کو قبول نہ کرے اس کو فسادی اور شرانگیز قرار دیا جا سکتا ہے؟

(۴) مسلمان کہلانے والوں میں وہ کون لوگ ہیں جو دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار اور آخرت میں عذاب نار کے مستحق ہیں۔ کیا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان رفیع میں گستاخی کرنے والے بھی اس وعید میں آتے ہیں یا نہیں؟

امید ہے کہ اس مسئلے پر قرآن پاک احادیث نبویہ اور فقہ کے پورے دلائل شرعیہ کے ساتھ جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے، دوسرے علماء کی تصدیقات شکر گزاری کا سبب ہوگا۔

المستفتی

محمد یونس خالدی

۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء

الجواب

محبی میاں محمد یونس اخرجکم اللہ تعالیٰ من ظلمات الغوایۃ والضلال

بعد ما ہو المسنون واضح رائے شریف ہو کہ آپ کا سوال چوں کہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہے اور میرے لئے جائز نہیں کہ میں اصل واقعہ کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب تحریر کروں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں پہلے آپ کی توجہ اصل واقعہ کی طرف مبذول کراؤں تاکہ آپ کو سوالات کے مطابق جوابات کے نہ ہونے کا دھوکہ نہ ہو۔ سوالات دیکھنے سے سخت افسوس ہوا کہ آپ نے بھی بعض معاندین کے مغالطات کا اثر قبول کر لیا جو ایک اہل علم سے بہت بعید ہے۔ میرے عزیز آپ کا یہ بیان:

"زید آج سے ۳۳ سال قبل ایک مجموعۂ نظم ترتیب دے کر بنام حدائق بخشش حصہ سوم چھپواتا ہے اور اس کو بہت احتیاط سے ایک خاص حلقے میں فروخت کرتا ہے"

واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ اتفاق سے مجھے حدائق بخشش حصہ سوم دستیاب ہو گیا جس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ کے بیان کے برخلاف زید نے اس کی اشاعت و اعلان میں بہت کوشش کی ہے چناں چہ اس کی اشاعت کے لئے صرف ایک مقام پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ پٹیالہ، لکھنو، لاہور، پیلی بھیت، بمبئی، مارہرہ شریف، چھ مقام اس کی اشاعت کے لئے تجویز کیے۔ گویا اپنے خیال میں ہندوستان کا کوئی گوشہ بھی نہ چھوڑا ایسے زبردست اعلان کو دیکھتے ہوئے ایسا کون عقلمند ہے کہ زید کے متعلق یوں کہے کہ وہ اس کو بہت احتیاط سے ایک خاص حلقے میں فروخت کرتا ہے۔ اس بیان سے غالباً آپ اس الزام سے اپنی اور عموماً اہل سنت کی بریت ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ۳۳ سال تک آپ کیوں خاموش رہے اور آج یکایک کس شے نے آپ کو اس کی مخالفت پر ابھارا۔ تو میرے عزیز! ان اشعار واہیہ کی نقل جس نوعیت پر

وقوع میں آئی ہے۔ اگر اس کا لحاظ نہ کیا جائے اور اس ہی پر جزم کر لیا جائے کہ یہ اشعار جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں کہے گئے ہیں تو اس الزام سے ان ہزارہا اہل سنت کی برئیت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جنہوں نے ان ۳۳ سال یہ جانتے ہوئے کہ قائل نے یہ اشعار جناب صدیقہؓ کی شان میں کہے ہیں باوجود قدرت کے اس منکر کے مٹنے کی کوشش نہ کی۔ عزیز من! ۳۳ سال تو بہت ہوتے ہیں ۳۳ منٹ بھی اگر کوئی باوجود قدرت کے اس کا انسداد نہ کرے اور قائل کی موافقت کرے تو اس کے گناہ میں وہ بھی شریک ٹھہرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان ایسے منکر کو دیکھتے ہی چلا اٹھتا ہے اور اس سے ضبط کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس ۳۳ سال کے طویل عرصہ میں کسی ایک مسلمان نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی، اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ کسی نے ان اشعار کو جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں سمجھا ہی نہیں، اس لئے کہ اول تو ان اشعار کا مضمون ہی ایسا ہے کہ حضرت سیدتنا سے اس کو کوئی دور کی نسبت ہی نہیں معلوم ہوتی، دوسرے نہ اس سے قبل کے اشعار کا ان سے کچھ تعلق معلوم ہوتا ہے، نہ ان کے بعد کے اشعار کا۔ ایک معمولی اردو خواں بھی جب اوپر سے پڑھتا ہوا آتا ہے اور اس مقام تک پہنچتا ہے تو چونک اٹھتا ہے کہ یہ بدرنگ اشعار کس مقام کے اور کس شاعر کے بیچ میں آپڑے، کہ نہ ان کو سیاق وسباق ہی سے کچھ تعلق ہے نہ آگے پیچھے کے انداز کلام سے کچھ مناسبت تیسرے ان اشعار پر جلی قلم سے جو لفظ علیحدہ لکھا ہے وہ تو ایسا بہایت آب سنتری ہے جو ببانگ دہل بتلا رہا ہے کہ یہاں سے بچ کر نکلنا، تمہارا مقصود چار اشعار کے بعد شروع ہو گا، غرض یہ وہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے ۳۳ سال امن و امان سے گذر گئے، اور اس درمیان میں شیطان کو بھی نہ سوجھی کہ کسی مسلمان کے خواب ہی میں آکر یہ سبق دے جاتا کہ یہ اشعار ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کہے گئے ہیں، مسلمان بالکل اس مطمئن تھے کہ یہ اشعار کسی اور مقام کے ہیں غلطی سے یہاں لکھے گئے ہیں، زید کا بیان کہ "یہ اشعار گیارہ کافرہ مشرکہ دلہنوں کے متعلق ہے" ہو سکتا ہے کہ صحیح ہو اور مصرعہ اولیٰ کی ضمیر ان ہی کی جانب راجع ہو اور دوسرے مصرعہ میں قبا کا مضاف لیہ محذوف ہو جو قرینہ کے وقت اکثر محذوف ہوتا ہے، خصوصاً اشعار میں تو تقدیر کلام یوں ہو گی کہ ہر ایک کی قبا کا یہ حال تھا، لیکن فقیر کو اس میں بھی تامل ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ اشعار ان کے حق میں ہی کہے ہوں کہ ان کی شان کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ فاضل موصوف کی جبلی طبیعت سے ان عورتوں کے حق میں یہ کلام صادر ہوا ہو لیکن وہ ان کو طبع نہ کرانا چاہتے ہوں اور اکثر ایسا ہوتا ہے تو دوسرے کو کیا حق ہے کہ ان کی مرضی کے خلاف ان کو شائع کرائے میرے نزدیک زید سے یہ غلطی اس شوق میں صادر ہوئی ہے کہ کسی طرح فاضل موصوف کا یہ کلام بھی مسلمانوں تک پہنچ جائے، دوسری غلطی یہ کہی جا سکتی ہے کہ پریس والا کتنا ہی محتاط ہوتا لیکن ایک ذمہ دار کلام کی کتابت وطباعت اور اس کی کاپی و پروف کی تصحیح کے سلسلہ میں بد مذہب پر اعتماد نہ کرنا تھا پس یہ اگرچہ

غلطی تو ہے مگر ایسی جو شرعاً قابلِ گرفت ہو نہیں لقولہٖ علیہ السلام ان اللّٰہ تعالیٰ وضع عن امتی الخطاء والنسیان۔ ہاں اس غلطی پر واقف ہونے کے بعد جو اس کی اصلاح میں تساہل اور غفلت برتی گئی ہے یہ البتہ قابلِ اعتراض ہے اور یہی وہ شے ہے جس پر زید نادم ہوا، اور ماہنامہ پاسبان کے ایڈیٹر کے تنبیہ کرنے پر فوراً وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور میں معافی کے خواستگار ہوئے اس مسئلہ کے متعلق میں نے مولینا محبوب علی صاحب کا وہ بیان دیکھا ہے جو ماہنامہ سُنی لکھنؤ بابت ذوالحجہ ۱۳۷۶ھ میں شائع ہوا ہے، اس میں وہ ماہنامہ پاسبان کے ایڈیٹر کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ آج ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ کو بمبئی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی تحریر حدائق بخشش حصہ سوم کے متعلق دیکھی، جواباً پہلے فقیر حقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور میں اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا اور استغفار کرتا ہے خدا تعالیٰ معافی بخشے آمین، اس کے بعد اس غلطی کے واقع ہونے کی وجہ بتلائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "قصیدہ مدحیہ سیدتنا حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سات اشعار قصیدہ ام زرعہ والے مصنفہ حضرت علامہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پرانی قلمی بوسیدہ بیاض سے نہایت احتیاط کے ساتھ نقل کئے لیکن ام زرعہ والا قصیدہ چونکہ پورا دستیاب نہ ہوا تھا، ان سات شعروں کے تین حصے کر کے ہر حصہ پر لفظ علیحدہ جلی قلم سے لکھ دیا تھا، کہ ہر حصہ کا مضمون علیحدہ تھا، جب حدائق بخشش حصہ سوم کی طباعت کا ارادہ کیا تو بعض مجبوریوں کی وجہ سے اپنے مقام پر اس کا بندوبست نہ کرسکا، ناچار ———— نابھہ اسٹیم پریس والے سے معاملہ کرنا پڑا، (اس مقام پر انہوں نے تفصیل کے ساتھ اپنی مجبوریوں کا بیان کیا ہے) پریس والے نے یہ شرط کی کہ اس کی کتابت بھی یہیں ہوگی، ناچار یہ شرط بھی منظور کی، اور اس کے سپرد کر دیا اتفاق سے کاتب اور مالک پریس دونوں بدمذہب تھے، ان لوگوں سے قصداً یا سہواً یہ تقدیم و تاخیر اور تبدیل و تغیر ظہور میں آئی بہت زور کے بعد جب میں اس کتاب کی غلطیوں پر واقف ہوا تو خیال ہوا کہ طباعت دوم میں اس کی اصلاح ہو جاوے گی، لیکن حافظ ولی خان نے بغیر مجھے اطلاع دئے پھر چھپوا دیا۔ غرض اس میں جو تساہل مجھ سے ہوا ہے اُسی اپنی غفلت اور غلطی کی خدا تعالیٰ کے حضور میں معافی چاہتا ہوں وہ غفور رحیم مجھے معاف فرمائے، (ماہنامہ سنی مذکور)"۔ اس کے علاوہ مولینا موصوف کا وہ اعلان بھی دیکھا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ "حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۷۶ ، ۸ ۰ ، ۳ میں بے ترتیبی سے اشعار شائع ہو گئے تھے، اس غلطی سے بار بار اپنی توبہ فقیر شائع کر چکا ہے خدا و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فقیر کی توبہ قبول فرمائیں آمین ثم آمین۔ اور سنی مسلمان بھائی خدا اور رسول کے لئے معاف فرمائیں جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔"

"فقیر نے اس ورق کو صحیح ترتیب کے ساتھ چھپوا دیا ہے اور سات شعروں کو بالکل نکال دیا ہے (جو ام زرعہ والے قصیدہ کے تھے) جن صاحبوں کے پاس حدائق بخشش حصہ سوم ہو وہ مہربانی فرما کر ص ۳۷ اور ص ۳۸ والا

ورق نکال کر فقیر کو بھیجدیں، اور یہ صحیح چھپا ہوا ورق فقیر سے منگا کر کتاب میں لگا لیں، اور جو صاحب کتاب واپس کرنا چاہتے ہیں وہ کتاب فقیر کے پاس پہنچا کر فقیر سے قیمت واپس لے لیں۔ والسلام علیٰ اہل الاسلام"۔

میرے نزدیک یہ اعلان ان کا اس غلطی پر توبہ کے حق میں شرعاً کافی ووافی ہے جو ان سے تساہل و غفلت کی وجہ سے صادر ہوئی، پس اس کے بعد ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ فقیر کی توبہ پر مطلع ہونے کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت زبانِ لعن دراز کرے تو یہ اس کی نری فساد انگیزی اور خالص شر پسندی کا ثبوت ہوگا، اور اس پر ان کا حدیث پاک التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ سے اپنی برأت پر استدلال کرنا بھی صحیح ہے، یہ حدیث ابن ماجہ کی صحیح ہے، بہ کثرت علماء نے اس حدیث سے اس پر استدلال فرمایا ہے کہ توبہ سیئات کو مٹانے والی ہے، پھر اس باب میں ایک ہی حدیث نہیں بکثرت احادیث وارد ہیں چنانچہ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب اللّٰہ علیہ (متفق علیہ)

بلکہ نصوص قطعیہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس کے گناہ کو مٹا دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفوعن السیئات۔

اس ہی لئے بعض علماء نے توبہ کا ایک رکن یہ بھی گردانا ہے کہ تائب اس کا بھی اعتقاد کرے کہ توبہ معصیت کو مٹا دیتی ہے چنانچہ شرح عقائد کی شرح نبراس میں ہے:۔

التوبۃ ھی الندم علی المعصیۃ والعزم علی عدم العود الیھا وزاد بعضھم الاعتقاد بانھا تمحوالمعصیۃ فھی ثلاثۃ ارکان۔ انتھی ما فیہ ص۳۶۲۔

پس زید کا اور اس کے ہم خیال مسلمانوں کا ان کی توبہ کی قبولیت پر اطمینان کرنا بیجا نہیں ہے، ان کے ذمہ توبہ کے ساتھ ایک یہ شے بھی واجب تھی کہ وہ قابل اعتراض شے کو تلف کر دیتے، سو انہوں نے ایسا کر دیا، بعض مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ وہ امامت سے علیحدہ ہوں اور پوری کتاب ضائع کریں، اس کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے، کیا کسی عالم نے امام کی توبہ کے قبول ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ جب تک وہ امامت سے علیحدہ نہ ہو اور اپنے مال محترم کو ضائع کر کے ایک فعل حرام کا مرتکب ہو، اس وقت تک اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی، تو یہ تو کوئی جاہل بھی نہیں کہہ سکتا، چہ جائیکہ عالم۔ اس لئے کہ جاہل سے جاہل بھی یہ جانتا ہے کہ توبہ وہ شے ہے کہ اس غلطی کا اس کے سامنے کیا ذکر وہ تو شرک اور کفر جیسی معصیت کو بھی نیست و نابود کر کے گناہوں سے پاک صاف کر دیتی ہے ایسی غلطیاں تو بعض نیکیوں کی وجہ سے بلا توبہ ہی معاف کر دی جاتی ہیں، بلکہ کبائر سے بچنا ہی ان کی معافی کے لئے کافی ہے لقولہ تعالیٰ:۔

ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاٰتکم وندخلکم مدخلا کریما۔

تو ایسے کریم کے کرم پر (جس کو معافی کے لئے توبہ کی ضرورت نہیں) یہ حکم لگانا کہ وہ توبہ بھی قبول نہ فرمائیگا میرے نزدیک تو نہایت ہی درجہ سنگین جرم ہے، جس کی سزا نہایت درجہ سخت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا واقعہ ذکر فرمایا کہ اس نے کہا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہ بخشے گا، (جو غالباً فاسق ہوگا تو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ پر کون شخص قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا، میں نے فلاں کو بخشدیا اور (اسے قسم کھانے والے) تیرے عمل نابید کر دیئے او کما قال علیہ السلام، رواہ مسلم۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں :-

دریں حدیث زجر است ہر کسے را کہ شخصے را حکم کند بعدم مغفرت اگرچہ فاسق و بدکار باشد، شاید کہ مولیٰ تعالیٰ او را بخشد و ایں را بگیرد ؎

نا امیدم مکن از سابقہ روز ازل تو چہ دانی کہ پسِ پردہ خوب است یا زشت

بلکہ ایک دوسرے واقعہ میں اسی کا ذکر فرمایا ہے کہ اس عجب اور خود بینی نے عابد زاہد کو ناری کر دیا، اور فاسق فاجر کو ناجی، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو شخص آپس میں دوست تھے، ایک عبادت میں کوشش کرنے والا اور دوسرا (معاصی میں منہمک لیکن اعتراف کرتا ہوا) کہتا کہ میں گنہ گار ہوں، عابد اس سے کہتا کہ تو باز آجا ان افعال سے کہ جن میں تو مشغول ہے، تو وہ کہتا کہ تو مجھے میرے پروردگار کے ساتھ چھوڑ دے، (یعنی میرے اس کے ساتھ معاملہ میں تو دخل نہ دے کہ اس کے کرم سے مجھے بہت کچھ امید ہے) یہاں تک کہ عابد نے اسے ایک ایسے گناہ کا مرتکب ہوتے پایا جس کو وہ بہت بڑا جانتا تھا، تو اس نے پھر اس سے کہا کہ باز آ، اس نے جواب میں کہا کہ مجھے میرے پروردگار کے ساتھ چھوڑ دے کیا تو مجھ پر داروغہ اور موکل بنا کر بھیجا گیا ہے، اس پر عابد نے کہا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے کبھی نہیں بخشے گا، اور تجھے جنت میں داخل نہ فرمائے گا پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی جانب فرشتہ بھیجا جس نے دونوں کی روحیں قبض کر لیں، بارگاہ خداوندی میں دونوں کی حاضری ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس گنہ گار سے ارشاد فرمایا کہ تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہو، اور دوسرے سے فرمایا کہ ارے تو یہ طاقت رکھتا تھا کہ میری رحمت کو میرے بندہ پر حرام کردے عرض کیا نہیں اسے پروردگار! (میں طاقت نہیں رکھتا)، پس اللہ تعالیٰ کا (ملائکہ کو) ارشاد ہوا کہ لے جاؤ دوزخ کی طرف "رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ"

جو مسلمان زید کی توبہ پر اطمینان نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول ہو ہی نہیں سکتی وہ ان حدیثوں کے مضمون پر غور کریں اور ان عابدوں کے حال سے عبرت حاصل کریں جنہوں نے فاسقوں پر اس کریم کے کرم سے محرومی کا حکم لگا کر اپنی عاقبت خراب کر لی، پس یہ لوگ ایک غیر مجرم پر ایسا ناپاک حکم

لگا کر کس فلاح کی امید یہ کہہ سکتے ہیں۔ میں جہاں تک غور کرتا ہوں مجھے کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی جو کسی عاقل اور منصف کے لئے زید پر کسی طرح کے طعن کا باعث ہوسکے، سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ غالباً کسی نزاع حادث کی وجہ سے ذاتی عناد یا تغایر مذہبی نے ان اشعار کی آڑ لیتے ہوئے مقابلہ کے لئے طیار کر دیا ہے۔ اور اس میں ایسی وارفتگی ہوگئی کہ اس کی بھی خبر نہ رہی کہ زید سے عناد مولیٰ تعالیٰ سے عناد کی طرف منجر ہو رہا ہے، وہ تعالیٰ فرمائے کہ میں تائب کی توبہ قبول فرماتا ہوں اور اس کے مقابلہ میں یہ کہیں کہ وہ زید کی توبہ قبول کر ہی نہیں سکتا، پھر یہاں تک بڑھے کہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالدی، دنیا میں کسی کا یہ مذہب تھا کہ جرم کے بعد ہی اگر توبہ کی جائے تو قبول ہوتی ہے ورنہ نہیں، معتزلہ بھی اگرچہ وجوب علی الفور کے قائل ہیں، لیکن یہ ان کا بھی مذہب نہیں کہ اب آگے اس کی توبہ قبول ہو ہی نہیں سکتی، مذہب ان کا بھی یہی ہے کہ اگرچہ تاخیر کی وجہ سے ایک نئے گناہ کا مرتکب ہوگا، لیکن موت سے پہلے جب بھی توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول ہوگی، جن لوگوں پر سرکار اقدس کی جناب میں توہین کی وجہ سے علماء نے کفر کے فتوے دیئے، اُن سے بھی ان علماء کا مطالبہ صرف توبہ ہی کا رہا، اور یا اس کا کہ خدا کے لئے اپنی کتابوں سے یہ عبارتیں نکالدو، اس کے سوا نہ ان پر جرمانہ مالی ڈالا گیا، نہ کسی حد کا حکم لگایا گیا، نہ کسی منصب کے چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، نہ پوری کتابوں کے تلف کرنے کو کہا گیا، بڑا تعجب یہ ہے کہ مسلمان کہلانے والے ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو صراحتًا ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قاذف ہیں بجز چند صحابہ کے تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں، خصوصًا حضرات شیخین کی جناب میں سب و شتم تو ان کے ایمان کا جزو اعظم ہے، لیکن ان سے باوجود ایسے شدید کفریات صادر ہونے کے پھر بھی اہل سنت کا ان سے توبہ کے علاوہ کوئی مطالبہ نہیں، آج اگر توبہ کرلیں تو صحیح معنی میں وہ پختہ مسلمان ہوئے جاتے ہیں، اسی طرح جو لوگ مرتد ہوگئے ہیں ان کے لئے بھی اسلام کا آغوش پھیلا ہوا ہے، جس وقت بھی وہ توبہ کر کے تجدید اسلام کرلیں گے، اسلام میں داخل ہو جائیں گے، اگرچہ پوری عمر ارتداد اور کفر کی اشاعت میں گزری ہو، لیکن اگر موت سے قبل توبہ کرلیں گے تو پھر پختہ مسلمان ہیں۔ غرض ۳۲ سال تک اگر بالفرض زید سے اس قصیدہ کی اصلاح میں تساہل ہوا اور غفلت رہی تو تب بھی یہ شئے اس کی توبہ کی تکمیل میں کسی طرح کا نقصان نہیں کرسکتی، نہ اس عرصہ تک مسلمانوں کی ان اشعار پر خاموشی ان کو ملزم گردان سکتی ہے کہ ثابت کیا جاچکا کہ یہ اشعار حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، بشرطیکہ نظر انصاف رکھتا ہو۔

دوسرا مقصد آپ کا اس قول سے کہ "وہ اس کو بہت احتیاط سے ایک خاص حلقہ میں فروخت کرتا ہے" یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ زید سنی نہیں ہے، وہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں اس گستاخی کی قصدًا اشاعت کر رہا ہے، مگر انہی لوگوں میں جو ان کی شان میں ایسی گستاخی کو پسند کرتے ہیں تو اول تو یہی صحیح نہیں کہ کسی خاص حلقہ میں اس کی اشاعت کی گئی ہے جیسا کہ عرض کیا جاچکا، دوسرے ابھی

قصیدہ میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدحت میں ایسے اشعار بھی ہیں جن پر نظر کرنا اُن کو ایسا ناپسند جیسے چمگادڑ کو آفتاب کا دیکھنا اس میں حضرات شیخین کی منقبتیں بھی ہیں اور ان پر نظر کرنا تو ان کے لئے ایسا ہے جیسے موت کے فرشتہ کو ملاحظہ کیا، تو اگر زید ایسا ہوتا تو خود ہی کیوں اس کو طبع کرا کر شائع کرتا۔ اور جس خاص حلقہ کی طرف اشارہ ہے، اس میں اگر وہ خصوصیت سے شائع کرتا تو وہ تو اس کی جان کو آ جاتے غرض یہ خیال بھی آپ کا کچھ معقولیت نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک اصل چیز یہ ہے کہ اس کتاب (حدائق بخشش حصہ سوم) میں جہاں بزرگوں کی منقبتیں ہیں وہاں بعض کی مذمتیں بھی ہیں، پس جن لوگوں کی مذمتیں ہیں ان سے تعلق رکھنے والوں کے لئے اس کتاب کا وجود کھٹکتا ہے، وہ صفحۂ ہستی کے اوپر اس کا وجود دیکھنا ہی نہیں چاہتے، یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ یہ اشعار اس دیوان سے نکال دیئے گئے، لیکن کہا جاتا ہے کہ اس پر ہمیں اطمینان نہیں، پوری کتاب تلف کی جائے، اس کا مطلب یہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمارا مقصد ان اشعار کا نکلوانا نہیں ہے، بلکہ ہمارا مقصد تو کچھ اور ہے جس کو ہم زبان سے ادا نہیں کر سکتے، اس مقصد پر ہم جبھی کامیاب ہوں گے جب پوری کتاب تلف کی جائے گی، اسی طرح خود زید سے بھی محض ان اشعار کی وجہ سے مخالفت نہیں ہے ورنہ ان اشعار کے نکال دینے سے یہ مخالفت ختم ہو جاتی بلکہ جن لوگوں کی یہ لوگ مذمت سُننی نہیں چاہتے، غالب یہ ہے کہ زید سے ان کی شان میں کچھ گستاخی صادر ہوتی رہی ہوگی، اگر یہ حقیقت ہے تو معترضین کو صفائی سے اس کا اظہار کرنا چاہیئے، مجھے امید ہے کہ اس صورت میں کوئی معتد بہ فائدہ حاصل ہو سکے گا، آپ جو کچھ میں نے عرض کیا اس کی روشنی میں اپنے سوالات کا جواب ملاحظہ فرمائیں

(۱) جب یہ ثابت کیا جا چکا کہ یہ شخص یعنی زید حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے اور ان کی اہانت کرنے سے بری ہے، اور اس نے جو اپنی برّیت کے وجوہ پیش کئے ہیں، اس کے صدق پر تجربات شاہد ہیں تو اب اس کی طرف اہانت کی نسبت محض اس پر تہمت ہے، حقیقت میں اہانت کرنے والا وہ شخص جو زید کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ اشعار کہہ رہا ہے، اس لئے کہ کسی کی اہانت کرنے کا ایک یہ ہی طریقہ ہے اور بڑا خوبصورت کہ اپنے کو اس کا خیر خواہ اور غم خوار ظاہر کرتے ہوئے اور دوسرے شخص پر تہمت لگاتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو ایسی ایسی فحش گالیاں دیتا ہے، اس طریقہ سے وہ گالیاں دے کر اپنا دل بھی ٹھنڈا کر لیتا ہے اور ظاہر میں اس کا خیر خواہ بھی بنا رہتا ہے، پس صورت مذکورہ میں اس ہی دوسرے شخص پر توبہ اور جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں معذرت اور زید سے معافی حاصل کرنا ضروری ہے کہ یہ دوہرے تہرے اشد درجہ کے گناہ کا مرتکب ہے۔ لقولہ تعالیٰ:۔

ومن یکسب خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ بریئاً فقد احتمل بہتانا واثما مبینا۔

اس واقعہ میں زید سے جس قدر غلطی واقع ہوئی ہے، اس ہی کا اس کو اقرار ہے اور اس ہی سے جس

نوعیت سے اس نے توبہ کی ہے وہ یقیناً مقبول ہے کہ اس تعالیٰ کے وعدہ میں تخلف کا امکان نہیں لقولہ تعالیٰ:۔
ولن یخلف اللہ وعدہٗ ۔
اور وہ ارشاد فرماتا ہے :۔
الم یعلموا ان اللہ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ ویاخذ الصدقات وان اللہ ھو التواب الرحیم ۔
اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں صاحب تفسیر سراج المنیر تحریر فرماتے ہیں :۔
والآیۃ وان وردت بصیغۃ الاستفہام الا ان المراد بہا التقریر فی النفس ومن عادۃ العرب فی افہام المخاطب انہ الشک عنہ ان یقولوا اما علمت ان من علمک یجب علیک خدمتہ اما علمت ان من احسن الیک یجب علیک شکرہ فبشر اللہ تعالیٰ ھؤلاء التائبین بقبول توبتہم وصدقاتہم ترغیبا فی التوبۃ وبذل الصدقات ۔ انتہی ۔

پس زید اب کسی سزا کا مستحق نہیں جس غلطی سے اس نے توبہ کی ہے وہ معاف ہو چکی، سوال میں تمام گناہوں سے معافی کے متعلق استفسار ہے، جس کا موقعہ نہ تھا، یہ شئے بھی اس ہی طرف مشیر ہے، کہ زید سے یہ نزاع کسی اور شئے کی وجہ سے ہے، پس اگر وہ شئے حقیقت میں معصیت ہے تو جب تک اس سے توبہ نہ کی جائے گی اس کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی صاف ہو گئی، ہاں اگر وہ کریم چاہے تو اسے بھی بخش دے گا کہ اس کا ارشاد ہے :۔
ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء ۔
اس غلطی کو آپ کو واضح طور پر بتلانا چاہیئے، تاکہ وہ اس سے توبہ کرے، اور توبہ سے انکار کرے تو پھر اس کا حکم آپ دریافت کر سکتے ہیں ۔

اس سے پہلے کسی سوال میں اس کا ذکر تھا کہ اس سوال کے جواب میں بعض علماء نے اس آیۃ کریمہ :۔
انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجہالۃ ثم یتوبون من قریب الایۃ
سے استدلال کرتے ہوئے زید کی توبہ کے نہ قبول ہونے پر فتویٰ دیا ہے، جس کا جواب مختصراً دیا جا چکا ہے لیکن اس سوال میں یہ بتلا کر کہ زید ایک عرصہ تک اس کی اشاعت بھی کرتا رہا ہو" پھر اس سوال کو دہرایا ہے۔ تو اب میں اس کا جواب ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کردوں، میرے نزدیک جس نے ایسا جواب دیا ہے وہ فاسق ہے، اس قابل نہیں کہ مسلمان اس سے فتویٰ حاصل کریں، وہ ایسا جواب دیتے ہوئے اس وعید شدید سے نہ ڈرا کہ حضور کا ارشاد ہے :۔ (جامع الصغیر ۱۵۱/۲)
من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہٗ من النار

یہ بھی نہ دیکھا کہ اس سے اگلی آیت ہی خود اس کی تفسیر فرما رہی ہے کہ من قریب سے مراد معصیت اور موت کا درمیانی زمانہ ہے، یہی تمام مفسرین کا بیان ہے چناں چہ تفسیر روح المعانی میں ہے :۔

من تبعیضیۃ جعل ما بین وجود المعصیۃ وحضور الموت زمانا قریبا ففی ای جزء من اجزاء ھذا الزمان تاب فھو تائب فی بعض اجزاء زمان قریب انتھی۔

یہ آیت اور اس سے اگلی آیت پوری یوں ہے :۔

انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیھم وکان اللہ علیما حکیما ہ ولیست التوبۃ للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الآن ولا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما ہ

علماء اہل دیوبند سے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنی تفسیر میں آیات کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح کرتے ہیں :۔

توبہ جس کا قبول کرنا (حسب وعدہ) اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ (صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو) کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں (یعنی قبل حضور موت جس کے معنی آگے آتے ہیں) توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ (قبول توبہ کے ساتھ) توجہ فرماتے ہیں (یعنی توبہ قبول کر لیتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (کہ کس نے دل سے توبہ کی)، حکمت والے ہیں (کہ دل سے توبہ نہ کرنے والے کو فضیحت نہیں کرتے) اور ایسے لوگوں کی توبہ (قبول) نہیں جو (برابر) گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آکھڑی ہوتی ہے (حضور موت کا مطلب یہ ہے کہ اس دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں) تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں (پس تو ایسوں کی توبہ مقبول) اور نہ ان لوگوں کی (توبہ یعنی ایمان ہی ایسے وقت کا مقبول) جن کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے ان (کافر) لوگوں کے لئے ہم نے ایک دردناک سزا (یعنی عقوبت دوزخ) تیار کر رکھی ہے، انتہی

پھر اس کے فائدے میں لکھتے ہیں :۔

اور جاننا چاہیئے کہ سوء اور سیئات دونوں جگہ اپنے عموم سے ہر عمل بد حتیٰ کہ کفر کو بھی شامل ہے اور قانون کلی سے ایمان کا مقبول یا نا مقبول ہونا معلوم ہو گیا تھا، لیکن کفار کے ایمان عند الیاس کا نا مقبول ہونا پھر تصریحاً شاید اس لئے بیان فرمایا ہو کہ اہل کفر کی تسویف و تاخیر کی تقبیح اچھی طرح واضح ہو جائے۔ واللہ اعلم اور عاصی کے حق میں جو فرمایا کہ توبہ وقت حضور موت

کے مقبول نہیں، یعنی وعدہ مغفرت اس پر مرتب نہیں اور ویسے اگر مشیت سے فضل ہو جائے تو کوئی امر مانع نہیں اور بعض محققین نے ولا الذین یموتون کی تقریر کی ہے، کہ جو شخص ساری عمر کفر پر رہا حتی کہ اس ہی پر اس کا خاتمہ ہو گیا، اور وہ کسی جزو عمر میں دوسرے گناہ ہونے سے توبہ کر لے، لیکن مسلمان نہ ہو، تو اس کی وہ توبہ جو گناہوں سے کی ہے، مقبول نہیں کیوں کہ ایمان منجملہ شرائط قبول توبہ ہے جیسا تعجیل قبل الحضور بھی شرط ہے، انتہی

اگرچہ ان آیاتِ کریمہ کا ترجمہ ہی اس لغو خیال کو باطل کرتا تھا، کہ معصیت کے ارتکاب کے بعد ہی فوراً توبہ کی جائے گی تو قبول ہو گی ورنہ نہیں، لیکن مزید اطمینان کے لئے دو تفسیروں کی ان کے متعلق عبارتیں بھی پیش کر دیں ورنہ ضرورت تو نہ تھی۔

(۲) ہاں ایسے شخص کو مسلمان اپنا امام بنا سکتے ہیں کہ اول تو اس پر کوئی ایسا جرم ثابت نہیں جس سے اس پر فاسق ہونے کا حکم لگایا جا سکے، دوسرے خطا و نسیان کی وجہ سے جس قدر غلطی ثابت ہے، اس سے بھی وہ توبہ کر چکا۔

(۳) بیشک جو شخص یہ کہے کہ میں اس کی توبہ قبول نہیں کرتا اس کو امامت سے علیحدہ کیا جائے وہ فسادی اور شر انگیز قرار دیا جا سکتا ہے، کہ توبہ کا قبول کرنا نہ کرنا مولیٰ تعالیٰ کے اختیار ہے جب وہ تائب کی توبہ قبول کر لیتا ہے تو اس کو کیا حق ہے کہ یوں کہے کہ میں قبول نہیں کرتا، اور اگر اس خیال سے کہتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی اس لئے کہ مولیٰ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے توبہ نہیں کی ہے بلکہ بندوں کے ڈر سے کی اور امامت کے جانے کی وجہ سے کی ہے، تو اس صورت میں یہ غیب پر علم کا دعویٰ ہے، جس کا حکم تو وہ خوب جانتا ہو گا کہ کیا ہے، یہ بیچارہ کس گنتی میں ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سرکار اقدس کے نہایت درجہ چہیتے اور جلیل القدر صحابی ہیں ان کو اس مسئلہ میں توزجر و توبیخ فرمائی گئی جس کا واقعہ وہ خود یوں بیان فرماتے ہیں کہ حضور نے ہم کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا، چناں چہ ہم ان سے جا کر لڑے، اور شکست دیدی، ان میں سے ایک شخص پر جب میں نے اور ایک انصاری نے قابو پایا تو اس نے کلمہ شریف پڑھا جس کو سن کر انصاری تو اس کے قتل سے رک گئے، لیکن میں نے اسے قتل کر دیا جب ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ حضور پر پیش ہوا تو حضور نے فرمایا کہ یا اسامۃ اقتلتہ بعد ما قال لا الہ الا اللہ قلت یا رسول اللہ انما قالہا خوفا من السلاح قال افلا شققت قلبہ ـ یعنی اے اسامہ تو نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس نے ہتھیار کے ڈر سے کہا تھا، فرمایا کہ تو نے اس کا دل کیوں نہ چیرا دیکھ لیتا تجھے اس کے دل کے حال کی کیا خبر، یہ واقعہ تمام کتب صحاح میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، تو دیکھئے کہ اس شخص کا ظاہر حال تو یہی بتلاتا تھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیاس صحیح تھا کہ اس نے قتل کے خوف سے کلمہ

شریف پڑھا ہوگا۔ لیکن حضور نے اس کو قبول نہ فرمایا، اور فرمایا کہ تم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ پس اس مقام پر کسی شخص کو یہ کہنا جائز نہیں کہ زید نے بندوں کے ڈر سے توبہ کی ہے، علماء کسی کے ظاہر حال پر حکم لگا سکتے ہیں اور بس۔

(۴) یہ لوگ وہ ہیں جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے لقولہ تعالیٰ کیف یھدی اللہ قوما کفروا الآیہ۔ بلکہ جنہوں نے ارتداد پر اصرار کیا اور عناد پر اڑے رہے ان کے حق میں تو ارشاد فرمایا کہ ان کی توبہ بھی ہرگز قبول نہ کی جائے گی، لقولہ تعالیٰ :۔

ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتھم واولئک ھم الضالون۔

لیکن پہلی قسم کے مرتدین کے حق میں تو قرآن کریم نے خود ہی استثنا فرمایا کہ اگر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی ہے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (ان کو بخش دے گا) رہے دوسری قسم کے مرتدین کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کی توبہ قبول نہ ہوگی، مفسرین توبہ کی قبولیت کے باب میں وعدۂ الٰہی کو دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں توبہ کا قبول نہ ہونا کنایہ ہے توبہ کی توفیق نصیب نہ ہونے کی طرف، یا توفیق بھی ہوگی تو ایسے وقت کہ سکرات موت طاری ہو چکی تھی، اور قبولیت توبہ کا وقت نہ رہا تھا چنانچہ انوار التنزیل میں ہے :۔

لن تقبل توبتھم لانھم لا یتوبون الا اذا اشفوا علی الھلاک فکنی عن عدم توبتھم بعدم قبولھا تغلیظا فی شانھم وابرازا حالھم فی صورۃ حال الآئسین من الرحمۃ اولان توبتھم لا یکون الا نفاقا لارتدادھم وزیادۃ کفرھم انتھی مافیہ

اور تفسیر سراج المنیر میں ہے :۔

فان قیل قد وعد اللہ تعالیٰ قبول توبۃ من تاب فما معنی قولہ تعالیٰ لن تقبل توبتھم اجیب بان محل القبول اذا کان قبل الغرغرۃ وھؤلاء توبتھم کانت بعدھا وانھم لم یتوبوا اصلا فکنی عن عدم توبتھم بعدم قبولھا اوان توبتھم لا تکون الا نفاقا۔ انتھی

اور یہ وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے کسی مسلمان کو قصداً ناحق قتل کیا، ان کے لئے بھی خلود نار کی وعید ہے، لیکن اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ خلود نار کسی مسلمان کے لئے نہیں ہے لقولہ تعالیٰ "وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنات"۔

تو یہاں قاتل مومن سے مراد کافر ہے، کہ اسی کی شان سے یہ ہے کہ وہ مسلمان کو قتل کرے گا یا متعمداً سے مراد ہے مستحلاً، کہ ایسا شخص بھی کافر ہے، یا یہ عام مخصوص منہ البعض ہے، اور وہ بعض مسلم ہے، یا یہ بات تغلیظاً ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن سے قتل مومن کیسے صادر ہو سکتا ہے کہ یہ تو کفار کی شان سے ہے،

جن کی جزا خلودِ نار ہے، یا یہ محمول ہے ہمکت طویل پر اور اس کا معاف فرمانا تحت مشیت خداوندی میں داخل، بہرحال کوئی نہ کوئی تاویل ضرور کرنی پڑے گی۔ کہ یہ اور اس قسم کی دوسری روایات معارض ان آیات کریمہ کے ہیں جو مسلمان کے لئے عدم خلود پر دال ہیں، یہی اہلِ سنت کا عقیدہ ہے، چناں چہ عقائد نسفی میں ہے :۔

واھل الکبائر من المومنین لا یخلدون فی النار وان ماتوا من غیر توبۃ۔

احادیث صحیحہ کا بھی یہی مفاد ہے، اور اس ہی پر اجماع ہے۔ ہاں اس میں معتزلہ کا خلاف ہے لیکن وہ بھی ایسے لوگوں کو مسلمان مانتے ہوئے ان کے لئے خلودِ نار کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے تو کافر ہونے کی حیثیت سے خلودِ نار کا حکم دیتے ہیں، غرض مسلمان، مسلمان ہوتے ہوئے ہرگز خلودِ نار کا مستحق نہیں ہے۔

ان ہی لوگوں میں وہ بھی داخل ہیں جنہوں نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی اور حدود الٰہی سے تجاوز کیا لقولہ تعالیٰ :۔

ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا۔

اور ان ہی میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی طریق سے ایذا دی، لقولہ تعالیٰ :۔

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لھم عذابا مھینا۔

اور یہ یوں کہ ایسے لوگ کافر ہو جاتے ہیں، لیکن یہ حکم ان پر جبھی تک ہے جب تک انہوں نے توبہ نہ کی، توبہ کے بعد تو وہ کریم اُن کو بھی معاف فرما دیتا ہے کہ اس کا ارشاد ہے :۔

وانی لغفار لمن تاب

مشرکین عرب پر نظر کیجئے کہ اس باب میں انہوں نے کیا کچھ نہ کیا وہ کیا کہ جس کا بیان کرنا دشوار ہے، لیکن بعد توبہ اب ان کا وہ مرتبہ ہے کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی ان کے قصرِ مرتبہ کی دہلیز تک نہیں پہنچ سکتا، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے، کہ معاذ اللہ ان جلیل القدر حضرات پر وہ کریم لعنت فرمائے گا اور ان کو ذلت کا عذاب دے گا۔ میرے نزدیک تو ایسا خیال ہی کفر ہے کہ ان میں بعض وہ ہیں جن کو نصوصِ قطعیہ نہ صرف ناجی بلکہ بڑے بڑے درجات کا مالک فرما رہی ہیں۔

ہاں اس حکم کے سزاوار وہ بھی ہیں جنہوں نے محصنہ پر زنا کی تہمت رکھی، خصوصاً معاذ اللہ جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر لقولہ تعالیٰ :۔

ان الذین یرمون المحصنت الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم ؕ

آیۂ کریمہ میں یہ حکم اگرچہ عام ہے ہر اُس قاذفِ محصنہ کا جس نے توبہ نہ کی ہو، لیکن بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حکم خاص عبداللہ بن ابی منافق قاذفِ حضرت صدیقہ کا ہے چناں چہ تفسیر انوار التنزیل میں ہے :-

قیل هو حکم کل قاذف مالم یتب وقیل مخصوص بمن قذف ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۳/۲)

اور تفسیر سراج المنیر میں ہے :-

قال مقاتل ھذا خاص فی عبداللہ بن ابی بن سلول المنافق (۲/۴۰۹)

پس اس حکم کو خواہ عام رکھیے یا خاص بہر حال یہ حکم قاذفِ محصنہ کا ہے (والقذف شرعا الرمی بالزنا کما فی الدر المختار) جس کا اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور اگر تعلق بھی ہوتا تب بھی زید کا حکم یہ نہ ہوتا کہ یہ حکم قاذف غیر تائب کا ہے، رہا اس سرکار کی جناب میں گستاخی کا حکم سو وہ بھی اگرچہ قاذف کے گناہ کی حیثیت کو نہ پہنچے مگر پھر بھی بڑا گناہ ہے۔ لقولہ علیہ السلام :- سباب المسلم فسوق۔ لیکن اس مسئلہ سے بھی اس کو تعلق نہیں کہ یہ اشعار زید کی تصنیف سے نہیں اس نے اس مقام پر لکھے نہیں، اس جگہ لکھوائے نہیں، طبع ہونے کے بعد جب اس کو اس غلطی پر اطلاع ہوئی تو اس پر اس کی رضا مندی ثابت نہیں، یہاں تک کہ خود کاتب سے اگرچہ اس قصیدہ کے لکھنے میں بہت غلطیاں واقع ہوئیں، جس میں سب سے بڑی غلطی یہ کہ ام زرع والے قصیدے کے اشعار بے موقعہ اس قصیدہ میں لکھ دیئے، اور زید نے ان کو جس مقام پر لکھوایا تھا اور اس کے تین حصے کر کے ہر حصہ پر جلی قلم سے لفظ علیحدہ لکھنے کی ہدایت کی تھی، کسی وجہ سے اس کے موافق لکھنے میں چوک گیا، لیکن ان اشعار متنازعہ فیہا پر مولیٰ تعالیٰ نے اس سے بھی لفظ علیحدہ لکھوا لیا تاکہ ان اشعار کا جناب صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شانِ اقدس میں ہونے کا کسی کو شک بھی نہ گزرے، جس کی وجہ سے زید بھی قطعًا اس الزام سے بری ہو گیا، کہ اس نے اس سرکار کی اہانت کے قصد سے یہ اشعار اس مقام پر لکھوائے۔ اور کاتب بھی۔ اگر معاذ اللہ کاتب کا یہ قصد ہوتا تو اس کے ہاتھ میں قلم تھی۔ اور موقعہ یہ تھا کہ اس کے ہاتھ کا روکنے والا بھی کوئی نہ تھا تو وہ کیوں کسر چھوڑتا غرض میرے نزدیک یہ بھی اس ناپاک الزام سے بری ہے، اور کاتب بھی، اور ہرگز ہرگز ان میں سے کوئی بھی نہ لعنت کا سزاوار ہے نہ عذاب نار کا مستحق۔

ان جوابات کے مخالف بعض علماء کے جوابات ضرور آپ کو موصول ہوئے ہوں گے، جیسا کہ آپ اپنے دوسرے خط میں بیان کرتے ہیں اور ان کے دلائل کا ذکر کر کے ان دلائل کی روشنی میں مجھے جواب دینے کی ہدایت کرتے ہیں، میں نے اس خط کو غور سے پڑھا، میرے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان علماء کو اس واقعہ کی حقیقت سے غافل رکھا گیا ہے، اور یہ قصیدہ جس صورت سے طبع ہوا ہے اس کا اظہار نہیں کیا گیا، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے، چناں چہ اس سے قبل جب تک مجھ کو اندھیرے میں رکھا گیا

میں خود ایسے ہی جواب تیار ہا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو کبھی آپ کو ان جوابات کے مخالف جوابات حاصل نہیں ہو سکتے تھے کہ اصل واقعات سامنے ہونے کے بعد زید کی توبہ کے قبول ہونے کے متعلق شبہ ہی نہیں رہتا۔ لیکن جس قدر میں اس واقعہ کی حقیقت سے واقف ہوں اگر با وجود ایسے واقف ہونے کے بھی کسی نے زید کے جرم کو نا قابل معافی ہونا کہا ہے تو منجملہ دوسرے معاندین کے ایک وہ بھی معاند ہے۔

مہربان من: سوال کا یہ طریقہ نہیں کہ سوال میں ایسے مسئول عنہ کے نام کا اظہار کر دیا جائے جو شہرت رکھتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسے غیر عادل مجیب، بہت پائے جاتے ہیں کہ جب مسئول عنہ کو اپنے مخالف پاتے ہیں تو خواہ مخواہ اس کے مخالف ہی جواب دیتے ہیں، اور اس کے برعکس جب وہ اپنا موافق نظر آتا ہے تو اس کے موافق ہی جواب دینے میں کوشش فرماتے ہیں، اگرچہ نصوص قطعیہ ہی کیوں نہ پہلے شخص کو بری کرتی ہوں اور دوسرے کو مجرم قرار دیتی ہوں مگر اس کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور سائل کا یہ فعل تو نہایت ہی درجہ ذلیل ہوتا ہے، کہ جس شخص پر جرم ثابت نہیں اور وہ خود منکر ہے اور اس کی تصدیق پر شواہد بھی قائم، پھر بھی اس کو مجرم بتلا کر اس کے متعلق سوال کیا جائے جیسا کہ اس مسئلہ میں کیا گیا ہے، کہ زید کہتا ہے کہ ان اشعار کے بے موقعہ کہے جانے میں میری خطا نہیں، ناقل یا کاتب کی ہے، اور ایک زمانہ جانتا ہے کہ ناقلین اور کاتبین سے کیسی کیسی فحش غلطیاں صادر ہو جاتی ہیں پھر مسئول عنہ کی ذات کی طرف نظر کی جاتی ہے تو وہ اس مسئلہ میں ایسا متشدد واقع ہوا ہے کہ ان ذواتِ پاک کی جناب میں کسی کے متعلق گستاخی کا شائبہ بھی پاتا ہے تو اس پر سخت سے سخت حکم لگا دیتا ہے، یہی ایک وجہ ہے جو اس کے بیان کی تصدیق کے لئے کافی ہے، اگرچہ دوسرے قرائن و وجوہ نہ بھی موجود ہوں، اور یہی وہ وجہ ہے جس کی وجہ سے یہ غلطی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی ہے، اس کے سوا اگرچہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی وجہ سے اس غلطی کی نسبت ان کی طرف نہیں کی جا سکتی، لیکن یہ ایک بہت بڑی وجہ ہے صرف اس ہی ایک شے کو دیکھتے ہوئے کسی کے وہم میں بھی نہیں آتا کہ اس غلطی کا ان کی طرف نسبت کرنا جن کے متعلق ان کے بعض مخالفین کا یہ قول سننے میں آیا ہے کہ وہ تو حضورؐ کے عشق میں دیوانہ ہیں ان سے کوئی کیا کہے، چناں چہ فاضل موصوف خود فرماتے ہیں ؎

مجھ کو دیوانہ بتاتے ہو میں وہ ہوشیار ہوں　　پاؤں جب طوف حرم میں تھک گئے سر پھر گیا

پس جب یہ غلطی ان کی طرف نسبت نہیں کی جا سکتی تو زید بیچارہ کی طرف کیسے کی جا سکتی ہے: کہ نہ وہ ان اشعار کا قائل، نہ ناقل، نہ کاتب نہ اس کے حکم سے اس مقام پر ان کا لکھنا ثابت، الغرض زید کے متعلق سوال میں یہ بتلانا کہ "اس نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی" خالص کذب اور اس پر بہتان ہے، یہ جو کچھ میں نے عرض کیا اس کو ہرگز اس پر محمول نہ کیا جائے کہ مجھے ان علی برادران سے کچھ تعلق ہے مولینا محبوب علی صاحب کا تو صرف میں نے نام ہی سنا تھا، ابھی تک ان سے بھی واقف نہ تھا کہ مولینا حشمت علی صاحب کے برادر ہیں، ہاں مولینا حشمت علی صاحب کا اسم گرامی سننے کے ساتھ ایک عرصہ

سے ان کے کچھ اوصاف بھی سنتا رہا ہوں کہ وہ اپنے کو بریلوی کہتے ہیں، اور مزاج میں نہایت درجہ تشدد ہے جس کی اکثر اہلسنت کو بڑی شکایت ہے، سنا جاتا ہے کہ وہ اگر کسی مسلمان کو کسی مسئلہ میں اپنے مسلک کے خلاف سنتے ہیں تو اس پر خارج اہل سنت کا حکم لگا دیتے ہیں، نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت حکم، گو وہ مسئلہ اہل سنت ہی کے درمیان مختلف فیہ کیوں نہ ہو۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ اسی بنا پر تیرے متعلق بھی اچھا خیال نہیں رکھتے اور وہ مجھے بھی اپنا مخالف سمجھتے ہیں، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ قطع نظر اس کے کہ ان لوگوں کا بیان صحیح ہے یا غلط، جب ایسا بیان میرے کانوں میں پہنچتا رہے گا تو بربنائے فطرتِ انسانی میرا قلب کیا اثر قبول کرسکتا ہے، جب وہ مجھے مذہبًا اپنا مخالف خیال فرمائیں گے تو لامحالہ میں ان کے مخالفین ہی میں شمار کیا جاؤں گا، اور اس صورت میں اگر مولیٰ تعالیٰ نفس کی شرارت سے محفوظ نہ رکھے تو جذبہ انتقامی کی خواہش یہ ہوگی کہ میں بھی بجائے اس آگ کے بجھانے کے اور اس کو ہوا دوں، لیکن الحمد للہ کہ احساناً میں نے مخالف کی طرف حق دیکھتے ہوئے کبھی ان کی حمایت سے دریغ نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے قلب میں میری محبت راسخ ہوگئی۔ اسی طرح اپنے دوست کی طرف سے باطل کو دیکھتے ہوئے کبھی اس کی حمایت نہ کی، اگرچہ وہ اس کی وجہ سے دشمن ہوگیا، لیکن مجھے نہ اس کی دوستی کی کچھ پرواہ رہی نہ اس کی دشمنی کا کچھ خوف، والحمد للہ علیٰ ذالک۔

آخر میں میں آپ کے اور مولانا موصوف کے مخالفین کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ انہیں حق کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ایسے حملوں سے محفوظ رکھے جو خود ان ہی کو نقصان پہنچائیں اور اس ہادیٔ مطلق کی بارگاہ میں علمی برادران کے لئے بھی دعا ہے کہ وہ تعالیٰ انہیں بھی وہ صحیح طریقہ نصیب فرمائے جو گمراہوں کی ہدایت کے لئے نہایت درجہ کامیاب ہو، اور مخالفین کی زیادتیوں پر ان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط، واللہ الموفق وھو یھدی السبیل۔

محمد مظہر اللہ عفی اللہ عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ یہ فتویٰ ایک رسالے کی صورت میں "دار الافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ" کے نام سے ۱۹۵۵ء کے قریب شائع ہوگیا تھا، اسی رسالے سے یہ فتویٰ یہاں نقل کیا گیا ہے۔

(مرتب)

آدابِ نعت خوانی

(سوال نمبر ۲۶۰) نعت خوانوں کی ایک جماعت ہے جس میں یہ اختلاف ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شاگردوں کے بعد مجلس استادوں کی نعتوں پر ختم ہو اور بعض کہتے ہیں کہ شاگردوں کی نعت پر ختم ہو، کونسا قول صحیح ہے۔

المستفتی

رفیق الدین پان والے

۵ رشوال المکرم ۱۳۷۹ھ (۳ / اپریل ۱۹۶۰ء)

لاہور

الجواب

یہ مسئلہ تو استاد صاحب ہی حل فرمائیں گے، ان سے دریافت کیا جائے، وہ جیسا فرمائیں اس پر عمل کیا جائے، میں تو استادوں کی نعتوں پر ختم کراتا ہوں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام

مسجد جامع فتحپوری دہلی

آدابِ مساجد

(سوال نمبر ۲۶۱) مسجد میں پہاڑے با آواز بلند بچوں کا پڑھنا، جیسے فتحپوری میں پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

مذکورہ فعل مسجد میں مکروہ ہے لقولہ علیہ السلام من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیک فان المسجد لم تبن لھذا رواہ مسلم۔ اور عالمگیری میں آدابِ مسجد میں ذکر کیا والسادس ان لا یرفع فیہ الصوت من غیر ذکر اللہ تعالیٰ۔ انتہی فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ

(سوال نمبر ۲۶۲) بہت سے لوگ نماز کے وقت مسجد میں بیٹھ کر بآواز بلند دنیاوی باتیں کرتے ہیں، شرعاً یہ عمل کیسا ہے؟ بینوا و توجروا۔

سائل
فضل احمد، دہلی

الجواب

مسجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنا علی الخصوص بلند آواز سے سخت مکروہ ہے، چناں چہ حدیث میں ارشاد ہوا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ وہ دنیوی امور میں مسجد میں بیٹھ کر باتیں کیا کریں گے تو ایسے لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کو کوئی واسطہ نہیں۔ انتہی۔ اس ہی لئے صحابہ اس میں نہایت احتیاط فرماتے تھے، چناں چہ سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں مسجد میں سوتا تھا کہ کسی نے مجھے کنکر مارا میں نے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پس مجھے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس تو لے آؤ (اور یہ مسجد میں بیٹھے پکار پکار کر باتیں کر رہے تھے) میں ان کو حضرت کی خدمت شریف میں لایا تو حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ طائف کے۔ فرمایا کہ اگر مدینہ کے ہوتے تو تمہیں تکلیف دیتا یعنی مارتا۔ تم حضور کی مسجد میں آواز سے باتیں کرتے ہو۔ کذا فی المشکوٰۃ۔ پس جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں پر لازم ہے کہ خود بھی اس سے احتراز کریں اور دوسرے مسلمانوں سے بھی یہ بری عادت ترک کرانے میں سعی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۶۳) نفس مسجد میں جہاں لوگ نماز پڑھتے ہوں بعد نماز اس جگہ قیلولہ کرنا یا آرام سے سونا یا رہائش اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

ھو الموفق

معتکف اور مسافر کے علاوہ دوسرے شخص کو مسجد میں سونا مکروہ ہے، درمختار میں ہے ویکرہ فی المسجد اکل ونوم الا لمعتکف وغریب ہاں جو امام اور موذن ایسے ہیں جن کا مکان نہیں، نہ ان کے لئے کوئی حجرہ ہی ہے اور مسجد ہی میں ان کا قیام ہے وہ البتہ سو سکتے ہیں لان اھل الفقہ کانوا یلازمون المسجد وکانوا ینامون ویتحدثون۔ کذا فی الشامی۔ لیکن ان کو بھی پنج گانہ نماز کے وقت

اپنا سامان ایک طرف کر دینا لازمی ہوگا تاکہ جماعت میں خلل نہ آئے اور نمازیوں پر تنگی نہ ہو اور ہمیشہ مسجد کا احترام لازمی ہوگا، دوسرے مکانات کی طرح ان کو بھی استعمال کرنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

آداب کتب وغیرہ

(سوال نمبر ۲۶۴)

(۱) ایک شخص مرادی کتاب بہشتی زیور کے متعلق کہتا ہے کہ "دل میں آتی ہے کہ کھڑے ہو کر اس کتاب پر پیشاب کر دوں" —— مرادی کا ایسا کلام کہنا درست ہے یا نہیں۔ اگر درست نہیں ہے تو مرادی کیلئے شریعت سے کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

(۲) ایک شخص سبحان بخش نے کہا کہ "وہابی بے ادب لوگ ہیں داڑھی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو یہ لوگ منہ پر دو بال خنزیر کے کیوں رکھے ہوئے ہیں"۔ سبحان بخش کا یہ کلام صحیح ہے یا غلط اگر غلط ہے تو اس کے لئے قرآن و حدیث سے کیا حکم ہے؟

(۳) ایک شخص محمد صدیق صوفی جب کبھی وعظ فرماتے ہیں تو اپنی تقریر میں کہتے ہیں کہ "آدم علیہ السلام نے شیطان کو چولہے پر پکا کر شوربا بنایا اور جب خوب پک گیا تو آدم علیہ السلام نے پی لیا۔ اس کے بعد شیطان نے کہا کہ بس میں یہی چاہتا تھا کہ تمہارے خون میں میرا خون مل جائے" —— صدیق صاحب کا یہ وعظ صحیح ہے یا نہیں اگر غلط ہے تو صوفی محمد صدیق کے لئے کیا حکم ہے؟

(۴) ایک شخص اپنی برادری کے لوگوں سے کہتا ہے کہ تم لوگ بستی نظام الدین اولیاء بنگلہ والی مسجد مت جاؤ، ان لوگوں کا طریقہ تم کو معلوم نہیں وہ پردہ کی آڑ میں کچھ اور ہی کرتے ہیں، محمد اسمٰعیل اور اللہ دین نے جواب دیا کہ بھائی وہاں تو ہر وقت اللہ و رسول کی باتیں ہوتی ہیں، آج تک ہم نے کوئی ناجائز بات نہیں سنی بلکہ ان کے وعظ میں یہ سنا ہے کہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرو اور دین کی باتیں سیکھو اور دوسروں تک پہنچاؤ سائل نے کہا کہ تم مفتی اعظم صاحب مسجد فتحپوری سے بیعت ہو۔ محمد اسمٰعیل اور اللہ دین نے جواب دیا کہ ہاں ہمارے مرشد حضرت مفتی اعظم ہیں۔ اور ایسی بات کبھی بھی حضرت نے نہیں کہی۔ سائل نے اللہ دین اور محمد اسمٰعیل سے کہا کہ تم حضرت سے دریافت کرنا حضرت نے فرمایا ہے کہ تم اس مسجد میں مت جانا۔ اللہ دین اور محمد اسمٰعیل خاموش ہو گئے اور پھر کہا کہ آج دو سال سے ہم نے بنگلہ والی مسجد میں کوئی ایسی ناجائز بات نہیں سنی۔ کیا سائل نے

درست کہا ہے یا نہیں ۔ محمد اسمٰعیل اور اللہ دین بنگلہ والی مسجد میں جائیں یا نہیں ۔ جواب مرحمت فرمائیں ۔
احقر ناکارہ محمد صدیق ۔ دہلی
۲۷ ر اکتوبر ۱۹۶۰ء

الجواب

(۱) بہشتی زیور کے متعلق ایسے ناپاک لفظ استعمال کرنا نہایت درجہ اس کی توہین ہے ۔ قائل پر توبہ لازم ہے گو بعض مسائل اس میں اہل سنت کے خلاف ہیں لیکن اکثر مسائل اہل سنت کے موافق ہیں جن کی وجہ سے ایسی توہین جائز نہیں ۔

(۲) یہ کلام بھی غلط ہے ۔

(۳) یہ بھی غلط ہے ایسے بے باک شخص کو وعظ نہ کہنا چاہیئے ۔

(۴) اس شخص کا یہ قول صحیح ہے چناں چہ اس جماعت کے قائد اول مولوی الیاس صاحب اپنی دعوت کے صفحہ نمبر ۶ میں فرماتے ہیں کہ :-

"میاں ظہیر الحسن میرا مدعا کوئی پاتا نہیں ، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے ، میں بقسم کہتا ہوں کہ یہ تحریک صلوٰۃ نہیں ہے" ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا کہ "میاں ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے"

اس کلام میں بصراحت فرمایا کہ اس میں منشاء کچھ اور ہے اور اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے اُن مسائل کی ترویج ہے جو وہ اہل سنت سے خلاف رکھتے ہیں جن کا ذکر اکثر کتب میں موجود ہے چناں چہ اس عاجز کے پاس کچھ دعا کے لئے آئے جن میں دو عالم بھی تھے ۔ اتفاقاً میں نے دریافت کیا کہ تم لوگ کس شے کی تبلیغ کرتے ہو ، بولے کہ شرک و بدعت کو مٹا رہے ہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ شرک و بدعت کے معنی سے تم واقف بھی ہو ؟ کہنے لگے شرک یہی ہے کہ کسی کا دامن پکڑ لیا جائے ۔ اور بدعت جیسے قبر پر پھول ڈالنا ۔ میں نے عرض کیا کہ قبر پر پھول ڈالنے کو تو فقہاء جائز فرماتے ہیں ۔ ان میں دو صاحب عالم بھی تھے وہ بولے کہ کہاں لکھا ہے ؟ میں نے فتاویٰ عالمگیری دکھا دی ۔ دیکھ کر خاموش چلے گئے ۔ اس واقعہ سے کامل اس شخص کے قول کی تصدیق ہوگئی ۔ میرے نزدیک نماز جیسی شے کی تبلیغ نہایت ہی بہتر ہے لیکن یہ چیز کہ اہل سنت کے مواعظ سے روکنا جس کے متعلق میرے پاس متعدد واقعات موجود ہیں نہایت درجہ قبیح ہے ۔ یونہی تحقیق شرک و بدعت کا دور کرنا ۔ تو تبلیغ نماز سے بھی زیادہ نہایت ضروری ہے لیکن مباح چیزوں پر ایسے ناپاک حکم لگا کر روکنا حد درجہ قبیح و مذموم ہے ۔ غرض میرے نزدیک ایسے شخص کا قول مذکور صحیح ہے اور محمد اسمٰعیل و اللہ دین صاحبان کے اقوال بھی صحیح ہیں اس لئے جب کوئی کسی کا معتقد ہو جاتا ہے تو اس کو اس کا ہر قول ہی

صحیح معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ابتداءً مختلف فیہ اقوال بیان کرنے سے روک دیا جاتا ہو۔ چناں چہ اس کی بھی لوگوں نے مجھے خبر دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

آداب سلام

(سوال نمبر ۲۶۵) اسلام میں سلام کا کیا طریقہ ہے، کن کن لوگوں کو کرنا چاہیئے اور کن لوگوں کو نہ کرنا چاہیئے، کیا مصافحہ بھی مسنون ہے۔ بینوا و توجروا۔

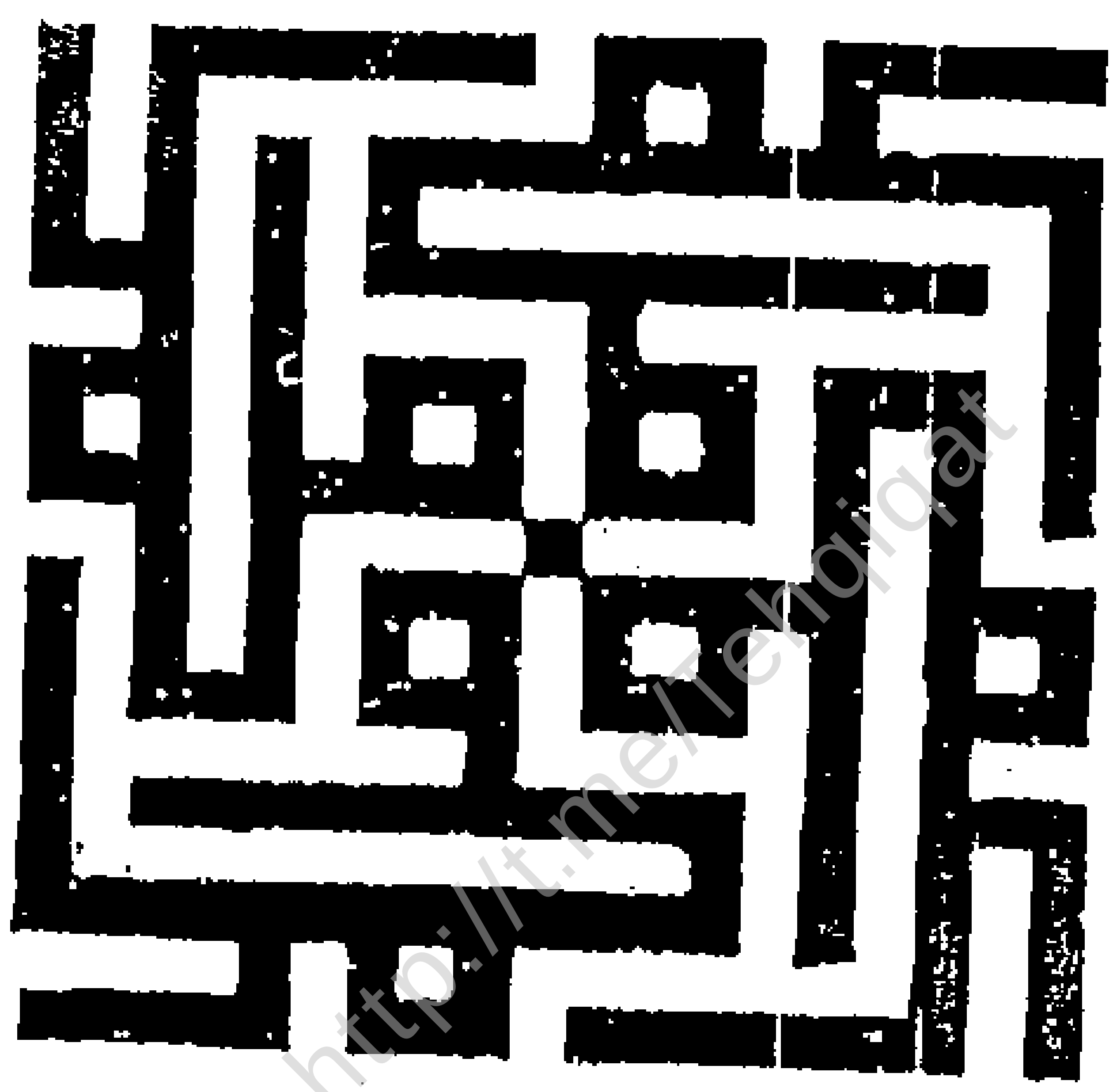
الجواب

سلام کا وہی طریقہ ہے جو مسلمانوں میں رائج ہے یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اور نیکیوں کے اضافہ کی آرزو رکھتا ہے تو اس کے ساتھ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ بھی کہے۔ ہر مسلمان کو اس طرح سلام کرنا مسنون ہے خواہ اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو چناں چہ بعض صحابہ بازار میں صرف اسی ارادے سے تشریف لے جاتے تھے اور ہر مسلمان کو سلام کرتے تھے۔ یونہی بعد سلام مصافحہ بھی ہر مسلمان سے مسنون ہے جس کا نہایت عظیم فائدہ ہے کہ جانبین کے گناہ جھڑتے ہیں ہاں جوان عورت کو سلام نہ کرے اور وہ سلام کرے تو اس طرح جواب دے کہ وہ نہ سنے کہ مظنۂ تہمت سے بچنا واجب ہے۔ نہ کفار و مرتدین کو سلام کرے اور وہ سلام کریں تو جواباً عَلَیْکُمْ یا ھَدَاكَ اللہُ کہہ دے اور جو نماز میں ہو یا تلاوت قرآن کریم یا ذکر میں مشغول ہو اسے بھی سلام نہ کرے اور جو کھیل میں مصروف ہو یا علانیہ فسق کرتا ہو یا پاخانہ پیشاب کر رہا ہے اس کو بھی سلام نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

تیسرا باب

رسوم



(سوال نمبر ۲۶۶) عامہ مقابر مسلمین یا اپنی ملوکہ زمین میں عام مومنین یا امراء و سلاطین یا انبیاء و مرسلین صحابہ و تابعین، علماء و صلحاء و سادات معظمین کے مزارات پر قبہ بنانا خواہ برائے تکبر و تفاخر ہو خواہ بغرض اظہار عظمت دینی وغیرہ اغراض صحیحہ شرعیہ کے ہو مطلقاً حرام و مکروہ ہے، یا ان کے حکم میں کچھ تفصیل ہے، نیز قبروں کے توڑنے کا حکم اس حدیث شریف میں وارد ہوا ہے وہ کن کی قبور تھیں، مومنین کی یا کافرین کی۔

عن ابی الھیاج الاسدی قال قال لی علیّ الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ رواہ مسلم۔

ابوہیاج اسدی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس فعل کے لئے نہ بھیجوں جس کے لئے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا تھا، (حضور نے یہ حکم دیا تھا) کہ ہر مورت بنیر مٹائے اور ہر بلند قبر بغیر برابر کئے نہ چھوڑنا۔

قبر مربع یا بصورت کوہان شتر بنانی چاہیئے اور بلندی قبر کا ادنیٰ درجہ کس قدر ہے۔ بینوا و توجروا۔

المستفتیان

اراکین جمعیۃ خدام الحرمین

الجواب ھو الموفق للصواب

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصا علی سید الانبیاء محمد المجتبیٰ وآلہ المرتجی۔ اَمّا بَعدُ قبروں پر قبہ وغیرہ بنانا علی الاطلاق حرام نہیں حرمت کے لئے نص قطعی درکار ہے اور یہاں کوئی ایسی نص موجود نہیں جس سے اس کی حرمت ثابت ہو البتہ اخبار احاد میں اس کی ممانعت کی جانب ضرور اشارہ پایا جاتا ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔

قال نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ رواہ مسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر پر چونہ گچ کرنے اور اس پر بنا کرنے اور اس پر بیٹھنے سے ممانعت فرمائی۔

لیکن شارحین نے اس حدیث کے مختلف معنی بیان فرمائے ہیں، بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ خیمہ ہے جس کو زمانۂ جاہلیت کے کفار اپنے مردوں کی قبروں پر نصب کرتے تھے، قاضی خان میں ہے:۔

قالوا اراد بالبناء السفط الذی یجعل علی القبر فی دیارنا۔ انتھی ما فیہ وکذا فی البحر۔

علماء نے فرمایا کہ حدیث میں بنا سے مراد وہ خیمہ ہے جو ہمارے ملک میں قبروں پر نصب کیا جاتا ہے"۔

وقال التورپشتی (کرہ البناء) لانہ من صنیع اھل الجاھلیۃ ای کانوا یظللون علی المیت الی سنۃ۔ انتھی مافی المرقات۔

علامہ تورپشتی نے فرمایا کہ قبر پر بنا اس لئے مکروہ ہے کہ وہ مشرکین کے افعال سے ہے یعنی ان کا طریقہ تھا کہ وہ ایک سال تک مردہ پر سایہ کرتے تھے۔

بعض نے فرمایا کہ عین قبر پر مقدار شرعی سے زیادہ کرنا مراد ہے تو گویا کہ انہوں نے اس بنا کو قبر مشرف پر محمول کیا ہے جس کا اہل کتاب میں دستور تھا۔ درمختار میں اور اس کے حاشیہ ردّالمحتار میں ہے :-

ویھال التراب علیہ وتکرہ الزیادۃ علیہ لانہ بمنزلۃ البناء لما صح عن جابر قال نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ انتھی۔

اور قبر پر مٹی ڈالی جائے اور جو مٹی قبر سے نکلی ہے، اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ بھی بمنزلہ بنا کے ہے اور یہ کراہت بوجہ اس حدیث کے ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحت کو پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبر کو چونہ گچ کرنے اور اس پر بنا کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا :-

ویسنم ندبا وفی الظھیریۃ وجوبا قدر شبر وھو مقتضی النھی المذکور ویؤیدہ مافی البدائع من التعلیل بانہ من صنیع اھل الکتاب فی التشبہ بھم فیما منہ بد مکروہ اھ لکن فی النھر ان الاول اولی قلت ولعل وجھہ شبھۃ الاختلاف۔ انتھی

اور قبر کو اونٹ کی کوہان کی صورت میں بقدر ایک بالشت اونچی کی جاوے از راہ استحباب اور ظہیریہ میں کہا کہ وجوبًا اس قدر اونچی بنائی جاوے (شامی نے کہا کہ) نہی مذکور یعنی حدیث جابرؓ کا اقتضا بھی وجوب ہے اور اس کی تائید اس تعلیل سے ہوتی ہے جو بدائع میں مذکور ہے کہ قبر کا اونچا کرنا اہل کتاب کے افعال سے ہے اور اہل کتاب سے ان امور میں تشبہ کرنا جن میں ناچاری نہیں مکروہ ہے (بدائع کی عبارت ختم ہوئی) لیکن نہرالفائق میں کہا کہ قول اول یعنی یہ قول کہ قبر کا بقدر ایک بالشت کے اونچا کرنا مستحب ہے، اولیٰ ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ شاید اختلاف کی وجہ سے شبہ کا واقع ہو جانا ہے۔

حاشیہ ابوداؤد میں ہے :-

مُشْرِفًا بکسر الراء من اشرف اذا ارتفع وھو الذی بُنی علیہ حتی ارتفع انتہی

مشرفًا بکسر حرف رے، اشرف سے مشتق ہے، جو بمعنی ارتفع (بلند ہوا) اور مشرف وہ قبر ہے جس پر بنائی جائے یہاں تک کہ اونچی ہو جائے۔

اور بعد امعان نظر یہی احتمال اوجہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پاک میں نفس قبر ہی کے متعلق احکام بیان فرمائے گئے ہیں کہ قبر پر چونہ گچی نہ کی جائے کہ یہ زینت ہے اور قبر محل زینت نہیں اس پر اینٹ پتھر سے چنائی کر کر اونچا نہ کیا جائے کہ یہ بے فائدہ ہے دوسرے یہ اہل کتاب کا بھی طریقہ ہے اور بے ضرورت اُن کا طریقہ اختیار کرنا مکروہ ہے، اس پر بیٹھا نہ جائے کہ ان میں صاحب قبر کی اہانت ہے اور اس کو ایذا دینا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ حدیث ان دونوں معنی کا احتمال رکھتی ہے۔

قال التورپشتی یحتمل وجہین احدھما البناء علی القبر بالحجارۃ وما یجری مجراھا والاٰخر ان یضرب علیہا خباء ونحوہ۔ انتہی

تورپشتی نے کہا ہے کہ نہی کی حدیث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قبر کے اوپر پتھر اور پتھر کے مثل (اینٹ مٹی وغیرہ) سے بنا کرنا، دوسرے یہ کہ خیمہ اور خیمہ کے مثل دوسری چیز نصب کرنا۔

بعض نے اس کے ساتھ بنائے حجرہ کا احتمال بھی شامل فرمایا مجمع البحار میں ہے:۔

نہی ان یجصص وان یکتب علیہا وان یبنی علیہا تجصیص القبور مکروہ وکذا البناء وھو ان یبنی علیہا بحجارۃ ونحوہ وان یضرب علیہا خیمۃ او یبنی علیہا بیت انتہی

آنحضرتؐ نے قبر پر گچ کرنے اور لکھنے اور بنا کرنے سے منع فرمایا، قبروں پر گچ کرنا مکروہ ہے نیز بنا کرنا بھی مکروہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ نفس قبر پر پتھر اور پتھر کے مثل دوسری چیز سے بنائی جائے اور اس پر خیمہ نصب کیا جائے یا قبر پر گھر بنایا جائے۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے شاید قبر پر مکان مسکونہ بنانے کی ممانعت مراد ہو کہ اس میں اہانت صاحب قبر کے علاوہ اُس کے حق کا تلف کرنا بھی ہے چنانچہ فقہائے کرام نے جہاں قبور کے اوپر مکانِ مسکونہ کی بناء کو مکروہ فرمایا ہے وہاں اسی حدیث سے استدلال فرمایا ہے غرض کہ جب اس حدیث پاک کے معنی میں اس قدر احتمالات موجود ہیں تو یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ یہ حدیث پاک قطعی الدلالۃ بھی نہیں اب جب یہ معلوم ہو چکا کہ یہ حدیث نہ قطعی الثبوت ہے نہ قطعی الدلالت تو اس سے حرمت تو در کنار کراہت تحریمی بھی ثابت نہیں ہوتی بعض الناس فی دفع الوسواس میں ہے:۔

ثم الادلۃ اربعۃ انواع اولہا قطعی الثبوت والدلالۃ کالنصوص المتواترۃ المحکمۃ وثانیہا قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ کالاٰیات المؤولۃ

وثالثها ظني الثبوت قطعي الدلالة كالاخبار التي مفهومها قطعي ورابعها ظني الثبوت والدلالة كالاخبار التي مفهومها ظني فبالاول يثبت الفرض والحرام وبالثاني والثالث يثبت الوجوب وكراهة التحريم وبالرابع يثبت السنة والاستحباب وكراهة التنزيهي ليكون ثبوت الحكم بقدر دليله۔ انتهى۔

دلیل کی چار قسمیں ہیں، اول وہ دلیل جس کا ثبوت اور دلالت قطعی ہو مثلاً نصوص متواتر محکمہ، دوم وہ دلیل جس کا ثبوت قطعی اور دلالت ظنی ہو مثلاً تاویل کردہ آیتیں، سوم وہ دلیل جس کا ثبوت ظنی اور دلالت قطعی ہو مثلاً وہ حدیثیں جن کے مفہوم قطعی ہیں، چہارم وہ دلیل جس کا ثبوت ظنی اور دلالت بھی ظنی ہو مثلاً وہ احادیث جن کے مفہوم ظنی ہیں، پہلی دلیل سے فرض و حرام، دوسری و تیسری دلیل سے وجوب و کراہت تحریمی اور چوتھی دلیل سے سنت و استحباب اور کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے تاکہ حکم کا ثبوت دلیل کے موافق ہو۔

غرض کہ ثابت ہو گیا کہ اس حدیث پاک سے حرمت یا کراہت تحریمی بناء علی القبور کی ثابت نہیں ہوتی اب یہاں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ جب حدیث سے اس میں کراہت تحریمی ثابت نہیں ہوتی تو پھر ہمارے بعض فقہاء اس پر حرمت یا کراہت تحریمی کا کیوں حکم فرماتے ہیں یہاں تک کہ بعض علماء اماما امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس میں کراہت کی روایت پیش کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو امام صاحب سے جو روایت آئی ہے اُس کا حال معلوم نہیں کہ اُس کا ماخذ کونسی کتاب ہے اور وہ کتاب کتب ظاہر الروایت سے ہے یا غیر ظاہر الروایت سے پھر وہ الفاظ کیا ہیں جو حضرت امام صاحب سے روایت کئے گئے پس جبتک ان تمام امور کا علم نہ ہو اس کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا پھر اگر اس کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو اس میں بھی وہ تمام احتمالات نکلتے ہیں جو حدیث پاک کی شرح میں گذرے بلکہ بعض فقہاء کے کلام سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس بناء سے وہی بناء مراد ہے جو نفس قبر پر کی جائے نہ وہ جو قبر کے گرداگرد ہو اور یہ بات ہر اُس شخص پر جو عبارات فقہاء کے سیاق پر غور کرے گا پوشیدہ نہ رہے گی غرض قبور پر ہر بناء (کہ خواہ نفس قبر پر ہو یا اُس کے اردگرد اور خواہ تفاخر و مباہات کے لئے ہو یا کسی غرض صحیح کے لئے اور خواہ مسقف ہو یا غیر مسقف اور خواہ سکونت کے لئے ہو یا زائرین کے آرام پہنچانے کے لئے اور خواہ مقام قبر کے گھیرنے کی غرض سے ہو یا کسی اور مصلحت کے لئے) بہر حال ممنوع نہیں، نہ اس طرح کی ممانعت حدیث پاک کا منشاء ہے نہ فقہائے کرام کا مسلک پھر غرض صحیح کے لئے مسقف عمارت کی بنا تو خود قرآن کریم کی نص سے اصحاب کہف کی خوابگاہوں پر ثابت ہے لقولہ تعالیٰ :-

قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجدا وقال فی الجلالین فی تفسیر ھذہ الآیۃ ای یصلی فیہ وفعل ذلک علی باب الکھف انتھی وقال فی المدارک یصلی فیہ المسلمون ویتبرکون بمکانھم۔

بیدروس مسلم بادشاہ اور اس کے مسلمان مصاحبوں نے (جو غلبہ پائے ہوئے تھے) کہا کہ ہم ضرور بالضرور ان (کی خوابگاہوں) پر مسجد بنائیں گے۔ جلالین میں کہا تا کہ اس میں نماز پڑھی جائے (پس وہ اپنے ارادے میں غالب آئے) اور کہف پر مسجد بنائی گئی اور مدارک میں فرمایا کہ یہ مسجد نماز پڑھنے اور اصحاب کہف کے مبارک مکان سے برکت حاصل کرنے کے لئے بنائی۔

پس ثابت ہو گیا کہ قبور پر مطلق بنا مباح الاصل ہے، حدیث پاک و ائمہ کرام کے کلام میں اگر اس کی ممانعت ہے تو کسی عارضی قبح اور خارجی علت کی وجہ سے ہے۔ شراح عظام و فقہائے کرام نے جب اس میں غور فرمایا تو چند علتیں پائیں لہذا انہوں نے ان ہی علتوں پر اس کے حکم کا مدار رکھا۔ اگر ایسی علت پائی جو تحریم کو مقتضی تھی تو ایسی صورت میں اس بنا کو حرام فرمایا اور اگر ایسی علت پائی جو کراہت کو چاہتی تھی تو اس صورت میں مکروہ فرمایا لیکن جب ان علتوں میں سے کوئی علت نہ پائی تو ایسی حالت میں مباح فرمایا لانہ لا قبح فی ذاتہ۔ (کیونکہ ذات میں کوئی قبح نہیں ہے) ان علتوں میں سے جو حرمت یا کراہت کی مقتضی ہیں شراح حدیث نے اور ان فقہا نے (جو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی مراد بیان کرنے والے ہیں) ایک یہ علت بیان فرمائی کہ اس میں تفاخر ہے اور تفاخر حرام ہے نیز اس میں زینت بھی ہے، اور میت کو زینت کی کیا حاجت پس اس میں سراسر تضییع مال ہے۔ شارح مسلم اکمال میں فرماتے ہیں:-

اما البناء علی القبور بالرخام ونحوہ للمباھاۃ والزینۃ فقال ابن بشیر لیست القبور موضع زینۃ ولا مباھاۃ والبناء علیھا بشئ من ذلک حرام وان کان لحوز الموضع وتمییزہ فجائز انتھی

قبروں پر سنگ رخام اور اسی کی مثل دیگر پتھروں سے فخر اور زینت کے لئے بنا کرنے کے متعلق ابن بشیر نے کہا کہ قبریں زیبائش اور فخر کے مقام نہیں ہیں، لہذا اس قسم کی چیزوں سے ان پر بنا کرنا حرام ہے، لیکن اگر قبر کی جگہ کو گھیرنے اور ممتاز کرنے کے لیے بنا ہو تو جائز ہے۔

اور علامہ حسن شرنبلالی نے فرمایا:-

یحرم البناء علیہ للزینۃ انتھی وفی الام قال الشافعی واحب ان لا یبنی ولا یجصص فان ذلک یشبہ الزینۃ والخیلاء ولیس الموت موضع واحد منھما انتھی ما فیہ۔

زینت کے واسطے قبر پر بنا کرنا حرام ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "ام" میں فرماتے ہیں،

میں قبر پر بنا اور گچ کرنے کو پسند نہیں کرتا کیوں کہ یہ زینت یعنی تفاخر اور غرور کے مشابہ ہے اور موت زینت کا مقام نہیں ہے۔

دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ یہ مشرکین کی عادت سے تھا کہ وہ اپنے مردوں کی قبروں پر ایک سال تک خیمہ نصب کرتے تھے تاکہ قبر پر سایہ رہے پس چوں کہ اس سایہ سے مردہ کو کچھ فائدہ نہ تھا محض کفار کی تقلید تھی لہٰذا ممانعت فرمادی گئی :۔

ثم قال التورپشتی ولانہ من صنیع اھل الجاھلیۃ ای کانوا یظللون علی المیت الی سنۃ۔ انتھی ما فی المرقات

توریشتی کا قول ہے کہ قبر پر خیمہ نصب کرنا زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا فعل ہے وہ لوگ ایک سال تک مردہ پر سایہ کرتے تھے۔

تیسری علت یہ بیان فرمائی کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں :۔

قال التورپشتی یحتمل وجھین احدھما البناء علی القبر بالحجارۃ وما یجری مجراھا والاخر ان یضرب علیہا خباء ونحوہ وکلاھما منھی لعدم الفائدۃ فیہ۔ انتھی۔

توریشتی نے کہا کہ نہی کی حدیث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قبر کے اوپر پتھر اور اس کے مانند سے بنا کرنا دوسرے یہ کہ خیمہ اور خیمہ کے مثل دوسری چیز نصب کرنا اور دونوں باتیں بے فائدہ ہونے کی وجہ سے منع ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ ان علتوں کے وجود کے وقت قبر پر بنا یا حرام ہوگی یا مکروہ پھر کراہت میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور جمہور علماء اس پر ہیں کہ بناء میں کراہت تنزیہی ہے :۔

قال فی سبل السلام ذھب الجمھور الی ان النھی فی البناء والتجصیص للتنزیہ والقعود للتحریم۔ انتھی

سبل السلام میں ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قبر پر بنا کرنے اور گچ کرنے کی نہی تنزیہی ہے اور قبر پر بیٹھنے کی نہی تحریمی ہے۔

لیکن جبھی کہ جب اپنی ملک میں کوئی بنا کرے ورنہ اگر ایسے قبرستان میں بنا کرے گا جس سے عامۂ مومنین کا حق متعلق ہے تب بھی یہ بنا حرام ہوگی مرقات میں ہے :۔

والنھی فی البناء للکراھۃ ان کان فی ملکہ وللحرمۃ فی المسبلۃ۔ انتھی۔

اگر بنا ملک بانی میں ہے تو بناء کی نہی کراہت کے لئے ہے اور اگر بناء مسبلہ یعنی موقوفہ قبرستان میں ہے تو تحریم کے لئے ہے۔

الحاصل مذکورہ عنوتوں میں تو قبر پر بنا حرام یا مکروہ ہے لیکن مذکورہ علتیں اگر نہ پائی جائیں اور کوئی شخص اپنی ملک میں کسی فائدہ کی غرض سے قبر پر بنا کرے تو بلا کراہت جائز ہوگا چناں چہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے علت عدم فائدہ علامہ تورپشتی سے نقل کرنے کے بعد اس پر تصریح فرمائی :-

حیث قال قلت فیستفاد منہ اذا کانت الخیمۃ لفائدۃ مثل ان یقعد القراء تحتہا فلا تکون منہیۃ ۔ انتھی

تورپشتی نے کہا (کہ قبر پر بنا کرنا بے فائدہ ہے) اس قول سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ خیمہ کا نصب کرنا کسی فائدہ کے لئے ہو مثلاً یہ کہ خیمہ کے نیچے قاری بیٹھ کر ختم قرآن کریں یہ ممنوع نہیں ۔

صحابہ کرام تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی اسی پر عمل رہا کہ جب کوئی فائدہ دیکھا تو خود قبر پر خیمہ نصب فرمایا اور جس وقت اس میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا منع فرمایا بلکہ خود ایسے خیمہ کو علیحدہ کرا دیا چناں چہ بخاری میں ہے:

ولما مات الحسن بن علی ضربت امرأتہ القبۃ علی قبرہ وقال العینی وضرب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی قبر زینب بنت جحش وضربت عائشۃ علی قبر اخیہا فنزعہ ابن عمر وضربہ محمد بن الحنفیۃ علی قبر ابن عباس ۔

جب حضرت امام حسن کی وفات ہوئی آپ کی بیوی نے آپ کی قبر پر خیمہ بشکل قبہ نصب کیا، اور عینی نے کہا کہ حضرت عمر نے زینب بنت جحش کی قبر پر نصب کیا اور حضرت عائشہ نے اپنے بھائی کی قبر پر خیمہ نصب کیا جس کو ابن عمر نے (جب ضرورت نہ دیکھی تو) کھلوا دیا محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس کی قبر پر خیمہ نصب کیا ۔

شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں :-

در خبر است کہ چون عقیل بن ابی طالب چاہے در دار خود حفر کرد ازاں جا سنگے بر آمد کہ در وے نوشتہ اند قبر ام حبیبہ بنت صخر بن حرب عقیل آں چاہ را با نباشت و عمارتے بالائے قبر بنا کردہ سمہودی گوید روایات ہمہ ناظر اند در آں کہ قبور امہات المؤمنین در ہمیں جا باشد کہ الآن زیارت ایشان می کنند ۔ انتہی ۔

الغرض بنائے فوق القبر کی ممانعت جبھی ہے کہ جب بغرض نیت صالح نہ ہو یا قبرستان موقوفہ میں ہو کہ جس سے لوگوں پر تنگی ہو پس اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر بلا کراہت جائز ہے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ صلحائے امت خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کے مزارات مقدسہ پر جو قبے بنے ہوئے ہیں ان میں کوئی غرض صالح پائی جاتی ہے یا نہیں یا ان کے بانیوں کی غرض اس سے محض تفاخر ہی تھا پس جب ہم اس میں غرض صالح موجود پاتے ہیں تو یہ ہرگز نہیں گمان کر سکتے کہ تفاخراً ان کی بنا ہوئی کہ ظنوا المؤمنین خیرا! اور غرض صالح یہاں یہ ہے کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اصحاب باطن یہاں حاضر ہو کر فیض یاب ہوں اور

یہ دونوں باتیں اہل سنت کے نزدیک جائز ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں :-

"از اولیائے مدفونین انتفاع جاری است"

اور نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مظاہر الحق میں فرماتے ہیں :-

"تیسری قسم زیارت کی برکت حاصل کرنے کے لئے ہے وہ زیارت اچھے لوگوں کی قبروں کی ہے اس لئے کہ ان کے لئے برزخ میں تصرفات و برکات بیشمار ہیں"۔ انتہی

درالمختار میں امام غزالیؒ سے ہے :-

انھم متفاوتون فی القرب من اللہ تعالیٰ ونفع الزائرین بحسب معارفھم واسرارھم۔ انتھی

اولیاء اللہ قرب باری تعالیٰ اور اپنے زیارت کرنے والوں کو نفع پہنچانے میں اپنی معرفت اور رموز کے لحاظ سے متفاوت درجہ رکھتے ہیں۔

دوسری غرض عوام کی نظروں میں صاحب قبر کی عظمت ڈالنا ہے تاکہ لوگ صاحب قبر کے مرتبہ کے موافق اس مقام کے آداب کا لحاظ رکھیں اور اس کی اہانت سے باز رہیں کہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ میت مسلم کی حرمت و عزت کا اسی قدر لحاظ رکھا جائے گا جیسا کہ اس کی زندگی میں رکھا جاتا تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :-

کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما ھو زوجی وابی فلما دفن عمر معھم فواللہ ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر۔

میں اس مکان میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد ممات رونق افروز تھے، جاتی تھی اور چادر دوپٹہ جسم پر نہ ہوتا اور میں یہ کہتی کہ ایک میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے باپ ہیں جب حضرت عمرؓ اس مقام میں دفن کئے گئے تو بخدا جب میں وہاں آتی تو کپڑوں میں لپٹی ہوتی حضرت عمرؓ کا لحاظ کرنے کی وجہ سے۔

اس حدیث کے تحت میں نواب قطب الدین خاں صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

اس میں دلیل ہے اس پر کہ لحاظ میت کا کرے وقت زیارت کے مانند لحاظ اس کے کہ حالت حیات اس کی میں۔ انتہی بلفظہ

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں :-

الاتفاق علی ان حرمۃ المسلم میتا کحرمتہ حیا۔ انتھی

تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ مسلم میت کی عزت اور اس کا احترام زندگی کی حالت کے عزت و احترام کی طرح کرنا چاہیئے۔

پس ثابت ہوگیا کہ اہل اللہ کے مزارات مقدسہ پر بے فائدہ عمارات نہیں بنائی گئیں، یہی وجہ ہے کہ علماء نے بناء علی القبر کی کراہت پر بحث کرنے کے بعد انبیاء وصالحین کے مزاراتِ مقدسہ کو اس حکم سے مستثنیٰ فرمادیا اور صاف فرمادیا کہ ان کے مزارات پر مکان کی بنا جائز ہے کہ یہاں بے فائدہ نہیں، تنویر الابصار میں ہے:۔

ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لا باس بہ وھو المختار ۔ وقال فی الرد المختار فی الاحکام عن الجامع الفتاوی وقیل لا یکرہ اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات قلت لکن ھذا فی غیر المقابر المسبلۃ کما لا یخفی انتھی ما فیہ ۔

قبر پر کہگل نہ کی جائے اور نہ اس پر بنا بلند بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ بنا ر بلند بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ مختار مذہب ہے ۔ اور احکام میں جامع الفتاویٰ سے منقول ہے کہا گیا ہے کہ بنا قبر پر مکروہ نہیں ہے جب میت مشائخ اور علماء وسادات میں سے ہو میں کہتا ہوں کہ غیر مکروہ جب ہے کہ جب مقابر غیر مسبلہ میں ہو اور یہ بات ظاہر ہے ۔

(تنبیہ) یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ شامی کے اس قول (اما ابناء فلم ادمن اختار جوازہ) کا مطلب یہی ہے کہ مطلق بناء کو جائز بتلانا صحیح نہیں جیسا کہ صاحب تنویر کے ظاہر کلام کا مفہوم ہے کیوں کہ موقوفہ زمین میں بنا کے جواز کا کوئی قائل نہیں ۔

اور تحریر میں تفسیر روح البیان سے نقل فرمایا :۔

قال الشیخ عبدالغنی النابلسی فی کشف النور عن اصحاب القبور ما خلاصتہ ان البدعۃ الحسنۃ الموافقۃ لمقصود الشرع تسمی سنۃ فبناء القباب علی قبور الاولیاء والعلماء والصلحاء امر جائز انتھی وقال العلامۃ الباجوری فی حاشیتہ نعم استثنا ھا بعضھم للانبیاء والشھداء والصالحین ونحوھم انتھی ۔

کتاب "کشف النور عن اصحاب القبور" میں شیخ عبدالغنی نابلسی نے کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بدعت حسنہ جو مقصود شرع کے موافق ہو وہ سنت کہی جاتی ہے لہٰذا اولیاء علماء اور صلحاء کی قبروں پر قبوں کا بنانا جائز ہے ۔ اور علامہ باجوری نے شرح ابن قاسم پر اپنے حاشیہ میں کہا، ہاں بعضوں نے انبیاء شہداء صلحاء اور ان کے امثال کی قبروں پر قبوں کے بنانے کو حدیث النہی سے مستثنیٰ کرلیا ہے ۔

اور مجمع البحار میں ہے :۔

وقد اباح السلف البناء علی قبور الفضلاء والاولیاء والعلماء لیزورہا الناس و یستریحون فیہ انتہی۔

بلاشک سلف صالحین نے فضلاء و اولیاء علماء کی قبروں پر بنا کرنے کو مباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کرنے آئیں۔

اسی طرح مرقات شریف میں ملّا علی قاری علامہ تورپشتی سے نقل فرماتے ہیں:۔

وقد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشہورین لیزورہم الناس ولیستریحوا بالجلوس فیہ۔ انتہی

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں:۔

در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء و دیدہ چیزہا افزودند تا آن جا ہیبت و شوکت اہل اسلام و ارباب صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہندوستان کہ اعداء دین از ہنود و کفار بسیار اند و ترویج و اعلائے شان این مقامات باعث رعب و انقیاد ایشان است و بسا اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ در آخر زمان از مستحبات گشتہ انتہی

الحاصل جن احادیث و روایات میں مطلق بناء کی ممانعت وارد ہے وہاں وہی بنا مراد ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، محض تفاخر کی راہ سے بنائی گئی ہو جیسا کہ پچھلے زمانے کے سلاطین میں اس کا رواج تھا اور اس وقت بھی بعض لوگ عوام کی قبور پر عمارتیں بناتے ہیں، پس چونکہ ان میں وہ فائدہ نظر نہیں آتا جو اہل اللہ کے مزارات سے متصوّر ہے لہٰذا ان کو ممانعت کی جائے گی مطلقاً ہرگز نہ کی جائے گی اور مطلقاً ممانعت کی بھی کیسے جا سکتی ہے کہ جب خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حجرہ شریف رکھا گیا اور پھر حضرت عمر اور اُن کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس پر بنا کی اور اُن کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پُرانے حجرہ شریف کو منہدم کر کرا از سرِ نو اُس کی تعمیر کی اور کسی نے اُس پر انکار بھی نہ کیا تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مطلقاً ہر شخص کی قبر پر بنا ممنوع و حرام ہے اگر ایسا ہوتا تو صحابہ سے اس کا ارتکاب کیوں کر ہو سکتا:۔

قال عمرو بن دینار و عبیداللہ بن ابی یزید لم یکن علی عہد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم علی بیت النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حائط فکان اول من بنی علیہ جدارا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ قال عبیداللہ کان جدارہ قصیرا ثم بناہ عبداللہ بن زبیر وزاد فیہ وعن رجاء بن حیوۃ قال کتب الولید بن عبدالملک الی عمر بن عبدالعزیز وکان قد اشتری حجر ازواج النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان اہدمہا ووسع بہا المسجد فقعد عمر فی ناحیۃ ثم امر بہدمہا فما رأیت باکیا اکثر من یومئذ ثم بناہ کما اراد فلما ان بنی البیت علی القبر

وھدم البیت الاول ظھرت القبور الثلاثۃ الخ (عینی)

عمرو بن دینار اور عبید اللہ بن ابی یزید نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حجرہ نبویہ پر دیوار نہ تھی اولاً حضرت عمرؓ نے (خشت خام سے) دیوار بنائی (عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی بنائی ہوئی دیوار چھوٹی تھی) پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر نے دیوار بنائی اور سابق دیوار میں اضافہ کیا، رجاء بن حیوۃ سے منقول ہے کہ ولید بن عبد الملک (خلیفہ اموی) نے عمر بن عبد العزیز (عامل مدینہ طیبہ) کو جو ازواج مطہرات کے حجروں کو خرید چکے تھے، لکھا کہ حجروں کو شہید کر کے مسجد کی توسیع کردو، عمر بن عبد العزیز ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور حجروں کے گرانے کا حکم دیا میں نے کسی روز نہ اسکے کو اس زور سے زیادہ روتا ہوا نہیں دیکھا پھر جس طرح چاہا مسجد کو تعمیر کیا جب سابق مکان کو گرا کر قبر شریف پر نئی تعمیر شروع کی تو تینوں قبریں ظاہر ہوگئیں۔

اور شاہ عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں :۔

اما حجرہ منیفہ کہ حاوی قبور شریفہ است دراول حجرہ بود داخل بیت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا از جرید نخل بر طبق سائر حجرات مصطفویہ و بعد ازاں کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ در مسجد زیادت کرد حجرہ را از خشت خام بنا کرد و تا زمان حدوث عمارت ولید این حجرہ ظاہر بود عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحکم ولید بن عبد الملک آں راہدم کرد و بحجارہ منقوشہ برآورد و بر ظاہر آں حظیرہ دیگر بنا کرد و در سنہ ثمان وسبعین وستمأۃ در دولت قلاوون صالحی قبہ خضرا کہ بالائے حظیرہ شریفہ است بلند تراز سقف مسجد بطر زیکہ الآن موجود است باشباک نحاس بنا فرمودند انتہی ملتقطا

غرضکہ ثابت ہوگیا کہ محبوبان الٰہی کے مزارات پر کسی قسم کی عمارت بنانا صرف اس لئے کہ زائرین اس کے سایہ سے فائدہ حاصل کریں مکروہ نہیں، یہی سبب ہے کہ ایک زمانے سے اہل اسلام کا عمل شرقاً وغرباً اس پر ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء اللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات مقدسہ پر عمارات رفیعہ بنا کرتے رہتے ہیں تاکہ مسلمان اُن کی زیارت کرنے والے آرام پائیں، شارح مسلم اکمال میں فرماتے ہیں :۔

ولما صحح الحاکم فی مستدرکہ احادیث النھی عن البناء والکتب قال ولیس علیھما العمل۔ انتہٰی۔

حاکم نے مستدرک میں قبروں پر بناء کرنے اور لکھنے کی حدیثوں کی تصحیح کی تو یہ کہا کہ ان دونوں نہیوں پر عمل نہیں ہے (مطلب یہ ہے کہ احادیث نہی صحیح ہیں بصحت اثری اور صحیح نہیں ہیں بصحت عملی کہ متروک العمل ہیں)۔

پھر فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں اور اس عمل میں تو تعارض ہی نہیں ہے :۔

حیث قال لایعارض تلک الاحادیث لامکان الجمع بان یحمل مافی الاحادیث

على البناء المشرف كما كانت الجاهلية تفعل انتهى ۔
چناں چہ کہا کہ عمل سلف صالحین نہی کی حدیثوں کے سارمز مخالف نہیں ہے کیوں کہ دونوں میں تطبیق ممکن ہے، صورت یہ ہے کہ بنار جو احادیث میں مذکور ہے اس کو بنار مشرف (بلند) پر محمول کیا جائے جیسا کہ عرب اپنے زمانہ میں کرتے تھے ۔

بحر الرائق میں ہے :-

ولا يرفع عليه بناء قالوا ا ه ا دبه السفط الذى يجعل فى ديارنا على القبرو قال فى الفتاوى اليوم اعتادوا السفط ولا باس بالتطيين انتهى ما فيه ۔

قبر پر اونچی بنا نہ بنائی جائے علما نے کہا کہ اونچی بنا سے مراد سقف ہے جو ہمارے ملک میں قبر پر رکھا جاتا ہے اور فتاوی میں کہا کہ اس زمانہ میں سفط بنانا مروج ہو گیا ہے اور قبر پر کہگل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔

اگر حدیث مسلم پر تنقیدی نظر ڈالی جاوے تو اس میں بھی بہت کچھ گنجائش ہے کہ اس کے بعض رواۃ پر علما نے کلام فرمایا ہے لیکن میں اس پر بحث نہیں کرتا ورنہ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ میں اس زمانے کے علما کے لئے حدیث سے استدلال کرنا تو جائز جانتا ہوں اگر کلام ہے تو صرف اس میں کہ یہ حدیث حجت ہو سکتی ہے یا نہیں حالانکہ حدیث سے استدلال کرنا مجتہد ہی کا کام ہے غیر مجتہد تو بسا اوقات ضلالت کی دلدل میں پہنچتا ہے امام اجل سفین بن عینہ امام شافعی و امام احمد کے استاد اور امام بخاری و امام مسلم کے استاد الاستاد ارشاد فرماتے ہیں کہ الحديث مضلة الا للفقهاء حدیث سخت گمراہی کا باعث ہے مگر مجتہدین کو علامہ ابن الحاج مدخل میں فرماتے ہیں :-

يريد ان غيرهم قد يحمل الشئ على ظاهره وله تاويل من حديث غيره او دليل يخفى عليه او متروك اوجب تركه غير شئ مما لا يقوم به الا من استبحر وتفقه ۔ انتهى

حضرت سفین کی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کبھی کسی حدیث کے ظاہری معنی مراد لے لیتا ہے حالاں کہ دوسری حدیثیں یا کوئی دلیل جو اس پر مخفی ہے پتہ دیتی ہیں کہ یہاں معنی مختفی مراد ہیں نہ ظاہری یا وہ حدیث متروک العمل ہے جس کے ترک کے لئے متعدد وجوہ مقتضی ہیں جن پر وہی شخص اطلاع پا سکتا ہے جو عالم متبحر اور مجتہد ہو ۔

پس غیر مجتہد تو یا اپنے مجتہد کے بتائے ہوئے معنی پر عمل کرے گا اور اگر اس میں بھی کوئی خفا دیکھے گا تو فقہا ئے متقدمین کی تحقیق کی طرف رجوع لائے گا یا امت مرحومہ کا عمل دیکھے گا کہ کس پر ہے جس پر عمل دیکھے گا اس پر کاربند ہوگا سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں العمل اثبت من الاحادیث عمل علما ئے

ربانیین، حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے اس لیئے کہ وہ ہم سے زیادہ اس میں نظر رکھنے والے ہیں اُن پر حدیث کے خلاف کرنے کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں تک تو بنائے فوق القبر کی کراہت و عدم کراہت میں کلام تھا اب رہا یہ کہ ان کا انہدام کہاں تک جائز ہے تو اس میں اصلاً شک نہیں کہ اگر یہ متیقن ہو کہ یہ زمین موقوفہ عامہ میں بلا اجازت مستحقین بنایا گیا ہے تب اس کا انہدام جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

لاضاعة المال ولاهانة صاحب القبر وكلاهما حرام قال الشافعي في كتاب الأم فان كانت القبور في الارض يملكها الموتى في حياتهم او ورثتهم بعدهم لم يهدم شئي وانما يهدم ان هدم ما لا يملكه احد فهدمه لئلا يحجر على الناس موضع القبر فلا يدفن فيه احد فيضيق ذلك بالناس انتهى ما فيه وقال في الاكمال وافتى ابن رشد بوجوب هدم ما بني في مقابر المسلمين من السقائف والقبب والروضات والنقض لربه قال فان كان في ملك الرجل فحكمه حكم بناء الدور انتهى۔

قبروں پر تعمیر ہو جانے کے بعد بوجہ نقصان مال واہانت صاحب قبر ہدم ناجائز ہے کیوں کہ مال کا ضائع کرنا اور صاحب قبر کی توہین کرنا حرام ہے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مردوں کی قبریں اُن کی یا اُن کے ورثہ کی مملوکہ زمین میں ہیں تو اُن پر کی عمارت سے ہرگز کچھ نہ گرایا جائے گا اگر گرانا ہی ہے تو اُن ہی عمارات کو گرایا جائے گا جو موقوفہ زمین میں ہیں تاکہ لوگوں پر تنگی نہ واقع ہو۔ جو چھتیں اور قبے اور چمن مسلمانوں کے موقوف مقابر میں بنائے جائیں ان کے گرا دینے کے وجوب کا ابن رشد نے فتویٰ دیا اور ٹوٹ ان کی ان کے مالک کو دلائی اور کہا کہ اگر وہ عام قبرستان نہ ہو بلکہ اس شخص کی ملک ہو تو اس کا حکم گھروں کی تعمیر کے مانند ہے (یعنی وہ جائز ہیں پس اُن کو نہ گرایا جائے گا)۔

لیکن صرف اس خیال سے کہ یہ زمین موقوفہ میں پائے جاتے ہیں اُن کو منہدم کرنے کی جراُت نہ کی جائے گی چنانچہ حاشیہ علامہ اجوری میں ہے۔

ولو وجد بناء في ارض مسبلة ولم يعلم اصله ترك لاحتمال ان يكون وضع بحق قبل تسبيلها انتهى۔

اگر کوئی بناء مُسبلہ زمین میں ہو اور اس کی حقیقت نہ معلوم ہو کہ مملوکہ زمین میں ہے یا غیر مملوکہ زمین میں تو اس کو بحالہ چھوڑ دیا جائے کیوں کہ احتمال ہے کہ بناء اپنے ملک میں فی سبیل اللہ کر دینے سے پہلے ہوئی ہو۔

پھر ایسے قبوں کے ہدم میں جو زمین موقوفہ میں نہیں ہیں علاوہ اضاعۃ مال کے بغیر حق شرع صاحب قبر کی سخت

اہانت بھی ہے جو حرام ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر (رواہ مسلم) وتاوی انہ (علیہ السلام) رأی رجلا متکئا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب القبر قال الطیبی ھو نھی عن الجلوس علیہ لما فیہ من الاستخفاف بحق اخیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر پر بیٹھنے کے بہ نسبت بہتر ہے کہ تم میں سے کوئی آگ پر بیٹھے اور اس کے کپڑے جل کر آگ کا اثر جلد تک پہنچ جائے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ صاحب قبر کو تکلیف نہ دے طیبی کہتے ہیں کہ یہی مطلب قبر پر بیٹھنے سے منع کرنے کا ہے۔ کیوں کہ اس میں حق برادر کی توہین ہے۔

علامہ اجل سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں :-

معناہ ان الارواح تعلم بترک اقامۃ الحرمۃ والاستہانۃ فتأذی بذلک انتہی

مطلب یہ ہے کہ ارواح کو ان کے احترام نہ کئے جانے اور اہانت کئے جانے کا ادراک ہوتا ہے، اور اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔

علامہ اجل شیخ الہند حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی قدس سرہ العزیز شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :-

شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش میدارد و راضی نیست بتکیہ کردن بر قبر وے از جہت تضمن اہانت و استخفاف بوے انتہی۔

شامی میں ہے :-

لان المیت یتأذی بما یتأذی بہ الحی انتہی۔

اس لئے کہ جو چیزیں زندہ کے لئے باعث تکلیف ہیں وہ مردہ کے لئے بھی باعث تکلیف ہیں۔

پس جب یہ بات ہے تو قبہ جات کے ہدم میں صاحب قبر جس قدر ایذا پائے گا وہ ظاہر ہے کہ ہر زندہ آدمی اس بات سے سخت تکلیف پاتا ہے کہ کوئی شخص اس کے ایسے مکان ڈھا دے جو اس کے مہمانوں کے لئے بنایا گیا ہو، علاوہ بریں یہ عمارتیں اس پر وقف ہوتی ہیں کہ زائرین ان کے سایہ سے فائدہ اٹھائیں پس ان کا انہدام کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس میں تغییر بلکہ ابطال شرط واقف ہے :-

وھو حرام کما صرح بہ الفقہاء حیث قالوا لا یجوز تغییر شرط الواقف۔

اور تغییر شرط واقف حرام ہے چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمادی کہ وقف جن شرطوں پر ہے ان کا بدلنا جائز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہا موقوفہ عمارت کے ہدم کرنے والے کو تعذیر کا حکم دیتے ہیں اور اُس پر جبر کرتے ہیں کہ وہ اُس مقام پر اُسی جیسی عمارت بنائے جو اُس نے منہدم کی ہے چناں چہ شامی میں ہے :۔

وفی اجارات فتاوی قاری الهدایة فیمن استاجر دارا وقفا فهدمها وجعلها طاحونا او فرنا اجاب بانه ینظر القاضی ان کان ما غیرها الیه انفع واکثر ریعا اخذ منه الاجرة وابقی ما عمره للوقف هو متبرع والا الزم بهدمه واعادته الی الصفة الاولی بعد تغیره بما یلیق بحاله ۔ انتهی

قاری ہدایہ کے فتاویٰ کی کتاب الاجارات میں ہے کہ ایسے شخص کے متعلق (جس نے موقوفہ مکان کرایہ پر لیا پھر اُس کو توڑ کر آٹا پیسنے کا کارخانہ یا باورچی خانہ بنالیا) جواب دیا کہ قاضی اس پر نظر کرے کہ جو کچھ اُس نے بنایا ہے اگر وہ زیادہ فائدہ مند ہے تب تو اسی تعمیر کو وقف کے لیئے باقی رکھے اور اس سے کرایہ لیتا رہے کہ یہ عمارت بنانے میں متبرع ہے (یعنی اس کی جانب سے یہ احسان ہے عمارت میں اس کا کوئی حق نہیں) اور اگر یہ پچھلی عمارت زیادہ مفید نہیں تو قاضی اس کو ایسی سزا دے جو اُس کے حال کے لائق ہے اور حکم دے کہ وہ اس عمارت کو توڑ کر اُس ہی جیسی عمارت اپنے خرچ سے بنادے جو اُس نے منہدم کی ہے ۔

اگر ان عمارات کے ڈھانے کے لئے یہی حیلہ نکالا جاتا ہے کہ حضور نے ان کو ناپسند فرمایا ہے تو چاہئے کہ جس جس کی عمارت بلند اور پختہ دیکھی جائے بے دھڑک ڈھانی شروع کردی جائے کہ حضور نے ایسی تمام عمارات کو ناپسند فرمایا ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ سے کلام تک ترک فرمادیا اور جب تک اُنہوں نے اپنی اُس عمارت رفیعہ کو ڈھا نہ دیا ان سے کلام نہ فرمایا چناں چہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا پورا قصہ ابوداؤد شریف میں مروی ہے جس کے آخر میں حضور کے یہ کلمات روایت کیئے گئے کہ :۔ اما ان کل بناء وبال علی صاحبها الا ما لا یعنی ما لا بد منه یعنی آگاہ ہوجاؤ کہ ہر غیر ضروری عمارت اپنے مالک پر وبال ہے مگر وہی جس کے بغیر چارہ نہیں ۔ تو کیا کوئی ذی ہوش اس کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہے کہ جس کی عمارت بلند و پختہ دیکھے ڈھادے ۔ دوسروں کی عمارتیں تو پیچھے ڈھائے گا پہلے اپنے ہی گھر سے بسم اللہ کرے اور اس سنت پر عمل کرکر سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرے ، احادیث کے سمجھنے کے لئے فقاہت درکار ہے حضور نے عمارات پختہ کو اس لئے ناپسند نہیں فرمایا کہ وہ ناجائز تھیں بلکہ اس لئے کہ اگر ابتدا ئے اسلام میں لوگوں کو آسائش کی جانب توجہ ہوگئی تو اسلام کی ترقی میں نقصان پہنچے گا ۔

اگر ایسے قبہ جات کا ہدم ضروری ہی تھا تو کیا وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اپنے غلبہ و سطوت اور فتح کے اور باوجود شدت اتباع سنت کے بیت المقدس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کے اور دیگر انبیائے کرام کے قبہ جات شریفہ کو شہید کرنے کو حکم نہ فرمایا چناں چہ شاہ عبدالعزیز

صاحب محدث لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ بشارت محمدیہ کے صفحہ ۹۸ پر فرماتے ہیں :-

مولانا احمد بن حسن ترمی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب مصباح الظلام میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک شام کو فتح کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر اور ان کے سوا اور انبیاء کی قبروں پر جو قبے تھے اُن کو ڈھانے کا حکم نہیں دیا انتہی بلفظہ -

قبہ جات کے ہدم کا وجوب ابو ہیاج اسدی کی حدیث سے ثابت کرنا نہایت بعید ہے اس کے اندر کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس مراد پر دلیل ہو سکے اس میں تو قبر مشرف یعنی اونچی قبر کے تسویہ کا امر ہے، مرقات شریف میں ہے :-

ولا قبراً مشرفاً هو الذی بنی علیہ حتی ارتفع -

قبر مشرف اس قبر کو کہتے ہیں جس پر چنائی کی جائے یہاں تک کہ وہ مقدار شرعی سے اونچی ہو جائے -

اور علماء نے اس کو مشرکین کی قبروں پر محمول فرمایا ہے۔ کہ یہ انہیں کی عادت تھی کہ وہ بطریق مباہات اونچی اونچی قبریں بناتے تھے :-

قال المحقق علی الاطلاق العلامۃ بن الهمام هذا الحدیث محمول علی ما کانوا یفعلونہ من تعلیۃ القبور بالبناء الحسن العالی ولیس مرادنا ذلك القدر (بتسنیم القبر) بل قدر ما یبدو من الارض ویتمیز عنها انتهی وقال فی الاکمال معنی التسویۃ ان لا یعلو بناؤها کما کانت قبور المشرکین بل تکون لاصقۃ بالارض ثم تسنم لیتمیز انہ قبر وهو معنی قول الشافعی تسطح ولا تبنی ولا ترفع بل تکون علی وجہ الارض نحوا من شبر انتهی ما فیہ وقال العینی و الجواب عما رواہ الترمذی ان المراد من المشرفۃ المذکورۃ فیہ هی المبنیۃ التی یطلب بها المباهاۃ انتهی -

محقق مطلق علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ یہ حدیث (یعنی حدیث نہی) اُس رسم پر محمول ہے جو عرب میں تھی یعنی اونچی خوبصورت بناؤں سے قبروں کو بلند کرنا اور کوہان نما قبر بنانے سے ہماری مراد قبر کو اتنا بلند بنانا نہیں ہے بلکہ اس مقدار میں اونچی کرنا کہ سطح زمین سے نمایاں اور ممتاز ہو جائے، اور شارح مسلم اکمال میں فرماتے ہیں تسویہ قبر کے یہ معنی ہیں کہ قبور کی بنائیں مشرکوں کی قبور کی مقدار اونچی نہ ہوں بلکہ بصورت کوہان شتر زمین کے قریب ہوں اور امام شافعی کے قول تسطح الخ کے معنی بھی یہی ہیں۔ عینی نے کہا کہ اس حدیث کا جواب جو امام ترمذی نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ مراد قبور مشرفہ (بلند) سے جو حدیث مذکور میں ہے وہ بناء ہے جس سے فخر مطلوب ہو۔

پس اس حدیث پاک سے قبر پر حجرہ وقبہ وغیرہ کے انہدام کا حکم ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور نفس قبر کے انہدام کا حکم بھی ہے تو مشرکین یا یہود و نصاریٰ کی قبروں کا ہے نہ مسلمانوں کی کیوں کہ یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ

باوجود ممانعت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک صحابہ اونچی اونچی قبریں بنا کر حضور کا خلاف کرتے رہے اور خلفائے ثلاثہ نے اس کی ممانعت نہ فرمائی پھر اس حدیث پاک میں مورتوں کے مٹانے کا حکم فرمانا یہ دوسرا قرینہ ہے اس بات پر کہ یہاں انہیں کی قبور مراد ہیں کیوں کہ انہیں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کی قبروں پر مسجدیں بناتے تھے اور اس میں اُن کی تصویریں رکھتے تھے ان کے اگلے لوگوں نے اس کام کو صرف اس غرض سے کیا تھا کہ اُن بزرگوں سے اُنس پیدا کریں اور ان کے افعال صالحہ کو یاد کریں پھر جس طرح انہوں نے ان افعالِ حسنہ میں کوشش کی تھی یہ بھی کوشش کریں لیکن شیطان نے اُن کے بعد کے لوگوں کے دلوں میں ڈالا کہ تمہارے اگلے لوگ ان کو پوجتے تھے لہٰذا حضور نے حکم فرمادیا کہ نہ اونچی قبر چھوڑو نہ تصویر اور نہ یہود و نصاریٰ کی طرح تم قبروں کی جانب سجدہ کرو، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے :-

قالت لما اشتکی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ذکر بعض نسائہ کنیسۃ رأتھا بارض الحبشۃ یقال لھا ماریۃ وکانت ام سلمۃ وام حبیبۃ اتتا ارض الحبشۃ فذکرتا من حسنھا وتصاویر فیھا فرفع رأسہ فقال اولئک اذا مات منھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوروا فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق عند اللّٰہ رواہ البخاری۔ قال القرطبی انما صور اوائلھم الصور لیتأنسوا بھا ویتذکروا افعالھم الصالحۃ فیجتھد کاجتھادھم ویعبدون اللّٰہ عند قبورھم ثم خلفھم قوم جھلوا مرادھم ووسوس الشیطان ان اسلافکم کانوا یعبدون ھذہ الصور ویعظمونھا فحذر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم عن مثل ذالک سدا للذریعۃ المؤدیۃ الیٰ ذالک بقولہ اولئک شرار الخلق عند اللّٰہ قالہ القسطلانی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو بعض ازواج نے کنیسہ (گرجا) کا تذکرہ کیا جس کو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اس کا نام ماریہ تھا اور ام سلمہ اور ام حبیبہ حبشہ گئی تھیں انہوں نے اس گرجا کی خوبصورتی اور اس کی مورتوں کا تذکرہ کیا آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر انور اٹھایا اور فرمایا کہ جب کوئی مرد صالح ان میں مرتا تھا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کردیتے اور ان کی مورتیں اس میں بنا دیتے تھے خدا کے نزدیک یہ (تصویریں) بنانے والے بدترین مخلوق ہیں، امام بخاری نے اس حدیث پاک کو اپنی صحیح میں روایت کیا۔ قرطبی نے کہا کہ پہلے لوگوں نے موانست قلبی اور اُن کے نیک افعال یاد کرنے کے واسطے وہ مورتیں بنائیں تھیں تاکہ انہیں لوگوں کی طرح اعمال صالحہ میں کوشش کریں لیکن عبادت خدا ہی کی کرتے تھے، پھر ان کے بعد جو قوم ہوئی پہلے

لوگوں کی مراد کو نہ سمجھی اور شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالدیا کہ تمہارے اسلاف انہیں صورتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کی عظمت کرتے تھے لہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اولئک شرار الخلق (وہ بدترین مخلوق ہیں) سے اس طریقہ کو جو عبادت صور کی طرف مؤدی تھا رد کرنے کے لئے۔ اس قسم کے افعال کرنے سے منع فرمایا یہ مطلب قسطلانی نے بیان کیا ہے۔

پھر جب یہ ثابت ہے کہ حضور کی اور شیخین کی قبریں مسنم بنائی گئی ہیں اور مسلمانوں کو بھی مسنم قبریں بنانے کی اجازت ہوئی تو اس کے کیا معنی کہ مسلمانوں کی قبروں کو زمین سے برابر کرنے کا حکم دیا جاتا، پس ثابت ہوا کہ یہ حکم قبور کفار کے لئے تھا صحابہ پر ہرگز یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے باوجود ممانعت کے اپنی قبوروں میں قبور کفار کیساتھ مشابہت کی ہو، البتہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے علماء نے مقدار شرعی سے اونچی قبر کرنے کی ممانعت ضرور فرمائی ہے، پس مستحب ہے کہ بقدر ایک بالشت یا اس سے کچھ اونچی قبر کوہان شتر کی صورت میں بنائی جائے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ بہت زیادہ اونچی قبر بنانا مکروہ ہے یا مباح بعض نے مکروہ فرمایا اور بعض نے مباح

فی الازھار قال العلماء یستحب ان یرفع القبر قدر شبر ویکرہ فوق ذلک

انتھی مافی المرقات۔

ازہار (نام کتاب) میں ہے کہ قبر کو ایک بالشت بلند کرنا علماء مستحب کہتے ہیں اور اس سے زیادہ بلند کرنے کو مکروہ۔

اور بدائع میں ہے :-

ومقدار التسنیم ان یکون مرتفعا من الارض قدر شبر او اکثر قلیلا

انتھی مافیہ وقال الکرمانی یسنم ای یرفع القبر استحبابا غیر مسطح قدر

شبر قال صاحب جامع الرموز فیہ اشعار باباحۃ الزیادۃ علی قدر شبر انتھی

مافی جامع الرموز اقول ای قلیلا والافان تفاع القبر باکثر قدر شبر جدا

مکروہ لورود النھی فیہ۔

قبر کو کوہان نما بنانے کی مقدار یہ ہے کہ سطح زمین سے بقدر ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ بلند ہو کرمانی کہتے ہیں کہ قبر کوہان نما بنائی جائے، اور بقدر ایک بالشت اونچی کی جائے سطح نہ کی جائے اور قبر اونچی کرنا مستحب ہے، صاحب جامع الرموز کہتے ہیں کہ اس میں ایک بالشت سے زیادہ اونچی بنانے کی اباحت کا اشارہ ہے۔ میں کہتا ہوں (یعنی اس رسالہ کا مصنف کہتا ہے) کہ ایک بالشت سے تھوڑی اونچی بنانے کی اجازت ہے ورنہ قبر کا ایک بالشت سے بہت زیادہ بلند کرنا مکروہ ہے کیوں کہ حدیث پاک میں اسی کی ممانعت ہے۔

اب یہاں یہ معلوم کرلیا جاوے کہ مکروہ کس کو کہتے ہیں کہ اس میں بھی بہت دھوکا دیا جارہا ہے علماء احناف کے نزدیک مکروہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک مکروہ تحریمی جو حرام کے قریب ہے دوسرا مکروہ تنزیہی جو حلال کے قریب ہے

تکلموا فی معنی المکروہ والمروی عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نصا ان کل مکروہ حرام الا انہ لما لم یجد فیہ نصا قاطعا لم یطلق علیہ لفظ الحرام وعن ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ انہ الی الحرام اقرب (کذا فی الھدایہ) وھو المختار ھکذا فی شرح ابی المکارم ھذا ھو المکروہ کراھۃ تحریم اما المکروہ کراھۃ تنزیہ فالی الحلال اقرب (کذا فی شرح الوقایۃ) والاصل الفاصل بینھما ان ینظر الی الاصل فان کان الاصل فی حقہ اثبات الحرمۃ وانما سقطت الحرمۃ للعارض ینظر الی العارض ان کان مما تعم بہ البلوی و کانت الضرورۃ قائمۃ فی حق العامۃ فھی کراھۃ تنزیہ وان لم تبلغ الضرورۃ ھذا المبلغ فھی کراھۃ تحریم فصار الی الاصل وعلی العکس ان کان الاصل الاباحۃ ینظر الی العارض فان غلب علی الظن وجود المحرم فالکراھۃ للتحریم والا فالکراھۃ للتنزیہ. کذا فی العالمگیری.

مشائخ نے مکروہ کے معنی میں گفتگو کی ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے صریح یوں مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے لیکن چونکہ انہوں نے اس میں کوئی نص قاطع نہیں پائی لہٰذا اُس پر حرام کا اطلاق نہیں کیا اور شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس طرح مروی ہے کہ مکروہ حرام کے قریب ہوتا ہے (یہ تقریر ہدایہ میں ہے) اور یہی مختار ہے (کذا فی شرح ابوالمکارم) یہ تعریف اُس مکروہ کی ہے جس کو مکروہ تحریمی کہا جاتا ہے. رہا مکروہ تنزیہی سو وہ وہ ہے جو حلال سے زیادہ قریب ہو (جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے) اور مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی میں فرق یہ ہے کہ قطع نظر دلائل کراہت سے فعل کی اصل کو دیکھا جاوے اگر اصل فعل اثبات حرمت کا مستحق ہو مگر حرمت کسی عارض کی وجہ سے ساقط ہو تو عارض کو دیکھنا چاہیئے اگر ایسا عارض ہو جس میں عموماً لوگ مبتلا ہوں اور ضرورت بھی سب کے حق میں ثابت ہو تب تو کراہت تنزیہی کہا جائے گا ورنہ کراہت تحریمی اور اگر اصل فعل میں علت ہے مگر کوئی عارض ایسا پیش آیا جو اُس کی حرمت کو چاہتا ہے تو دیکھا جائے اگر اُس عارض کے وجود کا جو حرمت کو چاہتا ہے غالب ظن ہے تب تو کراہت تحریمی ہوگی ورنہ کراہت تنزیہی. کذا فی العالمگیری.

پس محقق ہوگیا کہ قبر کو اونچا کرنا چونکہ خود کوئی حرام فعل نہیں اس کی ممانعت بھی صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں کفار کی مشابہت ہے لہٰذا اسی بنا میں کفار کی مشابہت پائی جائے گی اُس کو مکروہ تحریمی کہا جائے گا

ورنہ مکروہ تنزیہی جس کا حکم یہ ہے کہ اس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہے ۔

کما صرح بہ الفقہاء حیث قالوا المکروہ تنزیہا وھو ما کان ترکہ اولیٰ من فعلہ ویرادف خلاف الاولیٰ ۔ کذا فی الرد المختار ۔

علماء نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہو اور مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ دونوں کے ایک معنیٰ ہیں ۔

اب اہل اسلام خود فیصلہ فرمالیں کہ ہماری قبور میں نصاریٰ وغیرہ کی قبور کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے یا نہیں پس اگر نہیں پائی جاتی اور یقیناً نہیں پائی جاتی تو ان کے توڑنے کا کیسے حکم دیدیا جائے گا اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا بنانا بہتر نہ تھا لیکن جب بن چکیں تو اب ان کا انہدام سخت مذموم ہے علامہ احمد بن علی بصری فصل الخطاب میں فرماتے ہیں :۔

ھذا البناء علیٰ قبور ھٰؤلاء الشھداء من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ علیھم لا یخلوا اما ان یکون واجبا او جائزا بغیر کراھۃ وعلیٰ کل فلا یقدم علیٰ ھدمہ الا رجل مبتدع ضال لاستلزامہ انتھاک حرمۃ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الواجب علیٰ کل مسلم محبتھم ومن محبتھم وجوب توقیرھم ای توقیر لھم عند من ھدم قبورھم انتھی ۔

شہدائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور کی بنائیں دو حال سے خالی نہیں یا واجب ہیں یا بغیر کراہت جائز ہیں اور ہر تقدیر پر سوائے بدعتی اور گمراہ شخص کے ان کے توڑنے کی جرأت کوئی شخص نہیں کر سکتا کہ اس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہتک حرمت لازم آتی ہے ، حالاں کہ ہر مسلمان پر ان کی محبت واجب ہے اور ان کی توقیر کا وجوب اُن کی محبت سے ہے، پھر جس شخص نے اُن کی قبور کو ہدم کیا اُس کے نزدیک اُن کی کیا توقیر رہی ۔

آجکل قبول کے ہدم کے جواز پر بہت کچھ زور دیا جا رہا ہے جس کا اصل منشاء یہ ہے کہ وہ قبہ شریف جس کو قبہ خضراء کہتے ہیں اور جس پر ہر مسلمان کہ جس کے دل میں حقیقی ایمان جلوہ گر ہے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہے اگر خدا نخواستہ منہدم کر دیا جاوے تو مسلمانوں میں اضطراب نہ پیدا ہو مسلمانو خدا کے واسطے دعا کرو اور ہر ممکن سے ممکن تدبیر ایسی عمل میں لاؤ جس سے وہ روز بد ہمارے سامنے نہ آئے جس کے تصور سے جان پر بنی جاتی ہے آہ یہ وہ گنبد اقدس ہے جس پر نظر کرنے کو ہمارے علماء اسی طرح عبادت لکھ رہے ہیں جس طرح بیت اللہ پر نظر کرنے کو عبادت کہتے ہیں چناں چہ شیخ رحمہ اللہ تلمیذ محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ منسک المتوسط میں اور ملا علی قاری اُس کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

ولیغتنم ایام مقامہ بالمدینۃ المشرفۃ فیحرص علی ملازمۃ المسجد والاعتکاف

والختم ولو مرة منه واحیاء لیله وادامة النظر الی الحجرة الشریفة (ای ان تیسر) او القبة المنیفة (ان تعسر فاو للتنویع) مع المهابة والخضوع (ای وع الخشیة والخشوع ظاهر اوباطنا) فانه (ای النظر المذکور) عبادة کالنظر الی الکعبة الشریفة انتہی

مدینہ شریف میں اپنے قیام کے دنوں کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور مسجد نبوی میں بنا بر حضوری اور اس میں اعتکاف اور ختم قرآن اگرچہ ایک بار ہو اور شب بیداری اور حجرہ شریف کی طرف (اگر یہ میسر ہو یا قبہ بلند کی طرف اگر حجرہ شریف کی جانب نظر دشوار ہو) برابر نگاہ جمائے رکھنے کی حرص ہونی چاہیئے کیوں کہ حجرہ شریف یا قبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے جس طرح کعبہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے۔ بلکہ بعض علماء ادب کی راہ سے آنکھ اٹھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے چناں چہ علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

یلازم الادب والخشوع والتواضع غاض البصر کما کان یفعل بین یدیہ فی حیاته (اذ ھو حی) ویستحضر علمه بوقوفه بین یدیه علیه الصلوٰۃ والسلام وسماعه لسلامه کما ھو فی حیاته ۔ انتہی

زائر کو چاہیئے کہ اس دربار عالی میں ادب عاجزی و تواضع کو لازم پکڑے نظر نیچی رکھے جس طرح حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری میں کرتا کیوں حضور اب بھی زندہ ہیں اور اس بات کو دل میں جمائے رکھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی درگاہ میں میری حاضری کا علم اسی طرح ہے اور میرے سلام کو اسی طرح سنتے ہیں جس طرح کہ آپ اپنی حیات ظاہری میں دیکھتے اور سنتے تھے۔

افسوس جس بارگاہ بیکس پناہ کے حضور علما زور سے بات کرنے کو بھی ناجائز جانیں وہاں یہ ستم کہ گولوں کی دل دہلا دینے والی آوازیں گونج رہی ہیں تفسیر روح البیان میں ہے:۔

وقد کرہ بعض العلماء رافع الصوت عند قبرہ علیه السلام لانه حی فی قبرہ۔ انتہی

بے شک مکروہ جانا ہے بعض علماء نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر شریف کے نزدیک آواز کے بلند کرنے کو کیوں کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔

خدا کی قسم میں اس سے کہ اس قبہ شریف کی توہین کے متعلق کچھ سنتا یہ بہتر جانتا تھا کہ میرے کان پھوٹ جاتے بلکہ اس سے پہلے میرا وجود ہی نہ رہتا ؎

سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے ۔ جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

فقط واللہ تعالیٰ بالصواب اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔ تحریر بتاریخ ۱۰ صفر المظفر ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵ء)

حررہ محمد مظہر اللہ غفرلہ نقشبندی مجددی
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۶۷) ایک امام صاحب خود کو افضل العلماء تصور کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ قیام فی المولود کرنے والا بڑا گنہ گار، بدعتی اور مشرک ہے اگر تمثیلاً چند علماء سابقین کے نام لئے جائیں تو ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ لاعلم و مجہول مطلق تھے۔ امام صاحب مذکور کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کسی کے لئے تعظیماً قیام کرنا جائز نہیں اور اس کے لئے یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ایک روز حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی مجلس میں تشریف لائے، جب صحابہ تعظیماً کھڑے ہوئے تو آپ نے منع فرمادیا کہ میرے آنے پر ہرگز مت کھڑے ہوا کرو، لیکن ان خیالات کے باوجود امام صاحب خود ایک غیر متشرع شخص کے لئے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے نیز قیام فی المولود اور استقبال وغیرہ از روئے شرع درست ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب هو الموفق للصواب

دینی بزرگوں میں سے کسی کے لئے تعظیماً قیام کرنا بلا شبہ مباح بلکہ مستحب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے اور ان کا حضور اقدس کے لئے قیام فرمانا جس پر دلیل صریح ہے۔ بکثرت علمائے اعلام نے اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح فرمائی یہاں تک کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ "تعظیم دین دار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے فقط" اور جس حدیث کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے اس میں الفاظ لا تقوموا کما یقوم الاعاجم، مروی ہیں جن سے اس قیام کی ممانعت فرمائی گئی ہے جو قیام عجمیوں میں مروج تھا اور وہ یہ تھا کہ بادشاہ کے بیٹھے ہوئے ہونے پر بھی ارکان سلطنت و رعایا ان کے سامنے کھڑے رہتے تھے چنانچہ بعض شارحین نے اس حدیث کی شرح میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

رہا بیان ولادت شریف میں کھڑے ہو کر مدحت نبوی کرنا اور سلام پڑھنا سو یہ ایک فعل مباح ہے کہ نہ اس کی ذات میں کوئی قبح نہ دلائل شرعیہ میں سے کوئی دلیل اس کی منع پر وارد بس اس کو ممنوع نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر شریف کی چونکہ تعظیم کی نیت سے کی جاتی ہے بدیں وجہ اس کو مستحسن و مستحب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہر وہ فعل جو حضور اقدس یا آپ کی کسی منسوب شے کی تعظیم و توقیر کے لئے کیا جائے نظر شارع میں محمود ہے ایسے فعل کو بدعت کہنا کسی طرح مناسب نہیں کہ مطلقاً بدعت کا اطلاق بدعت سیئہ پر آتا ہے اور یہ ہرگز بدعت سیئہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام
محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۶۸)

(۱) میلاد شریف کے وقت تعظیم کرنی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) فاتحہ سوم، دسواں، بیسواں، مہینہ، چالیسواں دن مقرر کر کے کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۳) اگر ایک شخص ایک من جَو کسی کو ادھار دیتا ہے پھر وہ یوں کہے کہ بجائے جَو کے مجھ کو گندم دیدے یہ جائز ہے یا نہیں؟

مستفتی

محفوظ علی پیش امام جامع مسجد جالوسانہ
۹ راگست ۱۹۳۲ء

ھُوالموفق

(۱) بیان ولادت شریف کے ختم پر صرف اس خیال سے کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کہ سرکار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں جب ہمارا سلام پہنچایا جائے تو ہماری تعظیمی ہیئت بھی پیش ہو، جائز و مستحسن امر ہے لانہ لاممانعۃ لھٰذا القیام فی الشریعۃ المطہرۃ بل قال علیہ السلام فی مثل ھٰذہ الافعال "ما راٰہ المومنون حسنًا فھو عنداللہ حسن" واتفق اکثر اھل السنۃ علیٰ ان ھٰذا القیام مستحسن بل قیل ان علیہ الاجماع۔ فقط
(۲) ہاں جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ یہ خیال نہ کر لیا گیا ہو کہ ثواب انہیں تاریخوں میں پہنچے گا یا ثواب میں ان دنوں میں کچھ زیادتی ہو گی کہ ایسا خیال بدعۃ مذمومہ ہے۔ رہا بلا اس خیال کے صرف کسی مصلحت سے تقرر یوم سو وہ بلاشبہ جائز ہے کہ اس کی ممانعت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں فقط
(۳) یہ جائز نہیں کہ نہ ایک چیز کو ادھار دے کر اس کی عوض دوسری شے کا لینا جائز ہے نہ اکیلی چیز کو اکیلی چیز کی سلم میں دینا روا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۶۹) میلاد خوانی اور بارہویں شریف کے موقع پر جلوس وغیرہ نکالنا شرعاً کیسا ہے۔
بینوا وتوجروا۔

(مستفتی) فضل احمد ——— کراچی

الجواب

میلاد خوانی بشرطیکہ صحیح روایات کے ساتھ ہو اور بارہویں شریف میں جلوس نکالنا بشرطیکہ اس میں کسی

فعل ممنوع کا ارتکاب ہو، یہ دونوں جائز ہیں، ان کو ناجائز کہنے کے لئے دلیل شرعی ہونی چاہیئے، مانعین کے پاس اس کی ممانعت کی کیا دلیل ہے؟ یہ کہنا کہ صحابۂ کرام نے نہ کبھی اس طور سے میلاد خوانی کی نہ جلوس نکالا۔ ممانعت کے دلیل نہیں بن سکتی کہ کسی جائز امر کو کسی کا نہ کرنا اس کو ناجائز نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(اگست ۱۹۵۵ء)

(نمبر ۲۷۰)

الجواب

(۱) زید غلط کہتا ہے، وہ شرک کے معنی نہیں جانتا، شرک یہ ہے کہ کوئی کسی مخلوق کی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات یا صفات جیسی قدیم سمجھے یا کسی کو عبادت کا مستحق سمجھے، جو باتیں اس نے کہیں ہیں ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں، ہاں اگر کوئی ان کو بالذات مدد دینے والا سمجھ کر ان سے مدد مانگے تو وہ یقیناً شرک ہے لیکن میں نے کوئی ایسا بریلوی نہیں دیکھا۔

(۲) جو شخص ان افعال کو ناجائز بتلاتا ہے اس سے حدیث طلب کیجئے کہ کس حدیث میں ان افعال کو ناجائز کہا ہے جائز کہنے والے کے لئے یہ حدیث کافی ہے فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ۔

(۳) جب تک کسی امام کا فعل شریعت مطہرہ کے خلاف ایسا نہ ثابت ہو جس سے مسلمان کافر یا فاسق ہو جاتا ہے اس وقت تک اس کے پیچھے نماز سے روکنے والا گنہگار ہوگا۔

(۴) میلاد شریف میں نعت پڑھنا جائز ہے اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنا بھی جائز ہے۔

(۵) شوق وذوق میں یا درود شریف میں "یا محمد" کہنا بھی جائز ہے، یہ محض غلط ہے کہ 'یا' کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے بولنا جائز ہے دوسرے کے لئے شرک ہے، اگر لوگ نماز میں ہوں تو جہر سے کلمہ شریف پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
(۴ر جنوری ۱۹۵۹ء)

لہ ان سوالات کے مستفتی میاں جی مشتاق احمد اشرفی (امام مسجد موضع رسول پور ضلع بجنور) ہیں، مسودے کے فائل میں سوالات درج نہیں، صرف جوابات ہیں، ان سے خود بخود سوالات کی نوعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

(سوال نمبر ۲۷۱)

(۱) گیارہویں شریف جب شرعاً ممنوع ہے تو اس کی ممانعت کس آیت یا حدیث میں وارد ہے، وہ آیت یا حدیث مع سند و حوالہ کتاب و صفحہ و سطر ارقام فرمادیں۔

(۲) زید عرصہ سے گیارہویں شریف کرتا ہے اور تخصیص یوم کو اپنے عقیدہ میں فرض و واجب نہیں جانتا ایسی حالت میں گیارہویں شریف کے کھانے کھلانے کا ثواب پہنچے گا یا نہیں۔ ثبوت قرآن و حدیث سے عنایت فرمائیے؟

(۳) بدعت شریعت میں کسے کہتے ہیں اس کی صحیح جامع مانع تعریف ارقام فرمائیے؟

(۴) تعریف بدعت، اس ایصال ثواب پر کیسے صادق آتی ہے اس کا انطباق اس پر کس طرح ہوتا ہے اس کی مفصل تقریر ارقام فرمائیے تاکہ کم علم لوگ اچھی طرح سمجھ لیں؛ فقط بینوا و توجروا۔

حافظ عبدالحکیم پانی پتی حال دہلی — محمد رفیق پروپرائیٹر ہمدرد

وفقیر سید اخلاق حسین عفر لہما۔ — اسحاق منزل اجمیری گیٹ دہلی

الجواب

(۱) گیارہویں کی حقیقت کیا ہے اگر اس سے مراد صرف یہ ہے کہ حضرت سید نا محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک کو کسی عبادت بدنیہ کا ثواب پہنچایا جائے تو اس میں شریعت مقدسہ نے کسی خاص تاریخ کی تعیین کہاں فرمائی ہے ایصال ثواب کے لئے یوم وصال کو خاص کرلینا یا اس کو زیادہ باعث ثواب سمجھنا اک خود ساختہ خیال ہے، جس کی ادلہ شرعیہ میں کوئی دلیل نہیں۔ ایصال ثواب شریعت میں جائز بلکہ مستحسن ہے مگر اس کی صورت یہ ہے کہ جو شخص کسی عبادت بدنیہ مثلاً نماز روزہ قرأت قرآن پاک وغیرہ کا ثواب پہنچانا چاہے، وہ خود وہ عبادت کرے اور جس وقت کر سکے اور جس قدر کر سکے اس وقت اس قدر کرے اور حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے اس عبادت پر جس ثواب کا مستحق وہ شخص ہوا ہے اس ثواب کو یہ اس شخص کے لئے بخش دے، نہ اس میں کسی خاص چیز کی قید ہے اور نہ کسی خاص وقت کی اور نہ کسی خاص ہیئت کی یہ تو ایصال ثواب کی شرعی صورت ہے اس کے علاوہ خاص چیزوں یا خاص وقتوں یا خاص ہیئت کی قید و خصوصیت بڑھانا دین میں اپنی رائے سے انشا کرنا ہے اور یہ بدعت ہے۔ احکام شرعیہ سب خدا اور رسول کے احکام و نصوص سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ان الحکم الا للہ، "حکم تو صرف اللہ ہی کے لئے ثابت ہے"۔ اور حضور نے فرمایا ہے من احدث فی امرنا لھذا ما لیس منہ فھو رد۔ "جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسا کام نکالے جو دین سے نہیں ہے یعنی اس کے مخالف ہے تو احکام مردود ہے"۔ پس یہ قیود و تخصیصات خود ساختہ بدعت ہیں۔

(۲) اگر صدقہ کیا گیا اور اس میں تخصیص یوم یا تخصیص شے متصدق بہ کی گئی تو صدقہ کا ثواب تو ملے گا مگر اس تخصیص مبتدعہ کے ارتکاب کا مواخذہ بھی ہوگا، اگر اس شخص کے خیال میں تعیین یوم فرض و واجب

نمیں مگر ثواب کے حصول یا زیادت ثواب کے لئے مؤثر جانتا ہے یہ بھی بدعت ہے ہاں اگر زیادت ثواب کے لئے نہ مؤثر سمجھے اور نہ حصول ثواب کی شرط قرار دے صرف اتفاقی طور پر یا سہولیت کار کے لئے دن مقرر کرے اور وہ گیارہویں ہی کو مقرر کرے تو اس کا فعل فی حد ذاتہ جائز ہوگا، مگر چونکہ ایسے لوگوں کے لئے جو اس تعیین کو شرعی سمجھتے ہیں موجب سوءِ عقیدگی یا حجت ہو سکتا ہے اس لئے ترک ہی بہتر ہے۔

(۳) بدعت ہر اس رسم یا عقیدہ وخیال کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور اس کو ثواب یا دین کا کام سمجھ کر کیا جاوے یا چھوڑا جائے، پس امور معاشیہ تمدنیہ جو دین کا کام سمجھ کر نہیں کئے جاتے قطعاً اس سے باہر ہیں اور ایصال ثواب کے لئے دن کی تعیین کرنا کہ اس دن میں ثواب پہنچتا ہے یا اس دن میں زیادہ ثواب ہے یہ عقیدہ بدعت ہے کہ اس کی نہ تو شریعت میں اصل ہے اور نہ یہ امور معاشیہ تمدنیہ میں داخل ہے بلکہ ایک شرعی حیثیت رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی

ھُوالموفق

مجیب اول کے نفس جوابات کی صحت میں اصلاً کلام نہیں البتہ غیر مستفسرہ سوالات کے جوابات کی طرف توجہ ہو جانے کی وجہ سے مستفسرہ سوالات کے جوابات کسی قدر نامناسب پیرائے میں تحریر میں آئے جس کی وجہ سے مجیب ثانی صاحب[1] کو اس کی غلطی کا دھوکا ہوا، ہمارے عرف میں گیارہویں شریف اُس ایصال ثواب کو کہا جاتا ہے جو گیارہویں تاریخ اہل اسلام حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پُر فتوح کے لئے کرتے ہیں یا بارہویں شب اپنے مولا و ملجا سید عالم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں بطور نذر و ہدیہ بعض اعمال صالحہ کا ثواب پیش کرتے ہیں سو مسئلہ ایصال ثواب میں تو اہل سنت میں سے کسی کو کوئی اختلاف ہی نہیں رہا مسئلہ تعیین یوم سو یہ کچھ تفصیل چاہتا ہے —

توقیت (یعنی وقت معینہ پر کسی کام کو رکھنا) دو حال سے خالی نہیں یا شرعی ہوگا یا عادی توقیت شرعی یہ کہ شارع نے کسی کام کے لئے خود وقت مقرر فرما دیا خواہ اس طرح کہ اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں وہ کام ہو ہی نہیں سکتا جس کے لئے وہ وقت معین کیا ہے جیسے قربانی کے لئے ایام نحر پس اگر ایام نحر کے سوا دوسرے ایام میں جانور ذبح کیا جائے گا تو قربانی نہ ہوگی یا اس طرح کہ دوسرے وقت میں وہ کام ہو تو سکتا ہے لیکن بلا عذر تقدیم و تاخیر جائز نہیں جیسے پنج وقتہ نمازوں کے اوقات معینہ یا تقدیم و تاخیر بھی جائز لیکن زیادتی ثواب اسی وقت معین میں ہے جیسے نمازوں کے لئے اوقات مستحبہ، غرض ان مذکورہ صورتوں میں سے اگر کوئی صورت ہے تو وہ توقیت شرعی ہے ورنہ عادی، توقیت عادی کا مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے تو ہر وقت اجازت ہے لیکن مصلحت یا مناسبت کی وجہ سے کسی قوم یا کسی خاص شخص

[1] (یعنی مولانا عبدالرسول لکھنوی جنھوں نے پہلے جواب کا رد لکھا تھا)

نے اس کام کے لئے ایک وقت خاص اختیار کر لیا ہے مثلاً وعظ و نصیحت کرنا ہر وقت جائز ہے لیکن اس زمانہ میں اکثر علماء نے نماز جمعہ کے بعد وعظ فرمانا اختیار کر لیا ہے سو ایسی تقرریہ و تعیین ممنوع نہیں، گیارہویں شریف اعراس و سوم و چہلم وغیرہ میں تخصیص یوم اس ہی قبیل سے ہے پس ممنوع نہیں چنانچہ مجیب اول نے اس کے جواز کو اپنے اس کلام میں کہ اگر سہولیت کار کے لئے دن مقرر کرے اور وہ گیارہویں کو ہی مقرر کرے تو اس کا فعل فی حد ذاتہ جائز ہوگا، بالتصریح بیان فرما دیا۔

مسلمان ایصال ثواب میں تخصیص یوم اس ہی غرض سے کرتے ہیں کہ اس میں سہولت میسر ہے اور اس صورت میں آسانی کے ساتھ ایصال ثواب ہوتا رہے گا ورنہ دشوار ہو جائے گا، اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس کام کے لئے وقت مقرر نہیں کیا جاتا وہ معرض تعویق ہی میں رہ جاتا ہے، رہی یہ بات کہ مجیب اول نے بعض مصالح کی وجہ سے اس کے ترک کو بہتر فرمایا سو یہ انکا ایک اتفاقی مشورہ ہے کوئی عمل کرے یا نہ کرے مختار ہے اس سے مجیب ثانی صاحب کا یہ سمجھ لینا کہ انہوں نے گیارہویں شریف کو ناجائز کیا اور اس تقدیر پر ان کے جواب کو غلط کہنا محض ناانصافی ہے اس ہی طرح مجیب اول کے اس کلام "ایصال ثواب کے لئے یوم وصال کو خاص کر لینا الخ" سے اس کی ممانعت مستفاد نہیں ہوتی۔

اس میں اگر ممانعت ہے تو صرف اس کی ہے کہ تقرر کو شریعت مطہرہ کے تقرر کے مانند نہ تصور کر لیا جاوے یعنی یہ نہ خیال کر لیا جاوے کہ اس تاریخ کے سوا دوسری تاریخوں میں ثواب ہی نہیں پہنچ سکتا یا پہنچ تو جائے گا لیکن دوسرے وقت ثواب پہنچانا جائز نہیں یا جائز تو ہے لیکن اس تاریخ میں زیادہ ثواب پہنچے گا کہ ایسا خیال یقیناً بدعت ہے کہ شارع کے اطلاق کو اٹھاتا ہے، اسی طرح یہ خیال کر لینا کہ اس خاص تاریخ میں ثواب نہیں پہنچے گا یا پہنچ تو جائے گا لیکن جائز نہیں یا جائز تو ہے لیکن غیر معین اوقات میں زیادہ ثواب پہنچے گا سو یہ خیال بھی بدعت ہے کہ یہ بھی شارع کے اطلاق کو اٹھانے والا ہے، البتہ جو وقت کہ ایصال ثواب کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اگر وہ وقت بھی ایسا ہے کہ اس میں ثواب کی زیادتی شارع سے ثابت ہے تو اس میں ایسا خیال کرنا بھی صحیح ہے چنانچہ رمضان شریف میں کوئی عمل کر کے اس پر زیادتی ثواب کا متوقع ہونا کہ یہ بلاشبہ جائز ہے۔

غرضیکہ توقیت و تخصیص یوم نہ مطلقاً بدعت ہے اور نہ مجیب اول نے اسے بدعت کہا بلکہ جو توقیت بدعت نہ تھی اس کا صاف اظہار کر دیا۔ قطع نظر اس کے کہ شارع سے ایسی تخصیص کی کسی وقت پر بھی کوئی دلیل نہیں چہ جائے کہ حرمت پر، اگر تتبع کیا جاوے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ السلام کے زمانہ مبارک سے لے کر اس وقت تک ہر زمانہ میں کروڑوں ہی صلحائے امت ایسے ملیں گے جو ہمیشہ ایسی تخصیص پر کاربند ہے پس اس کو بدعت کیسے کہا جا سکتا ہے بلکہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے چنانچہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن یوم الاثنین فقال فیہ ولدت وفیہ انزل القرآن علیّ۔ رواہ المسلم۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور یہ کیا وجہ ہے کہ آپ پیر کے دن روزہ رکھتے ہیں فرمایا اس روز میں نے اپنے جلوہ سے اس دنیا کو روشن کیا ہے اور اسی روز مجھ پر کلام الٰہی نازل ہوا ہے تو اس کے شکریہ میں میں اس روز روزہ رکھتا ہوں۔

اب دیکھئے کہ شکریہ کے روزہ رکھنے کے لئے ہر دن کو استحقاق مساوی درجہ کا حاصل تھا لیکن حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف اس مناسبت سے کہ جس کے شکریہ میں یہ روزہ رکھا جاتا ہے اس کا حصول پیر کے روز ہوا ہے لہٰذا اس روزہ کے لئے پیر کا روزہ اختیار فرمایا اور اس میں اپنی امت کو اشارہ فرمادیا کہ ایسی تخصیص تمہارے لئے جائز ہے۔

الحاصل تخصیص عادی کی شارع سے ممانعت نہیں اور تخصیص عادی کو تخصیص شرعی کے حکم میں جاننا کھلی بدعت ہے یہی حال تخصیص شے متصدق بہ کا بھی ہے کہ اگر عادتاً تخصیص واقع ہوئی جائز اور اس کے ساتھ شرعی تخصیص کے احکام میں سے کسی حکم کو لاحق کیا تو بدعت ہے اور یہی مجیب اول کا منشاء ہے کہ ان کے جواب کا حاصل صرف یہ ہے کہ اگر گیارہویں کو فرض، واجب جاننے کے ساتھ یہ بھی عقیدہ نہ ہو کہ اسی پر تاریخ میں ثواب پہنچتا ہے یا اس تاریخ میں زیادہ ثواب پہنچتا ہے تو ایسے شخص کے لئے گیارہویں شریف جائز ہے۔

پس اس کو غلط کہنا کسی طرح صحیح نہیں۔ رہا یہ کہ اس تخصیص کو مسلمانوں میں سے ایسا کون ہے جو تخصیص شرعی کے حکم میں جانتا ہے صرف ایک احتمال بعید پر نظر رکھ کر جواب دینے کی کیا ضرورت تھی، سو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر ایسا شخص بھی تو نظر نہیں آتا جو اس کو فرض و واجب جانتا ہو پس جب سائل نے احتمالات کی طرف متوجہ ہو کر بعض احتمالات کو دفع کیا تو مجیب کو پھر لازم تھا کہ دوسرے احتمالات کا بھی جواب دیتا دوسرے یہ بات کیا ضروری ہے کہ مجیب ثانی صاحب کے علم میں ایسے اشخاص نایاب ہیں تو مجیب اول کے علم میں بھی نہ ہوں، ممکن ہے کہ ان کو ایسے اشخاص کا علم ہو لہٰذا ان کو ایسے اشخاص کے متعلق بھی جواب دینا ضروری ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری، دہلی

(نوٹ) فتویٰ نمبر ۲۶ ۲۰ ۱۳۴۳ھ رشتہ ۱۹۲۵ء میں بعنوان "کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب" جید پریس، دہلی میں رسالے کی صورت میں طبع ہو کر شائع ہو گیا تھا، اسی طرح فتویٰ نمبر ۱۷۰۲ بھی ۱۳۴۶ھ رشتہ ۱۹۲۷ء میں بعنوان "تحقیق الحق" اعلیٰ پریس، دہلی میں رسالے کی صورت میں طبع ہو کر شائع ہو گیا تھا، یہ دونوں فتوے انہیں مطبوعہ رسائل سے نقل کئے گئے ہیں ان رسائل میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے جوابات پر پاک و ہند کے بیشمار علماء کی تصدیقات تھیں جو بخوف طوالت نظر انداز کر دی گئیں۔ (مرتب)

(سوال نمبر ۲۷۲) محمد عارفین اور عبدالتواب میں جھگڑا ہوا، محمد عارفین نے یہ کہا کہ حسینؓ کے نام کا شربت میں حرام مثل پیشاب کے سمجھتا ہوں کیوں کہ وہ غیر اللہ کے لئے ہے اسی کو حضرت مولینا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ میں فرمایا ہے، محرم میں ذکر شہادت حسین علیہ السلام کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا، دودھ پلانا، شربت پلانا، چندہ سبیل شربت میں دینا نادرست تشبہ بروافض کی وجہ سے حرام ہے۔

عبدالتواب نے کہا سبیل اور شربت امام حسین علیہ السلام سب شیعہ سنی ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں، استغفر اللہ تم ایسی بیہودہ بات کہتے ہو، تم کو شرم نہیں آتی، جب جھگڑا دونوں میں بڑھا تو محلہ والوں نے یہ طے کیا ہے کہ اگر مولوی احتشام الحق صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب اور محمد متین صاحب خطیب اور مولوی عبدالجبار صاحب فرمادیں گے تو مان لینا اس لئے کہ کراچی میں سب سے بڑے یہی عالم ہیں، براہ کرم جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

مستفتی

عنایت اللہ۔ کراچی

۱۲ ستمبر ۱۹۵۴ء

(نوٹ) یہ سوال پہلے مولانا محمد صدرالدین کے سامنے پیش کیا گیا، موصوف نے شربت اور سبیل وغیرہ کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے، مولانا احتشام الحق تھانوی نے اس کی تصدیق فرمائی ہے، پھر اسی قسم کا ایک جواب مولانا محمد مظہر بقا نے دیا ہے جس کی تصدیق مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب (کراچی) نے ان جوابات کا رد فرمایا ہے جس کی تصدیق بیشمار علماء نے فرمائی۔ حضرت قبلہ قدس سرہ نے تصدیق فرماتے ہوئے جو جواب تحریر فرمایا پیش ناظرین ہے۔ سوال مذکور مع اجوبہ رسالہ شمشیر صداقت میں شائع ہو چکا ہے جو ۱۳۷۴ھ میں فضل احمد صاحب نے کراچی سے شائع کیا تھا، یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

ھُوَ المُوَفِّقُ المُسَدِّد

میاں عارفین کے معارف کے ایک نمونے سے تعارف ہوا، ان کا یہ قول بد تر از بول ہے، اس سے قبل بھی بعض احباب بیان کرتے تھے کہ وہابیہ حضرت امام ہمامؓ کی فاتحہ کے شربت کی شان میں ایسے ناپاک الفاظ کا استعمال کرتے ہیں لیکن یقین نہ آتا تھا کہ اس کو تو محققین نے عام اشیاء مباحہ میں بھی شمار نہیں کیا بلکہ متبرک بتلایا ہے، کوئی مسلمان اس کو کیسے نجاست غلیظہ سے تشبیہ دے سکتا ہے لیکن آج یہ استعجاب جاتا رہا اور ثابت ہو گیا کہ حقیقت میں احباب صحیح فرماتے تھے۔ ایسے بھی غلیظ نفوس رکھنے والے موجود ہیں جن کے نفس کی غلاظت ان کے منہ سے نکلتی رہتی ہے، سچ ہے کل اناء یترشح بما فیہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت فرمائے اور ایسے پاک لوگوں کا اتباع نصیب فرمائے جو کسی جلیل القدر کے ساتھ منسوب شئے کو بھی متبرک اور مستحق عظمت خیال کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی تباہی ادب سے جب ایمان میں نقص ہوتا ہے جب ہی انسان سے ایسے

ناپاک لفظ صادر ہوتے ہیں اور جس قدر قلب میں صفائی اور ایمانی قوت ہوتی ہے اس قدر آپ ملاحظہ کریں گے کہ ایسی اشیاء کی اس کے دل میں عزت ہوگی۔ اور اس کے متعلق عظمت بھرے الفاظ صادر ہوں گے ایمان میں جب ضعف ہوتا ہے تو عقل سلیم بھی جاتی رہتی ہے اور شیطان اس کے قلب میں یہ واضح کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عظمت کرنا حرام بلکہ شرک ہے۔ یہ سمجھ ہی میں نہیں آسکتا کہ جس کی عظمت بھی کی جاتی ہے محض اس وجہ سے کہ اس کا تعلق معظم حقیقی کے ساتھ پاتے ہیں یا کسی کے اکرام کے لئے خود اسی کا یا اس کے رسول کا حکم پاتے ہیں۔ تو حقیقت میں ان اشیاء کی عظمت و اکرام اسی تبارک و تعالیٰ کی عظمت و اکرام ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ محبت اور ان کا اکرام محض اللہ ہی کے لئے کیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ بلاشبہ دلوں کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے اور حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ ما احب عبد عبدا الا اکرم ربہ عز وجل۔ یعنی بندہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا اکرام اور بزرگی کرتا ہے اور فرمایا ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم یعنی مسلمان بوڑھے کا اکرام کرنا بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اجلال و اکرام سے ہے، غرض یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی تعظیم جائز نہیں بالکل غلط ہے۔

خود اس ذات قدسی صفات سے (جس کی عظمت و جلالت کے آگے ہر مخلوق کا سر جھکا ہوا ہے) بعض ایسی چیزوں کا ادب فرمایا ہے جس کی نسبت کسی بزرگ کے ساتھ ملاحظہ فرمائی ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ سے کنز العمال میں یہ روایت منقول ہے کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:-

ہم مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے اور اس وقت خانۂ کعبہ میں اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی حضرت نے اشارہ فرمایا تو جتنے بت تھے سب ونددھے ہو گئے پھر فرمایا جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا اس کے بعد خانۂ کعبہ میں تشریف فرما ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی فرائی فیہ تمثال ابراھیم و اسمٰعیل واسحاق قد جعلوا فی ید ابراھیم الازلام یستقسم بہا فقال رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قاتلہم اللہ ما کان ابراھیم لیستقسم بالازلام ثم دعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بزعفران فلطخہ بذلک التماثیل اہ

یعنی حضور نے اس میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق علیہم السلام کی تصاویر رکھی ہیں اور ابراہیم کی تصویر کے ہاتھ میں تیر دے رکھے ہیں جس سے کفار فال دیکھا کرتے تھے۔ فرمایا خدا ان کو قتل کرے ابراہیم علیہ السلام تو تیروں سے فال نہیں لیتے تھے۔ پھر حضور نے زعفران منگائی اور ان تصاویر پر اس کو مل دیا، (تاکہ تصویریں اپنی حالت پر نہ رہیں) انتہی

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بتوں ہی کا حکم رکھتی تھیں جن کی توہین کا حکم کیا جا چکا تھا اور فی الواقع ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی؟ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جیسا چاہا گھڑ رکھی تھیں لیکن چوں کہ ان کو ان حضرات سے

نسبت کر رکھا تھا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور نے مٹایا بھی تو معطر زعفران سے سبحان اللہ کس قدر ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو مگر اس کے ساتھ بھی ایک قسم کی رعایت ادب ہی کی گئی۔ اب خیال کیجئے کہ جب خود سرکار دو عالم جن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام سے بھی کہیں اونچا ہے ایسی بے اصل چیز کے ساتھ صرف نام کی نسبت کی وجہ سے عزت فرمائیں تو ہم کو ان اشیاء کے ساتھ جن کی نسبت کسی جلیل القدر بزرگ کے ساتھ ہو کس درجہ کا ادب کرنا زیبا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس شربت کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ:۔

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرات امامین نمایند و بر آں فاتحہ و قل و درود بخوانند متبرک می شود خوردن آں بسیار خوب است۔ (ص۔ ۲۷ تا ۲۹)

یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ میاں عارفین اور ان کے ہم خیال لوگوں نے اس شربت پر امام ہمام علیٰ نبینا و علیہ السلام کے نام مبارک آنے کی وجہ سے یہ ناپاک حکم لگایا ہو تو اس شبہ کا استیصال ام سعد والی حدیث سے بخوبی ہو چکا ہے جس کا ذکر عزیزی مولوی مظفر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جواب میں کیا ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما احد اذا اراد ان یتصدق بصدقۃ ان یجعلھا لوالدیہ اذا کانا مسلمین فیکون لوالدیہ اجرھا ویکون لہ مثل اجورھما من غیر ان ینقص من اجورھما شئی۔ کذا فی احیاء العلوم امام الغزالی۔

یعنی اگر کوئی شخص صدقہ دینا چاہے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ اپنے ماں باپ کے نام سے دیدے جب کہ وہ مسلمان ہوں پس اس کا ثواب ان دونوں کو ملے گا اور اس کو بھی انہیں کے برابر ثواب ملے گا بدون اس بات کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی ہو۔

قطع نظر دلائل شرعیہ کے عقل خود اس کا فیصلہ کرتی ہے کہ کسی شے کے ساتھ کسی کے نام کی نسبت کر دینا اس کو بہر صورت حرام نہیں کر سکتی، اس لئے کسی شے کی اضافت کسی دوسری شے کے ساتھ عبادت کے معنی ہی میں منحصر نہیں جس کو ہر جاہل بلکہ اجہل بھی بخوبی جانتا ہے، اضافت کے لئے ایک ادنیٰ علاقہ بھی کافی ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے مکان اپنے فلاں بچے کے نام خرید لیا یا اس کے نام کر دیا تو کوئی یہ نہ کہے گا کہ اس نے شرک کیا کہ غیر اللہ کے نام پر کر دیا اب اس میں سکونت حرام ہے یا کوئی یہ کہے کہ پاکستان میرا ملک ہے، کوئی یہ نہ سمجھے گا کہ یہ اس کی ملک کا دعویٰ کر رہا ہے، محض اس علاقہ سے کہ وہ اس میں رہتا ہے اس کو اپنی طرف اضافت دے رہا ہے ———— ———— یہاں تک کہ عبادت خالصہ کو غیر اللہ کی طرف ایک علاقہ کی وجہ سے اضافت دی جاتی ہے چناں چہ حدیث میں آتا ہے ان احب الصیام الی اللہ صیام داؤد اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ تر داؤد (علیٰ نبینا و علیہ السلام) کا روزہ ہے، درالمختار میں ہے عن المنذ وبات صلوٰۃ التوبۃ بلکہ خود قرآن کریم میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں، پس اگر اس علاقہ کی وجہ سے کہ اس کا ثواب چوں کہ بارگاہ امام عالی مقام میں خصوصیت

کے ساتھ پیش کرنا مقصود ہے کسی نے سبیل کو حضرت امام کے نام کی کہہ دیا تو کیوں اس پر ایک ناپاک حکم لگا کر شربت کو حرام کہا جاسکتا ہے۔

میاں مانعین (معترض) نے اپنے قول کی صحت پر فتاوی رشیدیہ کی ایک عبارت پیش کی ہے۔ اول تو اس میں بھی شربت پر کوئی حکم نہیں لگایا ہے اس میں تشبہ بروافض کی وجہ سے سبیل لگانے کو حرام بتلایا ہے لہٰذا یہ حکم بھی صحیح نہیں جبکہ تشبہ باطل یہاں پایا ہی نہیں جاتا، شیعان علی کی ابتداء بر سبیل عقلاً مستبعد ہے، ان کو اس طرف رہنمائی کی ہوگی تو اہل سنت نے پس اس صورت میں انہوں نے ہمارا تشبہ کیا، نہ ہم نے ان کا، اور اس دعوے کا ثبوت اس مدعی کے ذمہ لازم جو یہ کہے کہ ابتداءً روافض نے سبیل لگائی یہاں تک کہ یہ فعل ان کے شعار سے ہوگیا، اور اہل سنت نے انہی کے تشبہ کے قصد سے لگانی شروع کی اور ان کی اہل سنت کی سبیل میں کوئی مغائرت بھی تھی جو پائی جاتی جب یہ امور اربعہ ثابت کرے تب اس کے دعوے کو تسلیم کیا جاسکتا ہے یا فی نفسہ سبیل کو مذموم کہے کہ اسی بنا پر ممانعت کی جاسکتی ہے چناں چہ درمختار میں ہے:-

"ان قصد فان التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شئ بل المذموم ادنی فیما یقصد بہ التشبہ"۔

اور ملا علی کی شرح فقہ اکبر میں ہے:-

انا ممنوعون من التشبہ بالکفرۃ او اھل بدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ۔

ان عبارات سے یہ تین امور ثابت ہوئے:-

(۱) اول یہ کہ تشبہ اسے کہا جاتا ہے جو کسی قسم کے فعل کو اس غرض سے کیا جائے کہ اس سے مشابہت حاصل ہو جائے، لغت کی کتابوں میں بھی یہی معنی ہیں، چناں چہ منتہی الادب میں ہے "التشبہ ما لستن" اور لغات سعیدی میں ہے تشبہ (بوزن تکلف) مشابہت اختیار کرنا۔

(۲) دوسرے یہ کہ تشبہ وہ ممنوع ہے جو اہل باطل کے شعائر سے ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہ وہ فعل پہلے سے ان کا ہو کہ اگر ایسا نہیں اور شبہ کا تحقق ہی نہیں کہ تشبہ کا وجود ہی کہاں متحقق ہو سکتا ہے؟

ہاں ایک شبہ ضرور کیا جاسکتا ہے کہ بعض ایسے افعال بھی پائے جاتے ہیں جو بقصد تشبہ نہیں کئے گئے لیکن جب معلوم ہوا کہ اہل باطل کے شعار سے یہ فعل ہے تب بھی شارع علیہ السلام نے اسے مکروہ نہ رکھا ہے جیسے عاشورہ کا روزہ کہ جب معلوم ہوا کہ یہودی اس روز کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اس روز روزہ رکھتے ہیں تو فرمایا کہ صوموا التاسع والعاشر وخالفوا الیہود تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہ اس میں تشبہ ہے کہ قصد کا وجود نہیں نہ صوم عاشورہ فی نفسہ مذموم اور نہ نفس صوم عاشورہ سے ممانعت پائی جاتی ہے بلکہ اس فرمان واجب الاذعان سے غرض یہ تھی کہ اس میں

ان کے ساتھ موافقت لازم آتی ہے اور ہماری نظر میں ان سے موافقت بھی مناسب نہیں اس لئے تم اس کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھ لیا کرو کہ فی الجملہ ان سے مغائرت حاصل ہو جائے (پچھلی عبارت میں چوتھے امر سے ہی جانب فقیر کا اشارہ تھا) ـــــــ اسی طرح کفار مکہ، کعبہ شریف کی تعظیم کرتے تھے اور یہ ان کے شعائر سے بھی لیکن ہمیں اس کی تعظیم سے ممانعت نہ کی بلکہ واجب کر دی گئی کہ حسن لذاتہ تھی یوں ہی سبیل حسن لذاتہ ہے پس اس کو اس خیال سے کہ رافضی لگاتے ہیں کیوں کر منع کیا جاسکتا ہے اور اگر صرف اسی وجہ سے سبیل کی ممانعت کی جاتی ہے کہ رافضی سبیل لگاتے ہیں تو وہ امام ہمام سے محبت بھی کرتے ہیں تو کیا مانعین سبیل اس کی بھی ممانعت فرمائیں گے؟ اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔

غرض سبیل کے باب میں تشبہ کا حکم اہل سنت پر لگانا بالکل غلط اور ان پر اتہام ہے یا ان کے ساتھ سوءظنی اور یہ دونوں حرام ہیں اور سخت گناہ لقولہ تعالیٰ :-

والذین یوذون المومنین بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبینا

ولقولہ تعالیٰ ان بعض الظن اثم۔

الحاصل اس نزاع میں محبوب شیخ و شاب عزیز التواب سلمہ الوہاب کا اس گندہ دھن کو ڈانٹ بتلانا بالکل صحیح ہے اور خود ان کے لئے باعث اجر و ثواب ہے، یہ قصہ تو بالکل اس واقعہ کی شان رکھتا ہے کہ ایک پاکیزہ شہر راحت دہر کے کسی محلہ کی بدرو کا منفذ صحیح بند ہو کر محلہ کی طرف پھوٹ نکلا، کسی نفاست شعار نے اسے بند کرنا چاہا، اہل محلہ اس میں بیوقوف بستے تھے ان کو یہ تو سوجھا نہیں کہ اگر اس نجاست کا یونہی اس طرف رخ رہا تو پہلے محلے کو اور پھر تمام شہر کو گندہ کرے گا، کہنے لگے۔ "میاں ابھی ٹھہرو، پہلے ہم شہر کے بڑے بڑے مہتروں سے اس کے متعلق مشورہ کر لیں، چنانچہ دوڑے اور مہتروں کے پاس پہنچے جو ان کے نزدیک چوٹی کے تھے اور ان کی خدمت میں واقعہ کا ذکر کیا۔ ان بدنصیبوں نے چوں کہ اس مصلحت سے کہ ایسے اوقات میں ہماری پوچھ ہوگی خود ہی بدرو میں ایسے نقائص رکھے تھے، کہنے لگے ہرگز ہرگز اس کو بند نہ کرنا یہ تو حکومت کے حکم سے ہماری ہی کارفرمائیاں ہیں" آخر انجام اس کا یہی ہوا کہ تمام شہر میں سڑاند پھیل گئی۔ اہل محلہ اگر کچھ بھی عقل رکھتے ہوتے تو بند کرنے والے کی اعانت کر کے جہاں سے غلاظت نکل رہی تھی اس کو بند کر دیتے ورنہ اتنا تو کرتے کہ بجائے مہتروں کے پاس جانے کے قانون داں وکلاء کے پاس جا کر اس کو دریافت کرتے، خیر یہ تو درمیاں میں جملہ معترضہ کے طور پر آپڑا بتلانا تو یہ ہے کہ عبدالتواب صاحب کا یہ فعل بڑا مستحسن فعل ہے، شرعًا ان کے لئے یہی زیبا تھا کہ وہ اس قول کے منکر کو زبان سے روکتے لقولہ علیہ السلام :-

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ (الحدیث)

پس یقینًا عبدالتواب حق پر ہیں اور ان کا مخالف اور اس کے حمایتی سب باطل پر بلکہ اس کے حمایتی تو اس سے بھی بڑھ گئے وہ بادی النظر میں کچھ نہ کچھ وجہ تو رکھتا تھا ـــــــ یہ لوگ ممانعت کی وجہ وہ بتلاتے ہیں جو

سبیل کے مستحب ہونے کی مقتضی ہے کہتے ہیں کہ اس سے مقصود یوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خوشنودی اور رضا ہوتی ہے اور ان کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے یہ حرام ہے۔ ایسی بات نہ کہے گا مگر عقل سے بیگانہ اللہ اس کا دشمن۔ ان کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنا اور ان کی نزدیکی میسر آنا کیا کوئی بری شے ہے؟ ان کی خوشنودی اور رضا میسر آجائے تو بیڑا ہی پار ہے، حدیث میں عام مسلمان کی خوشنودی حاصل کرنے کو موجب مغفرت بتلایا۔ فقال علیہ السلام :-

ان من موجبات المغفرت ادخالك السرور على اخيك المسلم رواه الطبراني

نیز فرمایا۔ من قضى لاحد من امتى حاجة يريد ان يسره بها فقد سرنى ومن سرنى فقد سر الله ومن سر الله ادخله الله الجنة۔

اس معنی میں بکثرت احادیث وارد ہیں جو اہل علم پر پوشیدہ نہیں ـــــ عجب تر یہ کہ اس شربت کی حرمت پر آیۃ کریمہ وجعلوا لله مما ذرأ الایہ سے استدلال فرمایا جا رہا ہے جو یہ جہ غایت مضحکہ خیز ہے، مفسرین نے اس آیت کریمہ کے متعلق جو روایات بیان فرمائی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی زمین کی پیداوار چارپاؤں میں سے اپنی بے عقلی سے ایک حصہ تو اللہ کا مقرر کرتے اور ایک بتوں کا اللہ تعالیٰ کا حصہ مہمانوں اور مساکین پر خرچ کرتے اور بتوں والا حصہ بتوں پر اور بت خانے کے خادموں پر، پھر اگر اللہ تعالیٰ کے حصے سے کچھ کم ہو جاتا یا ناقص نکلتا تو اس کی پرواہ بھی نہ کرتے اور بتوں والے حصے سے کچھ کم ہو جاتا یا ناقص ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے حصے سے اس میں شامل کر دیتے اور کہتے کہ جو بتوں کا حصہ ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا اور اللہ تعالیٰ کا حصہ بتوں کو پہنچ جاتا ہے، اس آیت کریمہ میں ان کی اس جہالت اور مشرکانہ فعل کو بیان فرمایا گیا ہے۔ تفسیر سراج المنیر میں یہی مضمون ہے، آپ کو دوسری تفسیروں میں بھی ملے گا میں بخوف طوالت ان کی اصل عبارت نقل کرنا ضروری خیال نہیں کرتا کہ آیت کریمہ کے معنی خود اس مضمون کی وضاحت کر رہے ہیں، آیۃ کریمہ کے معنی میں بیان القرآن مصنفہ مولانا اشرف علی صاحب سے لکھ رہا ہوں تاکہ مخالف کو بھی اطمینان میسر آئے، وہ اس کے معنی اس طرح لکھتے ہیں :-

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی (وغیرہ) اور مواشی پیدا کئے ہیں ان (مشرک) لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ (کے نام) مقرر کیا (اور کچھ حصہ بتوں کے نام کا مقرر کیا حالاں کہ پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں ہوا) اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے (جو کہ مہمانوں اور مسافر وغیرہ عام مصارف میں صرف ہوتا ہے) اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے (جس کے مصارف خاص ہیں) پھر جو چیز ان کے معبودوں (کے نام) کی ہوتی ہے وہ تو اللہ (کے نام کے حصہ) کی طرف نہیں پہنچتی (بلکہ اتفاقاً مل جانے سے نکال لی جاتی ہے) اور جو چیز اللہ (کے نام) کی ہوتی ہے وہ ان معبودوں (کے نام کے حصے) کی طرف پہنچ جاتی ہے۔ انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے۔ (انتہی)

اب مسلمان غور کریں کہ اہلِ سُنّت کی سبیل کو اس آیت سے کچھ بھی تعلق ہے ؟ ——— رہا یہ خدشہ کہ اس سبیل پر امام ہمام کا نام لیا گیا ہے جس طرح ھٰذِہِ الشیء کا مَنًا میں شریکوں کا نام لیا گیا تو اس خدشہ کو ہم پہلے ہی دور کر چکے ہیں دیکھو کنوئیں پر اُمِّ سعد کا نام آیا اور اس حدیث کو اپنا نہا بناؤ جو ہم تحریر کر چکے ہیں جس میں حضور نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں کہ کوئی اپنے ماں باپ کے نام سے صدقہ دے آپ کہیں گے کہ اس میں تو صدقہ دینے کا ذکر ہے اور صدقہ تو اسی کو کہتے ہیں جو خدا کی راہ میں صرف کیا جائے لہٰذا اس پر کسی دوسرے کے نام کا آنا مضائقہ نہیں تو ہم کہیں گے یہاں بھی سبیل پر نام آیا ہے اور اسی پانی وغیرہ کو کہتے ہیں جو راہ خدا میں صرف کیا جائے، چناں چہ غیاث میں ہے سبیل بمعنی راہ و طریق و بمعنی وقف نیز آمدہ و بمعنی آب و شربتے کہ در راہ خدا وقف کنند، الحاصل نہ آیت کو سبیل کی حرمت سے کچھ تعلق نہ اور ہی کوئی دلیل ایسی ہے جس سے اس کی ممانعت ثابت ہو۔

صاحب فتاوٰی رشیدیہ اس کی ممانعت کی طرف گئے لیکن ان کو بھی یہ دلیل نہ سوجھی۔ جو مجیب اول (مولانا صدرالدین صاحب) نے ٹٹول لی ان کا بھی ہاتھ پڑا تو نشبہ پر کہ آخر اہلِ علم تھے ایسا بے تکا استدلال کیسے کرتے؟ جس کو دعوے سے دور کا بھی تعلق نہیں ان سے تو دوسرے مجیب ہی اچھے رہے کہ انہوں نے کوئی دلیل ہی بیان نہ کی یہ فرما کر کہ شربت سازی کی شرع میں ممانعت ہے، مہر لگا دی، اب ان کی کوئی گرفت ہی نہیں کر سکتا، اگر کوئی اعتراض بھی کرے کہ شریعت مطہرہ میں اس کی کہاں ممانعت ہے تو یہ فرما کر چھوٹ جائیں گے کہ میں نے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کی ممانعت کہاں بتلائی ہے، یہ شریعت وہابیہ کا مسئلہ ہے جس کا جی چاہے فتاوٰی نذیریہ رشیدیہ میں ملاحظہ کرلے، ان میں یہ مسئلہ موجود ہے، الحاصل پہلا اور دوسرا جواب دونوں ہی غلط ہیں، تیسرا جواب عزیزم مولوی مظفر احمد سلمہم کا صحیح ہے۔

مجیب اول نے اپنے جواب میں تقرب کا ذکر کیا ہے پس اس کے متعلق اتنا یاد رکھنا چاہیئے کہ تقرب بغیر اللہ وہ ممنوع و شرک ہے جو بذریعہ عبادت غیر اس سے حاصل کیا جائے کہ ایسا تقرب حاصل کرنا رب تبارک و تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے نہ وہ تقرب جس کے معنی علاقہ خاص کے ہیں اور جو کسی کی محبت و فرمان برداری اور اس کے ساتھ سلوک و احسان سے حاصل ہوتا ہے۔ ایسا تقرب ممنوع نہیں۔ کیا کسی کو کہتے نہیں سنا کہ فلاں شخص کو بادشاہ کا تقرب حاصل ہے اور مقرب بارگاہِ سلطانی ہے۔ غرض ایسا تقرب امام ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صدہا فوائد کا ثمرہ ہے کہ وہ خاص محبوب الٰہی ہیں چناں چہ کسی نے حضور سے دریافت کیا کہ ای اھل بیتک احب الیک قال الحسن و الحسین یعنی اہل بیت میں سے سب سے زیادہ آپ کے نزدیک کون محبوب ہے؟ فرمایا حسن وحسین۔ نیز فرمایا اللھم انی احبھما فاحبھما و احب من یحبھما۔ الٰہی میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو تو ان کو دوست رکھ اور اس کو دوست رکھ جو ان کو دوست رکھے ——— نیز فرمایا احب اللہ من احب حسینًا۔ اللہ دوست رکھتا ہے اس کو جو حسین کو دوست رکھتا ہے (رواہ الترمذی) ایک حدیث میں فرمایا لو ان عبدین تحابا فی اللہ عزوجل واحد فی المشرق و آخر فی المغرب

یجمع اللہ بینھما یوم القیامۃ ھذا الذی کنت تحبہ ۔ یعنی وہ بندے جو اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہوں گے جس میں ایک مشرق میں ہوگا اور دوسرا مغرب میں تو قیامت میں اللہ تعالیٰ دونوں کو ملا دے گا، فرمائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تو میری وجہ سے محبوب رکھتا تھا، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں ایک بڑی لمبی حدیث تحریر فرمائی ہے جس میں حضرت امام ہمام سے محبت کے بڑے بڑے فوائد مذکور ہیں اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو میں اس کو ذکر کرتا، لیکن خیال کرتا ہوں کہ اہل فہم و دانش کے لئے یہی احادیث کافی ہیں۔

غرض ہرگز ہرگز اہل سنت مخالفین کے اقوال پر کان نہ دھریں اور جس قدر ہو سکے حضور اکرم کے ساتھ محبت اور ان کے لئے ایصال ثواب میں کوشش کریں ورنہ قیامت میں جب محبین امام کے اعزاز و اکرام دیکھیں گے تو بڑی حسرت ہوگی کہ ہم نے کیوں یہ فضیلتیں حاصل کیں؟

لیکن یاد رکھیں کہ اگر محض دکھاوے کے لئے سبیلیں لگائیں اور ان کی تزئین و آرائش میں روپیہ صرف کیا اور اس شربت دودھ کو ان صاحبان کے لئے خاص کیا جو تعزیوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے صرف پانی رکھا جیسا کہ سننے میں آتا ہے تو ہرگز یہ سبیل قبول نہ ہوگی۔ اکتساب عقاب ہاتھ آئے گا اور اسراف جیسے حرام کے علاوہ وہ طرح طرح کے گناہوں کا مرتکب ہوگا۔

کاش یہ مجیب بجائے شربت کے حرام کہنے کے ان لغویات پر تہدیدیں کرتے تو مستحق ثواب بھی ہوتے، ان کو بتلاتے کہ صرف انہی ایام کو شربت کے لئے خاص کر ان ایام سرما میں بجائے شربت کے چائے پلاؤ اور پھر پانی ہی پر کیوں انحصار کیا جائے، فقراء کو نقد دو اور لذیذ کھانے کھلاؤ اس سے زیادہ توفیق ہو تو بارہ مہینے ان کے نام کی سبیل لگاؤ۔ نہریں کھدواؤ، مسافرخانے بنواؤ بہرحال جس قدر ہو سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاص پیدا کرو کہ سعادت دارین سے مالا مال ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء

(**نوٹ**) یہ فتویٰ فضل احمد صاحب نے "شمشیر صداقت" نامی ایک کتاب میں شائع کیا تھا جو ۱۹۵۴ء میں یونین پرنٹنگ پریس، کراچی میں طبع ہوئی تھی، ہم نے اسی کتاب کے صفحات ۲۶ تا ۴۱ سے یہ فتویٰ یہاں نقل کیا ہے۔
(مرتب)

(سوال نمبر ۲۷۲)

(۱) اذان کے وقت جب موذن سے حضور کا نام نامی سنا جائے تو درود پڑھنا افضل ہے یا انگوٹھے چومنا؟

(۲) کیا امام ابوحنیفہ اذان میں حضور کا نام سن کر انگوٹھے چوما کرتے تھے؟

(۳) ایک شخص اذان میں حضور کا نام سن کر درود شریف پڑھتا ہے لیکن انگوٹھے نہیں چومتا، وہ حنفی کہلانے

کو مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) جو لوگ اذان میں حضور کا نام سُن کر انگوٹھے نہیں چومتے ان کو وہ لوگ حضور کا دشمن اور بے دین سمجھتے ہیں جو انگوٹھے چومتے ہیں، کیا ان کا یہ فعل درست ہے؟

(۵) صبح کی نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا آپس میں مصافحہ کرنا سنت ہے؟ اور کیا امام ابو حنیفہؒ بھی اس پر عامل تھے۔

(۶) ایک شخص نماز صبح کے بعد ذکر و اذکار میں مصروف رہتا ہے اور مصافحہ میں شریک نہیں ہوتا کیا وہ حنفی کہلانے کا مستحق ہے؟

(۷) جو چیزیں غیر اللہ کے نام پر دی جائیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۸) جو کھانا ایصال ثواب کی نیت سے کیا جائے اس کے کھانے کا زیادہ مستحق کون ہے، کیا امراء بھی یہ کھانا کھا سکتے ہیں؟

(۹) بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے ایصال ثواب کے لئے جو کھانا کیا جاتا ہے اس کو اکثر امراء تبرک سمجھ کر کھاتے ہیں کیا ان کا یہ فعل درست ہے؟

(۱۰) کیا ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے بدگمانی کا حق ہے، اگر بدگمانی کرے یا پھیلائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۱۱) کیا ایصال ثواب کے لئے ہاتھوں کا اٹھانا ضروری ہے یا بغیر ہاتھ اٹھائے ایصال ثواب ہو سکتا ہے؟

——— بینوا و توجروا۔

مستفتی

ماسٹر فضل الرحمٰن۔ دہلی

۱۳ راگست ۱۹۵۷ء

الجواب

(۱) درود شریف پڑھنا سنت ہے اور انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔ درالمختار میں ہے:۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشہادۃ صلی اللّٰہ علیک یارسول اللّٰہ وعند الثانیۃ منہا قرۃ عینی بک یارسول اللّٰہ اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابہامین علی العینین فانہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قائد الدالی الجنۃ۔

(۲) اس کی کوئی روایت نظر سے نہیں گزری۔

(۳) محض انگوٹھے نہ چومنے کی وجہ سے کسی کو حنفی ہونے سے خارج نہیں کر سکتے ہاں اگر وہ اسے ناجائز و حرام کہے تو البتہ وہ مسلک حنفی پر نہیں ہے کہ ایسے فعل کو حرام کہتا ہے جو حدیث میں وارد ہے۔

(۴) انگوٹھے نہ چومنے والے کو حضور کا دشمن اور بے دین کہنا حرام ہے لیکن میری نظر میں ایسا کوئی شخص نہیں جو ایسا کہتا ہو، البتہ انگوٹھے چومنے والوں کو بدعتی کہنے والے ضرور برا جانتے ہیں اور اس میں وہ حق پر ہیں۔

(۵) سنت تو نہیں، صرف مباح ہے کہ شرعًا اس کا امر ہے اور نہ ممانعت، درمختار میں ہے:۔

اطلاق المصنف یفید جوازھا ولو بعد العصر

(۶) صرف اس وجہ سے اس کو حنفی نہ کہنے میں اس کی اہانت ہے اس سے معاف کرانا چاہیئے، اس کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ ذکر میں مشغول رہے۔

(۷) جو صدقات کسی کے نام پر اس کے لئے کئے جاتے ہیں اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کا ثواب ان کو ہدیہ کیا جاتا ہے اور یہ بلاشبہ جائز ہے، ہرگز ناجائز نہیں انما الاعمال بالنیات پس اس کا کھانا یقینًا جائز ہے۔

(۸) جو ایصال ثواب کے لئے صدقہ کیا گیا ہو وہ صدقہ نافلہ ہوتا ہے اسے غریب امیر سب کھا سکتے ہیں، البتہ نام لوگوں کے لئے جو صدقہ کیا جائے اسے اغنیاء کو نہ کھانا چاہیئے۔

(۹) ہاں اولیاء اللہ کے لئے جس پر ایصال ثواب کیا جائے اس کا کھانا بہت خوب ہے کہ اس شے کو ان حضرات کے ساتھ نسبت ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت شاہ عبد العزیز رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں اس کو تبرک فرماتے ہیں۔

(۱۰) کسی مسلمان پر بدگمانی حرام ہے جو شخص کسی پر بہتان باندھ کر اس کو شائع کرے وہ اشد درجہ کا فاسق اور گنہگار ہے لیکن جس شخص سے علی الاعلان ایسے اقوال صادر ہوئے ہوں جو حرام یا موجب کفر ہیں ان اقوال کو ظاہر کر کے اس کا رد کرنا بدگمانی نہیں بلکہ مسلمان شرعًا اس پر مامور ہیں کہ اس کا لوگوں پر اظہار کریں تاکہ لوگ اس سے بچیں۔

(۱۱) ہاں ایصال ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شے صدقہ کر کے یا قرآن کریم پڑھ کر جناب باری جل اسمہٗ کی جناب میں دعا کرے کہ الٰہی اس کو قبول فرما اور اس کا ثواب فلاں کو عطا فرما اور آداب دعا سے ہے کہ ہاتھ اٹھائے لیکن اگر صرف دل ہی سے یہ عرض کر دے تب بھی کافی ہے، ہاں اس کے ساتھ زبان کو بھی ہلائے تو زیادہ بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ امام

مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۷۴) رجب کی ۲۲ تاریخ کو جو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے کیا شرعاً ناجائز ہے ؟

مستفتی

سید محمد انور علی

الجواب

ہرگز منع نہیں آدمی مختار ہے چاہے ایصالِ ثواب کرے یا نہ کرے ۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نمبر ۲۷۵)

الجواب[1]

(۱) بطریقِ تواضع ایسے حضرات کے اکرام کے لئے جھک کر ملنے میں مضائقہ نہیں بلکہ شارع کو مطلوب ہے لقولہ تعالیٰ و اخفض جناح الذل من الرحمۃ ۔

(۲) زیارتِ قبور مسنون ہے لقولہ علیہ السلام الا فزوروھا اور اہل اللہ سے روحانی انتفاع اور استفادہ بھی جائز ہے، تفسیر عزیزی میں ہے :-

"از اولیاء مدفونین انتفاع و استفادہ جاری است"

(۳) ہاں درست بلکہ مستحب ہے، درمختار اور اس کے حاشیے میں ہے :-

لا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك ونقل المصنف عن الجامع انه لا بأس بتقبيل يد الحاكم والمتدين السلطان العادل وقيل سنة ۔

(۴) یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ منکراتِ شرعیہ سے پاک ہو، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

"ازیں جا است حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں و التزام فاتحہ خواندن و صدقہ دادن برائے ایشاں"۔

اور شاہ عبدالعزیز زبدۃ النصائح میں فرماتے ہیں :-

زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں باہداء ثواب و تلاوت قرآن و دعاء خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب ست باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آں است کہ آں

---

[1] مسودے کے فائل میں صرف جوابات تحریر تھے، ان سے سوالات کا اندازہ ہو جاتا ہے ۔ (مرتب)

روز مذکور انتقال ایشان می باشد از دار العمل بدار الثواب۔

(۵) یہ بھی جائز ہے، ردالمختار میں ہے للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلاۃ او صوما او صدقۃ او غیرہا کذا فی الھدایہ۔

(نمبر ۲۷۶)

الجواب

مکرمی سلمکم[1]

السلام علیکم ـــــــ آپ نے مولانا اشرف علی اور مولانا کفایت اللہ صاحبان کے جواب میں کونسی دلیل ملاحظہ فرمائی جو مولانا محمد القدوس اور مولانا زاہد القادری صاحبان کے جوابات پر بلا دلیل ہونے کا اعتراض فرمایا، حالانکہ ناجائز بتلانے کے لیئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی شے کے جائز بتلانے کے لئے۔ خلاف سنت وہ امر ہوتا ہے جو سنت کے معارض ہو اور اس کے مزاحم ہو، مصافحہ علی الاطلاق جائز ہے علماء نے اس کو سلام کے حکم میں رکھا ہے اور سلام کے متعلق حضور کا ارشاد ہے:۔

فان حالت بینھما شجرۃ وجدار او حجر ثم لقیہ فلیسلم (رواہ ابوداود)

اسی طرح مصافحہ کے متعلق مطلق ارشاد ہے:۔

تصافحو یذھب الغل۔ (رواہ مالک)

نیز ارشاد ہے:۔

المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینھما ذنب الا سقط۔ (رواہ البیھقی)

جو مضمون آپ نے درمختار کے باب العیدین کا لکھا ہے وہ اس میں نہیں ہے، ہاں کتاب الحظر والاباحۃ میں اس کے متعلق یہ عبارت ہے:۔

واطلاق المصنف تبعا للدرر والکنز والوقایۃ والنقایۃ والمجمع والمنتقی وغیرھا یفید جوازھا مطلقا ولو بعد العصر وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی۔

یہ عبارت اس میں صریح ہے کہ مصافحہ مطلقاً جائز ہے اگرچہ بعد عصر یا بعد صبح ہو۔ جو علماء اس کی ممانعت کرتے ہیں وہ محض اس لئے کہ عوام اس کو سنت نہ خیال کرلیں، پس اسلم طریق یہ ہے کہ اس کی ترغیب تو نہ دی جائے لیکن جو

---

[1] یہ مکتوب گرامی جواب کی صورت میں ہے، مکتوب الیہ کے متعلق معلوم نہ ہوسکا، بہرحال جواب سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ مکتوب الیہ نے کس مسئلے کے بارے کیا اظہار خیال کیا تھا؟ (مرتب)

لوگ بعد صبح یا بعد عصر مصافحہ کرتے ہیں ان پر اعتراض بھی نہ کیا جائے کہ کسی جائز امر پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔
مولینا تھانوی اور مولینا کفایت اللہ صاحبان بہت سے مسائل میں اہل سُنت کے خلاف ہیں جن کا انحصار دشوار ہے اور ایک دو مسائل کے ذکر سے آپ کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے ؟
رافضیوں کی سنت کا مطلب تھا یہ ہے کہ وہ طریقہ خاص ان کے شعار سے ہے ایسا طریقہ اختیار کرنا تو اہل سنت کے لئے ممنوع ہے، اس میں احناف کی شرکت کیوں ہونے لگی ؟ رہے عام افعال، البتہ رافضی اور سُنی کے مابین مشترک ہیں، وہ بھی کھاتے ہیں، ہم بھی کھاتے ہیں وہ بھی پہنتے ہیں، ہم بھی پہنتے ہیں، وہ بھی سوداگری کرتے ہیں، ہم بھی سوداگری کرتے ہیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۷۷)

(۱) نابالغ بچے بغرض ایصالِ ثواب تلاوت کلام پاک کر کے اپنا ثواب بخش سکتے ہیں یا نہیں ؟
(۲) کلمہ طیبہ کے ذکر کا ثواب نابالغ بچے پہنچا سکتے ہیں یا نہیں ؟ عام رواج ہے کہ کسی کے فوت ہونے پر چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب بخشا جاتا ہے جس کو عام طور پر بچے پڑھتے ہیں ۔
(۳) عام رواج ہے کہ کسی کے فوت ہو جانے پر قرآنی مدارس سے بچوں کو گھر بلا کر قرآن شریف ختم کراتے ہیں اور ایصالِ ثواب کراتے ہیں کیا اس طرح ایصالِ ثواب درست ہے ؟
(۴) مدارس میں بچے اپنے کھانے کی چیزوں میں سے کچھ بطور ہدیہ استادوں کو پیش کر دیتے ہیں کیا اس قسم کے ہدایا قبول کر کے کھانا جائز ہے ؟
(۵) بچوں سے استادوں کا خدمت لینا مثلاً کپڑے دھلوانا، ہاتھ پیر دبلوانا، دیہات میں جنگلوں سے لکڑی وغیرہ منگوانا درست ہے یا نہیں ؟
(۶) ایصالِ ثواب کے لئے تلاوت کلام کی غرض سے لوگوں کو دعوت دینا درست ہے یا نہیں ؟
(۷) مدارس دینیہ کے معاونین کے انتقال پر عام دستور ہے کہ اسباق بند کر کے صدر یا مہتمم طلبہ سے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن ختم کراتے ہیں ۔ یہ صورت تداعی میں داخل ہے یا نہیں ؟
(۸) نابالغ بچے بچیوں کی استعمالی چیزوں کا والدین کے لئے استعمال درست ہے یا نہیں ؟

بینوا و توجروا ۔

مستفتی
قاضی نصر اللہ
مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری، دہلی

الجواب

(۱تا۴) واہب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہو، درمختار میں ہے :-

وشرائط صحتہا فی الواہب العقل والبلوغ والملک فلا تصح ہبۃ صغیر ورقیق (انتہی)

پس نابالغ کا ہبہ کرنا صحیح نہیں خواہ وہ کلمہ وغیرہ پڑھ کر اس کا ثواب کسی کو پہنچائے یا اور کوئی اپنی شے استاد وغیرہ کو دے۔

(۵) یہ بھی جائز نہیں اشباہ والنظائر میں ہے :-

استخدام الیتیم بلا اجرۃ حرام ولو لاخیہ ومعلمہ الا لامہ وفیما ارسلہ المعلم لاحضار شریکہ۔ کما فی القنیہ -

(۶) یہ ایک امر خیر ہے جس میں شرکت کے لئے بلانا شرعا ممنوع نہیں لقولہ تعالیٰ :-

وتعاونوا علی البر والتقوی -

(۷) نہیں وہو ظاہر -

(۸) ہاں اگر وہ والدین ہیں سے کسی کو دیں تو ان کو استعمال جائز ہے والدلیل مانقلہ فی الاشباہ - فقط واللہ تعالیٰ اعلم -

محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی
(۴ جنوری ۱۹۴۰ء)

سوال نمبر ۲۷) عن ابی ہریرۃ الاوورق من المفلس؟ قالوا المفلس فینا من لا درہم لہ ولا متاع قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المفلس من یاتی یوم القیمۃ بصلوۃ و صیام وزکوۃ ویاتی قد شتم ہذا وقذف ہذا واکل مال ہذا وسفک دم ہذا فیعطی ہذا من حسناتہ وہذا من حسناتہ فان فنیت قبل ان یقضی ما علیہ احد من خطایاہم فطرح علیہ ثم طرح فی النار - (رواہ الترمذی فی ابواب صفۃ القیمۃ ورواہ مسلم) -

مندرجہ بالا روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کو روزہ کا ثواب بھی دیا جائے گا مگر زید کہتا ہے کہ روزہ کا ثواب نہیں دیا جائے گا تو کیا زید کا یہ کہنا درست ہے اور کسی روایت صحیح سے اس کی تائید اور روایت مذکور کی تنسیخ ثابت ہے؟ بینوا وتوجروا -

الجواب

اس کے متعلق کوئی حدیث تو نہیں نظر سے گزری البتہ بعض علماء کے اقوال میری نظر سے بھی ایسے گزرے ہیں جو زید کے قول کی تائید کرتے ہیں، اس وقت بوجہ علالت اس کی تلاش دشوار ہے، غالباً احیاء العلوم میں یہ روایت ہوگی اور ممکن ہے کہ حدیث الصوم لی وانا اجزی بہ سے اس حکم کا استنباط کیا ہو کہ باوجودیکہ ہر عمل کی جزا مولیٰ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے پھر روزہ کی جزا دینے کو اپنے ساتھ مختص فرماکر اس کو دوسرے اعمال کی جزا سے مستثنیٰ فرمانے کا منشاء سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ یا یہ حکم حدیث :۔

الصیام والقرآن لشفیعان للعبد۔

سے ماخوذ ہو کہ شفیع کو دوسرے کو دینا غیر معقول معلوم ہوتا ہے بہر حال یہ ایسا مسئلہ نہیں کہ زید کا تخلیہ کیا جائے اور حدیث مذکور کی تاویل ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ ۱۲
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نمبر ۲۷۹)

الجواب[1]

(۱) عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر قرآن خوانی اور کچھ صدقات مالیہ کا ثواب پہنچانا سو اس کے دو جز ہیں تعین تاریخ و ایصال ثواب، ایصال ثواب کے جواز میں تو اہل سنت میں سے کسی کو کچھ کلام ہی نہیں، رہی تعین تاریخ سو قطع نظر اس کے کہ یہ مباح الاصل ہے ہرگز شریعت میں اس کی ممانعت نہیں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مباحات میں تعین وقت ثابت ہے، چنانچہ شامی میں ہے:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی قبور الشہداء باحد علی رأس کل حول۔

غرض اس کے جواز میں کسی کو شبہ نہیں اور جائز امور میں شرکت بھی جائز ہے پس امام مذکور کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔

(۲) آلات لہو ڈھولک وغیرہ کے ساتھ سماع اکثر علماء کے نزدیک حرام ہے۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے:۔

"وعلماء شریعۃ الغراء اکثرھم کانوا مستفتین علی اطلاق الحرمۃ"

اور جن علماء نے اس کو جائز کیا انہوں نے بھی بعض شرائط کے ساتھ جائز کیا ہے جو عام قوالیوں میں نہیں پائے

---

[1] یہ جواب بھی مسودے کے فائل میں بغیر سوال کے درج تھا البتہ اس کے مستفتی کا نام محمد ممتاز احمد برمی لکھا ہوا تھا۔ (مرتب)

جاتے اس میں ایسی قوالیوں کو کرانا یا ان میں شریک ہونا باعث فسق ہے جن اولیاء کرام نے ان آلات کے ساتھ کلام توحید سُنا ہے ان سے تمسک نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے شرائط جواز کے ساتھ سُنا ہے پس اگرچہ عام قوالیوں میں شرکت باعث فسق ہے لیکن ایسے شخص کو جماعت کی شرکت سے منع نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) یہ دونوں فعل بھی ناجائز اور گناہ ہیں لیکن ایسے اشخاص کو بھی جماعت کی شرکت سے منع نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے اس گناہ کا وبال نہ دوسرے نمازیوں کی طرف متعدی ہے نہ یہ کہ کسی کے لئے باعث ایذاء ہیں جو شخص ان کو شرکت جماعت سے منع کرے گا وہ وعید شدید کا مستحق ہوگا لقولہ تعالیٰ ومن اظلم الخ

(۴) بے نمازی کو اگر اگلی صف سے ہٹا یا جائے یا تہدیداً اس سے مخالطہ کیا جائے کہ وہ توبہ کر لے اور دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ عرس کے میلے کی شرکت کرنے والے کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں اور اس نے جس کے جنازہ کی نماز پڑھائی وہ جہنم میں گیا، یہ حصہ سماج کا قابل حذف ہے ہرگز کسی مسلمان کو اس کی پابندی جائز نہیں، قطعاً حرام ہے، اگر یہ حصہ حذف نہ کیا جائے تو امام و مفتی کیا کسی مسلمان کو بھی اس میں شرکت جائز نہیں۔

(۵) یہ کھیل شرعاً جائز نہیں، حدیث شریف میں ارشاد ہوا :-

"کل شئ یلھو بہ الرجل باطل الا الرمیہ بقوسہ وتادیبہ بفرسہ و ملاعبتہ امرأتہ"۔

(۶) یہ لوگ فاسق ہیں لیکن ان کے کھانے میں اس فسق کا کوئی اثر نہیں جو اس کی ممانعت کی جا سکے ہاں ایسے لوگوں سے ضرور تنفر چاہیئے، اگر کوئی ان کے ان افعال پر راضی رہے گا گنہ گار ہوگا اور ان کی اصلاح کے لئے ان سے تعلقات رکھے گا تو اس پر کچھ گناہ نہیں بلکہ ثواب کی امید ہے، پس ان کے گھر کے کھانے والے کے حکم کا مدار اس کی نیت پر ہے، علی الاطلاق اس کا کوئی حکم نہیں بتلایا جاسکتا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نمبر ۲۸۰) هُوَالمسدّد[۱]

جوابات مذکورہ صحیح ہیں لیکن سوال چھ کا جواب یہ ہے کہ یہ طریقہ بدعت سیئہ نہیں ہے کہ بدعت سیئہ وہ

---

[۱] جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی دوسرے جواب کا معقول اور سنجیدہ رد ہے، سوال و جواب مسؤسے کے قائل ہیں موجود نہیں البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عرس اور دعائے ثانیہ وغیرہ کے متعلق سوالات تھے۔ (مرتب)

ہے جو مغائر اور ہادم سنت ہو اور یہ افعال ایسے نہیں، پس بدعت مباحہ ہیں، جن پر شرعًا کوئی گرفت نہیں، طریقہ سنت نماز کے بعد اول دعا پر ختم ہو چکا اس کے بعد مسلمان مختار ہے افعال محمودہ میں سے جو چاہے کرے اس سے ممانعت نہیں کی جا سکتی فقال علیہ السلام

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ۔

یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جو کچھ حرام فرمایا وہ حرام ہے اور جس کا ذکر نہ فرمایا وہ معاف ہے۔

یونہی جواب ۷ میں جن افعال کو بدعت کہا گیا ہے وہ بھی بدعات مباحہ ہیں ہاں زیارت قبور کے بہانے سے ہاں میلہ وغیرہ کرنا، شادیوں کے طریق پر ایصالِ ثواب کے کھانے کو تمام اقارب میں تقسیم کرنا یہ ضرور بدعت سیئہ ہے کہ غرضِ شارع کے مبائن ہے لیکن یاد رہے کہ جن افعال کو بدعت مباحہ کہا جاتا ہے اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ یہ گناہ نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سنت کے مقابلے میں اس میں کوئی خوبی نہیں، مسلمان کے کرنے کے لئے بہت سے وہ افعال ہیں جو مسنون ہیں جن کو اس نے چھوڑ رکھا ہے تو اس کے لئے تو یہ لازم ہے کہ بجائے اس کے ان پر عمل کرے تا کہ فلاح دارین نصیب ہو —— پھر یہ افعال گو بذاتہ مباح ہیں لیکن عوارض کی وجہ سے یہ قابل منع بھی ہو سکتے ہیں۔ سوال ۶ کا طریقہ کہ اس میں مسلمان مجبور ہو جاتا ہے اور جب تک امام دوسری دعا سے فارغ نہیں ہو جاتا وہ اپنی ضرورت کے لئے نہیں جا سکتا ہے اگر جاتا ہے تو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں غرض یہ ہے کہ عارض ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے اس سے منع کیا جا سکتا ہے نیز بعض لوگ اس طریقہ کو سنت سمجھنے لگتے ہیں اور جو شخص اس کو سنت سمجھے اس کے حق میں یہ طریقہ بدعت سیئہ ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے بھی اس کی ممانعت کی جا سکتی ہے، غرض جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا بہتر یہی ہے کہ بجائے اس کے، مسلمان افعال مسنونہ کی تلاش کر کے اس پر عمل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ (امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

سوال نمبر ۲۸۱) ایک گاؤں میں ایک عالم میت کو دفناتے وقت پورب کی دیوار سے پیٹھ لگوا کر داہنی کروٹ پر لٹواتے ہیں جب اس کے متعلق ایک دوسرے عالم سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میت کو قبر میں چت لٹا کر اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔ از روئے شرع کونسا طریقہ صحیح ہے؟

بینوا توجروا۔

الجواب

یہ عالم صحیح کہتے ہیں، رواج غلط پڑگیا ہے اس لئے اس پر تعجب ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۸۲) زید بیمار ہے، بچنے کی کوئی امید نہیں۔ زید کے وارث بارہ گز کپڑا، بیس سیر اناج، اناج پر قرآن شریف رکھ کر باندھ دیتے ہیں پھر زید کی چارپائی کے چاروں طرف سات آدمی بیٹھ جاتے ہیں اور اس گٹھڑی کو ایک دوسرے کو دیتا رہتا ہے اس طرح ایک دوسرے کو دیتے ہوئے سات چکر لگاتے ہیں پھر اس گٹھڑی کو زید کے مرنے کے بعد غسل دینے والے یا امام مسجد کو دیتے ہیں۔ کیا یہ عمل شرعاً جائز ہے؟

بینوا و توجروا۔

(مستفتی)
رحیم خاں (راجستھان)

الجواب

یہ ایک حیلہ ہے میت کی طرف سے قضا نمازوں کے فدیہ دینے کا۔ اگر تمام فقراء کی نیت ایک دوسرے کو دینے میں صحیح ہو تو امید ہے کہ فدیہ ادا ہو جائے، لیکن یہ خاص طریقہ جو سوال مذکور میں ہے لغو معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۸۳)

(۱) ایک جگہ دستور ہے کہ جب شادی شدہ لڑکی کی اولاد کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا سارا خرچ ننھیال والوں کے ذمہ ہوتا ہے یہ کہاں تک درست ہے؟

(۲) مرنے کے دو تین روز بعد جو کھانا دیا جاتا ہے وہ کھانا کرنا اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مرنے والے کے گھر پر جو لوگ جا کر حاضری وغیرہ کے روپے دیتے ہیں کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟

بینوا و توجروا۔

الجواب

ننھیال والوں پر تجہیز و تکفین کا خرچ لازمی نہیں، اور حاضری کا کھانا دینا اور موت کی دعوت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۸۴) ہمارے وزیر اعظم نے ایک جگہ مسلم خواتین کو بلا کر آدھی اتاری اور ران کے تلک لگایا، جب اس کے متعلق ایک عالم سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا جائز ہے کیوں کہ وہ ہمارے وزیر اعظم ہیں۔ کیا یہ عالم صحیح کہتے ہیں؟ بینوا و توجروا۔

(۲۶ راکتوبر ۱۹۶۵ء)

الجواب

آدھی اتاری سے تو میں واقف نہیں لیکن مسلمان کے لئے تلک لگوانا حرام ہے کہ شعائر کفر سے ہے جس عالم نے کہا ہے کہ جائز ہے وہ گنہ گار ہوئے، انہیں توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۸۵) ایک مسلم قوم میں قدیم سے نسلاً بعد نسلٍ گوت بچاؤ کی رسم چلی آتی ہے جو کہ اس قوم میں مشرکین کے یہاں سے بطور وراثت رائج ہے اور وہ لوگ اپنے عمل اور عقیدے میں اس کی پابندی فی الحقیقت شریعت سے بھی زیادہ کرتے ہیں اور اس قوم میں یہ جدی رسم پڑی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص گوت میں نکاح کر لے تو اس کو پنچایت کر کے قتل کر دیا جائے۔ اس قوم میں گوت بچاؤ کی رسم کی بعینہ وہی صورت ہے جو نکاح بیوگان کی تھی بلکہ اس سے بھی اشد۔

ایسی حالت میں جواب طلب امور یہ ہیں:۔

(۱) جو شخص باوجود مسلمان ہونے کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مشہورہ جانتے ہوئے اس سے اتنی شدید نفرت و عناد رکھتا ہو کہ مذکورہ سنت پر کوئی دوسرا مسلمان بھی عمل کر لے تو اس کے قتل پر آمادہ ہو جائے، ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے۔

(۲) عوام مسلمانوں کے اس رسم و عقیدے کی موجودگی میں جس میں متبع شریعت مسلمان اگر اپنے ہی

گوت میں نکاح کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور وہ سنت نبوی کی پیروی میں نکاح کرلیں اور ان سب کو یا کسی ایک کو پنچایت قتل کر دے تو وہ شہید ہوں گے یا بحکم خودکشی حرام موت مریں گے۔ فقط بینوا و توجروا۔

مستفتی،
عبداللہ مالپوری، ضلع گوڑگانو
۲۴ر شوال ۱۳۸۲ھ

الجواب

حق جل مجدہ نے محرمات کے ذکر کے بعد فرمایا واحل لکم ما وراء ذالکم یعنی جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کے علاوہ تمام سے نکاح جائز ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ ان لا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض یعنی جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہو جاؤ اس کا نکاح کر دو اور اگر نکاح نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ وفساد پھیل جائے گا۔ اس میں (گوت بچاؤ) کا کہیں ذکر نہیں، اس رسم کو توڑنا ضروری ہے اور جو لوگ اس کے لئے جدوجہد اور کوشش کریں اور اس میں کوئی بدبخت ملعون اس رسم کے توڑنے والے کو قتل کر دے تو وہ بیشک شہید ہوگا اور اس رسم کے توڑنے کی مخالفت کرنے والا شخص ملعون و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
۱۰ر شوال ۱۳۸۲ھ

(سوال نمبر ۲۸۶) ایک برادری کا یہ قاعدہ ہے کہ شادی میں گوت پال کا لحاظ کرتے ہیں، اگر کسی قبیلہ کی لڑکیاں کسی دوسرے قبیلے میں بیاہی جاتی ہیں تو اس قبیلے میں کسی لڑکے کی شادی نہیں ہو سکتی اگر اس برادری کا کوئی فرد اس (گوت بچاؤ) رسم کے خلاف کرتا ہے تو اس کو برادری سے باہر نکال دیا جاتا ہے اور جاہل لوگ پنچایت کر کے اس کو قسم قسم کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور انتہا یہ کہ اس کو قتل کر کے جلا بھی دیتے ہیں، اور چچا، ماموں خالہ، پھوپی کی لڑکیوں سے نکاح کو جرم عظیم سمجھتے ہیں، اس شادی کے مسئلے میں یہ برادری غیر مسلموں کی طرح مشرکانہ رسومات کی پابند ہے، اس مسئلے میں چار سوالات دریافت طلب ہیں:-

(۱) کیا اس گوت بچاؤ رسم کا توڑنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے؟

(۲) جو دیندار لوگ اس سلسلے میں قتل کر دئے جائیں وہ شہید ہوں گے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ پنچائیتیں کر کے رسم کے خلاف کرنے والوں کو قتل کریں یا ناک کاٹیں یا جانی و مالی نقصان

پہنچائیں وہ کافر ہیں یا نہیں؟

(۴) جو لوگ ان کے نخون کو صحیح کہیں لیکن عملاً اس کے خلاف ہوں ان کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا۔

(مستفتی)
میواتی

الجواب

(۱) مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ کا محرمات کے بیان کے بعد صاف ارشاد ہے :-

واحل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین ط

یعنی اور حلال کردی گئیں وہ مسلمان عورتیں جو محرمات مذکورہ کے علاوہ ہیں کہ ان کو بعوض مہر نکاح میں لاؤ، نہ زنا کے لئے حلال کی گئیں۔

پھر اس پر تاکیداً سرکار اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا :-

اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ ان لا تفعلوا فکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض۔

یعنی جب کوئی شخص (خواہ تمہاری برادری سے ہو یا غیر برادری سے) تمہارے پاس پیام نکاح لائے جس کی دینداری و اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے نکاح کردو اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑا فساد پھیل جائے گا۔

اور ظاہر ہے کہ گوت بچاؤ اس حکم کے بالکل خلاف اور داب مشرکین سے ہے جو نہایت درجہ مذموم ہے اور جس میں تشبہ پر سخت وعید وارد ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم (جو شخص کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے گا اس کا اسی قوم میں شمار ہوگا) پس اس کا توڑنا ہر مسلمان پر لازم ہے لیکن اس صورت سے کہ فساد کا سبب بن جائے، ان کے سرکردہ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ یوں تو ہر مسلمان پر شریعت حقہ کا اتباع ضروری ہے اور اپنے بزرگوں کے ان افعال کا ترک کرنا لازم جن کا شریعت کے خلاف عمل تھا لیکن آپ لوگوں پر اس کا ترک کرنا نہایت درجہ ضروری ہے کہ آپ پر یہ حکم نہایت موکدہ ہے چناں چہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

لعن الذین کفروا الآیۃ

یعنی حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہما السلام کی زبان پر بنی اسرائیل میں ان کافروں پر لعنت کی گئی کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے نکل جاتے تھے اور منع نہ کرتے تھے ان برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے، خدا کی قسم وہ بہت برا کام کرتے تھے)۔

حدیث میں آیا کہ ایک شخص دوسرے پر گزرتا جو برے کام میں مشغول تھا یہ اس کو منع کرتا کہ یہ کام مت کر بہت برا ہے، دوسرے روز اس پر گزرتا اور اس کو اسی حالت میں پاتا لیکن کچھ نہ کہتا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا پیتا اس پر یہ وعید وارد ہوئی۔ اور اس کو کافر کہا گیا۔ تو مسلمان کو ڈرنا چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے ایسے برے افعال کے ارتکاب سے دوسروں کو روکنا چاہیئے۔

(۲) بیشک وہ شہید ہو گئے۔

(۳) ہاں جو حلال جانتے ہوئے ایسا کریں گے وہ یقیناً کافر ہیں بقولہ تعالیٰ ومن یقتل متعمدا الآیہ تفسیر سراج المنیر میں کہا کہ وھذا المخصوص بالمستحل

(۴) یہ لوگ فاسق ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی



چوتھا باب

متفرقات

روحانیات ، حسب ونسب ، ہجرت
طہارت ، وغیرہ


محمد رسول الله والذين معه

روحانیات

(سوال نمبر ۲۸۷) مرنے کے بعد انسان کی روح کس مقام پر رہتی ہے اور اس کو زمین سے کچھ تعلق رہتا ہے یا نہیں؟ ——— بینوا و توجروا۔

(مستفتی)

عبد الستار، دہلی، ۲۵ مئی ۱۹۳۹ء

الجواب

اس باب میں روایات مختلفہ وارد ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی ارواح بحسب اعمال مختلف مقامات پر رہتی ہیں اور بعض ارواح کو یہ بھی اختیار دیا جاتا ہے کہ جہاں چاہیں وہ جائیں اور سیر کریں۔ لیکن باوجود اس کے (کہ علیین یا سجین ساتویں آسمان کے اوپر یا ساتویں زمین کے نیچے یا کسی دوسرے مقام پر ان کا ٹھکانا ہوتا ہے) اپنے جسم سے ان کو تعلق باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے قبر کی نعمتوں سے ان کو راحت اور اس کے عذاب سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ ہر گزرنے والے کو دیکھتے پہچانتے اور اس کے کلام کو سنتے ہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۸۸) زید کہتا ہے کہ جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے، عمر کہتا ہے کہ یہ بات بے اصل ہے زید جواباً کہتا ہے کہ قرآن شریف میں ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو یہ وسیلہ ہی پیر ہے جس کے ذریعہ احکام و شرائع کا علم ہوتا ہے، اس کے بعد اس پر عمل کرکے واصل بحق ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یوم ندعوا کل اناس بامامھم ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ علامہ خربوطی نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ من لم یکن لہ شیخ فشیخہ الشیطان اور حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عوارف المعارف" میں فرماتے ہیں روی عن یزید انہ قال من لم یکن لہ استاذ فامامہ الشیطان یعنی سیدنا بایزید بسطامی رحمہ اللہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس کا پیر نہیں اس کا امام شیطان ہے اور رسالہ مبارکہ میں امام اجل ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یجب علی المرید ان یتأدب بشیخ فان لم یکن لہ استاذ لم یصلح ابدا ھذا ابو یزید یقول فمن لم یکن استاذہ فامامہ الشیطان۔ یعنی مرید پر واجب

ہے کہ کسی پیر سے تربیت حاصل کرے کہ بے پیر کبھی فلاح نہیں پائے گا۔ یہ آتو یزید فرماتے ہیں جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ اور پھر فرمایا المرید اذا لم یکن لہ استاذ یاخذ منہ طریقتہ نفسًا نفسًا فھو عابد ھواہ لا یجد نفاذا یعنی مرید کے لئے اگر پیر نہ ہو جس سے ایک ایک سانس پر اس کار استہ سیکھے تو وہ خواہش نفس کا پجاری ہے، راہ نہ پائے گا، اور سید میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ العالی "سبع سنابل" میں فرماتے ہیں ؎

چو بے پیر نیست پیشت ابلیس
گمراہ دین زدست از مکر و ابلیس

حتی کہ اسماعیل دہلوی نے بھی "صراط مستقیم" میں ایسا ہی کہا ہے۔ اس صورت میں اس جملہ کو بے اصل کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ زید و عمر میں کون صحیح کہتا ہے اور کون غلط کہتا ہے۔ بینوا و توجروا۔

مستفتی
محمد عبدالغفار القادری۔ بمبئی
محلہ اہلی ۱۳۸

الجواب

ظاہر ہے کہ زید کا قول صحیح ہے، کہ وہ مدلل بدلائل ہے، اور عمرو کا قول "یہ بات بے اصل ہے" غلط۔ راہ حق میں کسی رہبر کی رہنمائی لابدی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی
صفر المظفر ۱۳۷۵ھ

(سوال نمبر ۲۸۹) خط کے ذریعہ بیعت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

ہاں جائز ہے کہ تمام وہ احکام جو بالقول ثابت ہوتے ہیں بالکتابت بھی ثابت ہو جاتے ہیں البتہ چونکہ الخط یشبہ الخط جب تک شرعی طور پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ خط مرشد ہی کا ہے اس وقت تک بیعت قابل اعتماد نہیں فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۹۰) مرشد طریقت کے لئے کون کون سی شرائط لازمی ہیں؟ اور بیعت کا منشاء کیا ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

مرشد طریقت کے لئے چند شرائط ضروری ہیں کہ جب تک اس میں وہ نہ پائی جائیں اس سے بیعت جائز نہیں، من جملہ ان کے شرائط کے بڑی شرط یہ ہے کہ اس نے کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کرنے کے بعد اجازت طریقت حاصل کی ہو اور جادۂ شریعت سے واقف ہو اور اس سے سر مو منحرف نہ ہو، نہ شہوات کا متبع ہو۔ باقی شرائط چوں کہ بطون سے تعلق رکھتی ہیں جس کی پرکھ عوام کے لئے مشکل ہے اس لئے اس کا ذکر فضول ہے۔

بیعت کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ مرشد کے انوار لطائف کا عکس مرید کے قلب پر پڑے اور وہ اس سے متجلی ہو جائے۔ تاکہ نفس کا تزکیہ ہو اور حقوقِ عبودیت کما حقہٗ اس سے ادا ہوں، اور اوصاف حمیدہ سے متصف ہونا اور اوصاف ذمیمہ سے مجتنب رہنا ــــ ہاتھ دے اور منازل سلوک قطع ہونے لگیں اور اپنی اصل کی طرف راجع ہو جو پیدائش انسان کا منشاء ہے یا کم از کم اتنا تو ہو کہ ذکر قلبی سے آشنا ہو جائے جو اس کو بوقت موت کام دے، غرض یہ کہ جس میں کم از کم یہ شرائط بھی نہ پائی جاتی ہوں بلکہ کوئی علامت فسق پائی جاتی ہو (خواہ وہ سید ہو یا شیخ، اور مغل ہو یا پٹھان) اس سے بیعت حرام ہے اور جو ان شرائط کا جامع ہو اگرچہ وہ کسی نیچی سے نیچی قوم کا ہو اس سے بیعت جائز ہے۔ اگر کسی فاسق فاجر سے بیعت کی تو یقیناً نقصان پہنچے گا اس سے تو نہ بیعت ہونا ہی بہتر ہے۔ اگر شیخ متقی ہے لیکن صاحب اجازت نہیں، کسی پیر کی اولاد ہونے کی بنا پر مرید کرتا ہے جب بھی ناجائز کہ شرط اجازت مفقود بلکہ صاحب اجازت بھی ہے لیکن نسبت باطنی سے خالی ہے تب بھی مناسب نہیں کہ منشاء اصلی اس میں معدوم ہے۔

داڑھی منڈانے کی عادت کرنا، گانے بجانے کا پیشہ کرنا یا اس کی اجازت دینا، تصویریں کھینچنا یا کھچوانا سب محرماتِ شرعیہ سے ہیں جو ان چیزوں سے کسی شئے کا مرتکب ہے وہ فاسق ہے اور فاسق سے بیعت حرام ہے اور تصویروں کا ہار پہنا کر ان کے ساتھ اعزاز و احترام تو نہایت ہی درجہ کا فسق ہے جو لوگ ان فاسقین کے یہ افعال جانتے ہوئے بھی ان سے بیعت ہوتے ہیں وہ بھی فاسق ہیں، ان پر توبہ اور بیعت توڑنا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نوٹ :- یہ فتویٰ مسودے کی صورت میں تھا)

(سوال نمبر ۲۹۱)

(۱) اگر کوئی شخص ایک ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرے جس نے کبھی مرید نہ کیا ہو اور اس بیعت کو ایک مرحوم عالم دین بزرگ (جنہوں نے اپنی زندگی میں کبھی مرید نہ کیا ہو) کے ہاتھ پر عالم ارواح میں بیعت تصور کرے در آں حالے کہ شخص موصوف نہ بزرگ مرحوم کا مرید ہے اور نہ خلیفہ، کیا اس طریقہ سے بیعت ہو سکتی ہے؟

(۲) کیا مرشد طریقت کے لئے علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی کا حامل ہونا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو جو شخص باوجود علم دین سے ناقص واقفیت کے بیعت لے تو کیا یہ بیعت جائز ہو گی؟

(مستفتی)

محمد مسعود احمد۔ حیدرآباد سندھ

۲ر نومبر ۱۹۵۲ء

الجواب

(۱) بیعت کے لئے یہ شرط ہے کہ ایسے شخص سے بیعت کی جائے جو کسی بزرگ کا مرید ہو اور اس سے اجازت بھی حاصل ہو۔ خواب میں کسی سے مرید ہونا یا اس سے اجازت حاصل ہونا معتبر نہیں۔

(۲) ہاں مرشد کے لئے ضروری ہے کہ عقائد اہل سنت سے واقف ہو اور مسائل فقہیہ ضروریہ کا واقف ہو اور کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر تزکیہ نفس کیا ہو اور اس سے نسبت حاصل کی ہو اور اس نے اس کو مجاز کیا ہو۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہے تو وہ مرشد ہونے کے قابل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۹۲) کیا تصور شیخ شرعاً جائز ہے؟ مولوی اسمٰعیل شہید نے جو اس کے خلاف لکھا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

عن ابن مسعود۔ الحدیث ص ۱۶۱ اس حدیث سے مولینا تھانوی نے یہ فائدہ تحریر فرمایا کہ تصور شیخ کی جو حقیقت ہے کہ غائب کی طرف مثل حاضر کے نظر خیالی کی جائے وہ اس حدیث سے صراحتہً ثابت ہے۔ دوسری جگہ "التکشف" میں تحریر فرماتے ہیں کہ رابطہ خاص ایک شغل کا نام ہے جس میں شیخ کی صورت

ذہن میں حاضر کرکے نظر قلب سے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر اور خیال کو سادہ کر دیکھا جاتا ہے فیض کا نہ حاضر و ناظر لیکن تصوراً فقط لا اعتقاداً۔ یعنی یہ فرض کرتے اور سمجھتے ہوئے کہ شیخ حاضر و ناظر ہے لیکن ایسا خیال کرنا صرف تصور میں نہ اعتقاد میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

نوٹ:۔ یہ جواب مسودے کی صورت میں نامکمل تھا ہم نے من وعن یہاں نقل کر دیا ہے، سوال بھی خود ہی قائم کیا ہے کیونکہ جواب سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ (مرتب)

(سوال نمبر ۲۹۳)

(۱) مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں یہ اشعار تحریر فرمائے ہیں، ان کی کیا تعبیر و تشریح کی جائے گی:۔

چو ذات پیر را کردی قبول ۔۔۔ ہم خدا در ذات آمد ہم رسول
یک ببین و یک بداں و یک بخواں ۔۔۔ خواجہ را در خواجہ خود محو داں

(۲) ایک بزرگ اپنی تصنیف میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں:۔

"پیر پرستی خدا پرستی است، تا پیر پرست نہ گردد، خدا پرست نہ گردد بلکہ پیر تو معبود است جائے دیگر در ہر زماں و در ہر مکان پیر را حاضر و ناظر داں"

اس قسم کے ظاہری معنی مراد لئے جائیں تو شریعت غرا میں کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اکثر اشعار میں قلت الفاظ کی وجہ سے محذوفات ہوتے ہیں جو قرائن اور اقتضاء کلام سے مستفاد ہوتے ہیں اور صاحب فہم اشخاص شعر کے معنی سمجھتے وقت ان محذوفات کے معانی بھی ضم کر لیتے ہیں تاکہ شاعر کی اصل مراد تک پہنچ سکیں۔ نیز یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ لفظ کے حقیقی معنی ہی لئے جائیں، جب کسی وجہ سے حقیقی معنی لینے متعذر ہوں تو ایسے وقت مجازی معنی ہی لئے جاتے ہیں۔ جب یہ دونوں امر معلوم ہو چکے تو اب کہتا ہوں کہ یہ بات تو مجمع علیہ بین المسلمین ہے کہ غیر خدا کو خدا جاننا صریح شرک ہے پس اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے شعر کی تقدیر یہ ہوگی (چو ذات پیر را برائے اطاعت کردی قبول ہم اطاعت خدا در ذات او حاصل آمد و ہم اطاعت رسول) اب کوئی محذور شرعی لازم نہیں آتا، دوسرے شعر میں اول خواجہ سے مراد مرشد معلوم ہوتا ہے اور دوسرے خواجہ سے حضور سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس شعر میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اپنے پیر کی اطاعت کی جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ تو شاعر جواب دیتا

ہے کہ مرشد میں اور حضور سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں دوئی نہ جان - مرشد تو اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی ہے پس مرشد کی اطاعت اصل میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت ہے -

'پرستی' کا لفظ بھی اطاعت کے معنی میں کثرت سے شائع و ذائع ہے جو اہل زبان پر پوشیدہ نہیں، پس تیسرے کلام کے معنی بھی درست ہوا گئے، البتہ اس کلام میں لفظ 'بلکہ' کے بعد جو عبارت ہے اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی، پس یا تو یہ کلام دوسری طرح پر ہے یا کسی جاہل غیر عارف کا ہے، سو اس تقدیر پر مضر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم -

حررہٗ محمد مظہر اللہ غفرلہٗ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۹۴) مذاق العارفین ترجمہ اردو احیاء العلوم (مصنفہ حضرت امام غزالیؒ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنو، جلد سوم، ص- ۷۹) میں یہ عبارت ملتی ہے :-

"کوئی عبادت اس سے بڑھ کر نہیں کہ ہوائے نفسانی کے خلاف حلال چیز کو ترک کر دے"۔

اس سلسلے میں دو واقعے بھی لکھے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اور ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، ایک ایک حلال چیز کو ترک کر دیا، کھایا نہیں ——— لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا یا صرف ایک دفعہ پر اکتفا کیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہوائے نفسانی کے خلاف حلال چیز کو مجاہدے کی نیت سے ہمیشہ کے لئے ترک کر دے یا وقتاً فوقتاً مختلف حلال چیزوں کو ترک کرتا رہے ؟

اسی کتاب کی اسی جلد کے صفحہ ۴۱۲ پر یہ عبارت ملتی ہے :-

"ایک کوئی طالب علماء کے پاس پھرا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ کوئی شخص مجھ کو ایسا عمل بتا دے کہ اس کے باعث میں ہمیشہ خدا تعالیٰ کے واسطے عامل ہو جاؤں اس لئے کہ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مجھ پر کوئی گھڑی رات اور دن میں ایسی گزرے جس میں خدا کے لئے عمل نہ کرتا ہوں۔ اس کو علماء نے کہا کہ تیرا مطلب تجھ کو حاصل ہے جس قدر ہو سکے خیر کیا کرو، اور جب خیر سے تھک جائے تو دل سے اس کے کرنے کا قصد کر کر۔ اس لئے جو عمل خیر کا قصد کرتا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ گویا خیر کرتا ہے"

اس عبارت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک شخص کھانا عبادت میں طاقت کی نیت سے کھاتا ہے، لباس عبادت میں زینت کی غرض سے پہنتا ہے اور سوتے وقت یہ نیت کرتا ہے کہ تکان اور سستی دور ہو کر میں عبادت کے قابل ہو جاؤں، آیا یہ شخص مندرجہ بالا نیت کی فضیلت حاصل کر سکتا ہے، اگر نہیں تو کیا نیت کرنی چاہیئے کہ اس کی رات بھر عبادت میں داخل ہو جائے ؟ والحمد للہ اولاً و آخراً وصلی اللہ علیٰ کل عبد مصطفےٰ من اھل الارض والسماء -

فقط -

الجواب

شرعاً صرف اس ہی خواہش نفس کا چھوڑنا لازم ہے جس کی شرعاً کراہت یا حرمت ثابت ہے، ورنہ نفس کا بھی آدمی پر حق ہے۔ مباح اشیاء کا اپنے اوپر حرام کرنا جائز نہیں، ہاں ایسی اشیاء کو ترک کر سکتا ہے جس میں سوائے نفس کے خوش کرنے کے اصلاح بدن وغیرہ کا فائدہ نہ ہو بلکہ ایسی اشیاء میں بھی اگر نیت بخیر ہوگی تو ثواب کا مستحق ہوگا، مدار کار اصل میں نیات پر ہے، سوال میں جن نیات کے ساتھ کھانے پینے وغیرہ کا ذکر ہے ایسی نیات سے امید ہے کہ تمام ہی افعال طاعت وعبادت میں شمار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفر لہ (الامام)
مسجد جامع فتحپوری، دہلی
۱۲ مئی ۱۹۵۶ء

حسب ونسب

(سوال نمبر ۲۹۵) ایک شخص قوم کا شیخ ہے لیکن وہ خود کو سید کہتا ہے، اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ - بیّنوا و توجروا۔

الجواب

ایسا شخص گنہگار ہے لقولہ علیہ السلام من ادعیٰ الیٰ غیر ابیہ او تولیٰ غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین - بحدیث رواہ الترمذی - فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہر اللہ غفر لہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

(سوال نمبر ۲۹۶) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ نے وصال فرمایا اور بطور جدی وارث بموجب شجرۂ ذیل خواجہ ابو بکر چشتیؒ کو چھوڑا، لیکن خصوصیت اور امتیاز نیز دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے حضرت خواجہ فریدالدین چشتیؒ کے نواسے حضرت خواجہ محمد امام صاحبؒ کی اولاد نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت محبوب الٰہی نے خواجہ محمد امام صاحب کو اپنا متبنّیٰ بنا لیا تھا جس کا ثبوت کتاب "سیر الاولیاء" اور "فوائد الفواد"

یا کسی اور ملفوظات کی کتاب سے مطلق نہیں ملتا، لہٰذا ان حالات کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوالات کے بابت سلسلہ وار عنایت فرما کر ممنون فرمائیں :-

(۱) کیا اسلام میں متبنّیٰ بنانا جائز ہے اور قرآن کی رو سے اس پر کیا حکم ہے ؟

(۲) اگر متبنّیٰ بنانا شرعاً ناجائز ہے تو کیا اللہ کی محبوبیت کے درجہ کو پہنچے ہوئے بزرگ کی طرف یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے نعوذ باللہ ایسا گناہ سرزد ہوا ہوگا ؟

(۳) اگر محبوب الٰہی پر یہ بہتان ہے تو شرع میں بہتان کا درجہ کیا ہے ؟

(۴) بہتان لگانے والوں کی شرعاً کیا سزا ہے ؟

(۵) ایسے کتابات یا تحریریں جن کے ذریعہ سے مذکورہ بہتان کی تشہیر ہوئی ہو برقرار رکھنے چاہئیں یا نہیں ؟ - بینوا و توجروا -

شجرہ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی ابن ابی طالب

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ
امام محمد باقر رضی اللہ عنہ
امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ
امام علی موسیٰ رضا
امام جواد محمد تقی رضی اللہ عنہ
امام ہادی نقی رضی اللہ عنہ
امام جعفر ثانی رضی اللہ عنہ
سید علی اصغر رضی اللہ عنہ
سید عبداللہ رضی اللہ عنہ
سید احمد شہید رضی اللہ عنہ
سید علی شہید رضی اللہ عنہ
سید حسن خلجی رضی اللہ عنہ
سید عبداللہ خلجی رحمۃ اللہ علیہ — سید محمد خلجی رحمۃ اللہ علیہ

سید عمر اشرف رحمۃ اللہ علیہ
سید ذکریا رحمۃ اللہ علیہ
سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ
سید صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ
سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ
سید فتح اللہ رحمۃ اللہ علیہ
سید محمد رحمۃ اللہ علیہ
سید احمد رحمۃ اللہ علیہ
سید منہاج الدین رحمۃ اللہ علیہ
سید معین الدین رحمۃ اللہ علیہ
سید اسحاق رحمۃ اللہ علیہ
سید علی رحمۃ اللہ علیہ
سید بہاء الدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ
سید خواجہ امام رحمۃ اللہ علیہ

سید عبداللہ خلجیؒ
- سید علی بخاریؒ ← سید احمد بخاریؒ ← سید خواجہ نظام الدین محمدؒ
- سید موسیٰ بخاریؒ ← سید عبدالرحمٰنؒ ← سید عبداللہؒ ← سید خواجہ ابوبکر چشتیؒ

سید محمد خلجیؒ
- سید عرب بخاری ← سید عبداللہ بخاریؒ ← سید صالحؒ ← سید محمدؒ ← سید رفیع الدین ہارونؒ

الجواب

اس مسئلے میں سب سے زیادہ معتبر کتاب سیر الاولیاء ہے لیکن اس میں خواجہ ابوبکر مصلی دار رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کی تو تصریح ہے کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ سے وہ شرف قرابت رکھتے تھے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ حضرت کی کسی جد بزرگوار کی اولاد سے تھے، بعض تواریخ سے ضرور یہ ثابت ہے کہ خواجہ ابوبکر کے جد امجد سید علی بخاری رحمہم اللہ کے برادر حقیقی سید موسیٰ بخاری رحمہم اللہ کے پڑوتے تھے، چناں چہ صاحب کتاب نظام منیری اور صاحب کتاب سیرت نظامی اور صاحب تتمہ سیرۃ الاولیاء ایسا ہی تحریر فرماتے ہیں، اور بعض ایسے شجرہ ل سے بھی یہی ثابت ہے جن کی حضرت کے اقارب نے تصدیق فرمائی ہے۔ بناءً علیہ خواجہ ابوبکر، حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کے عصبہ تھے اور حضرت کے ترکہ سے اپنا حصہ پانے کے مستحق تھے، لیکن میری نظر سے یہ کسی کتاب میں نہیں گزرا حضرت نے خواجہ ابوبکر کو متبنیٰ کیا تھا ممکن ہے کہ اس کے مدعیوں کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہو، لیکن اس سے اگر یہ غرض ہے کہ وہ اس وجہ سے حضرت کے جانشین تھے (جیسا کہ بعض حضرات سے سنا جاتا ہے) تو یہ محض باطل ہے اس لئے کہ اسلام میں ایسا متبنیٰ بنانا جائز نہیں جس پر حقیقی فرزند کا اطلاق کیا جا سکتا ہو یا کم از کم صاحب متبنیٰ کو اس کا باپ کہا جا سکتا ہو، اور باہمی ایک دوسرے کو اس کا وارث سمجھا جا سکتا ہو، رسمی طور پر جو کسی کو متبنیٰ بنایا جاتا ہے اس کا اثر شرعاً صرف اس ہی قدر ہوتا ہے متبنیٰ صاحب متبنیٰ کی کفالت میں آجاتا ہے۔ صاحب متبنیٰ کی وفات کے بعد اس کی کسی شے کا بھی مستحق نہیں رہتا مگر اس ہی کا جو اپنی زندگی میں وہ اسے کچھ دے گیا ہو یا تہائی ترکہ تک اس کے لئے وصیت کر گیا ہو تو گویا وہ ایک غیر وارث کا حکم رکھتا ہے (بشرطیکہ کوئی اور علاقہ وراثت کا اس میں نہ پایا جاتا ہو) چناں چہ تفسیر احمدی میں ہے:-

واما ما رسمه اهل زماننا حيث يقيمون شخصا مقامهم ويعطون مالا ويكتبونه وارثا فليس ذالك بطريق الارث بل بطريق الهبة وهو مشروع جدا في غير الاسم اعني الانتسابية انتهى۔

اب جب یہ شے ذہن نشیں ہوچکی تو ان اصول بالا مندرجہ فی السوال کے جوابات خود ظاہر ہیں کہ :-

(۱) اسلام میں ایسا متبنیٰ بنانا غیر معتبر اور ناجائز ہے جس کو فرزند حقیقی کا مرتبہ وراثت وغیرہ میں دیا جائے۔

(۲) حضرت محبوب الٰہی کی ذات مقدسہ سے ہرگز ایسا متبنیٰ بنانا متصور نہیں، ہاں اس کا امکان ہے کہ خواجہ ابوبکر کو اپنی کفالت میں لینے کی وجہ سے ان کو رسمی طور پر متبنیٰ کہا ہو یا دوسرے لوگوں نے اس شبہ کی بنا پر حضرت کا متبنیٰ کہا ہو لیکن یہ محتاج دلیل ہے۔

(۳) ناجائز صورت پر متبنیٰ بنانے کی نسبت حضور کی طرف کرنا بلاشبہ حضور پر بہتان ہے جو سخت گناہ ہے۔

(۴) ایسے کو کوئی سزا دینا عوام کے اختیار میں نہیں ہے۔

(۵) جو قدرت رکھتا ہو اس پر ایسے بہتان کا ازالہ ضروری ہے بشرطیکہ متبنیٰ کہنے والے نے اس کی تشریح بھی کی ہو کہ حضور نے اپنا وارث بنانے کے لئے متبنیٰ کیا تھا، لیکن اگر وہ صرف متبنیٰ کہتا ہے اور اس کے کچھ دلائل بھی رکھتا ہے اور اس بنا پر حضرت کا جانشین ثابت کرنا چاہتا ہے تو یہ بہتان نہیں ہے لیکن وہ اس سے خواجہ ابوبکر کو حضرت کا جانشین ثابت نہیں کر سکتا کہ اگرچہ جانشینی کو وراثت سے کچھ تعلق نہیں غیر بھی جانشین ہو سکتا ہے لیکن جب ہی کہ اصیل اس کو اپنا جانشین قرار دے یا بعد اس کی مدت کے وہ لوگ باتفاق اس کو متوفی کا جانشین تسلیم کرلیں جو متوفی کے خواص متعلقین میں شمار کئے جاتے ہوں اور جن کو اہل حل و عقد سے تعبیر کیا جا سکتا ہو اور یہ شے ہرگز ثابت نہیں پس اس صورت میں ان کو جانشین کہنے سے روکا جا سکتا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہٗ امام

مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۷۶ھ / ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء

ہجرت

(سوال نمبر ۲۹۷) موجودہ خطرات کے پیش نظر دہلی سے باہر جانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

موجودہ خطرات پر نظر رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص دہلی سے باہر کسی محفوظ مقام پر چلا جائے تو شرعاً اصلاً حرج نہیں بلکہ مستحب ہے، چناں چہ درمختار میں ہے :-

اخذته الزلزلة فی بیته فخرّ الی الفضاء لایکره بل یستحب لفرار النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن الحائط المائل۔

بلکہ جس کے لئے جان و مال کا نقصان مظنون بظن غالب ہو جائے اس کے لئے تو نکلنا ضروری ہے لقولہ تعالیٰ:۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة۔

البتہ جس کو اس پر ظن غالب نہیں اور محض متردد ہے اس کے لئے دہلی کا قیام اور اس سے نکلنا دونوں مساوی ہیں اور اسکی ساتھ نیت بھی بخیر ہے تو دونوں مستحب آیۃ مذکورہ کے مضمون پر نظر رکھتے ہوئے بر بنائے احتیاط نکلے گا تب بھی مستحب ہے اور آیۃ کریمہ:۔

اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیّدة۔

کے مضمون پر نظر رکھتے ہوئے قیام کرے گا تب بھی مستحب۔ رہا طاعون پر قیاس تو یہ قیاس چوں کہ ایک غیر مجتہد کا ہے اس لئے قابل توجہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(نوٹ) غالباً یہ فتویٰ سن ۱۹۲۰ء میں "تحریک ہجرت" کے زمانے میں تحریر فرمایا ہے، اسی زمانے میں مولینا عبدالباری فرنگی محلی کے فتوے کے بعد مسجد فتحپوری میں دفتر ہجرت بھی کھولا گیا تھا (مرتب)

طہارت

(سوال نمبر ۲۹۸) بارش کا پانی جوشہر کے گلی کوچوں سے ہو کر بہتا ہے پاک ہے یا ناپاک؟ اگر یہ پانی کنوئیں میں چلا جائے تو وہ ناپاک تو نہ ہوگا؟ بینوا وتوجروا۔

مستفتی
فضل احمد۔ دہلی

الجواب

بارش کے بہتے پانی میں اگر نجاست کا اثر نہیں پایا جاتا ہو تو وہ پاک ہے اور اس سے جو پانی کنوئیں میں گیا ہے وہ کنوئیں کو ناپاک نہ کرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ عفی عنہ
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۲۹۹) گائیں یا اونٹ یا بکرا اپنی موت سے مرگیا تو اس کی کھال رنگ کر ڈول یا مشک بنائی

جاسکتی ہے یا نہیں یہ ناپاک تو نہ ہوگی؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

مری ہوئی گائے وغیرہ کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے اور اس کا ڈول وغیرہ بنوایا جاسکتا ہے، کذا فی کتب الفقہ لحدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر ان یستمتع بجلود المیتۃ اذا دبغت۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری د

(سوال نمبر ۳۰۰)

(۱) مسجد کی ٹنکی میں سے ایک چڑیا پھولی پھٹی برآمد ہوئی تو اس ٹنکی کے پانی سے وضو کرنے والے نمازیوں کو تین دن کی پچھلی نمازیں لوٹانا واجب ہے یا نہیں۔ چڑیا کے گرنے کا وقت معلوم نہیں۔

(۲) اس ناپاک پانی سے وضو کرنے کے بعد جس تولیہ سے منہ پونچھا تھا۔ پاک پانی سے وضو کرنے کے بعد پھر اسی خشک تولیہ سے منہ پونچھا گیا اور نماز پڑھی گئی۔ آیا یہ نماز صحیح ہوگئی یا واجب الاعادہ ہے؟ اجیبوا فاثیبوا

مستفتی

قاری محمد میاں، مدرس مدرسہ
عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری دہلی

الجواب

(۱) جب جانور کے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو تو اس پر فتویٰ ہے کہ دیکھنے کے وقت سے پانی ناپاک قرار دیا جائے گا۔

(۲) ہاں ہوگئی۔ ہاں اگر پونچھنے سے تولیہ میں اتنی تری آگئی جو دوبارہ عضو کو تر کردے تو البتہ عضو ناپاک ہو جائے گا اور قدر معافی سے زائد ناپاک ہوا تو نماز نہ ہوگی۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ (امام)
مسجد جامع فتحپوری دہلی

(سوال نمبر ۳۰۱)

(۱) میت کو چارپائی پر لٹانے سے کیا چارپائی ناپاک ہو جاتی ہے؟

(۲) غسل دینے کے بعد اگر میت کو بغیر دھوئے اسی چارپائی پر لٹا دیا جائے تو کیا میت ناپاک ہو جاتی ہے؟

(۲) میت کی کفنی اگر آگے سے پورے ٹخنوں تک اور پیچھے سے کمر تک ہو تو شرعًا کیا حکم ہے؟
بینوا و توجروا۔

ھوالموفق

(۱) میت کے خشک بدن سے چارپائی ناپاک نہیں ہوتی البتہ عامہ مشائخ کے نزدیک میت کا بدن نجس بہ نجاست خبیثہ ہے اس لئے اس کے بدن کی تری سے چارپائی ناپاک ہو جائے گی۔
(۲) ناپاک چارپائی پر میت کفنا کر اس کی نماز پڑھی گئی تو نماز درست نہ ہو گی جب کہ بقدر مانع نماز نجاست میت کے بدن یا کفن یا چارپائی پر میت سے ملاقی جگہ پر ہو، در مختار میں ہے:۔
وفی القنیه الطھارۃ من النجاسۃ فی ثوب وبدن ومکان شرط فی حق المیت والامام جمیعا۔ وقال محشی الشامی یقید مافی القنیۃ بغیر النجاسۃ الخارجۃ من المیت اقول یعنی بعد التکفین۔
(۳) غربت وعسرت کے سبب کفنی کم رکھی جائے تو مضائقہ نہیں لما فی الھندیہ وعامۃ کتب الفقہ ان کان بالمال کثرۃ وبالورثۃ قلۃ فکفن السنۃ اولی وان کان علی العکس فکفن الکفایۃ اولی۔
لیکن کپڑا میسر ہوتے ہوئے کفنی کا کسی جانب سے کم رکھنا خلاف سنت ہے اور مصلی رومال وغیرہ غیر ضروری اشیاء کے لئے کفنی کم کرنا تو ظلم ہے اور میت کی حق تلفی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مشرف احمد غفرلہ
نائب مفتی، مسجد جامع فتحپوری، دہلی

مناجاتِ رضا

یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو!
جب پڑے مُشکل شہِ مُشکل کُشا کا ساتھ ہو!

یاالٰہی بُھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیٔ دیدارِ حُسنِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو!

یاالٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
اُن کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو!

یاالٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار وگیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو!

یاالٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر، شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو!

ماخذ و مراجع

مرتبہ

مولانا عبدالقدوس ہاشمی

و

پروفیسر محمد مسعود احمد

بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ

كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝ بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ

قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا

(ا)

ماخذ و مراجع

(مصنف علیہ الرحمہ)

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۱	ابراھیم بن محمد الحلبی	۹۵۶ھ	غنیۃ المتملی فی شرح منیۃ المصلی
۲	" " "	" "	الصغیری
۳	" " "	" "	الکبیری
۴	ابن الحاج الفاسی محمد بن محمد العبدری	۷۳۷ھ	المدخل
۵	ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی	۵۹۷ھ	الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید
۶	ابن عابدین، محمد امین بن عمر	۱۲۵۲ھ	رد المحتار علی الدر المختار (مطبوعہ قاہرہ ۱۳۰۷ھ)
۷	" " "	" "	منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق
۸	" " "	" "	عقود الدریہ فی تنقیح فتاوی الحامدیہ (۱۲۳۸ھ)
۹	ابن عبد البر جمال الدین یوسف القرطبی	۴۶۳ھ	التمہید
۱۰	ابن کثیر اسمعیل بن عمر الدمشقی	۷۷۴ھ	البدایہ والنہایہ (تاریخ ابن کثیر)
۱۱	ابن ماجہ محمد بن یزید بن ماجۃ القزوینی	۲۷۳ھ	کتاب السنن
۱۲	ابن ہمام، امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی	۸۶۱ھ	فتح القدیر شرح الہدایہ للمرغینانی
۱۳	ابو السعود محمد بن محمد العمادی	۹۸۲ھ	تفسیر ابو السعود (ارشاد السلیم)
۱۴	ابو الفتح رکن الدین بن حسام الدین الناگوری	——	فتاوی حمادیہ
۱۵	ابو الکلام آزاد	۱۳۷۸ھ	مقالہ در جواز تصاویر
۱۶	ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ	بدائع الصنائع
۱۷	ابو بکر الطرطوشی، محمد بن الولید	۵۲۰ھ	سراج الملوک
۱۸	ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵ھ	ابو داؤد شریف
۱۹	ابو شجاع بن شیرویہ بن شہردار الدیلمی	——	فردوس الاخبار
۲۰	ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری البغدادی	۲۷۶ھ	کتاب الامامۃ والسیاسۃ

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۲۱	احمد بن حسن ترعی شافعی		مصباح الظلام
۲۲	احمد بن حنبل، الامام	۲۴۱ھ	المسند
۲۳	احمد بن عبد الاحد سرہندی	۱۰۳۴ھ	مکتوبات شریف
۲۴	احمد بن عبد الرحیم محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ	حجۃ اللہ البالغہ
۲۵	احمد بن حنبل، الامام	۲۴۱ھ	المسند
۲۶	احمد بن علی بصری		فصل الخطاب
۲۷	احمد بن حجر الہیتمی	۹۷۳ھ	الصواعق المحرقہ
۲۸	احمد بن محمد بن عبد اللطیف الزبیدی الیمنی	مابعد ۸۹۰ھ	تجرید البخاری
۲۹	احمد بن محمد الحموی الحنفی، سید	—	حموی (شرح الاشباہ والنظائر) (مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۱۵ء)
۳۰	احمد بن محمد طحطاوی	۱۲۲۱ھ	حاشیۃ الدر المختار (مطبوعہ ۱۲۵۴ھ و ۱۲۸۳ھ، مصر)
۳۱	احمد الخطیب بن عبد اللطیف الجاوی	—	الفتاوی الغیاثیہ
۳۲	احمد رضا خان بریلوی، مولوی	۱۳۴۰ھ	حدائق بخشش
۳۳	" " "	" "	الامن والعلی
۳۴	" " "	" "	العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ (مطبوعہ بریلی)
۳۵	اسمٰعیل دہلوی، مولٰینا	۱۲۴۶ھ	صراط مستقیم
۳۶	اشرف علی تھانوی، مولٰینا	۱۳۶۲ھ	تفسیر بیان القرآن
۳۷	" " "	" "	التکشف عن مہمات التصوف
۳۸	الآلوسی، محمود بن عبد اللہ المفسر	۱۲۷۰ھ	تفسیر روح المعانی
۳۹	الاب شیخ لویس معلوف	—	المنجد
۴۰	الاوشی، سراج الدین علی بن عثمان الفرغانی	—	الفتاوی السراجیہ (۵۶۹ھ)
۴۱	البابرتی، اکمل الدین محمد بن محمود	۷۸۶ھ	شرح العنایہ علی الہدایہ
۴۲	الباجوری، الشیخ ابراہیم بن محمد	۱۲۷۷ھ	حاشیہ علامہ باجوری
۴۳	الباجی، ابو الولید سلیمان بن خلف	۴۷۴ھ	المنتقی فی الحدیث

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۴۴	البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل	۲۵۶ھ	بخاری شریف
۴۵	البغوی، ابومحمد حسین بن مسعود	۵۱۶ھ	معالم التنزیل فی التفسیر
۴۶	البیضاوی، ناصر الدین عبداللہ بن عمر	۶۸۵ھ	تفسیر انوار التنزیل
۴۷	البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین	۴۵۸ھ	السنن الکبریٰ
۴۸	التفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر	۷۹۱ھ	شرح عقائد نسفی
۴۹	الترمذی، الامام الحافظ محمد بن عیسٰی	۲۷۹ھ	الجامع الصحیح (ترمذی شریف)
۵۰	الحدادی، ابوبکر بن محمد	۸۰۰ھ	الجوہرۃ النیرۃ (شرح مختصر القدوری)
۵۱	الخازن، علاء الدین علی بن محمد	۷۴۱ھ	لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن)
۵۲	الخوارزمی جلال الدین بن شمس الدین	۷۰۰ھ	الکفایہ فی شرح الہدایہ
۵۳	الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن السمرقندی	۲۵۵ھ	کتاب السنن (مطبوعہ کانپور ۱۲۹۳ھ)
۵۴	الرازی، فخر الدین محمد بن عمر	۶۰۶ھ	تفسیر کبیر الموسوم بمفاتیح الغیب (مطبوعہ مصر ۱۳۲۷ھ)
۵۵	الزرقانی، ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف	۱۱۲۲ھ	شرح موطا الامام مالک (مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ)
۵۶	״ ״ ״	״ ״	شرح مواہب اللدنیہ
۵۷	الزیلعی جمال الدین عبداللہ بن یوسف	۷۶۲ھ	نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ
۵۸	الزاہدی، ابوالرجاء مختار بن محمود	۶۵۸ھ	قنیۃ المنیہ لتتمیم الغنیہ (شرح زاہدی، مطبوعہ ۱۲۴۵ھ کلکتہ)
۵۹	الزیلعی، فخر الدین عثمان بن علی	۷۴۳ھ	تبیین الحقائق لما فیہ من تبیین ما اکتنز من الدقائق (مطبوعہ ۱۳۰۳ھ و ۱۳۱۳ھ)
۶۰	السرخسی، شمس الائمۃ محمد بن احمد	۴۸۳ھ	المبسوط
۶۱	السمرقندی، ابوالقاسم بن ابی بکر اللیثی	———	مستخلص شرح کنز الدقائق
۶۲	السہروردی، شہاب الدین عمر بن محمد	۶۳۲ھ	عوارف المعارف
۶۳	السیوطی جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر	۹۱۱ھ	تاریخ الخلفاء

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۶۴	الشاشی، اسحٰق بن ابراہیم	۳۲۵ھ	اصول الشاشی
۶۵	الشافعی، محمد بن ادریس	۲۰۴ھ	کتاب الأم
۶۶	" " "	" "	مسند الامام الشافعی
۶۷	الشرنبلالی، علامہ حسن بن عمار	۱۰۶۹ھ	نور الایضاح ونجاۃ الارواح
۶۸	" " "	" "	مراقی الفلاح
۶۹	" " "	" "	شرنبلالیہ
۷۰	الشیبانی، الامام محمد بن الحسن	۱۸۹ھ	جامع الصغیر
۷۱	الشیبانی، الشیخ عبد الرحمٰن بن الربیع	۹۴۴ھ	تیسیر الاصول الی جامع الاصول من حدیث الرسول
۷۲	الشیخ حسن العدوی الحمزاوی	۱۳۰۳ھ	الشیخ الزرقانی بشرح الزرقانی
۷۳	الشیخ شمس الدین محمد بن تمرتاش الغزی	۱۰۰۴ھ	تنویر الابصار جامع البحار
۷۴	الشیخ عبد الرحمٰن	—	—
۷۵	الشیخ علاء الدین علی المتقی	۹۷۵ھ	کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال
۷۶	الشیخ عمر العطار الدمشقی	بعد ۱۳۲۱ھ	فتح المبین
۷۷	الشیخ محمد بن خلیفۃ الأبی	۸۲۷ھ	اکمال (شرح مسلم شریف)
۷۸	الشیخ محمد بن عمر البالی المدنی	۱۲۲۰ھ	سبل السلام فی حکم آباء سید الانام
۷۹	الشیخ محمد بن علی الباقر	—	جامع الشواہد
۸۰	الصنعانی، محمد بن اسمٰعیل الامیر	۱۱۸۲ھ	سبل السلام شرح بلوغ المرام
۸۱	الطبرانی، سلیمان بن احمد اللخمی	۳۶۰ھ	المعجم الکبیر (الوسیط الصغیر)
۸۲	الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد الحنفی	۳۲۱ھ	مشکل الآثار (طحاوی)
۸۳	الطحطاوی، احمد بن محمد	۱۲۳۱ھ	طحطاوی علی مراقی الفلاح
۸۴	العینی، بدر الدین محمود	۸۵۵ھ	عمدۃ القاری فی شرح البخاری
۸۵	الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد	۵۰۵ھ	احیاء العلوم الدین
۸۶	" " "	" "	المستصفیٰ فی الاصول
۸۷	الفرغانی، ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل	۵۹۳ھ	الہدایہ شرح البدایہ
۸۸	الفرغانی، امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی	۵۹۲ھ	فتاوی قاضی خان

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۸۹	الفیروز آبادی مجد الدین	۸۱۶ھ	قاموس اللغۃ
۹۰	القاضی علی الشوکانی الیمانی	۱۲۵۵ھ	الدرر البہیّہ
۹۱	القاضی محمد بن محمد ابو یعلی الفراء الحنبلی الشہید	۵۲۶ھ	طبقات الحنابلۃ
۹۲	القدوری، ابو الحسین احمد بن محمد	۴۲۸ھ	المختصر القدوری فی فروع الحنفیہ
۹۳	القرطبی محمد بن احمد انصاری اندلسی	۶۷۱ھ	الجامع الاحکام القرآن (المعروف بہ تفسیر قرطبی)
۹۴	القسطلانی، شہاب الدین احمد بن محمد	۹۲۳ھ	المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ (مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۲۵ھ)
۹۵	القشیری، ابو الحسن بن الحجاج النیشاپوری	۲۶۱ھ	مسلم شریف
۹۶	القشیری، ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن	۴۶۵ھ	رسالۃ القشیریہ
۹۷	الکازرونی، ظہیر الدین علی بن احمد	۷۰۰ھ	منبراس المغنی
۹۸	المولی اسمٰعیل حنفی	۱۱۲۷ھ	تفسیر روح البیان (مطبوعہ مصر ۱۲۵۵ھ)
۹۹	النسائی، الحافظ احمد بن علی	۳۰۳ھ	کتاب السنن المسمیٰ بالمجتبیٰ (نسائی شریف)
۱۰۰	النسفی، حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ	۷۱۰ھ	کنز الدقائق فی الفروع
۱۰۱	" " "	" "	تفسیر مدارک
۱۰۲	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ	ہدایہ (شرح ہدایۃ المبتدی)
۱۰۳	"پاسبان" بمبئی (ماہنامہ) ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ		
۱۰۴	توربشتی، فضل اللہ بن حسن	۶۶۱ھ	مطلب المناسک
۱۰۵	" " "	" "	الیسر
۱۰۶	توریت	——	——
۱۰۷	ثناء اللہ پانی پتی، قاضی	۱۲۲۵ھ	ما لابد منہ
۱۰۸	" " "	" "	تفسیر مظہری
۱۰۹	جلال الدین محلی و جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	تفسیر جلالین
۱۱۰	جمالی دہلوی، مولانا	۹۴۲ھ	سیر الاولیاء
۱۱۱	حافظ الدین محمد بن محمد البزازی	۸۲۷ھ	الفتاوی البزازیہ
۱۱۲	حزم علی، مولینا	۱۳۲۱ھ ؟	غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۱۱۳	حسن علا سنجری	۷۱۷ھ	فوائد الفواد
۱۱۴	خیر اللہ شاہ مہندس		نقشۂ اوقات نماز
۱۱۵	رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۶۲ھ	المنسك المتوسط
۱۱۶	رشید احمد گنگوہی، مولینا	۱۳۲۳ھ	فتاوی رشیدیہ
۱۱۷	رکن الدین، مولینا	۱۳۵۵ھ	رسالہ رکن دین
۱۱۸	رومی، جلال الدین محمد	۶۷۲ھ	مثنوی شریف
۱۱۹	زید ابوالحسن دہلوی		الحجۃ فی مسئلۃ اللحیۃ والقبضۃ
۱۲۰	زین العابدین بن ابراہیم نجیم الحنفی المصری	۹۷۰ھ	الاشباہ والنظائر (مطبوعہ لکھنؤ)
۱۲۱	” ” ”	” ”	البحر الرائق شرح کنز الدقائق
۱۲۲	زبور	——	——
۱۲۳	سراج الدین ابوطاہر محمد السجاوندی		سراجی (فی علم الفرائض)
۱۲۴	سراج الدین محمود الارموی	۶۰۱۲ھ	مطالع الانوار
۱۲۵	سر الشہادتین		
۱۲۶	"سنی"، لکھنو، (ماہنامہ)		
۱۲۷	سید احمد بریلوی، مولوی	۱۲۸۶ھ	الطریقۃ المحمدیہ
۱۲۸	سیرت نظامی		
۱۲۹	شدھی سماچار (۱۵ جون ۱۹۳۰ء)		
۱۳۰	شرح ابی المکارم	——	——
۱۳۱	صدیق حسن خان، نواب	۱۳۰۷ھ	السراج الوہاج فی کشف مطالب صحیح مسلم بن حجاج (مطبوعہ بھوپال، ۱۳۰۲ھ)
۱۳۲	” ” ”		الروضۃ الندیہ فی شرح درۃ البہیہ (مطبوعہ قاہرہ ۱۳۰۷)
۱۳۳	ظہیر الدین بن ابی بکر محمد بن احمد القاضی الحنفی	۶۱۹ھ	فتاوی ظہیریہ
۱۳۴	عاشق الٰہی میرٹھی، حاجی محمد	——	تذکرۃ الرشید
۱۳۵	عالم بن علاء الدین حنفی	۷۵۲ھ	الفتاوی التاتارخانیہ

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۱۳۶	عبد الرحیم صفی پوری	ـــــ	منتہی الادب فی لغات العرب
۱۳۷	عبد الحق محدث دہلوی، شاہ	۱۰۵۲ھ	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ
۱۳۸	،، ،، ،،	،، ،،	اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل
۱۳۹	،، ،، ،،	،، ،،	مدارج النبوۃ
۱۴۰	،، ،، ،،	،، ،،	مجمع البرکات
۱۴۱	،، ،، ،،	،، ،،	جذب القلوب الی دیار المحبوب
۱۴۲	،، ،، ،،	،، ،،	شرح سفر السعادۃ
۱۴۳	،، ،، ،،	،، ،،	ماثبت بالسنۃ
۱۴۴	عبد الحی فرنگی محلی، مولانا	۱۳۰۴ھ	عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ
۱۴۵	،، ،، ،،	،، ،،	مجموعہ فتاوی (مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۳۱ھ)
۱۴۶	عبد الحی، مولوی (خطیب جامع مسجد رنگون)	ـــــ	مجموعہ فتاوی عربی
۱۴۷	عبد العزیز محدث دہلوی، شاہ	۱۲۳۹ھ	فتاوی عزیزیہ
۱۴۸	،، ،، ،،	،، ،،	تحفہ اثنا عشریہ
۱۴۹	،، ،، ،،	،، ،،	زبدۃ النصائح
۱۵۰	،، ،، ،،	،، ،،	تفسیر عزیزی
۱۵۱	،، ،، ،،	،، ،،	بشارت محمدیہ
۱۵۲	عبد العزیز، مولوی	ـــــ	لغات سعیدی، مطبوعہ کانپور ۱۳۰۶ء
۱۵۳	عبد الغفور رمضان پوری	ـــــ	فتاوی مولوی عبد الحی فرنگی محلی لکھنؤ ۱۳۰۱ھ
۱۵۴	عبد الغنی بن اسمٰعیل نابلسی	۱۱۴۳ھ	کشف النور عن اصحاب القبور
۱۵۵	،، ،، ،،	،، ،،	حدیقہ ندیہ
۱۵۶	عبد الواحد بلگرامی	۱۰۱۷ھ	سبع سنابل
۱۵۷	عبد الوہاب شعرانی	۹۷۳ھ	البحر المورود فی مواثیق العہود مطبوعہ قاہرہ
۱۵۸	عبید اللہ بن مسعود صدر الشریعۃ الاصغر	۷۴۷ھ	شرح الوقایہ
۱۵۹	،، ،، ،،	،، ،،	نقایہ مختصر الوقایہ
۱۶۰	علی قاری، علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ	المرقاۃ شرح المشکوٰۃ
۱۶۱	،، ،، ،،	،، ،،	شرح فقہ اکبر

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۱۶۲	علی قاری، علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ	المسلک المتقسط شرح منسک المتوسط (سنہ ۱۰۱۲ھ) (مطبوعہ قاہرہ، سنہ ۱۲۸۹ھ و سنہ ۱۳۰۳ھ)
۱۶۳	" " "	" "	الموضوعات
۱۶۴	غیاث الدین رام پوری	—	غیاث اللغات
۱۶۵	فخر الدین	—	—
۱۶۶	فضل احمد، صوفی	—	شمشیر صداقت مطبوعہ کراچی ۱۹۵۴ء
۱۶۷	قطب الدین خان، نواب	—	مظاہر حق
۱۶۸	قطب الدین محمد الرازی	۷۶۶ھ	شرح مطالع الانوار
۱۶۹	قیس محمد خان	—	عید کا چاند
۱۷۰	کرمانی، امیر اخوند سید محمد مبارک	—	سیرۃ الاولیاء
۱۷۱	کرمانی، شمس الدین محمد القہستانی	۹۶۳ھ	جامع الرموز حاشیہ شرح الوقایہ
۱۷۲	کیدانی، لطف اللہ النسفی	—	خلاصۃ الفقہ
۱۷۳	مجد الدین المبارک ابن الاثیر الجزری	۶۰۶ھ	النہایۃ فی غریب الحدیث و الاثر
۱۷۴	محمد بن فرامورز الملا خسرو	۸۸۵ھ	درر الحکام فی شرح غرر الاحکام
۱۷۵	محمد الیاس کاندھلوی، مولینا	۱۳۶۳ھ	دعوت
۱۷۶	محمد احسن صدیقی نانوتوی، مولینا	—	مذاق العارفین (ترجمہ احیاء العلوم للامام الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ)
۱۷۷	محمد الخطیب الشربینی	۹۷۷ھ	تفسیر سراج المنیر (مطبوعہ قاہرہ، سنہ ۱۳۱۱ھ)
۱۷۸	محمد طاہر بن علی الفتنی	۹۸۶ھ	مجمع البحار
۱۷۹	" " "	" "	تذکرۃ الموضوعات
۱۸۰	محمد علاء الدین حنفی الحصکفی	۱۰۸۸ھ	در المختار فی شرح تنویر الابصار
۱۸۱	محمود حسن، سید شاہ	—	جامع الاقوال
۱۸۲	محمود عباسی		خلافت معاویہ و یزید
۱۸۳	مرزا ابیہار نپوری		دائمی جنتری

نمبر شمار	مصنف	سنہ وفات	تصنیف
۱۸۴	ملا جیون، احمد میٹھوی	۱۱۳۰ھ	تفسیرات احمدیہ
۱۸۵	" " "	" "	نور الانوار فی شرح الابصار
۱۸۶	نجم الدین مختار الزاہدی	۶۵۸ھ	قنیۃ المنیہ لتتمیم الغنیہ
۱۸۷	نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا	۱۳۲۰ھ	فتاوی نذیریہ مطبوعہ دہلی
۱۸۸	نظام برہان پوری، شیخ (وغیرہم)	۱۱۰۹ھ	فتاوی عالمگیری
۱۸۹	وصی احمد لکھنو، مولوی		تعلیق المجلی لما فی منیۃ المصلی (مطبوعہ لکھنو، ۱۳۱۵ھ)
۱۹۰	ولی الدین الخطیب	۷۲۰ھ	مشکوۃ المصابیح (مطبوعہ دہلی ۱۳۱۰ھ)
۱۹۱	ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ	۱۱۷۶ھ	حجۃ اللہ البالغۃ
۱۹۲	ہدیۂ قلوب قاسیہ		

(ب)

ماخذ و مراجع

(مرتب)

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مطبع و سنہ طباعت
۱	ابراہیم، صوفی	خزینۂ معرفت	۱۳۵۰ھ
۲	ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ)	اسد الغابہ (ترجمہ اردو)	مطبوعہ لکھنو
۳	ابن حزم الاندلسی، ابو محمد علی ابن احمد	الملل والنحل (ترجمہ اردو)	مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۶۴ھ
۴	ابو الحسن البصری (م ۴۳۶ھ)	المعتمد فی اصول الفقہ	———
۵	ابو الفضل، شیخ	اکبر نامہ	مطبوعہ حیدر آباد دکن
۶	احمد بن زینی دحلان مکی	الدرر السنیۃ فی رد علی الوہابیۃ	مطبوعہ پشاور
۷	احمد سرہندی مجدد الف ثانی، شیخ	مکتوبات امام ربانی	مطبوعہ دہلی، ۱۲۹۴ھ
۸	اخلاق حسین، علامہ	عقیدت (دہلی)	جولائی و اگست ۱۹۶۴ء

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مطبع و سنہ طباعت
۹	اسماعیل باشا البغدادی	ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون۔	مطبوعہ استانبول، ۱۳۶۶ھ
۱۰	'' '' ''	ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین و آثار المصنفین	مطبوعہ استانبول، ۱۹۵۱ء
۱۱	اشرف علی تھانوی، مولانا	بیان القرآن	مطبوعہ کراچی
۱۲	'' '' ''	حفظ الایمان	مطبوعہ دہلی
۱۳	امیر علی، مولوی	فتاوی ہندیہ (ترجمہ فتاوی عالمگیری)	———
۱۴	بزرگ بن شہریار	عجائب الہند	مطبوعہ لیڈن (ہالینڈ) ۱۸۸۶ء
۱۵	بروکلمان	تاریخ ادبیات عربی	مطبوعہ جرمنی
۱۶	بشیر الدین احمد	واقعات دار الحکومت دہلی	مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۹ء
۱۷	بلاقی داس، منشی	غنچۂ عشرت	مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۶ء
۱۸	حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۷ھ)	کشف الظنون عن اسامی الکتب و الفنون	مطبوعہ مصر، ۱۳۶۰ھ
۱۹	خلیل احمد، مولوی	براہین قاطعہ	مطبوعہ دیوبند
۲۰	راغب اصفہانی، امام	المفردات فی غریب القرآن (ترجمہ اردو)	مطبوعہ پشاور، ۱۹۶۴ء
۲۱	رشید احمد گنگوہی، مولانا	فتاوی رشیدیہ	مطبوعہ کراچی
۲۲	رئیس احمد جعفری	اوراق گم گشتہ	مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء
۲۳	سلطان احمد	اساس الاخلاق	مطبوعہ امرتسر
۲۴	سید احمد، سر	آثار الصنادید	مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۷ء
۲۵	شہاب الدین احمد بن الحجر المکی	الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان	مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۲۶	صدیق دیندار، مولانا	سرور عالم	مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۶ء
۲۷	عبد الرحمن بن شیخ محمد بن سلیمان	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	مطبوعہ ترکی، ۱۲۶۴ھ
۲۸	عبد الحامد بدایونی، مولانا	تصحیح العقائد	مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۱ء
۲۹	عبد الحق، مولوی	قاموس الکتب اردو	مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء
۳۰	عبد الحق، حقانی دہلوی	تفسیر حقانی	مطبوعہ کراچی
۳۱	عبد الحی فرنگی محلی، مولانا	مجموعۃ الفتاوی	———
۳۲	عبد الحی لکھنوی، مولانا	نزہۃ الخواطر (جلد اول)	مطبوعہ حیدرآباد دکن

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مطبع و سنہ طباعت
۳۳	عبدالرحمٰن خاں	قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات	مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۰ء
۳۴	عبدالقادر بدایونی، ملّا	منتخب التواریخ	مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۸۶ھ
۳۵	غزالی، امام	احیاء العلوم الدین	
۳۶	فضل احمد	شمشیر صداقت	مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۵ھ
۳۷	قمر سنبھلی	پیام مشرق	(دہلی) ۴ اردسمبر ۱۹۶۶ء
۳۸	لوئیس معلوف	المنجد	مطبوعہ بیروت، ۱۹۵۱ء
۳۹	محسن فانی	دبستان مذاہب	مطبوعہ بمبئی،
۴۰	محمد بن عبدالوہاب نجدی	کتاب التوحید	مطبوعہ لاہور
۴۱	محمد بن سعد کاتب الواقدی	طبقات کبیر	مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۶۳ھ
۴۲	محمد ابوزہرہ	امام ابوحنیفہ (ترجمہ اردو)	مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۲ء
۴۳	محمد اسمٰعیل دہلوی، مولوی	صراط مستقیم (مصنفہ سید احمد بریلوی)	مطبوعہ لاہور
۴۴	״ ״ ״	تقویۃ الایمان	مطبوعہ کراچی
۴۵	محمد الخضری، علامہ	تاریخ التشریع الاسلامی (ترجمہ اردو)	مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۳۸۱ھ
۴۶	محمد امین شرقپوری	اولیاء نقشبند	مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۳ھ
۴۷	محمد سعید احمد نقشبندی	مسلک امام ربانی	مطبوعہ لاہور
۴۸	محمد شفیع، مفتی	فتاویٰ دارالعلوم	مطبوعہ کراچی، ۱۳۶۶ھ
۴۹	محمد مسعود، شاہ	نورالعرفان (قلمی)	
۵۰	״ ״ ״	فتاویٰ مسعودی (قلمی)	۱۲۹۴ھ تا ۱۳۰۴ھ
۵۱	محمد مظہر اللہ، مفتی	کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب	مطبوعہ دہلی، ۱۳۴۴ھ
۵۲	״ ״ ״	تحقیق الحق	״ ״ ۱۳۴۶ھ
۵۳	״ ״ ״	ترجمہ و تفسیر قرآن	״ ״ ۱۳۶۱ھ
۵۴	״ ״ ״	استفاء المحال فی رویۃ الہلال	״ ״ ۱۳۷۰ھ
۵۵	״ ״ ״	فتویٰ رویت الہلال	״ ״ ۱۳۶۸ھ
۵۶	״ ״ ״	قصد السبیل	״ ״ ۱۳۷۹ھ
۵۷	״ ״ ״	دارالافتاء دہلی کا قرآنی فیصلہ	״ ״ ۱۳۷۵ھ
۵۸	״ ״ ״	القول الفائق علی امامۃ الفاسق	״ ״ ۱۳۴۵ھ

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	مطبع و سنہ طباعت
۵۹	محمد مظہر اللہ، مفتی	ترجمہ و حواشی قرآن کریم	مطبوعہ دہلی، ۱۳۶۱ھ
۶۰	" " "	مکاتیب مظہری، (جلد اول)	مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ
۶۱	محمود شہابی	ادوار فقہ	مطبوعہ تہران، ۱۳۳۶ھ
۶۲	معین الحق، ڈاکٹر	معاشی و علمی تاریخ (۱۱۰۷ء تا ۱۷۰۷ء)	مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۵ء
۶۳	مناظر احسن گیلانی، مولانا	مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت حصہ اول	ــــــ
۶۴	نصیر الدین مینائی، شیخ	فتاوی برہنہ	مطبوعہ لکھنو، ۱۳۰۲ھ
۶۵	نوشہ علی، سید	مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم	مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء

اخبارات و رسائل

نمبر شمار	اخبار / رسالہ		مقام طباعت	شمارہ
۶۶	آستانہ	(ماہنامہ)	دہلی	اگست ۱۹۵۵ء
۶۷	"	"	"	ستمبر ۱۹۵۵ء
۶۸	"	"	"	اپریل ۱۹۵۷ء
۶۹	اذان	(ماہنامہ)	کراچی	نومبر ۱۹۵۹ء
۷۰	المرشد	(ماہنامہ)	دہلی	جمادی الاول ۱۳۵۵ھ
۷۱	"	"	"	شعبان ۱۳۵۴ھ
۷۲	جنگ	(روزنامہ)	کراچی	۲۳، نومبر ۱۹۶۸ء
۷۳	دعوت	(پندرہ روزہ)	دہلی	یکم نومبر ۱۹۵۹ء
۷۴	غریب نواز	(پندرہ روزہ)	دہلی	یکم نومبر ۱۹۶۸ء (مفتی اعظم نمبر)

ضمیمہ ماخذ و مراجع

(حضرت مصنف علیہ الرحمہ)

۱	ابو یعلی محمد بن محمد الحسین، قاضی	۵۲۶ھ	کتاب المذاہب
۲	" " "	" "	الاشارات فی مسائل المتفرقات
۳	السیوطی، جلال الدین	۹۱۱ھ	حاشیہ ابوداؤد شریف
۴	القرآن الحکیم	ــــ	ــــ

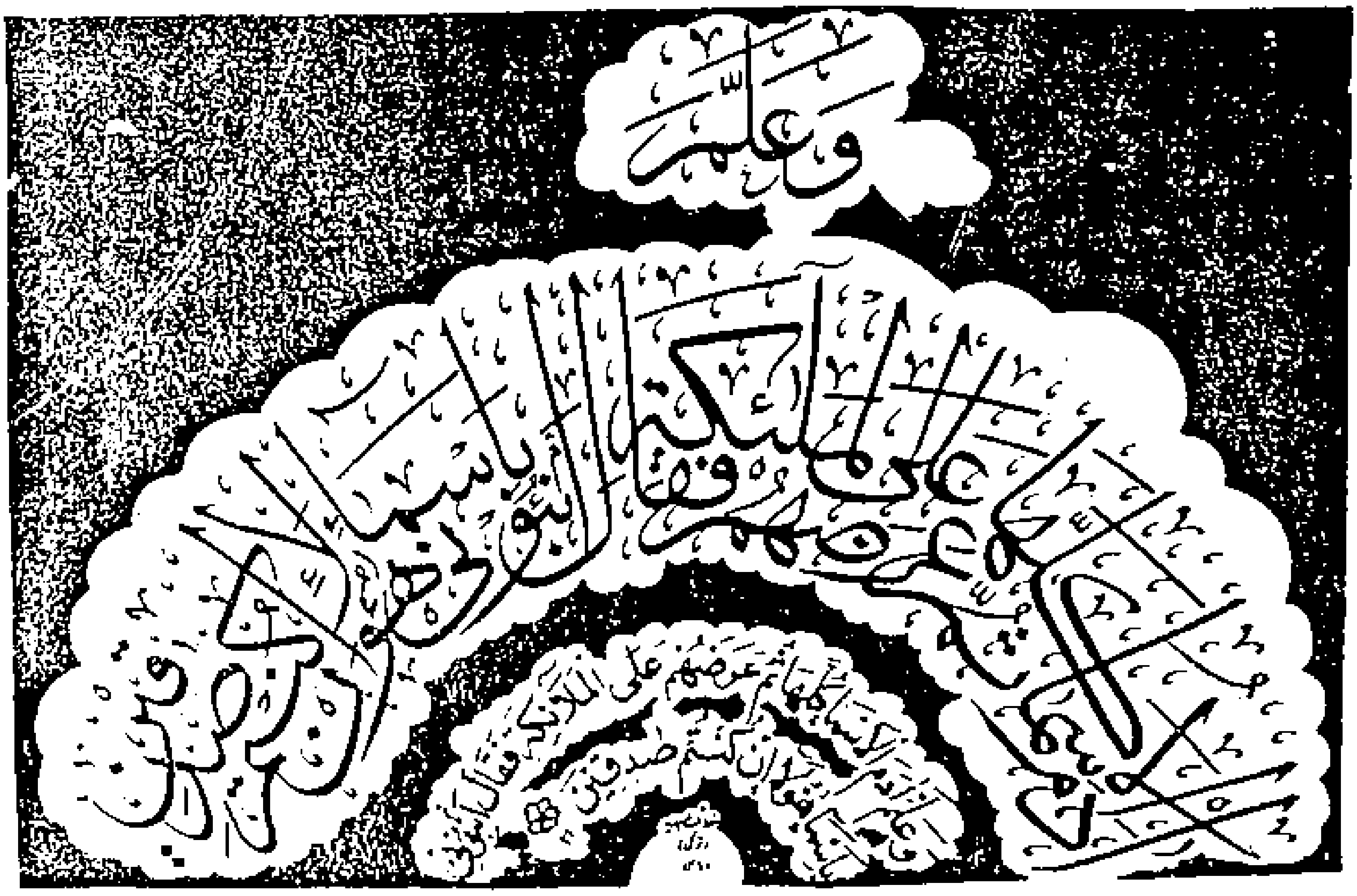
۵ امام محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی ۶۷۱ھ الجامع لاحکام القرآن

۶ بعض الناس — نوٹ :- یہ ایک رسالہ ہے جو ۱۸۵۲ء میں سہارنپور سے مولانا احمد علی کے نسخۂ بخاری کے ساتھ چھپا تھا، اس کے مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔

۷ سراج الدین عمر بن نجیم ۱۰۰۵ھ نہر الفائق (حاشیہ علی کنز الدقائق للنسفی)

۸ سفیان بن عیینہ بن میمون الہلالی ۱۹۸ھ الجامع فی الحدیث وکتاب التفسیر

۹ محمد بن علی رضا الباقر بارھویں صدی ھ الشواہد الکبریٰ (یا جامع الشواہد)



بسم الله الرحمن الرحيم

اختتامیّہ

الحمد لله الذي رفع منار هذا الدين بالحجج والبراهين وايده بالائمة المجتهدين والعلماء العاملين الراسخين والصلوة والسلام على سيد الاولين والاخرين وعلى آله واصحابه واوليآء امته اجمعين اما بعد فهذا الكتاب المسمى بفتاوى المظهرية للعلامة الحاج المفتي الاعظم محمد مظهر الله تغمده الله برحمته (المتوفى ١٣٨٦ھ) الخطيب والامام بشاهي مسجد جامع فتحپوری دهلی مشتمل على ثلاث مائة وواحد من مسائل الفقهية المزينة بالبراهين القاطعة ورتب تلك الفتاوى الفاضل الاجل ابن مفتي الاعظم بروفيسر محمد مسعود احمد الصدر الشعبة الاردويه في كورنمنت دكرى كالج كوئته ادام الله بقاءه وجعل سعيه مشكورا و اراد ان يجمع كل ما يمكن من ذخائر علم والده الامجد والمسائل الفقهية التي كان العلماء والفضلاء يستفتونه منذ ١٣٢٧ھ الى ١٣٨٦ھ فبذل جهده ورتب منها هذه المجموعة بذرائع شتى من المسودات والمبيضات والرسائل والاخبارات والمطبوعات والمكاتيب الشريفة وغير ذلك من الوسائط والوسائل في ١٣٨٨ھ ببلدة كوئته الباكستان الغربي — ثم اعلم ان مفتي الاعظم كان عالما فقيها حبرا ذو الفتاوى وصاحب الولاية وامام اهل السنة والجماعة في الهند و الباكستان.

وليس على الله بمستنكر ان يجمع العالم في الواحد

وجده العلامة الشيخ محمد مسعود رحمه الله الودود ايضا كان من اعاظم الفقهاء ومفتيا في الهند ببلدة دهلي صاحب الكشف والتصانيف فتاواه فتاوى مسعودية القلمية محفوظة ويطبع في المستقبل القريب ان شاء الله — ومرقد مفتي الاعظم واقع في صحن المسجد فتحپوری دهلي وسوانح حياته مذكورة في ابتداء تلك الفتاوى مختصرا جامعا - واورد المرتب في الافتتاحية بيانا محققا مفصلا على تحقيق الفتوى وتاريخ الفتاوى وخصائص الفتاوى وآداب المفتي - ورتب ابوابها بترتيب جديد وفي آخر الفتاوى اورد بفهرس المآخذ والمراجع مشتمل على مائتي كتب التي استخرج المفتي الاعظم مسائل تلك الفتاوى وادلتها منها وتم كتابة الفتاوى بيد الحقير عبد الباقي الافغاني الكوئتوي في ١٣٨٩ھ/١٩٦٩ء ببلدة كوئته - وطبعت بايماء انيس العلماء الرفيق المخلص لمفتي الاعظم حكيم محمد تقي الله دهلوي صاحب ملتزم الطبع والنشر المشهور انست برليس بكراتشي الباكستان الغربي في ١٣٩٠ھ و ١٩٧٠ء اللهم صل على محمد بعدد كل ذرة الف الف مرة

١٢ جولائی ١٩٦٩ء / ٢٧ ربیع الثانی ١٣٨٩

... عبد الباقي غفرله

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

اقبالؒ — کتبہ خورشید عالم گوہر قلم لاہور — ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۶ء



فَسْئَلُوْٓا اَہْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) نحل: ۴۳

فتاویٰ مظہریہ

جلد سوم

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارہ مسعودیہ

۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتدائیہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

☆

صاحب فتاویٰ مظہریہ شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (شاہی امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی) مفتی ابن مفتی ابن مفتی تھے، آپ کا سلسلہ حدیث تین واسطوں سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے، آپ متبحر عالم اور اپنے وقت کے عارف کامل تھے [۱]۔ تقویٰ و پرہیز گاری میں اپنی مثال آپ تھے، علماء و مشائخ اہل سنت آپ سے رجوع کرتے تھے۔ اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم دین مولانا محمد سردار احمد قادری علیہ الرحمہ جن کو "محدث اعظم پاکستان" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے متعلق ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری، دہلی، سنی صحیح العقیدہ، پرہیز گار بزرگ ہیں۔ تقریباً ۲۲ سال سے ان سے فقیر کے تعلقات ہیں [۲]۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ فتویٰ نویسی میں نہایت محتاط تھے، شریعت کی روشنی میں صرف فیصلہ فرماتے، مدعی یا مدعا علیہ کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہیں فرماتے جو مقام عدل کے منافی ہوں، تکفیر کے معاملے میں تو بہت ہی محتاط تھے، جب یقین ہوتا تو تکفیر فرماتے، شک ہوتا تو سکوت کی ہدایت فرماتے، مثلاً چند علمائے دیوبند کی بعض عبارات کے بارے میں علمائے حرمین شریفین سے فتویٰ لیا گیا تو سب نے تکفیر فرمائی، اس فتوے کا خلاصہ تصدیق کے لیے جب حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا :-

اس عاجز کا یہ کہاں زہرہ کہ حضرات علمائے کرام حرمین شریفین کے مخالف لب کشائی کر سکے، ان حضرات نے جو کچھ فرمایا حق و واجب العمل ہے [۳]۔

فقط محمد مظہر اللہ غفر لہ الامام مسجد فتحپوری دہلی

لیکن جب علمائے دیوبند کے انتقال کے بعد ان کے بارے میں فتویٰ لیا گیا جبکہ ان میں سے بعض سے

ایسی باتیں ظہور میں آئیں جن سے توبہ کا احتمال ہوتا تھا اور بہت سی باتیں ایسی سنی بھی گئیں، تو حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے یہ فتویٰ دیا :-

اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں سے جو اقوال صادر ہوئے ہیں وہ یقیناً کفر ہیں لیکن اب جب کہ یہ لوگ انتقال کر گئے اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ کی یا نہ کی اور ان کی عاقبت کیسی ہوئی ہے اس لیے میرے نزدیک ان کے حق میں سکوت بہتر ہے، البتہ جو شخص ان عبارتوں کا قائل ہو یقیناً کافر ہے [۴]۔

ا۔ مندرجہ بالا حقائق سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک :-

☆...... جب کسی مسلمان سے کفریہ اقوال سرزد ہوں اور یہ یقین ہو کہ اس نے توبہ نہیں کی تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

☆...... جب کسی مسلمان سے کفریہ اقوال سرزد ہوں اور یہ شک اور تردد ہو کہ اس نے توبہ کی یا نہیں کی تو سکوت کو بہتر سمجھا جائے گا اور اس کی تکفیر کرنے والے کو منع نہیں کیا جائے گا۔

☆...... جب کسی مسلمان سے کفریہ اقوال سرزد ہوں اور یہ یقین ہو کہ کفر سے توبہ کر لی ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اس کو مسلمان تصور کیا جائے اور اس کی تکفیر کی ممانعت کی جائے گی۔

علمائے اہل سنت نے ہمیشہ انہیں اصولوں پر عمل کیا اور بلاوجہ کسی کی تکفیر نہیں کی۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اہل مجاہدہ میں سے تھے اس لیے سنت پر عمل کرتے ہوئے تکفیر مسلم میں سعی نہیں فرماتے تھے بلکہ بے دینوں کو دیندار بنانے اور بد عقیدہ کو صحیح العقیدہ بنانے میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ کے فیض صحبت سے بہت سے علماء راہ راست پر آ گئے...... حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ اہل مجاہدہ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اہل قبلہ [۵] میں سے کسی کے کفر اور نفاق پر قطعی شہادت نہ دے، یہ عمل اس کو رحمت خداوندی سے بہت قریب کر دے گا، بلند مرتبہ حاصل ہوگا، یہ سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے......[۶] علم الٰہی میں دخیل بننے سے بندے کو محفوظ رکھتا ہے، اللہ کی رحمت اور خوشنودی سے یہ عمل بہت قریب ہے، یہ خصلت اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک معزز دروازہ ہے اور دوسری مخلوق پر رحم کرنے کا جذبہ اللہ تعالیٰ بندہ میں پیدا کر دیتا ہے [۷]۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ ابن فورک کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ایک ہزار کافر کو اسلام کے شبہ کی بنا پر اسلام میں داخل کرنا غلط نہیں البتہ ایک مومن کو شبہ کی بنا پر اسلام سے خارج کرنا ضرور غلط ہے [۸]۔

ان علمائے اہل سنت نے بھی تکفیر کے باب میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تکفیر میں تعجیل کرتے تھے، مثلاً مولانا احمد رضا خان بریلوی جنہوں نے مولوی اسماعیل دھلوی کے بارے میں (گستاخیوں کے انبار کے باوجود) شک کا فائدہ دیتے ہوئے سکوت کا حکم دیا ہے [۹] جبکہ دوسرے علماء ان کی تکفیر کر چکے تھے [۱۰] اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو باوجود اس کے انہوں نے ایک دیوبندی عالم کی (تعلقات کی رعایت کرتے ہوئے) تکفیر سے انکار کیا تو آپ نے ان کی تکفیر نہیں فرمائی بلکہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک تعلقات قائم رکھے [۱۱] تا آنکہ انہوں نے رعایت کا اعتراف نہیں کر لیا۔ جب کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے محتاط الفاظ میں رعایت کرنے والے عالم کی تکفیر فرمائی ہے [۱۲]، بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ جب کسی گستاخ رسول کے بارے میں شک و تردد ہوا تو اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا...... علمائے اہل سنت نے ہمیشہ تکفیر میں احتیاط کی ہے، اگر ایک نے تکفیر کی ہے اور دوسرے کو توبہ کا علم ہوا یا شک گزرا تو اس نے سکوت اختیار کیا اور سکوت کا حکم دیا۔

چوں کہ مسئلہ تکفیر نہایت ہی حساس مسئلہ ہے اس لیے مناسب خیال کیا کہ فتاویٰ مظہریہ جلد دوم و سوم میں جو ایسے فتوے ہیں جن میں کمال احتیاط برتی گئی ہے ان کی وضاحت کے لیے مندرجہ بالا معروضات و حقائق پیش کر دیے جائیں تاکہ یہ فتوے ان حقائق کی روشنی میں مطالعہ کیے جائیں۔

☆

فتاویٰ مظہریہ جلد اول و دوم ۱۹۵۶ء اور ۱۹۷۰ء کے درمیان دستیاب ہونے والے فتووں پر مشتمل ہیں۔ یہ جلدیں مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ، کراچی نے ایک جلد میں شائع کر دی تھیں۔ جلد اول و دوم کی اشاعت کے بعد تلاش جستجو کا سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۹۶ء تک مزید فتوے مل گئے جو جلد دوم کے ساتھ ہی جلد سوم میں شامل کر دیے گئے ہیں...... ان فتووں کی تبییض کا کام برادرم محمد عبد الستار طاہر (لاہور) نے انجام دیا۔ تصحیح، تخریج کا کام ڈاکٹر ابو الخیر محمد زبیر (پرنسپل رکن الاسلام جامعہ مجددیہ، حیدر آباد، سندھ) نے نہایت محنت سے مکمل کیا اور عزیزم مولوی فائز محمود سلمہ نے کمپوزنگ کے کٹھن مرحلے کو طے کیا فجزاہم اللہ احسن الجزاء اور طباعت وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری حاجی محمد الیاس نے قبول فرما کر ادارہ مسعودیہ، کراچی کی طرف سے شائع کرایا جس کے وہ جنرل سکریٹری ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ تمام محسنین، مخلصین و محبین کو اس دینی اور علمی خدمت پر اجر عظیم عطا فرمائے اور دونوں جہاں میں سرفراز فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین رحمتہ للعالمین علیہ وعلیٰ آلہ وازواجہ واصحابہ وسلم اجمعین۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
۱۵ جنوری ۱۹۹۹ء
یوم جمعۃ المبارک

محمد مسعود احمد عفی عنہ
۲/۷۔اے۔سی
پی ای سی ایچ سوسائٹی
کراچی (اسلامی جمہوریہ پاکستان)

حواشی :-

ا۔ تفصیلی حالات جو ۱۹۷۰ء تک مل سکے فتاویٰ مظہری، جلد اول (صفحہ ۳۹ تا ۴۳) میں شامل کر دیے گئے تھے، اس کے بعد بھی بہت سا مواد ملا جو عدیم الفرصتی کی وجہ سے شامل نہ کیا جاسکا، مزید تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتب و رسائل مطالعہ کیے جائیں :-

(۱) پروفیسر محمد مسعود احمد : تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء (۲) حیات مظہری، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء (۳) شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۷ء...... مولانا جاوید اقبال مظہری کے رسائل (۴) آفتاب ہدایت، (۵) عارف کامل، (۶) مظہر جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ مکتوب محررہ ۶ رذی الحجہ ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۵ء از لائل پور،

۳۔ محمد حشمت علی خان : الصوارم الھندیہ، مطبوعہ لاہور ص ۱۰۹

۴۔ فتاویٰ مظہریہ، ج ۲، مطبوعہ کراچی، ص ۳۷۵، سوال نمبر ۲۷۸

۵۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ اہل قبلہ، کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

جو نہ کوئی عقیدہ کفریہ رکھتے ہوں، نہ ان سے کوئی ایسا قول یا فعل سرزد ہوا ہو جو موجب کفر ہو گو وہ مرتکب کبائر ہوں ...... یہ ہرگز مراد نہیں کہ جو قبلہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتا ہو۔ (فتاویٰ مظہری، کراچی ۱۹۷۰ء ج ۲، ص ۳۷۶)

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کو مسلمان کرنے کے لیے بیقرار رہتے تھے (قرآن حکیم، سورۃ نساء : ۳، سورۃ انعام : ۵۹، سورۃ نحل : ۱۹، سورۃ نور : ۲۹، سورۃ نمل : ۲۵، ۴۷، سورۃ قصص : ۹۹ وغیرہ وغیرہ)

۷۔ شیخ عبدالقادر جیلانی : غنیۃ الطالبین، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۳ء (ترجمہ شمس بریلوی)، ص ۶۴۹

۸۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی : تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف (ترجمہ اردو علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری) قلمی، ص ۱۹

۹۔ یعنی خود کافر نہ کہا جائے گا اور کوئی کافر کہے تو منع نہیں کیا جائے گا۔ (احمد رضا خاں بریلوی : فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۹۱)

۱۰۔ فضل حق خیر آبادی، تحقیق الفتویٰ، (۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء)، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۹ء ص ۲۴۷

۱۱۔ محمد مصطفیٰ رضا خان : : الطاری الداری، مطبوعہ بریلی، ۱۹۲۱ء ج ۳، ص ۱۲۔ ۱۴، ۸۰

۱۲۔ محمد مظہر اللہ : فتاویٰ مظہری، کراچی ۱۹۷۰ء، ج ۲، ص ۳۷۴

مشمولات

فہرست


ولمن صبر وغفر ان ذلك لمن عزم الامور

پہلا باب

عبادات

قنوت نازلہ

سوال نمبرا:۔
قنوت نازلہ رکوع سے پہلے پڑھے یا بعد میں ؟

سوال نمبر۲:۔
قنوت نازلہ ھاتھ باندھ کر پڑھے یا چھوڑ کر ؟

سائل
محمد مکرم احمد

الجواب

قنوت نازلہ رکوع کے بعد ھاتھ باندھ کر پڑھے ۔

فقط
محمد مظہر اللہ غفرلہ
(۲۳ ۔ ستمبر ۔ ۱۹۶۵ء)

گاؤں میں نماز جمعہ و عیدین

استفتاء از موضع بڈیڈہ تحصیل فیروزپور جھرکہ ۔(۱) ۔استفتاء کا لب لباب یہ ہے کہ موضع بڈیڈہ میں دوسو کے قریب مکان تھے ۔قرب و جوار میں بھی کچھ موضعات (علاقے) تھے ۔ یہ لوگ نماز جمعہ اور عیدین ادا کرتے تھے ۔اتفاق سے وہاں کچھ علماء پہنچے ، جنہوں نے نماز جمعہ اور عیدین کی مخالفت کی ۔ کیوں کہ گاؤں میں نماز جمعہ وغیرہ جائز نہیں ۔اس مخالفت سے بعض لوگ اتنے بددل ہوئے کہ انہوں نے نماز پنج وقتہ بھی ترک کردی ۔ بہر حال استفتاء جواز یا عدم جواز کے بارے میں ہے ۔

جواب مولوی محمد یونس مہتمم انجمن ہدایت الاسلام ، دہلی نے مرحمت فرمایا اور اس سلسلے میں شرح وقایہ جلد اول باب صلوۃ الجمعہ سے یہ عبارت نقل فرمائی :۔؟

(۱) تفسیر مصر میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے ۔ بعض کے نزدیک مصر وہ موضع ہے جہاں کوئی امیر و حاکم ہو کہ احکام شرع کو جاری کرے اور حدود قائم کرے ۔(یہ تفسیر صاحب ہدایہ اور علامہ

کبیری نے اختیار کی)

(۲) بعض فقہاء کے نزدیک مصر وہ موضع ہے کہ تمام لوگ اپنے موضع کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں گنجائش نہ رہے (یا اسمیں نہ سماسکیں) ۔اس قول کو مصنف وقایۃ نے اختیار کیا۔

نوٹ:۔

مصر کی دو تفسیریں ہوئیں ۔ مصححین فتوی مولوی محمد عبدالحق حقانی، مولوی محمد رکن الدین نقشبندی مجددی الوری اور حضرت شاہ مظہر محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ ۔ مؤخر الذکر مجیب کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

الجواب

مجیب کی عبارت سے ثابت ہوگیا کہ فی زمانہ جمعہ کے باب میں تفسیر ثانی ہی کا اختیار کرنا اولیٰ اور انسب معلوم ہوتا ہے بلکہ اپنے شہروں کے واسطے تو حضرات تابعین نے بھی تفسیر اول کو اختیار نہیں کیا ۔ پھر نہ معلوم دیہات میں ایسی کونسی خصوصیت ہے جس نے مضطر کر رکھا ہے اس کے واسطے تفسیر اول ہی کے راجح کرنے پر ۔ اہالیان دیہات پر واضح رہے کہ اس خیال خام سے کہ ہمارے مواخذہ میں علماء گرفتار ہوں گے ہم بچ رہیں گے، ہرگز ہرگز جمعہ ترک نہ کریں ورنہ ایک روز بڑی مشکل کا سامنا ہوگا ۔ اس کے واسطے بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں ۔چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابن عمر اور ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:۔

لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات او لیختمن اللہ علیٰ قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین

(صحیح مسلم، ج ۱ ص ۲۸۴)

"یعنی چاہیئے کہ باز رہیں قومیں اپنے چھوڑنے کے فعل سے جمعوں کو، ضرور ہے کہ مہر کردے گا اللہ ان کے دلوں پر پھر ضرور وہ غافلوں سے ہوجائیں گے ۔

قلب پر مہر کرنے سے کنایۃ ہے کہ ان کے دل اس قابل نہ رہیں گے کہ وہ نصیحت قبول کریں ۔ اسی طرح ترمذی وغیرہ کے اندر حضرت ابی الجعد الضمری سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من ترک الجمعۃ ثلث مرات تھاونا بھا طبع اللہ علیٰ قلبہ

(جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۷۷ ۔ ابواب الجمعۃ)

"یعنی جس نے چھوڑے تین جمعہ بسبب سستی کے ساتھ ان کے مہر کردے گا اللہ اس کے دل پر"

پس وائے (افسوس) ہے ان اشخاص پر جنہوں نے اس کے ترک کے ساتھ عمر صرف کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے۔

مسلم شریف ہی میں ایک اور روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے آئی ہے:۔

قال لقوم یتخلفون عن الجمعۃ لقد هممت ان امر رجلا یصلی باالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتهم۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۲ ۔ باب فضل صلوۃ الجمعۃ)

"یعنی فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے حق میں جو پیچھے رہتے ہیں جمعہ سے البتہ تحقیق قصد کیا میں نے اس کا کہ حکم کروں ایک شخص کو کہ وہ نماز پڑھاوے لوگوں کو۔ پھر جلاؤں میں گھر ان لوگوں کے جو پیچھے رہ جاتے ہیں جمعہ سے"

غور کرو کہ اس میں کیسی وعید آئی ہے۔ پس آئندہ اس کو ترک کرنا کیا معنی، تساہل بھی نہ کرو اس میں البتہ بوجہ شک واقع ہوجانیکے چار رکعت بہ نیت احتیاط ظہر ادا کرلیا کرو۔

فقط واللہ تعالی اعلم

مظہر اللہ دہلوی عفی عنہ (۲)

((۱) ماخوذ از رسالہ "رکن دین" طبع یازدھم ۱۳۴۵ھ اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی ص ۲۲۴ ۔ رسالے کے آخر میں صفحہ ۲۳۰ پر اختتام رسالے کے بعد یہ عنوان ہے۔ مسعود)

مسجد کی بجائے ڈاک بنگلہ میں نماز جمعہ پڑھنا

سوال:۔

ہمارے یہاں موضع کی آبادی تقریبا چودہ پندرہ ھزار پر مشتمل ہے۔ نماز جمعہ چار جگہ ہوتی ہے۔ لیکن گاہ بگاہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی واعظ صاحب تشریف لاتے ہیں تو بجائے جامع مسجد اور دیگر مساجد کے، نماز جمعہ ڈاک بنگلہ میں پڑھی جاتی ہے۔ زید کہتا ہے کہ مساجد کو چھوڑ کر ڈاک بنگلے میں نماز جمعہ ادا کرنے سے مساجد کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔

فقط محمد الیاس زیدی

کاہنہ نو، ضلع لاہور

الجواب

زید صحیح کہتا ہے ۔ بے شک اس صورت میں جامع مسجد کے ثواب سے محروم رہتے ہیں جس کا ثواب پانسو نماز کا ہے ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام جامع مسجد فتحپوری دہلی

قربانی اور عقیقہ ایک ہی جانور سے کرنا

سوال :۔
زید نے قربانی کے لیے ایک گائے خرید کی جس میں دو حصے قربانی اور پانچ حصے عقیقہ کرنا چاہتا ہے ۔ کیا یہ صورت جائز ہے ۔؟ بعض احباب یہ کہتے ہیں کہ عقیقے میں بکرا ہی کرنا چاہیئے اور قربانی میں عقیقہ درست نہیں ؟

مستفتی
سید محمد الیاس زیدی
کامنہ نو ، ضلع لاہور

الجواب

گائے کی قربانی میں دو حصے قربانی کے اور اور پانچ حصے عقیقے کے جائز ہیں ۔ عقیقہ بکرے کا ہی ہونا لازم نہیں ہے ۔ اور لڑکے کا ایک حصہ بھی قربانی میں ہو سکتا ہے ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
مفتی مظہر اللہ عفی عنہ
امام جامع مسجد فتحپوری ، دہلی

رویت ہلال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ
(۱) ایک جگہ کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ والوں کے لیئے روزہ ، عیدالفطر ، عیدالاضحیٰ کا حکم ہوگا یا

نہیں ہے؟

(۲) دوسری جگہ کے چاند کا ثبوت کس طرح ہونے سے شرعی موجب قرار پائیگا؟

(۳) تار، خطوط، اخبارات کا آنا ثبوت ہلال کے لیئے شرعاً کافی ہے یا نہیں؟

کتب شرعیہ سے مع نقل عبارت جواب عنایت ہو۔ نیز امسال حضور کے یہاں عیدالاضحیٰ کی نماز جمعہ کو ہوئی یا شنبہ کو، اور چاند خود جناب نے دیکھا یا کس طریقہ سے ثابت ہوا۔ بینوا و توجروا

المستفتی

سید عاشق حسین، محلہ درگاہ شاہ ارزاں قدس سرہ العزیز ڈاک خانہ مہندرو، پٹنہ (۱)

الجواب

(۱) ہاں ایک مقام پر اگر چاند دیکھ لیا گیا ہو اور اس کا ثبوت دوسرے مقام پر بر طریق شرعی ہوجائے تو دوسرے مقام پر بھی روزہ وغیرہ کا حکم دیا جائے گا۔ در مختار میں ہے۔

فیلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئک بطریق موجب

(در مختار، ج ۲ ص ۳۹۴ مطبوعہ مکۃ المکرمۃ)

(۲) اس کے لیئے تین طریقے ہیں:۔

* ایک یہ کہ بلدہ رویت سے وہاں کے قاضی کے سامنے دو شخص (اور رمضان کے لیے ایک شہادت کافی ہے جبکہ ابر ہو) اگر گواہی دیں کہ ہم نے وہاں بچشم خود چاند دیکھا۔

* دوسرے یہ کہ اس کی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے دو شخصوں کی شہادت پر فلاں شہر کے قاضی نے چاند دیکھے جانے کا حکم کیا۔

* تیسرے یہ کہ بلدہ رویت سے بکثرت آنے والے ہوں کہ جن کا جھوٹ پر اتفاق بعید از عقل ہو۔ چنانچہ شامی میں ہے۔

قوله بطریق موجب کان یحتمل اثنان الشهادة او یشهدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر انتهی

(شامی۔ ج ۲ ص ۳۹۴ مطبوعۃ مکۃ المکرمۃ)

اور کتاب القاضی الی القاضی صورت دوم کے ملحق ہے۔

(۳) جو طریق اثبات رویت کے لیے اوپر بیان کیے گئے ان کے علاوہ ہر وہ طریقہ جس میں احتمال خطا ہو، رویت ہلال ثابت نہیں کر سکتا۔ تار تو محض خبر ہے۔ اور اس میں بھی متعدد خطا کے احتمال خط جو کہ احد اللسانین ہے اس باب میں وہ بھی غیر معتبر حالانکہ عند التعذر قیاس اس کا مقتضی تھا کہ اس کا اعتبار کیا جاتا۔ جیسا کہ اس مقام کے علاوہ دوسرے مقامات پر اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

لیکن چونکہ اس میں احتمال خطا لگا ہوا تھا اس لیئے فقہاء کرام نے اس کو شہادت کے قائم مقام نہ ٹھہرایا۔چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

لان الکتاب یشبہ الکتاب فلا یثبت الا بحجۃ تامۃ وھذا لانہ ملزم فلا بد من الحجۃ

دہلی میں اس سال عید الاضحیٰ کا چاند عام طور پر نہیں دیکھا گیا۔ بلکہ بعض لوگوں نے دیکھا جن میں سے بعض نے آکر شہادت دی۔ بیرون جات سے بھی متعدد مقامات سے لوگوں نے آکر شہادتیں دیں اور ان کے قبول کرلینے کے بعد ۲۹ ذیقعدہ کی رویت ثابت مانی گئی۔

فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

((۱) فتویٰ منقول از " جامع الاقوال فی رویۃ الہلال " ص ۶۵، ۶۶، ۹۷ تا ۹۹ مطبوعہ ۱۳۵۷ شمسی پریس محلہ گورھٹہ، پٹنہ سٹی)

درباره عید و رمضان ریڈیو کا اعلان ناکافی وغیرہ معتبر ہے

"شرعاً ریڈیو کی خبر غیر معتبر ہے۔ اگرچہ قاضی القضاۃ خود بہ نفسہ اس کے ذریعہ اعلان کرے"۔ جب کوئی عالم رویت ہلال کا فیصلہ کرکے ریڈیو کے ذریعہ اعلان کرے، آخر وہ خبر ہی تو ہوگی نہ خبر مستفیض شرعی۔ اور ثابت کیا جاچکا ہے کہ دوسرے شہروں کے لیے خبر مستفیض شرعی کی ضرورت ہے نہ محض خبر کی۔ اب قاضی کسی سے خبر دلائے یا خود دے، بہرحال یہ خبر تو محض خبر ہی رہے گی اور وہ حجت ملزمہ نہیں۔

اب عید کا چاند آرہا ہے اگر طریق موجب سے ثابت نہ ہوگا تو محض ریڈیو یا ٹیلی فون کی خبر پر روزہ افطار کرنا ناجائز ہوگا اور مستحق عتاب اور جب طریق موجب سے ثابت ہوجائے تو تم پر افطار کرنا واجب ہوگا، اگرچہ غروب آفتاب میں دو چار ہی منٹ رہ گئے ہوں اور گھر میں ریڈیو کہہ رہا ہو کہ دنیا میں کہیں چاند نہیں ہوا ملخصاً(۱)

((۱) فتویٰ رویت ہلال، مطبوعہ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، دسمبر ۱۹۶۶ء، مرسلہ ظہور الدین خاں، سیکرٹری مرکزی مجلس رضا، لاہور)

جہر کے ساتھ ذکر

سوال:۔

جہر کے ساتھ ذکر ناجائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

اگر کوئی (شرعی) مانع موجود نہ ہو تو فی نفسہ ذکر جہر کے جواز میں اصلا کلام نہیں ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری ، دہلی

ظہر کی پہلی چار سنتوں کا حکم

سوال :۔

ظہر کے وقت جو چار سنت پڑھتے ہیں ، ایک شخص ایسے وقت آیا کہ جماعت ہو رہی ہے اور وہ جماعت میں مل گیا ۔ اب وہ پہلے چار سنت پڑھے یا دو پڑھے ۔ از روئے شرع کیا ہے ؟

الجواب

دونوں طرح جائز ہے لیکن اولیٰ یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دو رکعت ادا کرے تاکہ یہ اپنے مقام پر ادا ہوں ۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

بچے کے کان میں اذان کہنا

سوال :۔

اذان صرف نماز کے واسطے ہے یا اور جگہ بھی دے سکتے ہیں ۔ مثلا جب بچہ پیدا ہوتا ہے ؟

الجواب

نماز کے علاوہ دوسرے مقامات میں بھی اذان دینا مندوب ہے ۔ جیسے بچہ کے کان میں اذان دینا

مغموم صاحب مرگی اور جس کی عادات خراب ہوں، اور جو غصہ میں ہو۔ ان لوگوں کے کانوں میں اذان دینا، جب آگ لگے، اس وقت اذان دینا۔ کذا فی الشامی

فقط

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری، دہلی

جمعہ میں احتیاطی ظہر کا پڑھنا

سوال:۔

جمعہ میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ احتیاطی ظہر پڑھنی چاہیئے۔ اگر احتیاطی ظہر پڑھے تو کس طرح پڑھے۔ اول سے آخر تک فرمائیں کہ جمعہ کس طرح پڑھے۔ اور احتیاطی ظہر کس طرح پڑھے؟

الجواب

جن مقامات میں صحت جمعہ میں علماء کا اختلاف ہے، وہاں جمعہ بہ نیت فرض وقت پڑھنا چاہیئے اور اس کے بعد چار رکعت اس نیت سے پڑھ لی جائیں کہ میں اپنی پچھلی ظہر پڑھتا ہوں جو میرے ذمہ باقی ہے۔ انہی رکعات کو احتیاط الظہر کے ساتھ موسوم کرتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری، دہلی

میت کی نماز ظہر سے پہلے پڑھیں یا بعد میں

سوال:۔

میت کی نماز ظہر سے پہلے پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ پہلے پڑھنے کی صورت میں ظہر کی جماعت وقت مقررہ سے بہت دیر میں ہو؟

الجواب

جائز تو ہے مگر لازم یہی ہے کہ پہلے نماز ظہر پڑھ لی جاوے۔ اس کے بعد نماز جنازہ پڑھ لی جائے

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
محمد مظہر اللہ غفرلہ
شاہی امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

امام کا سجدہ سہو نہ کرنا

سوال:۔

جماعت میں امام کو سہو ہو گیا اور سجدہ سہو یاد نہیں رہا۔ سلام دونوں طرف پھیر دیئے۔ پیچھے سے مقتدی نے کہا کہ سجدہ سہو کرنا چاہیئے تھا۔ یہ سن کر امام نے سجدہ سہو کر لیا۔ از روئے شرع جماعت ہوئی یا نہیں؟ اور مقتدی کی بھی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس مقتدی کی تو نماز نہیں ہوئی لیکن اگر امام کو اس کے یاد دلانے پر سجدہ سہو کا لزوم یاد آگیا اور بعد یاد آنے کے اس نے سجدہ سہو کیا تو امام اور تمام مقتدیوں کی نماز ہو گئی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
محمد مظہر اللہ غفرلہ
شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی

سنت کی جماعت

سوال:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں ایک رات میں کلام مجید کئی حافظ سناتے ہیں۔ اس صورت سے کہ ۲۶ پارہ تو نفلوں میں پڑھے اور ۲ پارہ فجر کی سنت موکدہ میں باجماعت پڑھے اور ۲ پارے فرضوں میں سنائے۔ سنت میں جماعت کرنا ازروئے شرع کیا حکم ہے اور اس طرح کلام مجید سنانا کیسا ہے۔

الجواب

ہندوستان میں شبینہ کا معمول یوں ہے کہ تمام قرآن شریف ایک رات میں تراویح میں سناتے ہیں۔ تو یہ تو اگر کوئی معذور شرعی لازم نہ آتا ہو تو جائز ہے۔ رہی صورت مذکورہ تو چونکہ نوافل

میں جماعت جائز نہیں، اس لیے اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی، ایسا کرنا مکروہ ہے۔

فقط محمد مظہر اللہ غفرلہ
شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی

تراویح اور وتروں میں عشاء کا نام لینا

سوال:۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ وتروں میں عشاء کا نام لے گا تو اس کے وتر نہیں ہوں گے۔ از روئے شرع کیا حکم ہے، اس کے وتر ہوں گے یا نہیں؟ اور زید کہتا ہے کہ تراویح میں بھی عشاء کا نام نہیں لینا چاہیے۔ اگر عشاء کا نام لے گا تو اس کی تراویح نہیں ہوں گی بلکہ قیام اللیل کہنا چاہیے، جب تراویح ہوں گی۔ از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب

زید کا قول غلط ہے۔ الفاظ نیت وتر تراویح کے لیے زبان سے کہتے ہوئے اگر کوئی وقت عشاء بھی کہہ لے گا تو اس کے وتر بھی ہو جائیں گے اور تراویح بھی

فقط محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

رویت ھلال اور قاضی کے اختیارات:۔

سوال:۔
زید کہتا ہے کہ قاضی کے حدود کے لیے شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے۔ سلطان اسے جس حد تک کا بھی اختیار دے گا اس حد تک وہ قاضی ہو جائیگا۔ عالمگیری میں ہے

السلطان اذا قال جعلتک قاضیا ولم یذکر فی ای بلدۃ لا یصیر قاضیا فی البلد الذی ہو فیہ والمختار انہ یصیر قاضیا لجمیع بلاد السلطان (فتاوی عالمگیری ج ۳ ص ۲۱۵)

اور قاضی تمام بلاد سلطان کے لیے صرف رویت ہلال کے فیصلہ کے لیے ہی مقرر ہو سکتا ہے پس اسکے فیصلہ کا نفاذ جمیع بلاد سلطان کے مسلمانوں پر ہوگا۔ اس لیے کہ القضاء مظہر لا مثبت و

مختص بزمان و مکان حضومة کما فی الدر المختار نیز اس کا فیصلہ مقامی قاضی نہیں توڑ سکتا ۔ جس طرح ہائی کورٹ کا فیصلہ مقامی حاکم نہیں توڑ سکتا ۔ پس سوال یہ ہے کہ زید کا یہ قول کہاں تک صحیح ہے ۔ عوام میں اس کی وجہ سے سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے ۔

الجواب وھو الموفق للصواب

یہ تو صحیح ہے کہ سلطان قاضی کو جس حد تک کا بھی اختیار دے گا ، اس حد تک کے لیئے وہ قاضی ہوجائے گا ۔ اور مقامی قاضی اس کے حکم کو کہیں کا بھی نہ توڑ سکے گا جبکہ وہ جمیع بلاد سلطانیہ کا قاضی مقرر ہوگا ۔ جیسا کہ ھائی کورٹ کا حال ہے ۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ قاضی صرفف رویت ھلال کے فیصلہ کے لیے بھی مقرر ہو سکتا ہے ۔ لیکن یہ کلیہ اپنے اطلاق کے ساتھ غلط ہے کہ القضاء مظہر لا مثبت بلکہ مقید ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ فی الواقع ثابت ہو خواہ حقیقة یا حکما ۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے ۔

والمراد ماکان ثابتا ولو تقدیرا کالقضاء بشهادة الزور (شامی ج ۵ ص ۔ ۴۱۹ مطبوعہ مکة المکرمہ)

اور درمختار میں ہے

وینفذ القضاء بشهادة الزور ظاهرا و باطنا حیث کان المحل قابلا والقاضی غیر عالم بزورهم فی العقود انتهی (درمختار ، ج ۵ ص ۴۰۵ مطبوعہ مکة المکرمة)

حاں یہ صحیح ہے کہ ایسے قاضی کے فیصلہ کا نفاذ جمیع بلاد سلطان والوں پر ہوگا ۔ مگر جبھی کہ جب ان کو ایسے طریق سے ثابت ہوجائے جو فقہاء کے نزدیک رویت ھلال کے باب میں معتبر ہے ۔ اس لیئے کہ کسی شے کا ثبوت شہادت سے ہوتا ہے یا خبر سے ۔ اور پھر ظاہر کہ شریعت مقدسہ کے نزدیک شہادت اور خبر جداگانہ شے ہیں ۔ پھر ان دونوں میں بھی شاہد و مشہود علیہ اور مشہود لہ ۔ اور مخبر اور مخبر عنہ اور مخبر لہ کے اعتبار سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ احکام ہیں ۔ جن کو فقہاء نے مفصل تحریر فرمایا ہے ۔ یہاں تک کہ رویت ھلال کے باب ہی میں رمضان شریف کے چاند کے لیئے بعض دوسرے احکام ہیں ۔ اور عید کے چاند کے لیے دوسرے ۔ اس مقام پر جن صورتوں میں شہادت کی ضرورت ہوتی ہے ، ان کے ذکر کی تو ضرورت نہیں کہ سوال کا اس سے تعلق ہی نہیں ۔ سوال کا حاصل تو اس قدر ہے کہ ایسے قاضی کے فیصلہ کی چاند کے بارے میں ہر مقام کے پاکستان والوں کو پہنچے تو ان پر اس خبر کا قبول کرنا واجب ہے یا نہیں ۔ جس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ان پر اس کا قبول کرنا واجب ہوگا لیکن جب کہ وہ خبر خبر مستفیض ہو ۔ اور یہ بالیقین ثابت ہو کہ قاضی محتاط

ہے ، اس نے قواعد شریعہ کے موافق فیصلہ کیا ہوگا ۔ نہ کسی ٹیلی فون اور ریڈیو وغیرہ کی غیر معتبر خبر پر ۔ کہ اس زمانے میں ایسے غیر محتاط اور بے تمیز مفتی اور قاضی بہت پیدا ہوگئے ہیں جنکو شہادت اور ٹیلی فون وغیرہ کی خبر کے درمیان بھی امتیاز نہیں ۔ نہ سلطنت کے جہال ارا کین کو اس کا امتیاز کہ کیسے عالم کو قاضی بنایا جائے ۔ انکے نزدیک جو ان کی ہاں میں ہاں ملائے اور انکی خوشامد میں لگا رہے ، وہی بڑا مفتی اور قاضی اور قاضی القضاۃ بنانے کے لائق ہوتا ہے ۔ چنانچہ سنا جاتا ہے کہ پاکستانی حکومت کے نزدیک ایک ایسا شخص بڑا عالم شمار کیا جارہا ہے جسکی قابلیت سے فقیر واقف ہے ، غرض کسی قاضی کے حکم کا نفاذ بذریعہ خبر چاند کے باب میں جبھی ہوسکتا ہے جب یہ بتحقیق معلوم ہو کہ قاضی نے مخالف مذھب یہ حکم نہیں کیا ہے کہ مخالف مذھب اس کا حکم قابل نفاذ نہیں چنانچہ در مختار میں ہے ۔

ولو حکم القاضی بحکم مخالف مذھبه ما صح اصلا یسطر (در مختار ج ۵ ص ۳۰۹)

نیز اسی میں ہے

ان لم یکن مجتهد افعلیه تقلیدهم واتباع رایهم فاذا قضا بخلافه لا ینفذ حکم انتهی (درمختار ج ۵ ص ۳۶۱ - ۳۶۲ مطبوعه مکة المکرمة)

یونہی اس کی خبر کے لیے مستفیض ہونا بھی ضروری ہے جسکی تصریح عامہ کتب فقہ میں موجود ہے ۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے ۔

ثم انما یلزم الصوم علی متاخری الرویة اذا ثبت عندهم رویة اولئک بطریق موجب حتی لو شهد جماعة ان اهل بلدة قد راوٴ هلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا و هذا الیوم ثلثون بحسابهم ولم یر هولاء الهلال لا یباح فطر غد ولا یترک التراویح فی هذه اللیلة لانهم لم یشهد وابا لرویة ولا علی شهادة غیر هم انتهی ۔ (فتاوی عالمگیری - ج ا ص ۱۹۹)

ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور فقہاء خبر کے باب میں طریق موجب اس خبر کو کہتے ہیں جو مستفیض ہو ۔ اور خبر مستفیض وہ جس کو بلدۃ رویت سے متعدد آنے والی جماعتوں نے بیان کیا ہو ۔ جس کی وجہ سے وہ خبر شہرت پا گئی ہو نہ وہ جو دو چار اشخاص کی یا ریڈیو وغیرہ کی خبر سے شائع ہو گئی ہو ۔ چنانچہ منحة الخالق حاشیہ بحرالرائق میں ہے ۔

اعلم ان المراد بالاستفاضه تواتر الخبر مبی الواردین من بلدة الثبوت الی البلد التی لم یثبت بها لا مجرد الاستفاضه لانها قد تکون مبنیة علی اخبار رجل واحد مثلا فیشیع الخبر عنه ولا شک ان هذا لا یکفی بدلیل قولهم اذا استفاض الخبر وتحقق فان التحقق لا یکون الا بما ذکرنا انتهی ۔

اب یہ خبر رویت کی ہو یا کسی قاضی کے فیصلہ کی بہر حال اس کے لیے بمعنی مسطور مستفیض ہونا ضروری ۔ پس جب یہ ثابت ہے کہ غیر بلدہ رویت میں رویت ہلال کے ثبوت کے لیے طریق موجب ہونا شرط ہے ۔ اور خبر طریق موجب نہیں مگر جب کہ وہ مستفیض ہو تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حکومت پاکستان قاضی کل پاکستان کے لیے اس کا انتظام فرمائے گی کہ وہ چاند کی رویت کے بعد ہی بذریعہ ہوائی جہاز چند جماعتیں نہ سہی صرف پندرہ بیس ہی اشخاص کے ذریعے پاکستان کے چپہ چپہ پر اس خبر کو شائع کردے اگر ایسا انتظام فرمادے گی تو مبارک ہو ۔ ضرور ایسی خبر سے جب ظاہر الروایت شرقی غربی تمام پاکستان والوں پر اس پر عمل کرنا واجب ہوجائے گا ۔ لیکن اول تو حکومت پاکستان سے یہ امید نہیں ۔ اس کا یہ عذر معقول ہوگا کہ کسی مجتہد نے ہم کو تکلیف دی ہے کہ ہم سائے ملک میں اس کی خبر کریں ۔ کیا پچھلے زمانہ میں کوئی ایسی نظیر پیش کی جا سکتی ہے ۔ اگر نہیں تو پھر ہم سے کیوں اس کا مطالبہ ہے ۔ اور اگر بالفرض وہ اس کا انتظام کر بھی لے گی تو اس صورت میں بھی ایک خدشہ تو یہ ہے کہ جہاں ہوائی جہاز کا اسٹیشن نہیں ہے وہاں کے لوگوں کے لیے کیا انتظام ہوگا ۔ اور وہاں کے لیے کچھ انتظام نہیں ہوسکتا تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے ۔ دوسرے تمام بلاد پاکستان پر قاضی اعظم کے حکم کا نفاذ کیسے صادق آئے گا ۔ دوسرا خدشہ یہ ہے کہ کیا اس کا اطمینان ہوگیا ہے کہ جس شہر میں قاضی کل پاکستان کا دارالقضا ہوگا ، وہاں اور کوئی چاند نظر آئے یا نہ آئے لیکن رمضان شریف کا چاند ضرور نظر آئے گا ۔ اگر اس کا اطمینان نہیں ہے تو دوسرے شہروں میں قاضی اعظم کے نائبین کے پاس کیا اس کا انتظام رکھا جائے گا کہ وہ بذریعہ کتاب القاضی الی القاضی ، قاضی اعظم کی خدمت شریف میں رویت ہلال کی ان شرائط کے ساتھ اطلاع دیں جن کو فقہاء نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے ۔ اس لیے کہ ان کو قاضی اعظم کو اطلاع دینے کے لیے شرعاً ایک ہی ذریعہ ہے ۔ اور اگر تار سے یا ٹیلیفون سے خبر دینے کی تجویز کرلی گئی ہے تو یہ لغو ہے کہ ان کی تو حیثیت ہی کیا ہے ۔ اگر قاضی بارگاہ قاضی اعظم میں اپنے ایک معتمد علیہ عالم عابد عادل کو بھی یہ خبر لے کر بھیجے بلکہ خود ہی حاضر ہو کر عرض کرے کہ حضور میں نے اپنی ولایت میں چاند کے ہونے کا فیصلہ کردیا ہے ۔ حضور اپنے حکم سے تمام پاکستان میں عید کے لیے اس کو نافذ فرمادیں تب بھی شرعاً قاضی اعظم نہ تمام پاکستان میں بلکہ خود اپنے دارالخلافہ میں بھی اس حکم کو نافذ نہیں کرسکتا ۔ ہاں اس پر یہ خدشہ ضرور پیش آتا ہے کہ قاضی کا خط تو تسلیم کرلیا جاتا ہے ۔ اور خود اس کا بیان نہ تسلیم کیا جائے ، ایک غیر معقول بات معلوم ہوتی ہے جس کا جواب فقہاء نے یہ دیا ہے کہ قیاس تو یہی چاہتا تھا کہ قاضی کا خط بھی تسلیم نہ کیا جاتا لیکن چونکہ اس پر اتفاق ہے کہ جو حکم خلاف قیاس مان لیا جاتا ہے وہ اپنے مورد ہی پر مقتصر دوسری جگہ اس کا اجرا نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ محقق مدقق علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں ۔

الفرق بین رسول القاضی و کتابه حیث یقبل کتابه ولا یقبل رسوله فلان غایة رسوله ان یکون کنفسه وقدمنا انه لو ذکر ما فی کتابه لذالک القاضی بنفسه لا یقبله و کان القیاس فی کتابه کذالک الا انه اجیز باجماع التابعین علی خلاف القیاس فاقتصر علیه انتهی (فتح القدیر، ابن ہمام، ج ۵ ص ۴۸۱)

پس کتاب القاضی کا مرتبہ باوجودیکہ وہ بھی متعدد شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کا فقہاء نے اس کے مقام پر موثر فرمایا ہے۔ تار یا ٹیلی فون کو کیسے دیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر احکام شرعیہ سے کچھ تعلق ہی نہیں رہا ہے اور مجتہدین کی کوشش اور سعی کو بیکار اور پرانی لکیر کا فقیر ہی سمجھ رکھا ہے تو قاضی اعظم صاحب اور ملکہ و سلطنت مختار ہیں جو چاہیں کریں۔

بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

لیکن خدارا اس کو شریعت کا حکم نہ فرمائیں۔ لیکن مسلمانوں پر تو احکام شرعیہ کی پابندی فرض ہے انہیں ہرگز ہرگز ایسے خودسر قاضی کے حکم کی پیروی نہ کرنی چاہیئے۔ نہ ایسے علماء کی جو خلاف شرع اپنی رائے ناقص پر چلانا چاہتے ہیں۔ بادی النظر میں عام مسلمانوں کو بھی یہ خدشہ گزرتا ہوگا کہ کسی طرح سے بھی ہو جب ہمیں اس کی خبر پہنچ جائے تو ہم اس کو کیوں قبول نہ کریں۔ لیکن عزیزو یہ دنیوی مسئلہ نہیں بلکہ شرعی مسئلہ ہے تو شارع علیہ السلام کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ ہرگز نہ خیال کریں کہ اگر واقعی چاند ہو گیا ہوگا تو ہم روزہ رکھنے یا نہ رکھنے سے گنہگار ہوں بلکہ تمہارے ہاں جو شرعاً حکم ثابت ہوا اس کے خلاف کرنے سے گنہگار ہوں گے۔ اگر تمہارے ہاں رمضان شریف کا چاند شرعی طریقے پر نہ ثابت ہوا تو رمضان کا روزہ بھی رکھنا ممنوع ہے۔ اور عید کا چاند ثابت ہوا تو روزہ رکھنا بھی حرام، گو واقع میں چاند ہو گیا ہو۔ اگر فی الواقع چاند ہونے پر روزہ کا مدار ہوتا تو پھر تو چاند دیکھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی ہمیشہ ۲۹ کا چاند تسلیم کر کے شروع کر دیتے اور عہد کر لیتے کہ تم سے مغرب کی جانب کہیں نہ کہیں اس روز قطعاً چاند ہو جاتا ہے۔ پاکستان سے مکہ معظمہ تو مغرب کی جانب کچھ زیادہ دور نہیں ہے لیکن ہمیشہ وہاں پاکستان سے ایک روز قبل چاند ہوتا ہے۔ اور جس طرح مشاہدہ موجب علم ہے، تجربہ بھی موجب علم ہے مجھے امید ہے کہ مسلمانوں کے لیے میرا صرف اسی قدر اشارہ کافی ہوگا۔

پھر فرض کیجیئے کہ شریعت مقدسہ کے موافق مذکورہ بالا انتظام کے ساتھ چاند کا اعلان کیا بھی گیا تب بھی گو ظاہر الروایت کے موافق مغربی پاکستان کے فیصلہ پر مشرقی پاکستان والوں کے لیے اس پر عمل واجب ہو جائے گا۔ لیکن بہت مجتہدین اس کے بھی خلاف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ روزہ کا سبب تو مکلف کے لیے رمضان آیا ہے پس اگر یہ سبب ایک قوم کے حق میں بوجہ رویت ہلال

محقق ہوگیا تو لازم نہیں کہ دوسری قوم کے لیے بھی یہ سبب محقق ہو ۔ صوموا لرویتہ میں تو خطاب انہی لوگوں کے لیے معلوم ہوتا ہے جنہوں نے چاند دیکھا ۔ جنہوں نے نہ دیکھا نہ وہ دیکھ سکتے تھے کہ ان کے مغربی افق پر اس کا وجود ہی نہ تھا ۔ پس وہ اس کے مخاطب کیسے ہو سکتے ہیں ۔ جس کی مؤید حضرت کریب رضی اللہ تعالی عنہ کی وہ حدیث ہے ۔ جو مسلم شریف میں موجود ہے اور وہ یہ ہے :۔

عن کریب ان ام الفضل بنت الحارث بعثه الی معاویة بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتها واستهل علی رمضان وانا بالشام فرأیت الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی اخر الشهر فسالنی عبدالله بن عباس ثم ذکر الهلال فقال متی رایتم الهلال فقلت رأیناه لیلة الجمعة فقال انت رأیته فقلت نعم وراه الناس وصاموا وصام معاویة فقال لکنا رایناه لیلة السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلثین او نراه فقلت اولا تکتفی برویة معاویة وصیامه فقال لا هکذا امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۸ کتاب الصیام)

یعنی حضرت کریب کو حضرت ام الفضل (رضی اللہ تعالی عنہما) نے حضرت معاویہ کے پاس شام کی طرف روانہ کیا ۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں گیا اور جو کام تھا پورا کیا ۔ اور وہاں رمضان کا چاند دیکھا ۔ اور میں شام میں تھا پس جمعہ کی شام کو میں نے چاند دیکھا ۔ پھر آخر ماہ میں مدینہ آیا تو ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے (مجھ سے وہاں کا حال) دریافت فرمایا ۔ پھر چاند کا ذکر فرمایا (تو مجھ سے پوچھا کہ) تم نے کب چاند دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے جمعہ کی شام کو دیکھا ۔ فرمایا کہ خود تم نے بھی دیکھا ہے ، میں نے عرض کیا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا اور لوگوں نے بھی (یعنی عام طور پر رویت ہوئی) اور تمام لوگوں نے اور حضرت معاویہ نے روزہ رکھا تو فرمایا کہ ہم نے تو ہفتہ کی شام کو دیکھا تو ہم تو روزہ رکھتے رہیں گے یہاں تک کہ تیس پورے کریں یا (انتیس کو) چاند دیکھ لیں ۔ میں عرض کہ کیا آپکے لئے حضرت معاویہ کا چاند دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں ۔ فرمایا نہیں ہمیں ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔

اس حدیث کی فقہاء یہی توجیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے حضرت کریب کی اس خبر کو اس لیے قبول نہیں فرمایا تھا کہ انہوں نے بلفظ شہادت نہیں بیان کیا تھا ۔ لیکن یہ ضعیف ہے اس لیئے کہ رمضان کے چاند کے لیے بلفظ شہادت خبر دینا شرط نہیں جو بکثرت احادیث سے ثابت

ہے اور اکثر ائمہ مجتہدین کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ خصوصاً ائمہ احناف کا
دوسری توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے عید کا چاند نہیں ثابت ہو سکتا تھا کہ ایک شخص کی خبر تھی اور وہ بھی بلالفظ اشہد لیکن یہ بھی ضعیف ہے کہ جب ایسی خبر سے رمضانیت ثابت ہو جاتی ہے تو عید کے باب میں کیوں مردود ہو گی۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ ویثبت الفطر بناء علی ان ثبوت الرمضانیة بشہادة الواحد وان کان لا یثبت بھا ابتداء۔
(ہدایہ۔ علی ابن ابی بکر مرغینانی، ج۱ ص ۲۱۵)
یہ علیحدہ شئے ہے کہ اس صورت میں اگر ۳۰ تاریخ باوجود مطلع صاف ہونے کے چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے۔ غرض اس حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہونا چاہیئے انتہیٰ۔ بعض احناف کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ مولینا عبد الحیٔ مرحوم تاتارخانیہ سے نقل فرماتے ہیں :-

اھل بلدة اذا روا الھلال ھل یلزم فی حق کل بلدة اختلف المشائخ فیه فبعضھم قالوا لا یلزمه فانما ابلغه فی حق اھل بلدة رویتھم و فی الخانیة لا عبرة باختلاف المطالع فی ظاھر الروایة وفی القدوری ان کان بین بلدتین تفاوت لا یختلف به المطالع بلزمه وذکر شمس الائمه حلوانی انه الصحیح من مذھب اصحابنا۔ (مجموعة الفتاویٰ۔ مولوی عبد الحئی، ج ۱ ص ۳۴۶)۔

اور محقق مدقق ابن ہمام اگرچہ ظاہر الروایت پر عمل کو احوط بتلاتے ہیں لیکن اختلاف مطالع کے اعتبار کو اولیٰ فرماتے ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

وقیل یختلف باختلاف المطالع لان السبب الشھر و انعقاده فی حق قوم للرویة لا یستلزم انعقاده فی حق اخرین مع اختلاف المطالع وصار کما لو زالت او غربت الشمس علی قوم دون اخرین وجب علی الاولین الظھر والمغرب دون اولئک انتہیٰ۔ (فتح القدیر۔ ابن ہمام ج ۲ ص ۵۳)۔

پھر حضرت کریب کی حدیث کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں :-

ولا شک ان ھذا اولی لانه نص و ذالک محتمل لکون المراد امر کل اھل مطلع بالصوم لرویتھم انتہیٰ (فتح القدیر، ابن ہمام، ج ۲ ص ۵۳)

ظاہر الروایت کے متعلق یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ حدیث میں آیا ہے،

صوموا الرویته وافطروا الرویته

اس میں حکم عام ہے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے، جہاں بھی چاند نظر آجائے اور اس کا علم دوسروں کو بطریق موجب حاصل ہو جائے ان کے لیے اس پر عمل واجب ہوگا۔ لیکن یہ بھی ضعف سے خالی نہیں معلوم ہوتا۔ حدیث میں آیا

صلوا صلاۃ المغرب مع سقوط الشمس

اس حدیث میں بھی حکم عام ہے تو کیا اگر مشرق والوں میں سے مغرب والوں کو بطریق موجب یہ خبر عین دوپہر کو یا قبل عصر پہنچ جائے تو کیا ان پر مغرب کی نماز پڑھنا لازم ہوگا۔ پھر اگر آیۂ کریمہ پر نظر کی جاتی ہے تو اسکا بھی یہی مفہوم نظر آتا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے

فمن شهد منكم الشهر فليصمه

یعنی تم میں سے جو شخص بھی ماہِ رمضان پائے اسے چاہیئے کہ اس کے روزے رکھے

تفسیر مظہری میں ہے۔

فمن شهد منكم الشهر فليصمه يعني فليصم ما شهد منه ان شهد كله فكله وان شهد بعضه فبعضه ۔ (تفسیر مظہری، قاضی ثناء الله، ج۱ ص ۱۹۵)

اور تفسیر تبصیر الرحمٰن میں ہے

فمن شهد منكم الشهر باستكمال شعبان او برؤية عدل الهلال ۔ (تفسیر تبصیر الرحمن، علی مہایمی، ج۱ ص ۷۴)

اور تفسیر خازن میں ہے

فمن شهد منكم الشهر فليصمه اى فمن كان حاضرا مقيما غير مسافر فادر كه فليصمه والشهود الحضور و قيل هو محمول على العادة بمشاهدة الشهر وهي روية الهلال ولذلك قال النبي صلى الله عليه وسلم صوموا لرويته وافطروا لرويته اخرجاه في الصحيحين ۔ (تفسیر خازن، امام علی بن محمد، ج۱ ص ۱۲۱)

غرض اس شے کو دیکھتے ہوئے کہ بعض فقہائے احناف کے نزدیک بھی اختلاف مطالع معتبر ہے معہذا ان کے دلائل بھی قوت رکھتے ہیں۔ اس لیے احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ گو ایسے انتظام کے ساتھ چاند کا اعلان کیا جائے جو شرعاً ظاہر الروایت کے موافق معتبر ہو۔ لیکن پھر بھی مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان والوں کو اطلاع نہ دی جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھا جائے کہ صرف رمضان اور عید کے چاند کے متعلق یہ اختلاف ہے، دوسرے چاندوں میں اختلاف مطالع معتبر ہے

اس میں کسی کا اختلاف نہیں معلوم ہوتا۔

لان اختلاف المطالع لم یعتبر فی الصوم لتعلقه بمطلق الرویة و هذا بخلاف الاضحیة (وغیرہ) فالظاهر انها کاوقات الصلوة انتهی ما فی الشامی (شامی، ابن عابدین ج ۲ ص ۳۹۴)

الحاصل:۔

اگرچہ قاضی تمام ملک کے لیے اور صرف ایک قضیہ میں فیصلہ کے لیے بھی مقرر ہوسکتا ہے لیکن روزہ کے باب میں رویت ھلال کے فیصلہ کے لیے اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ غیر بلدہ رویت میں اس کے فیصلہ کا اعتبار ہی نہیں تا وقتیکہ وہ خبر مستفیض سے نہ ثابت ہو۔ایسی خبر سے تو اگر قاضی بلد کا فیصلہ بھی ثابت ہوجائے تو اس پر عمل لازم ہوجاتا ہے۔اور یہ خبر غیر مستفیض ہو تو نہ عوام کو اس پر عمل جائز نہ قاضی بلد اس خبر کی بنا پر قاضی اعظم کے حکم کا نفاذ کرسکتا ہے۔ایسے وقت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے قاضی اعظم کا حکم توڑ دیا بلکہ وہ بحکم شرع اس کے نافذ نہ کرنے پر مجبور ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

ڈاڑھی منڈانے، کتروانے والے کی اذان اور تکبیر

استفتاء:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ داڑھی منڈایا داڑھی کتروانے والے کی اذان اور تکبیر پڑھنی مکروہ تحریمی ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کی اذان اور تکبیر کے اعادہ کا حکم ہے یا نہیں؟ اور داڑھی منڈے کا تقرر کیا جاسکتا ہے؟ ان کے لیے شرعی کیا حکم ہے؟

سائل

محمد مکرم احمد

الجواب

داڑھی منڈے کا تقرر اذان اور تکبیر کے لیے نہیں کیا جاسکتا کہ مکروہ ہے۔اذان لوٹائی جائے گی اور اقامت نہیں لوٹائی جائے گی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی



دوسرا باب

معاملات

(مابین زوجین)

مفقود الخبر خاوند کی بیوی کے لیے نکاح ثانی کا حکم

سوال:۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی جمال ولد اللہ بخش ساکن موضع بہرائچ پور ضلع بجنور کا رہنے والا ہے، عرصہ پانچ سال سے لاپتہ ہے اور اس کی بیوی بچے سخت پریشان ہیں اور وہ عورت عقد ثانی کرنا چاہتی ہے کیونکہ اس کی گزر اوقات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور اپنی گزر اوقات کے لیے ایک شخص بشیر احمد کے پاس رہتی ہے اور اس کا اس سے ناجائز تعلق بھی ہو گیا ہے اور اب ایک بچہ بھی اس سے کم از کم سوا ماہ کا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسمی جمال کی تشہیر بذریعہ اخبار بھی کردی گئی ہے لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تو کیا یہ عورت بشیر احمد سے جس سے اس کا اب ناجائز تعلق ہے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ یا کسی دوسرے شخص سے نکاح کیا جائے گا۔ بینوا و توجروا

از طرف
ساکنین موضع سات نگر ضلع بجنور

الجواب

جب تک یہ عورت اپنے خاوند جمال کے نکاح میں ہے اس وقت تک تو وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتی آپ حکومت (عدالت) میں اس واقعہ کو پیش کریں اگر کوئی مسلمان جج اس کے نکاح کو فسخ کردے گا تو اس کے بعد طلاق کی عدت گزار کر جس شخص سے چاہے نکاح کر سکتی ہے اور مسلمان جج میسر نہ آئے تو چند عادل شخصوں کی پنچایت میں (جس میں ایک عالم بھی ہو) یہ مقدمہ پیش کریں۔ اگر یہ پنچایت بھی امام مالک کے مذھب پر بعد تحقیق تام اس نکاح کو فسخ کردے گی تب بھی بعد عدت گزارنے کے یہ جس شخص سے چاہے نکاح کر سکے گی خواہ بشیر احمد سے کرے یا کسی دوسرے سے۔

فقط واللہ اعلم
محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

نامرد خاوند کی بیوی کے لیے حکم

سوال:۔

زید عرصہ دس بارہ سال سے بعارضہ دق بیمار ہے اور جسمانی قوت بھی زائل ہو چکی ہے ۔ زوجہ زید نو عمر ہے ۔ اس عرصہ میں زید حق زوجیت پورا نہ کرسکا اور خواہش نفسانی پر قادر نہیں ہے ۔ چنانچہ زوجہ زید ارتکاب جرم کرچکی ہے جس سے حمل قرار پاچکا ہے اسی دوران میں مجرمہ کا شوہر فوت ہوگیا علاوہ ازیں زوجہ زید اپنے شوہر کی حیات میں حاملہ ہوئی اور اب ایام عدت میں ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبل از وضع حمل جس سے حاملہ ہوئی ہے ، نکاح کرسکتی ہے ۔

فقط ۔ المستفتی

سید محمد الیاس زیدی

کامنہ نو ۔ ضلع لاہور

الجواب

یہ عورت قبل از انقضائے عدت کسی شخص سے نکاح نہیں کرسکتی ۔ اگرچہ اس سے حاملہ ہوچکی ہو

فقط محمد مظہر اللہ

امام مسجد جامع فتحپوری ، دہلی

قبل از وضع حمل نکاح کا حکم

سوال:۔

ھندہ بیوہ ہے اور زید سے حاملہ ہے ۔ ھندہ نے زید سے قبل از وضع حمل نکاح کرلیا ہے ۔ کیا یہ نکاح جو زید سے کیا ہے ، درست ہے ؟

المستفتی

سید محمد الیاس زیدی

کامنہ نو ، ضلع لاہور

۱۲ ، ذوالحج ۱۳۸۲ھ

الجواب

یہ نکاح درست نہیں ہے ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

مغویہ سے زنا بالجبر اور پہلے نکاح کی حیثیت

سوال:۔

جو عورتیں ہندوستان میں اغوا کرلی گئی تھیں، ان کو ہندوؤں نے جبراً ہندو بناکر اپنی زوجیت میں رکھا اور ان عورتوں سے ہندوؤں کے بچے بھی تولد ہوئے۔ مذکورہ عورتیں پاکستان میں اپنے اپنے سابقہ شوہروں کے گھر آگئی ہیں۔ کیا از روئے شریعت ان کے شوہروں کو دوبارہ نکاح کرنا چاہیئے یا نہیں کرنا چاہیے؟۔

المستفتی
سید محمد الیاس زیدی
کاہنہ نو، ضلع لاہور

الجواب

اگر یہ دل سے اسلام پر قائم ہیں تب تو پہلا نکاح قائم ہے ورنہ بعد تجدید اسلام دوبارہ نکاح ہونا ضروری ہے۔ اور احتیاط اس میں ہے کہ بہرحال دوبارہ نکاح کردیا جائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

دیارِ غیر میں مفقود الخبر شوہر کی بیویوں کے نکاح کی صورت

سوال:۔

جن عورتوں کے شوہر ہندوستان میں رہ گئے ہیں اور عورتیں پاکستان آگئی ہیں کیا یہ عورتیں از روئے شرع، دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہیں؟

المستفتی
سید محمد الیاس زیدی

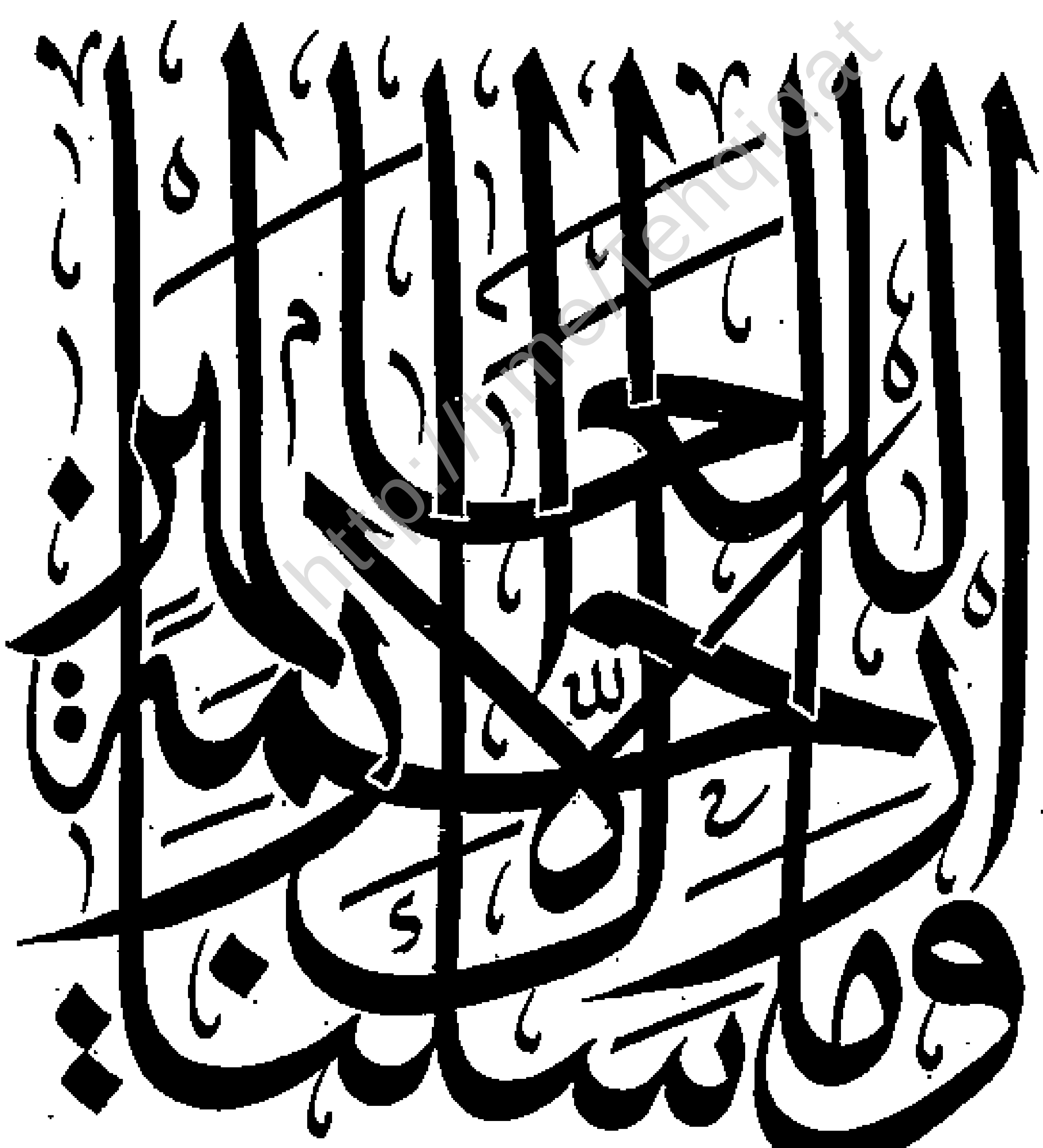
الجواب

یہ عورتیں بلا طلاق حاصل کیے دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتیں ۔ احناف کا یہی مذہب ہے ۔

فقط واللہ تعالی اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری دہلی



تیسرا باب

معاملات

(مابین مسلمین)

مرض الموت میں ھبہ کی حیثیت

سوال:۔

زید نے مرض الموت میں اپنی زوجہ کو ایک مکان ھبہ کیا جس کو اس نے فوراً فروخت کردیا۔ اس کے بعد زید کا انتقال ہوگیا۔ پس ایسی صورت میں زوجہ زید کے مکان موہوب کو شامل ترکہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب

(فقہاء کرام مرض موت میں ھبہ) کو جائز نہیں رکھتے تو یہ صحیح نہیں۔ پس اس مکان کو شامل ترکہ زید (کرکے زوجہ زید) کے حصے میں لگا دیا جائے اور اس کے حصے سے یہ مکان زائد ہو تو بقدر زیادتی اس کے مرض الموت میں وصیت کا حکم رکھتا ہے اور وصیت وارث کے لیے جب کہ باقی وارث جائز نہ رکھیں (ناجائز) ہے۔

ولا تجوز ھبۃ للوارث عندنا الا ان یجزھا الوارثۃ

اور اسی میں دوسرے مقام پر ہے:۔

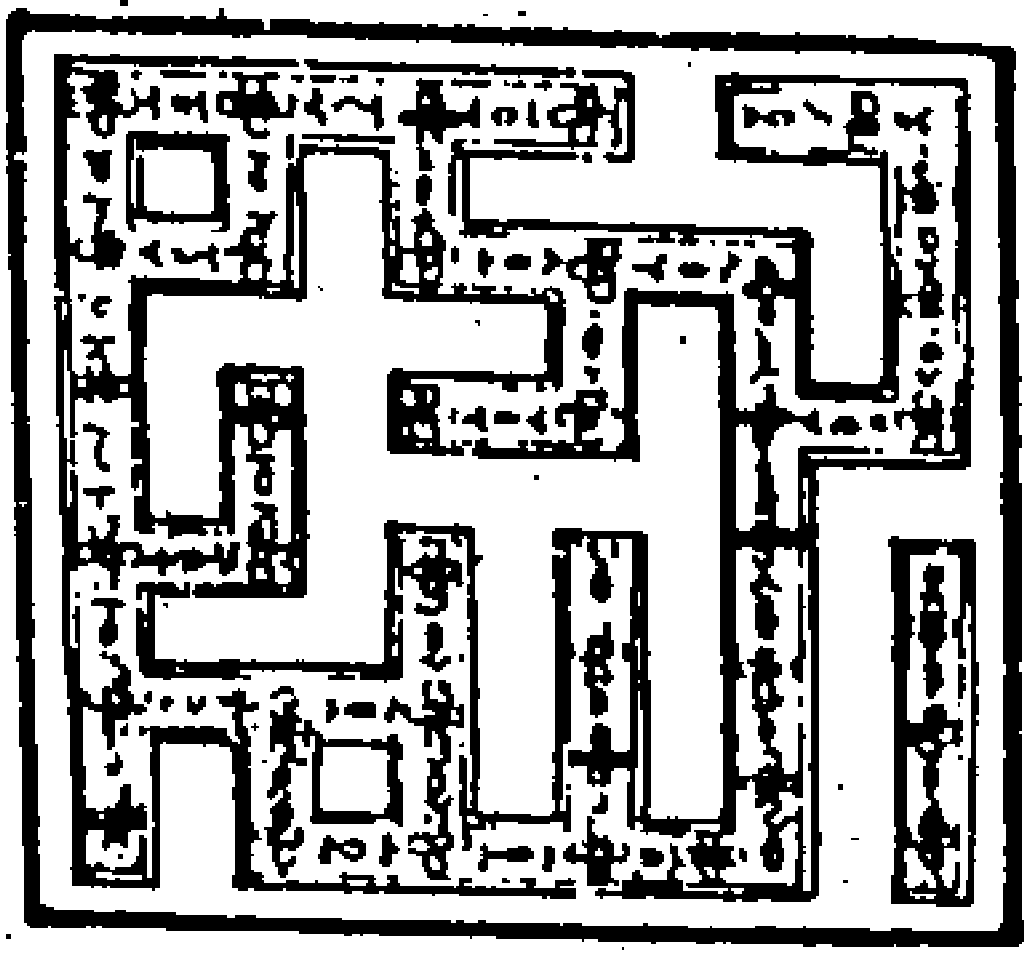
لامرآمنه فقبضة واعتقبة ثم مات المريض فالعتق نافذ و تضمن القيمة

كذافی خزانة المفتيين۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد مظہراللہ غفرلہ۔

امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی۔



چوتھا باب

اوقاف

مسجد کی دیوار کو اپنے تصرف میں لانا

سوال :۔ کوئی شخص مسجد کی دیوار کو اپنے تصرف میں لا سکتا ہے یا نہیں ؟ علاوہ ازیں مسجد کی دیوار میں طاق یا روشندان بنا سکتا ہے یا نہیں ؟

مستفتی

سید محمد الیاس زیدی

الجواب

یہ حق کسی بھی مسلمان کو نہیں کہ وہ مسجد کی دیوار میں اپنے تصرف کے لئے کوئی طاق یا روشندان بنائے

فقط واللہ تعالی اعلم

مفتی محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

وقف کی گئی اشیاء کا اپنے استعمال میں لانا

سوال :۔ ہمارے یہاں اھل مسلمان کے جو قبرستان ہیں ان میں چند درخت شیشم کے ہیں ۔ تقریبا عرصہ پینتالیس سال کا ہوا ، جس شخص نے یہ شیشم پرورش کی تھی ، راہ خدا مسجد کو دے دیں تھیں ۔ جن میں سے کچھ رقم تو سامان مسجد میں صرف ہو گئیں باقی ماندہ درخت فروخت کرکے اسکی رقم مسجد میں لگائی ۔ علاوہ ازیں سابقہ شیشموں کی جڑیں مسمی دھومی وعیدو نے پرورش کی ۔ جو اب مکمل درخت بن گئے ہیں ۔ اب جو مسجد تعمیر کرائی جارہی ہے ان درختوں کو فروخت کرکے اس رقم کو مسجد میں صرف کرنے کا ارادہ ہے ۔ لیکن مسمی دھومی وعیدو اس رقم میں سے نصف رقم اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے انکو پرورش کیا ہے ۔ از روئے شریعت جواب سے مطلع فرمایا جائے ۔

فقط

سید محمد الیاس زیدی ۔۔۔۔ ۱۳ رجب ۹۴ھ ۱۳

الجواب

مسلمانوں کی رائے صحیح ہے ۔ دھومی وعیدو کو ان درختوں کے کسی جزو کے لینے کا حق نہیں ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
محمد مظہر غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

بد عقیدہ لوگوں کو سنی اوقاف کا نگران بنانا مداخلت فی الدین ہے

سوال:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالص سنی عقیدے کے مسلمانوں نے جو لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کے اوقاف مزارات اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ضروری مصارف کے لیے وقف کئے ہیں جن میں عرس کے مصارف بھی شامل ہیں۔ کیاان اوقاف کی حفاظت و نگرانی اور انتظام کے لیے ان لوگوں کو مقرر کرنا جو اولیائے کرام سے عقیدت نہیں رکھتے۔ جو ان کے مزارات کی تعظیم نہیں کرتے اور جو ان کے مراسم عرس کو شرک اور کفر قرار دیتے ہیں۔ کیا ازروئے شریعت اسلام یہ جائز ہے؟ کیا اولیائے کرام کے معتقدین کے اعتقادی مذہبی اور انتظامی امور میں زبردستی دخل دینا مداخلت فی الدین نہیں ہے؟ کیا سنی عقیدہ کے مسلمانوں کے نکاح و طلاق اور مہر وغیرہ کے معاملات میں بدعقیدہ لوگوں کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے؟ اور کیا مسلمانوں کے پرسنل لاء (مذھبی معاملات) میں یہ نامناسب مداخلت نہیں ہے؟ ازراہ کرم شرعی احکام سے مطلع فرمائیے۔

خادم ملت
محمد مستحسن فاروقی
مدیر "آستانہ" دہلی سجادہ نشین خانقاہ کلیمی، دہلی

الجواب

(۱) کسی وقف کا منتظم یا متولی وہی شخص ہوسکتا ہے جو مال وقف کو واقف کے شرائط کے موافق اس کے مصرف میں صحیح طور پر خرچ کرسکے۔ خیانت کا یا غیر مصرف میں خرچ کرنے کا اس سے اندیشہ نہ ہو۔ اور وقف اور جن لوگوں کو وقف کا نفع پہنچتا ہے ان کے حق میں بہتر ثابت ہوسکتا ہے۔ خود اپنے یا اپنے متعلقین کے اوپر صرف کرنے کی طمع نہ رکھتا ہو۔ بلکہ فقہاء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ ہر طرح کی قابلیت رکھتا ہو لیکن اگر وہ خود متولی ہونے کی درخواست کرتا ہے۔ تب بھی اس کو متولی نہ کیا جائے۔ پس ان فقہی احکامات پر نظر رکھتے ہوئے وہ لوگ اہل اللہ کی درسگاہوں کے نگران و منتظم کیسے بنائے جاسکتے ہیں جو ایک حد تک سرے سے ان درگاہوں ہی

کے مخالف ہیں اور جب ان کے نزدیک وہ مراسم ہی بدعت وگناہ ہیں ۔ جو اوقاف کی آمدنی کے مصرف ہیں تو ان سے کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ شرائط وقف پر کما حقہ عمل کر سکیں گے اور یہ بتلایا جاچکا ہے کہ جو شرائط وقف پر عمل نہ کرسکے وہ وقف کا متولی نہیں کیا جاسکتا ۔

جس بل کے سلسلہ میں سوال کیا جارہا ہے وہ بل بھی مطالعہ سے گزرا ہے میرے نزدیک تو اس بس کے ماتحت وہ لوگ بھی شرائط وقف پر عمل نہیں کرسکتے جو منتظم ہونے کے حقیقت میں اہل سمجھے جاتے ہیں اور مزارات مقدسہ کا صحیح طور پر احترام رکھنے والے ہیں ۔ مانا کہ اس وقت بھی کما حقہ شرائط واقف پر عمل نہیں کیا جارہا لیکن آج اگر مال وقف کے چار آنے تلف ہورہے ہیں تو اس بل کے ماتحت آٹھ آنے تلف ہوں گے ۔ اتنا ضرور فرق ہوگا کہ اب تک متولی کھاتے ہیں آئندہ دوسرے لوگوں کے لیے پیٹ پالنے کا ذریعہ نکل آئے گا ۔ بہرحال وقف کو تو فائدہ جب بھی نہ ہوگا اس لیے میرے نزدیک تو پہلی شے یہی ہے کہ اس بل کی مخالفت کی جائے ۔ اوقاف کو سنی اوقاف بل سے کونسا نفع پہنچا جو اس سے پہنچ جائے گا ۔

(۲) امور شرعیہ میں سے مسئلہ اوقاف بھی ایک مسئلہ شرعی ہے ۔ پس انتظام کے پردہ میں اس کی مالیات کو برخلاف شرط واقف صرف کرنے کو لازم قرار دینا ۔ یا ایسا متولی یا منتظم اس پر مقرر کرنا جو ان صفات کا حامل نہ ہو جن کا اوپر ذکر کیا گیا ۔ اور اپنے سوء فہم کی وجہ سے بعض مصارف وقف ہی غیر شرعی سمجھتا ہو ، یقینا مداخلت فی الدین ہے ۔

(۳) اس وقت زیادہ تر قاضی کی ضرورت فسخ نکاح کے باب میں محسوس ہورہی ہے اس صورت میں حکومت اگر قاضی کا تقرر نہ بھی کرے تو بھی مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیے قاضی مقرر کریں جو شریعت مطہرہ کے موافق فیصلے کرے ۔ اس کے خلاف اس کا فیصلہ قابل نفاذ نہ ہوگا ۔ تو ایسی قضات نہ کسی کو قبول کرنا جائز ہے نہ اس کا فیصلہ شرعا معتبر ہوگا ۔ اسی طرح اگر خود قاضی پر اندیشہ کیا جاتا ہے کہ وہ اہلسنت کے خلاف قضایا فیصلہ کرے گا تو اس کا تقرر بھی جائز نہیں ۔ پھر قاضی کے تقرر کے لیے جو ووٹوں کا طریقہ رکھا جائے گا یہ طریقہ بھی قاضی کو شرعی قاضی بننے نہ دے گا ۔ علاوہ ازیں غیر مسلم حکومت کی طرف سے کسی کو قاضی بنانے کا جواز خود مختلف فیہ ہے تو حکومت کے تسلیم کرنے کے بعد جب تک خواص اہل اسلام اور علمائے اہل سنت باتفاق تسلیم نہ کریں گے اس قاضی کے قاضی ہونے میں کلام ہی رہے گا ۔ چنانچہ شامی علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ۔

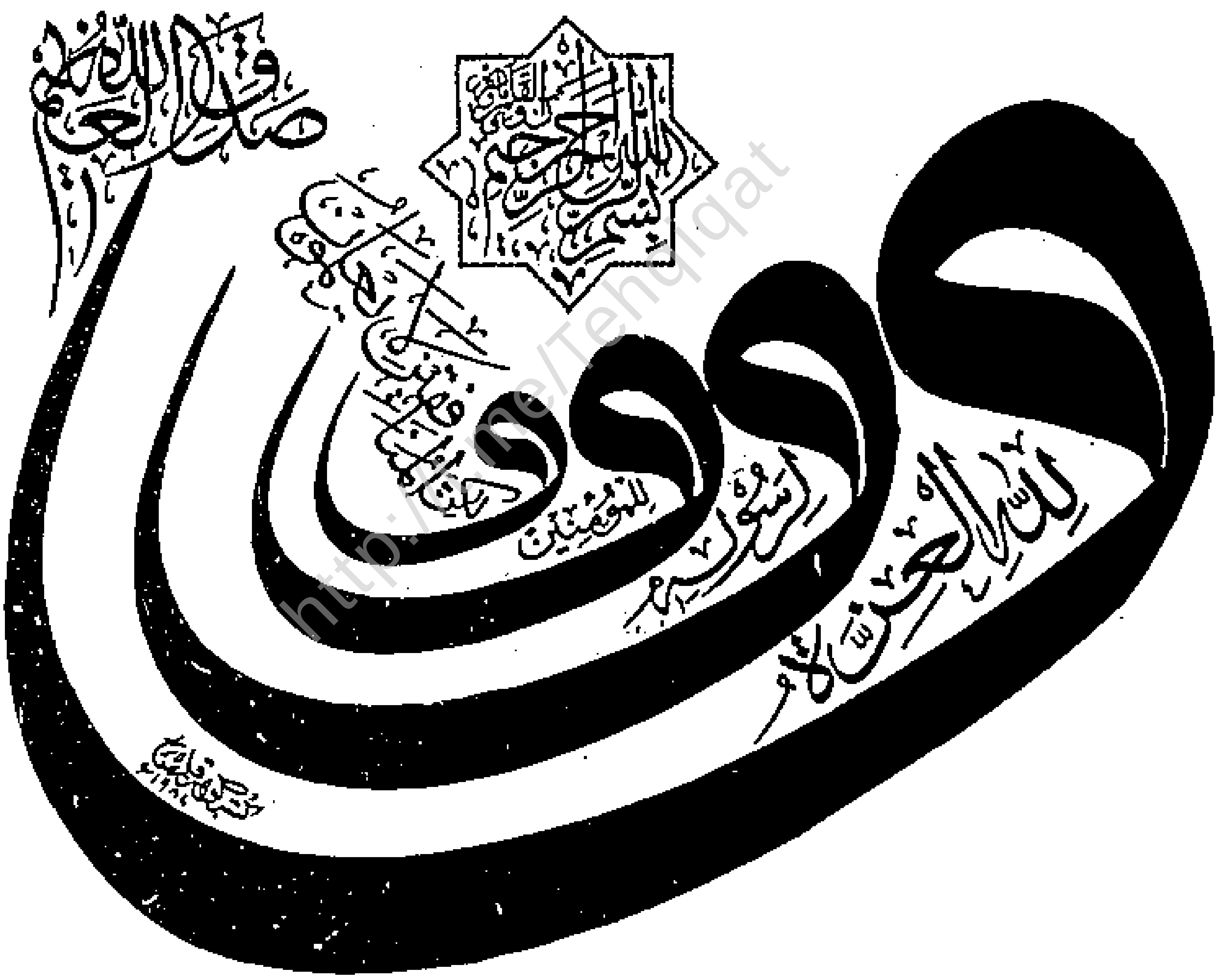
لکن اذا ولی الکافر علیھم قاضیا و رضیه المسلمون صحت تولیة بلا شبهة

(شامی ، ج ۵ ص ۳۶۹ ، مطبوعه مکة المکرمة) فقط واللہ تعالی اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری دہلی (۱)

(۱) ماہنامہ آستانہ، دہلی، شمارہ اکتوبر ۱۹۵۲ ص ۷، ۸)



پانچواں باب

معتقدات

مشرک کو مشرک نہ کہنا درست نہیں

سوال:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مسئلہ مفصلہ ذیل میں کہ زید یہ کہتا ہے کہ از روئے قرآن حکیم ھندوستان کے ھندو نہ مشرک ہیں نہ نجس۔ کیا زید کا یہ بیان صحیح ہے۔ اگر یہ صحیح نہیں تو زید مذکورہ بالا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوگا یا داخل رہے گا؟

الجواب

غیر خدا کو واجب الوجود یا مستحق عبادت جاننا یا خدا کی کسی صفت خاصہ کو کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا شرک ہے اور یہ شے ھندو میں موجود ہے، لہذا وہ مشرک ہیں۔ زید کا ان کو مشرک نہ کہنا صحیح نہیں۔ رہا یہ کہ زید کا کیا حکم ہے سو یہ اس وقت بتلایا جاسکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ وہ اپنے اس قول کی صحت کے وجوہ کیا بیان کرتا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

قد افلح من زکٰها

چھٹا باب

رسوم

ممنوعات شرعیہ کے باوجود عرس میں شرکت

سوال:۔

عرسوں میں جانا باوجودیکہ وہاں ممنوعات شرعیہ کا بھی وجود ہوتا ہے ۔ عند الشرع کیسا ہے اور قبور پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ زید حضرت مجدد الف ثانی سرھندی علیہ الرحمہ کے عرس میں جانے سے اسی وجہ سے منع کرتا ہے کہ وہاں بعض ناجائز امور بھی ہوتے ہیں ۔ کیا زید کا کہنا صحیح ہے ۔

الجواب

زید بکتا ہے ۔ فقیر عرس کے ایام میں خود سرھند شریف حاضر ہوا ہے ۔ وہاں کوئی ایسا فعل نہیں ہوا جو شرعاً مذموم ہو ۔ پس اس برکت والی مجلس میں حاضری بلاشبہ جائز اور باعث ترقی بطون ہے اگر وہ فعل بھی اس میں پایا جاتا تو اس کی وجہ سے عرس کی حاضری کیوں ممنوع ہو جاتی؟ ایسی صورت میں نہ جانا اور بات ہے لیکن اگر کوئی مکروہات شرعیہ سے پرہیز کرتا ہوا محض تحصیل فیوض کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اس کو منع بھی نہیں کیا جاسکتا بلکہ ایسے شخص کی حاضری تو واجبات سے ہے ۔ جو اس فعل کے روکنے پر قدرت رکھتا ہو ۔ ردالمحتار میں ہے:۔

قال ابن حجر فی فتاویہ ولا تترک لما یحصل عندھا من منکرات ومفاسد کاختلاط الرجال بالنساء وغیر ذالک لان القربات لا تترک لمثل ذالک بل علی الانسان فعلھا و انکار البدع بل وازالتھا ان امکن آلخ قلت ویویدہ ما مر من عدم ترک اتباع الجنازۃ وان کان معھا نساء و نائحات تامل ۔ انتھی (شامی ابن عابدین، ج ۲ ص ۲۴۲)

اور قبر پر پھول (اور خوشبو) میں سے کچھ ڈالنا بھی مضائقہ نہیں رکھتا بلکہ اچھا ہے ۔ شامی میں ہے:۔

و یوخذ من ذالک و من الحدیث ندب وضع ذالک للاتباع ویقاس ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاٰس ونحوہ وصرح بذالک ایضا جماعۃ من الشافعیۃ انتھی ۔ (شامی، ابن عابدین، ج ۲ ص ۲۴۵ مطبوعۃ مکۃ المکرمۃ)

بہ قیمت پھول لینے کی حالت میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ صدقہ کر دیا جائے ۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:۔

وضع الورد والریاحین علی القبور حسن وان تصدق

بقیمت الورد وکان احسن کذا فی الغرائب (فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کونڈے

سوال:۔
علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ماہ رجب شریف کی ۲۳ تاریخ کو امام جعفر صادق کی فاتحہ اس طریق سے دلاتے ہیں کہ سوا سیر میدہ کی پوریاں اور حلوہ پکا کر اور دو نئے کونڈے منگا کر ایک میں پوریاں اور دوسرے میں حلوہ رکھ کر امام صاحب کی فاتحہ دلاتے ہیں۔ اور مراد دل میں یہ کرتے ہیں کہ جو ہماری مراد ہو یا کوئی مشکل میں پھنسا ہو وہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمارے پر رحم فرما کر ہماری مراد دلی پوری کردے تو یہ فاتحہ دلانا اور ان کی روح پر فتوح کو ان لوازمات کے ساتھ ایصال ثواب کرنا کیسا ہے۔؟

الجواب

ان جیسے مسائل میں صرف یہ بات ناجائز ہے کہ مسلمان اپنے اوپر کسی غیر لازم فعل کو ایسا لازم سمجھے کہ وہ اس کے خلاف کرنے میں گناہ کا اعتقاد کرنے لگے۔ اگر اس بات سے محفوظ ہے تو اس کو افعال مباحہ کا کرنا بہر صورت غیر ممنوعہ جائز ہے۔ پس صورت مذکورہ میں حضرت امام صاحب کے لیے خاص طریقہ کے ساتھ ۲۳ رجب کو اعتقاد مذکورہ سے محفوظ رہتے ہوئے اگر ایصال ثواب کی جاوے تو بلاشبہ جائز ہے کہ اصل فعل کے جواز میں تو اہل سنت میں کون کلام کرسکتا ہے کہ یہ ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ رہا اس کا اس خاص ھیئت کے ساتھ کرنا ہو اس کی بھی چونکہ شارع علیہ السلام سے ممانعت وارد نہیں لہذا وہ بھی جائز رہا۔

فقط
محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری، دہلی

میت کو ایصال ثواب

سوال نمبر ا:۔

ماہ رجب میں اکثر رواج ہورہا ہے اور اس طرح سے کرتے ہیں کہ سورۃ تبارک الذی اکتالیس مرتبہ خود پڑھ کر یا کسی حافظ وغیرہ سے پڑھوا کر اپنی میت کی روح کو اس کا ثواب پہنچاتے ہیں ۔اور ساتھ میں اس کے یہ بھی کرتے ہیں کہ اکیس سیر آٹا گندم کا لے کر اس میں حسب ضرورت میٹھا ملا کر اس کی میٹھی روٹیاں پکاتے ہیں اور اکتالیس لوٹے مٹی کے منگا کر اور ایک جوڑا کپڑوں کا بنا کر ان سب کا ایصال ثواب اپنی میت کی روح کو کرتے ہیں ۔ اور خود زندہ بھی اپنے لیے ثواب جمع کرتے ہیں کہ بعد مرنے کے عذاب قبر سے اللہ تعالی اس کی برکت سے بچائے رکھے ۔ اور کچھ روٹی اور کپڑوں کا جوڑا راہ اللہ دے دیتے ہیں ۔اور لوٹے مسجدوں میں نمازیوں کے واسطے بھیج دیتے ہیں ۔ اور کچھ روٹیا اپنے عزیز و اقارب میں تبرکا تقسیم کر دیتے ہیں ۔ تو اب ایسی صورت میں میت کی روح کو ایصال ثواب ان لوازمات کے ساتھ کرنا اور اپنی ذات کے لیے ثواب خود جمع کرنا بروئے شرع شریف ایسا ایصال کیسا ہے ۔

سوال نمبر ۲:۔

اگر کوئی غریب مسکین بہ سبب ناداری ایک دو مسکین کا کھانا پکا کر یا دوچار آنہ کی چیز پر ایصال ثواب اپنی میت کی روح کو اور خود اپنے لیے ثواب جمع کرے تب بھی ایصال ثواب و تبارک ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ بینو و توجروا!

الجواب

نمبر ا:۔

جس قدر قرأت قرآن اور صدقات کا ثواب میت کو پہنچایا جائے گا وہ پہنچے گا اکیس سیر آٹے کی روٹی ضروری نہیں ہے جس قدر میسر آئے اس کو صدقہ کرے اور اس کا ثواب میت کو پہنچائے یا اپنے لیے جمع کرے اور کچھ میسر نہ ہو تو قرأت سورۃ ملک کا ثواب بھی بہت کچھ ہے ۔

نمبر ۲:۔

ہاں جائز ہے اور اس کی تفصیل پہلے جواب میں گزری ۔

فقط واللہ تعالی اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری ، دہلی

تیجے (سوئم) کے چنے کھانا اور قبرستان میں حلوہ روٹی کا بانٹنا

سوال:۔

زید کہتا ہے کہ تیجے میں جو چنے پڑھتے ہیں اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں چنے صاحب زکوٰۃ کو نہیں کھانے چاہئیں ۔ یہ حق محتاجوں کا ہے ۔ بکر کہتا ہے کہ چنے کھانے ثواب ہیں اور قبرستان میں جو حلوہ روٹیاں وغیرہ لے جاتے ہیں اور تقسیم وہاں پر کرتے ہیں اس کے واسطے کیا حکم ہے ۔؟

الجواب

سوئم میں جو چنے تقسیم ہوتے ہیں ان کو صاحب زکوٰۃ بھی کھا سکتا ہے کہ صاحب زکوٰۃ وہی صدقات نہیں لے سکتا جو واجبہ ہیں ۔ نافلہ صدقات اس کے حق میں ھبہ ہیں ۔ اور تقسیم غربا کے لیے قبرستان میں حلوا روٹی کا لے جانا اور ان کا وہاں تقسیم کرنا اگرچہ جائز تو ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ وہاں نہ لے جایا جائے کہ اس کے سبب سے اول تو قبور مسلمین کی بے حرمتی ہوتی ہے دوسرے مستحقین محروم رہ جاتے ہیں پس مناسب یہی ہے کہ ان کو شہر ہی میں تقسیم کردیا جائے ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری ، دہلی

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ

ساتواں باب

آداب

مسجد کا احترام

سوال:۔

کل ۶۲ جنوری ۱۹۵۹ء ہے ۔اس تاریخ کو جو سرکاری جلوس نکلتا ہے اس کو دیکھنے کے لئے عوام ہر طرف سے آرام سے دیکھنے کے لیے جگہ کے متلاشی ہوتے ہیں ۔ لہذا اس کا قوی امکان ہے کہ شہر سے کچھ مرد اور عورتیں چاندنی چوک والے مسجد کے دروازے پر دیکھنے کے لئے آئیں اور اس میں مسجد کی بے حرمتی بھی ہو سکتی ہے ۔اس لئے آں جناب جیسا حکم فرماویں تعمیل کیا جاوے

احقر حکیم محمد اسلام
محرر مسجد فتحپوری

الجواب

جلوس کے آنے سے کچھ پیشتر دروازے بند کر دیئے جائیں ۔ عورت تو کسی کی بھی اندر نہ آئے ۔ مسجد کے رہنے والے البتہ جلوس دیکھ سکتے ہیں ۔ اس کا انتظام بہت ضروری ہے تاکید چاہیئے ۔

فقط محمد مظہر اللہ
امام مسجد فتحپوری ، دہلی

آٹھواں باب

متفرقات

فن گدگا پھری کا سیکھنا سکھلانا شرعاً کیسا ہے

سوال نمبر۱:۔

زمانہ صحابہ سے لے کر اب تک مسلمانان ھند، پنجاب، راجپوتانہ وغیرہ میں فن گدگا پھری دیہات و مواضعات و شہر وغیرہ میں اکثر استاد صاحبان اپنے شاگردوں کو یہ فن سکھلاتے ہیں۔ اس فن سے استاد صاحبان کی محض یہ غرض ہے کہ دشمنان اسلام کے خلاف اور بروقت جہاد دشمنان اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ زید کہتا ہے یہ فن جائز نہیں۔ کیا شریعت محمدی میں اس فن کی ممانعت آئی ہے؟

سوال نمبر۲:۔

کیا اس فن کے سیکھنے اور سکھلانے کے متعلق شریعت مقدسہ نے کوئی دن یا تاریخ مقرر کیا ہے؟

سوال نمبر۳:۔

اگر کوئی امام مسجد اس فن کا جاننے والا ہو اور وہ دیگر مسلمانوں کو یہ فن سکھلائے تو کیا وہ امام مسجد قابل امامت نہیں؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز ہے؟

المستفتی

سید محمد الیاس زیدی

کانہ نو، ضلع لاہور

الجواب

(۱) اس فن کے سیکھنے کا حکم شریعت مطہرہ میں نہایت سختی کے ساتھ وارد ہوا ہے، اس کو ناجائز کیسے کہا جاتا ہے۔

(۲) نہیں اس کے واسطے کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔

(۳) ایسا امام قابل قدر ہے اس کے پیچھے کراہت نماز کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی، بشرطیکہ اور وجہ باعث کراہت نہ ہو۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

بینک سے منافع لینے کا حکم

سوال:۔
بینکوں میں روپیہ دینا واسطے منافع کیسا ہے اور بنکوں سے روپیہ لینا منافع سے کیسا۔ خواہ وہ بنک اسلامی ہوں خواہ انگریزی؟

الجواب

ناجائز ہے۔

فقط واللہ تعالی اعلم
محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

پردے کا شرعی حکم

استفتاء:۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ موجودہ زمانہ میں ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ پردہ سراسر مانع ترقی ہے اور اس کی مطلق ضرورت نہیں۔ قدیمی طریقہ پردہ کا اسلام کے منافی ہے۔ لہذا اس کی شرعی حد بیان فرمائیے۔ نیز یہ کہتا ہے کہ اگر بے پردگی ممنوع ہوتی تو اس کے لیے کوئی سزا ضرور مقرر ہوتی۔ جو خلاف پردے خصوصاً حد شرعی سے متجاوز ہیں اور اس کے خلاف کوشش فرماتے ہیں ان کی شرع میں کیا سزا ہے؟ بینوا و توجروا

الجواب

سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قدر تو پردہ کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ پردہ کا حکم کوئی جدید نہیں ہوا۔ بلکہ یہ قدیم سے مسلمانوں کا شعار رہا ہے۔ یہاں تک تو بالکل صحیح ہے لیکن یہ بات کہ یہ مامورات شرعیہ سے نہیں محض غلط ہے۔ جس پر آیۃ کریمہ

یا ایھا النبی قل لا زواجک و بناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلا بیبھن ذالک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین وکان اللہ غفورا رحیما (سورہ الاحزاب۔۵۹)۔

ترجمہ ۔ اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں کو حکم فرمادیجئے کہ وہ (اگر بضرورت باہر نکلیں تو) اپنے تمام بدن کے اوپر چادر لٹکالیں (اور سر سے پا تک اپنے کو برقعہ وغیرہ سے پوشیدہ کر کے نکلیں) اس میں یہ ہوگا کہ وہ پہچانی جائیں گی (اور لونڈیوں سے ممتاز رہیں گی) پھر ستائی نہ جائیں گی اور (اس سے قبل جو اس طریقہ کے خلاف عمل رہا ہے) اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے والا ہے اور مہربان ہے (کہ تمہاری اصلاح کے طریقے تم کو تعلیم فرماتا ہے)

تفسیر مدارک میں ہے :۔

عن المبرد معنی یدنین علیھن من جلا بیبھن یرخینھا علیھن و یغطین و جوھھن و اعطافھن (تفسیر مدارک، عبداللہ بن احمد نسفی ۔ ج ۳ ص ۴۷۹)

یعنی مبرد نے کہا کہ یدنین علیھن من جلا بیبھن کے معنی یہ ہیں کہ عورتیں لٹکائیں چادروں کو اپنے اوپر اور ان سے اپنے چہرے اور پہلوؤں کو ڈھانپ لیں ۔

نیز تفسیر سراج المنیر و معالم التنزیل و خازن وغیرہ میں ہے ۔

قال ابن عباس امرہ نساء المؤمنین ان یغطین رؤسھن و وجوھھن بالجلابیب الاعینا واحدہ لتعلم انھن حرائر (تفسیر خازن، علی ابن محمد بغدادی، ج ۳ ص ۴۷۹)

یعنی رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں مسلمانوں کی عورتوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اپنے سر اور چہرے بڑی بڑی چادروں سے ڈھانپ لیں ۔ البتہ راہ پر نظر کرنے کے لیے ایک آنکھ کھلی رکھیں تاکہ پہچان لی جاویں کہ وہ آزاد ہیں ۔

اسی طرح بہت سی احادیث اس باب میں وارد ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ عورتوں کو پردہ میں رہنا لازمی ہے چنانچہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار میں یہ ذکر چھڑا کہ :۔

وہ کیا فعل ہے جو عورتوں کے معاملہ میں مردوں کے لیے اور مردوں کے معاملہ میں عورتوں کے لیے بہتر ہے ۔ جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اپنے گھر واپس تشریف لائے تو اس کا ذکر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو حضرت سیدہ نے فرمایا :۔

مردوں کے لیے عورتوں کے باب میں یہ بہتر ہے کہ وہ ان کو نہ دیکھیں اور عورتوں کے لیے مردوں کے باب میں یہ بہتر ہے کہ وہ ان پر نظر نہ ڈالیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس جواب کو سرکار والا میں پیش کیا تو حضور نے فرمایا :۔

هی بضعه منی ------ یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے (یہ جواب اسی ہی کو سزاوار ہے)
صاحب کفایہ اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔
فدل انه لا یباح النظر الی شئی من بدنها (الکفایة، علامه جلال الدین خوارزمی ج ۸ ص ۴۶۰)
یعنی یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے اعضاء میں سے کسی عضو پر بھی نظر کرنا حلال نہیں
دوسری حدیث میں ارشاد ہے

لعن الله الناظر و المنظور الیه

اللہ تعالی لعنت کرے دیکھنے والے پر (جس نے قصداً ایسی طرف نظر کی جس کا دیکھنا اس کو روا نہ تھا خواہ اجنبی عورت ہو یا کسی کا ستر وغیرہ) اور اللہ تعالی لعنت کرے اسپر جس کی طرف دیکھا گیا اور اس نے بغیر عذر و اضطرار کے اپنے کو دکھلایا۔ (رواہ البیہقی)
تیسری حدیث میں ارشاد ہوا

عورتوں پر داخل ہونے سے حذر کرو۔

کسی نے عرض کیا کہ حضور! خاوند کے عزیز و اقارب بھائی بھتیجے بھی داخل نہ ہوں۔ فرمایا الحمو الموت۔ یہ لوگ تو بمنزلہ موت کے ہیں۔ (رواہ البخاری و المسلم)
چوتھی حدیث پاک میں ہے۔

من نظر الی محاسن امراۃ اجنبیة عن شهوۃ صب فی عینه الانک یوم القیامة۔

جو شخص اجنبیہ عورت کے محاسن کی طرف شہوت سے نظر کرے گا، قیامت کے روز اس کی آنکھ میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔ (کذا فی الهدایہ، علی ابن ابی بکر مر غینانی ج ۴ ص ۴۵۸)

پانچویں حدیث میں ہے۔

المراۃ عورۃ فاذ خرجت استشرفها الشیطان

عورت تو تمام کی تمام اس قابل ہے کہ وہ پردے میں رہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نظر اٹھاتا ہے۔ (رواہ الترمذی شریف)

الحاصل:۔

اس میں شک نہیں کہ عورتوں کے لیے پردہ واجب ہے اور اس کا منکر

محض جاہل ۔ اب اگر یہ شبہ کیا جائے کہ بعض کتب میں اجنبیہ کی طرف نظر کرنے کو مطلقاً حرام نہیں فرمایا بلکہ آیۂ کریمہ :۔

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا (سورہ نور ۱۸،۳۱)

اور اپنا بناؤ (سنگھار) نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے ۔

(شوہر اور محرم کے سوا اور کسی کے اس کے جسم کے کسی حصہ کا دیکھنا صرف معالجہ کی ضرورت سے قدرے جائز ہے) اس آیۃ سے استدلال کرتے ہوئے چہرہ اور ہتھیلیوں کا اور بعض نے قدموں کا بھی استثناء کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں ستر کا حکم بتلایا گیا ہے اور صرف ان اعضاء کا ذکر کیا گیا ہے جن پر نظر کرنا مطلقاً حرام ہے خواہ شہوت کا خوف ہو یا نہ ہو اور چہرہ پر نظر کرنے کی حرمت شہوت کے ساتھ مقید ہے ۔ اگر شہوت کا خوف نہ ہو تو چہرہ یا ہتھیلیوں پر نظر کرنا حرام نہیں لیکن چونکہ عام آدمیوں پر اس کا اطمینان نہیں کیا جاسکتا تھا کہ عورت کو دیکھ کر اس کو شہوت پیدا نہ ہوگی اس لیے پردہ کا عام حکم دے دیا گیا ۔ البتہ صحابہ کرام کے نفوس چونکہ چونکہ پاک تھے اس وجہ سے پردہ کی اس وقت میں ایسی زیادہ تاکید نہ کی جاتی تھی ۔ پچھلے زمانہ میں جب نفوس فساد کی جانب زیادہ مائل ہوگئے تو مطلقاً عورت کو چہرہ کھولنے کی ممانعت کردی گئی ۔ چنانچہ در مختار میں ہے

فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فمنع من الشابه ۔ (در مختار، ج ٦ ص ۳۷۰ منطبوعہ مکۃ المکرمۃ)

یعنی چہرہ و ہتھیلیوں پر نظر کرنے کی حلت عدم شہوت کے ساتھ مقید ہے ۔ اگر جانبین میں سے کسی پر شہوت کا خوف ہو تو ان اعضاء پر نظر کرنا مطلقاً حرام ہے ۔

بلکہ بعض مفسرین تو اس طرف گئے ہیں کہ اول ہی سے مطلقاً واجب ہے خواہ شہوت کا خوف ہو یا نہ ہو فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منھا ۔ سے استدلال مذکور صحیح نہیں کیونکہ وہ نظر کے باب میں وارد نہیں ہوئی بلکہ اس میں حالت نماز (میں پردے) کا حکم ہے ۔ چنانچہ بیضاوی میں ہے ۔

الاظھر ان ھذا فی الصلوٰۃ لا فی النظر فان کل بدن الحرۃ عورۃ ولا یحل لغیر الزوج و المحرم النظر الی شئی منھا الا لضرورۃ کالمعالجه و تحمل الشھادۃ (تفسیر بیضاوی بحوالہ تفسیرات احمدیہ، ص ۳۷۲)

یعنی اظہر یہ ہے کہ یہ حکم بعض اعضاء کا استثناء نماز میں ہے ۔ نہ نظر میں ۔ کیونکہ آزاد عورت کا تو کل بدن قابل ستر ہے اور سوائے زوج اور محرم کے کسی کو جائز نہیں کہ وہ اس کے بدن کے کسی حصہ پر نظر کرے ۔ البتہ بہ ضرورت جیسے علاج کے لیے اور تحمل شہادت کے لیے

صاحب تفسیر احمدی تحت آیۂ کریمۃ یاایھاالذین امنو لا تدخلوا بیوات النبی (الاحزاب ۵۳) اے ایمان والوں! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو (جب تک اذن نہ ہو) تحریر فرماتے ہیں:۔

هذا الاية هي الاية التي يفهم منها ان يحتجب النساء من الرجال

یعنی۔یہی وہ آیت ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ عورتیں مردوں سے پردہ کریں

پھر فرماتے ہیں

لان موردها وان كان خاصا في خق ازواج رسول الله صلى الله عليه وسلم لكن الحكم عام لكل من المؤمنات فيفهم منه ان يحتجب جميع النساء من الرجال ولا يبدين انفسهن عليهم (التفسيرات الاحمديه ، شيخ احمد ملا جيون ص ۴۲۱ - ۴۲۲)

یہی بزرگ تحت آیہ کریمہ قل للمؤمنات یغضضن (نور، ۳۱) فرماتے ہیں

وقد قال بعض المفسرين ان هذا الحكم عام لجميع المؤمنات ولكن خصت به ازواج النبي عليه السلام بخصوص الواقعه ـ (التفسيرات الاحمديه، ملا جيون، ص ۳۷۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا رجحان بھی اسی جانب ہے کہ عورت پر بہرحال پردہ واجب ہے اور الا ما ظہر منھا سے صرف ایک آنکھ کا استثناء کیا گیا ہے کہ اس کو نہ کھولنے میں حرج ہے ۔

لكنها تقول هي لا تجد بدا من ان تمشي في الطريق ولا بدان تفتح احدي عينيها لتبصر الطريق فيجوز لها ان تكشف احدى عينيها لهذه الضرورة (كذا في الكفاية، ج ۸ ص ۴۶۱)

لیکن وہ فرماتی ہیں کہ چونکہ عورت کو کام کاج کے لیے راستہ میں جانا بھی ضروری ہے اور ایک آنکھ کا کھلا رکھنا بھی لازمی ہے تاکہ راستہ چل سکے ۔ اس لیے اس کو اس ضرورت سے ایک آنکھ کا کھولنا جائز ہے ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ الا ماظہر منھا سے ظاہر لباس اور موزوں کا استثناء ہے کہ ان کا کھلا رہنا لابدی ہے چنانچہ کفایہ میں ہے ۔

قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ المراد منه خفها و ملابسها (الکفایہ ج ۸ ص ۳۶۰)
پھر عقل بھی اسی کو ترجیح دیتی ہے کہ عورت کے لیے اجانب کے سامنے بلا ضرورت چہرہ کھولنا ممنوع رکھا جائے کیونکہ نظر کی حرمت فتنہ ہی کے خوف کی وجہ سے تو ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ جس قدر چہرہ کی وجہ سے لوگ فتنہ میں پڑتے ہیں ، اس قدر دوسرے اعضاء کے دیکھنے سے نہیں پڑتے ۔ پس چہرہ کا چھپانا بہ نسبت دوسرے اعضاء کے نہایت ضروری ہوا ۔ کہ یہی وہ عضو ہے جس میں وہ مقناطیسی اثر رکھا ہوا ہے جس سے بڑے بڑے پارسا اس کے دام میں آجاتے ہیں اور شیطان اس کی بدولت خاطر خواہ کامیابی حاصل کرلیتا ہے ۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

النساء حبائل الشیطان بھن یصید الرجال (الکفایہ ج ۸ ص ۳۶۰)
عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں ، ان ہی سے وہ مردوں کا شکار کرتا ہے

اب رہا وہ حجاب جو شرفاء میں معمول ہے کہ بلا ضرورت جب تک پردہ کی سواری میسر آتی ہے عورتوں کو برقعہ میں بھی نہیں نکالا جاتا ۔ سو یہ بھی محمود ہے کہ اس زمانہ میں مرد صرف عورت کے قد اور چال کے انداز سے فتنہ میں پڑرہے ہیں ۔ اور اس کا تدارک بغیر اس صورت کے دشوار ہے پس اس صورت کا (برقعہ) اختیار کرنا بھی ضروری ہوا غرض عقلا و نقلا ہر طرح پردہ کا وجوب ثابت ہے جس کا انکار یقینا فسق ہے اور جب شرعا پردہ واجب ہے تو اس کو اسلام کے منافی اور مانع ترقی کہنا خالص حماقت نہیں تو اور کیا ہے ۔ کابل میں ان ہی جیسے مسئلوں کی بدولت جو کچھ ترقی میسر آئی وہ اظہر من الشمس ہے ۔ ایک اسی حکم پر کیا منحصر ہے اسلام میں کوئی بھی حکم ایسا نہیں جو اس ترقی کا مانع ہو جس (واقعتا) ترقی کہا جاسکتا ہے اسلام تو بحکم آیہ کریمہ الیوم اکملت لم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (مائدہ ۳) آج میں نے تمہارے لئے تمھارا دین کامل کردیا تمام خوبیوں کا جامع ہے

اگر کسی کو اس کی خوبی برائی نظر آوے تو اس کی آنکھ کا قصور ہے ۔ رہا یہ اعتراض کہ اگر بے پردگی ممنوع ہوتی تو اس کے لیے شرعی سزا ضرور ہوتی یہ محض جاھلانہ خیال ہے ممنوعات شرعیہ میں سے سوائے چند ممنوعات کے ھزاروں ممنوعات وہ ہیں جن پر کوئی سزا مقرر نہیں فرمائی گئی یہ بات کہ پردہ کے خلاف کوشش کرنے والوں کی کیا سزا ہے تو اس کی کامل سزا تو وہی قہار جبار دے گا جس کا ارشاد ہے

ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم وساءت مصیرا (نساء ۱۱۵)

اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی

ہم زیادہ سے زیادہ اس کے سوا کیا کر سکتے کہ بحکم آیہ کریمہ

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (ہود - ۱۱۳)

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمھیں آگ چھوئے گی (کسی طرف جھکنا اس کے ساتھ میل و محبت کو کہتے ہیں - معنی یہ ہیں کہ ظالموں کے اعمال سے راضی نہ ہو یعنی خدا کے نافرمانوں اور گمراہوں کے ساتھ میل جول نہ رکھو) ایسوں سے سلام و کلام ترک کردیں جب تک کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرکے راہ راست پر آجاویں -

فقط واللہ تعالی اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

مرض طاعون میں اذان پڑھنا

سوال :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ مرض طاعون میں اذان پڑھتے ہیں سات آدمی مل کر - اور جب میت کو قبر میں رکھتے ہی جس وقت پٹاؤ ڈھکتے ہیں، اس وقت قبر پر اذان پڑھتے ہیں - از روئے شرع کیا حکم ہے -

الجواب

کتب شافعیہ میں ایک ضعیف قول ایسا پایا جاتا ہے جس سے قبر پر جواز معلوم ہوتا ہے کذا فی الشافی - پس جو ایسا کرتا ہے اس پر ممانعت میں تشدد نہ کیا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ خود نہ کرے

فقط واللہ تعالی اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ

امام مسجد فتحپوری دہلی

صلى الله عليه وآله

يا سيد السادات جئتك قاصدا

أرجو رضاك واحتمي بحماك

أنت الذي لولاك ما خلق امرؤ

كلا ولا خلق الورى لولاك

انا طامع بالجود منك ولم يكن

لابي حنيفة في الانام سواك

صلى الله عليك وعلى آلك واصحابك وسلم دائما ابدا

مُرقعِ مظہری

شیخ الاسلام مفتیٔ اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ (۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء)
کے قلمی فتووں کے چند عکسی نوادرات، جو تقریباً ۱۹۱۶ء اور ۱۹۶۶ء کے پچاس سالہ
درمیانی عرصے میں لکھے گئے جس کا کچھ اندازہ دستخطوں کے بدلتے ہوئے انداز سے
ہوتا ہے۔ مرقع مظہری میں فتووں کی ترتیب بھی اندازاً اسی اعتبار سے رکھی گئی ہے
اصل قلمی فتاوٰی ہمدرد یونیورسٹی کراچی کی لائبریری بیت الحکمت میں محفوظ کرا دیئے
ہیں تاکہ محققین اور علماء استفادہ کرسکیں۔

احقر
محمد مسعود احمد عفی عنہ
۹ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
۳۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء
یوم جمعۃ المبارک



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفسار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کاروبار ولایتی ادویات جسکا اکثر کاروبار اہل اسلام کے ہاتھ میں بھی ہے۔ ہندوستان میں مفردات و مرکبات دونوں طریق پر آکر فروخت ہوتی ہیں۔ مرکبات جنمیں خصوصاً ٹنکچر، اسپرٹ، میتھیلیٹیڈ، الکوحل، کلوروفارم تفصیل و تشریح ذیل شامل ہیں ملاحظہ ہوں۔

ا۔ ٹنکچر یعنی عرق، ادویاتی مفردات کو ہمراہ اسپرٹ خالص شامل کرکے انکی اصلی حالت کو دیرپا قائم رکھا گیا ہے جو عرصے تک خراب نہیں ہوتا۔ بیگانا اسپرٹ خالص جسکی تشریح یہ ہے کہ

اسپرٹ خالص خمر سے تیار کیجاتی ہے (جیسا کہ سرکہ بھی تیار کیا جاسکتا ہے) یعنی خمر کو بطریق عرق گلاب و کیوڑہ وغیرہ بھبکے میں مقطر کر لینے سے تیار ہوتی ہے! اور اس اسپرٹ خالص سے کل جسقدر شکلوں میں یعنی ٹکی برانڈی وغیرہ منشیات ہیں تیار ہوتی ہیں لہذا ادویات ولایتی مرکبات میں رقیق ادویات کو حل کر لینے اور دیرپا قائم رکھنا اس کا خاص جوہر ہے۔

ب۔ اسپرٹ میتھیلیٹیڈ جو دراصل اسپرٹ خالص کو زہریلہ مادہ ملانے سے ناکارہ کر دیا گیا ہے اور اندرونی استعمال میں کام میں نہیں لائی جاسکتی اور جو اکثر روغن چوبی آہنی وغیرہ میں کام آتی ہے۔ علاوہ ازیں طبی اصول پر ادویات کے ہمراہ شامل کرکے مالش تیار ہوتی ہے جو مریض کو بحالت ذہیرونی طریق پر استعمال کرائی جاتی ہے۔

ج۔ الکوحل۔ جو خالص اسپرٹ کو کئی بار مقطر کرنے سے تیار ہوتی ہے اسمیں خوشبویات ولایتی شامل کرکے ایڈی کلون کے نام سے فروخت کیجاتی ہے۔ ایڈی کلون اکثر امراض سرسام زیادتی بخار۔ نیز تبخیر دماغ کی صورت میں مریض کے سر پر ڈالی جاتی ہے یا رومال میں تر کرکے دماغ پر رومال رکھدیا جاتا ہے جس سے مریض کی راحت اور نیند آجانیکا خیال ملحوظ ہے۔

د۔ کلوروفارم جو خالص اسپرٹ کو سہ آتشہ اور چہار آتشہ کرنیکے بعد اور مقطر کرنے جانیسے حاصل ہوتا ہے۔ عموماً عمل جراحی کے وقت ڈاکٹر صاحبان مریض کو احساس تکلیف جراحی سے محفوظ رکھنے کیخاطر مریض کو سنگھا کر بے ہوش کر دیتے ہیں۔ کام میں لایا جاتا ہے۔

مگر ہر چہار متفرق ادویات مذکورہ بالا میں خاص اصل جزو اسپرٹ خالص کا ہے جسکی تشریح نمبر ا میں کیجاچکی ہے جسطرح حاصل ہوتی ہے۔ گذارش یہ کہ گورنمنٹ ہند نے نئے اصول قوانین درآمد کی رو سے ادویہ پر محصول نہایت زیادہ کر دیا ہے اور اس بات کی ضرورت لاحق ہوئی کہ تھوک فروش ادویات ولایتی ان ادویات کو یہاں خود تیار کریں جسمیں منافع کی خاص غائت مقصود ہے۔ لہذا اس صورت میں حسب ذیل استفسار ہیں جس کے لئے استدعا ہے کہ از راہ عنایت مفصل اور مکمل جواب بحوالہ شرع شریف مرحمت فرما کر مرہون احسان بنائیں اور ثواب آخرت حاصل فرمائیں

(۱) کیا کاروبار ادویات ولایتی جسمیں اسپرٹ شامل ہو جائز ہے یا ناجائز! (۲) کیا کوئی شخص ان ادویات مذکورہ بالا تیار کرنے کیلیے اسپرٹ خالص خرید سکتا ہے؟ (۳) کیا اسکی روزی طیب ہے یا نہیں؟ (۴) کیا کوئی شخص بحالت مرض شفایابی کی خاطر ادویات ولایتی مذکورہ بالا ہر چہار قسم اندرونی یا بیرونی طریق پر استعمال کر سکتا ہے یا کرا سکتا ہے۔ جائز ہے یا ناجائز۔!

صحیح مشرح شرعی طریق پر جواب کی ضرورت ہے۔

الجواب وھو الموفق للصواب

خمر کا اطلاق مجازاً ہر ایک شراب پر کیا جانے لگا ہے لیکن کسی شراب کا نام اگر خمر رکھ دیا جائے تو وہ شراب خمر کا حکم نہ پیدا کرے گی۔ شراب چند اقسام ہے ہر
لیکن جو بالاجماع حرام ہے وہ خمر ہے۔ شرعاً خمر اس شیرہ انگور خالص کا نام ہے جو جوش مار کر گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے یہ شراب ہر جو قلیل حرام ہے اور
اور اس کی نجاست غلیظہ ہے۔ نہ اس کی بیع جائز ہے نہ اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز ہے اور دوا میں بھی استعمال نہیں کی جا سکتی قال فی التنویر الخمر
وھی النیء من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف بالزبد وحرم قلیلھا وکثیرھا لعینھا وھی نجسۃ نجاسۃ مغلظۃ کالبول وحرم الا
انتفاع بھا ولا یجوز بیعھا ولا یجوز بھا التداوی انتہی ملتقطا۔ اس کے سوا دوسری شرابیں اگرچہ وہ عرق انگور ہی سے تیار ہوئی ہوں مختلف
حکم رکھتی ہیں بعض جائز ہیں بعض ناجائز بعض مختلف فیہ۔ شیرہ انگور کو پکا کر اگر شراب بنائی جائے اگر شیرہ ایک ثلث سے زائد جل جائے اور پھر جوش مار کر
نشہ لانے لگے تو حرام ہے ایسی شراب کو باذق کہا جاتا ہے اور اگر پکتے پکتے نصف رہ جائے تو ایسی شراب بھی حرام ہے اس کو منصف کہتے ہیں اور اگر دو ثلث جل کر
ثلث بچ جائے تو وہ حلال ہے ایسی شراب کو مثلث یا طلاء کہتے ہیں۔ اور اگر پانی میں منقی بھگو دئے جائیں اور وہ پانی جوش مار کر گاڑھا ہو جائے تو یہ بھی حرام ہے
اس کو نقیع زبیب کہتے ہیں اور اگر چھوارے سے ایسی شراب تیار کی جائے تو وہ بھی حرام ہے اس کو سکر کہتے ہیں۔ یہ سب شرابیں سوائے مثلث کے اگرچہ
عامہ علماء کے نزدیک حرام ہیں اور جمہور [illegible] بقدر مسکر ہونے میں حرام ہیں مقدار بھی ان کی حرام ہے لیکن ان کا حکم خمر کے حکم سے کم ہے چنانچہ
ان کی حرمت کا منکر کافر نہیں کہا جاتا اور ان کی نجاست میں بھی اختلاف ہے بعض روایات سے غلیظ ثابت ہوتی ہے بعض سے خفیفہ جو اگر انگور شیرہ جوش ہی
دے لیا جائے تو کسی غرض صالح کے لئے ان کا پینا حلال ہے اس مقدار تک جو نشہ نہ کرے چنانچہ عالمگیری میں ہے اما ما ھو حرام عند عامۃ العلماء فھو
الباذق والمنصف ونقیع الزبیب والتمر من غیر طبخ والسکر فانہ یحرم شرب قلیلھا وکثیرھا انتہی اور تنویر الابصار میں ہے وحرمتھا دون
حرمۃ الخمر فلا یکفر مستحلھا انتہی اور در مختار میں ہے نبیذ التمر والزبیب ان طبخ ادنی طبخۃ یحل شربہ وان اشتد وھذا اذا شرب منہ
بلا لھو وطرب فلو شرب للھو والطرب فقلیلہ وکثیرہ حرام انتہی فیہ۔ رہیں وہ شرابیں جو شہد اور انجیر اور گیہوں اور جو وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں
ان کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی غرض صالح کے لئے ان کا استعمال کیا جاتا تو اس مقدار میں جس سے نشہ نہ آئے استعمال کی جا سکتی ہے اگرچہ ان کو جوش دیا گیا ہو
چنانچہ ہدایہ و عالمگیری و در مختار وغیرہ میں ہے والحلال منھا نبیذ العسل والتین والبر والشعیر والذرۃ یحل سواء طبخ او لا بلا لھو وطرب
ان شرابوں کی حلت پر مذہب شیخین ہے بلکہ امام محمد سے بھی ایک روایت مذہب شیخین کے موافق ہے کما صرح بہ فی العالمگیریۃ وفتح القدیر وغیرھما
لیکن امام محمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان اشربہ کا استعمال بھی قلیل و کثیر سب حرام ہے اور چونکہ فساق نے ان اشربہ کا استعمال کثرت سے شروع
کر دیا تھا اور ان کا نشہ اسی سکر والی طرح تھا لہذا علماء نے امام محمد ہی کے قول پر فتوی دیا چنانچہ در مختار میں ہے وحرمھا محمد ای الاشربۃ
المتخذۃ من العسل والتین ونحوھا قال المصنف مطلقا قلیلھا وکثیرھا وبہ یفتی ذکرہ الزیلعی وغیرہ انتہی اور عینی وغیرہ میں ہے

الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد انتہی پس اگرچہ اس میں اختلاف ہے لیکن جب مذہب مشائخین اسکی حلت پر ہے اور امام محمد سے بھی ایک روایت

یہی ہے اور فتوی علمائے متاخرین لغلبة الفساد بھی یہی بتلاتی ہے کہ اگر مطلقاً اس فسق کا سد باب منظور ہے تو ایسی صورت میں رشتہ ضرورت رفع نہیں

ان اشربہ کا اس مقدار میں جو مسکر نہیں اگر دوا میں استعمال کیا جاوے تو اس میں گنجائش نظر آتی ہے اور کوئی منافقہ نہیں معلوم ہوتا بحیث تو اشربہ کی

حلت و حرمت بیان ہو چکی اب رہا حکم بیع سو سوائے خمر کے ہر قسم کی شراب کی بیع جائز ہے چنانچہ در مختار و رد المحتار و ہدایہ و فتح القدیر و عینی و عالمگیری

وغیرہ میں ہے واللفظ للشامی وصح بیع غیر الخمر ای عنده خلافا لهما فی البیع والضمان لکن الفتوی علی قولهما فی البیع انتہی ملخصا اب جب

اشربہ کے جملہ اقسام اور ان کے احکام معلوم ہو گئے تو اب اپنے سوالوں کے جواب لیجئے

(۱) اگر اسپرٹ خمر سے تیار ہوتی ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں مگر بوقت اضطرار کہ وہ بمقدار اکل مسا

اضطرار شرعاً الیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے پس اسکی بیع و شرا بھی جائز نہیں اور اسکا تبدیلہ پکانے کے مقصد اسکی حرمت کو زائل نہیں کرتا ہدایہ شریف میں ہے

والتاسع ان الطبخ لا یؤثر فیها لانه للمنع من ثبوت الحرمة لا لرفعها بعد ثبوتها انتہی لیکن جیسا کہ بعض ڈاکٹروں کی زبانی سنا ہے معلوم

ہوا کہ یہ اس شراب سے نہیں بنائی جاتی جسکو شرعاً خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے پس اگر یہ صحیح ہے

تو اسکا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار کہ جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اسکی بیع و شرا بھی جائز ہے یہی حکم اس تقدیر پر ہے جبکہ یہ انگور یا منقیٰ

یا منقیٰ زبیب و تمر سے بنائی گئی ہو اسلئے کہ اس میں جوش دیا گیا ہے لہذا امام اعظم کے نزدیک اسکا قلیل مطلقاً حرام نہیں کما مرحت من قبل اور اگر

اس میں شک ہے کہ یہ شراب سے بنائی گئی ہے یا نہیں یا یہ تو معلوم ہے کہ یہ شراب سے بنی ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ کونسی شراب سے بنی ہے تب بھی یہی حکم ہے

لقوله علیه السلام اذا کان احدکم فی الصلوٰة فوجد حركة فی دبره احدث او لم یحدث فاشکل علیه فلا ینصرف حتی یسمع صوتا

او یجد ریحا رواه ابو داؤد وقال الفقهاء ان الیقین لا یزول بالشك وان الاصل فی الاشیاء الحل والطهارة فقط

(۲) جن صورتوں میں اسکی بیع جائز ہے ان ہی صورتوں میں اسکی خرید بھی جائز ہے فقط

(۳) اگر اسپرٹ علاوہ خمر کے کسی دوسری شراب سے بنائی گئی جیسا کہ بعض ڈاکٹر بتاتے ہیں تو اس کی خرید و فروخت جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے قال الشامی

نقلا ان بیع غیر الخمر وان صح لکنه یکره کما فی الغایة پس اسکا ترک اولیٰ ہے فقط

(۴) جب ان ادویہ میں اسپرٹ شامل ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہے وہی ان ادویات کا بھی ہے پس اگر اسپرٹ یقیناً خمر سے تیار ہوئی تو دیکھا جائے گا کہ اس سے

شفا کا صرف احتمال ہی ہے یا ظن غالب اگر صرف احتمال ہے تو جائز نہیں اور اگر ظن غالب ہے تو دوسری جائز دوا اس مرض کیلئے پائی جاتی ہے تب

بھی ناجائز ہے ورنہ اختلاف ہے در مختار میں ہے اختلف فی التداوی بالمحرم وظاهر المذهب المنع کما فی رضاع البحر لکن نقل المصنف ثمه

وهنا عن الحاوی وقیل یرخص اذا علم فیه الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیه الفتوی پس اس صورت

میں اگر اسکا دوا میں استعمال کیا جاوے تو گنجائش ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اس سے بچا جاوے۔ اور اگر اسکی ساخت بطریق تحقیق سوائے خمر کے

دوسرے اشربہ سے ہو تب بھی بہتر تو یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جاوے لقوله علیه السلام دع ما یریبك الی ما لا یریبك او کما قال لیکن اگر بوجہ

ضرورت دیکھی جاوے تو اسکے استعمال میں گنجائش ہے للاختلاف ولعموم البلوی چنانچہ علامہ شامی نے احکام افیون کے بیان میں فرمایا الحاصل ان

استعمال الکثیر المسکر منه حرام مطلقا واما القلیل فان کان للهو حرام وان کان للتداوی فلا انتہی لیکن یہ حکم جب ہی ہے کہ قلیل استعمال

کیا جاوے ورنہ مقدار مسکر بغیر اضطرار کے دوا میں بھی جائز نہیں لما قاله العلامة الشامی فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ محمد ... غفرلہ
امام مسجد فتحپوری ...

الجواب صحیح
عبد ... مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں

کہ عورت نابالغ ناقابل وطی ــ وعورت نابالغ قابل وطی کو بعد انتقال خاوند کے یا طلاق دیجئے

خاوند کے کتنی مدت عدت کرنا چاہیے ــ بالدلیل یعنی قرآن و حدیث تحریر فرمائیں ــ

الجواب ــ الموفق للصواب

[illegible] اگر عورت بالغہ ہے تو عدت حیض اور جو نابالغہ ہے تو عدت [illegible] ہے اذا طلق الرجل امرأته طلاقا [illegible] فعدتها ثلثة اقراء لقوله تعالى والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء وان كانت ممن لا تحيض فعدتها ثلثة اشهر لقوله تعالى واللائي يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر واللائي لم يحضن [illegible] اور عورت [illegible] وطی [illegible] ہے اربع من النساء لا عدة عليهن المطلقة قبل الدخول [illegible] اور وفات کی عدت اگر عورت حاملہ نہیں ہے تو چار ماہ دس روز خواہ کسی قسم کی عورت ہو قال فى الهداية وعدة الحرة فى الوفاة اربعة اشهر وعشر لقوله تعالى والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا [illegible] اور اگر حاملہ ہے تو طلاق و وفات دونوں کی عدت [illegible] وضع حمل [illegible] وان كانت حاملا فعدتها ان تضع حملها لاطلاق قوله تعالى واولات الاحمال اجلهن [illegible]

[illegible] مہر [illegible] امام مسجد [illegible]

[illegible]

واللہ تعالیٰ اعلم ١٣٠١

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ درود شریف بعد نماز درست ہے یا نہیں زید اسکو ناجائز
و بدعت بتلاتا ہے اور منع کرتا ہے اگر خفیہ زبان سے پڑھے تو کیا صورت ہے حلقہ بنا کر درود شریف کا ورد کریں
تو یہ بھی جائز ہوگا یا نہیں ۔ بینوا توجروا

الجواب هو الموفق للصواب

[illegible] تمام [illegible] درود شریف کے
الاهم الاهم و ذلك من نفحة هذا [illegible] [illegible] اور اس [illegible] ہے
جواز میں [illegible] عبادت [illegible] ہندوستان میں [illegible] ہے [illegible]
[illegible] سے [illegible] اور جو [illegible] باعث [illegible] ہے کہ کوئی نماز میں [illegible] کرتا ہے تو کوئی
[illegible] اور [illegible] ہے [illegible] تو [illegible] عبادت [illegible] حکم [illegible]
[illegible] ہے غرض [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible]
اسپر تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ درود شریف واجب ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک [illegible] تمام عمر میں ایک مرتبہ
واجب ہے یا جب حضور کا ذکر شریف ہو اتفق العلماء علی وجوب الصلوة علی النبی صلی الله تعالی علیه وسلم
ثم اختلفوا فقیل تجب فی العمر مرة و هذا لا کثر و قیل تجب کلما ذکر و اختاره الطحاوی کذا فی الاذکار محررا
اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہر نماز کے تشہد اخیرہ میں [illegible] واجب ہے اور ایک روایت امام احمد کی
[illegible] ہے [illegible] درود شریف [illegible] جب [illegible] کوئی
[illegible] درود شریف [illegible] پڑھنا بہترین عبادت
[illegible] صلی الله تعالی علیه وسلم قال
[illegible] صلی الله علیه [illegible] له عشر درجات
[illegible] و عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ان اولی الناس
بی یوم القیامة اکثرهم علی صلوة اخرجه الترمذی [illegible] احتیاج ہوتا ہے
[illegible] ہے [illegible] لا یقعد قوم یذکرون الله الا
حفتهم الملائکة و غشیتهم الرحمة و نزلت علیهم السکینة و ذکرهم الله فیمن عنده رواه مسلم و لقوله
[illegible] اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قالوا و ما رياض الجنة قال حلق الذكر رواه الترمذی
[illegible] فقط و الله تعالی اعلم

حررہ [illegible]
امام مسجد [illegible]

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا بکر اپنی سوتیلی ماں زید کی بیوی سے زنا کرے اور زید کی بیوی اس فعل شنیع کا اقرار کرے کہ ہاں بکر لینی میرے خاوند کے لڑکے نے میرے ساتھ زنا کیا ہے مگر اب میں توبہ کرتی ہوں اب کیا زید کی بیوی زید پر حلال ہے یا نہیں اور زید کا نکاح اس عورت کے ساتھ جس سے اس کے بیٹے نے زنا کیا ہے باقی رہے گا یا نہیں بینوا توجروا

الجواب

اگر فی الواقع زید کے لڑکے نے سوتیلی ماں سے زنا کیا ہے تو عورت اپنے خاوند زید پر حرام ہو گئی لیکن اگر خاوند یعنی زید اس واقعہ کا انکار کرے اور اپنے لڑکے اور بیوی کی اس واقعہ میں تصدیق نہ کرے تو ان دونوں کا اقرار اس کے حق میں قضاءً حجت نہیں اور حرمت مصاہرت بغیر قضاء یا متارکت ثابت نہیں ہوتی فقط

محمد کفایت اللہ غفرلہ

مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح
بندہ ضیاء الحق عفی عنہ

الجواب صحیح
محمد فیض الرحمن عفی عنہ

الجواب صحیح
احمد حسن

جواب صحیح ہے لیکن ثبوت حرمت مصاہرت کیلئے قضاء قاضی یا متارکہ شرط نہیں البتہ ارتفاع نکاح ان پر موقوف ہے درمختار میں ہے وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج باخر الا بعد المتاركة اور شامی میں ہے وعبارة الحاوي الا بعد تفريق القاضي او بعد المتاركة انتهى

حررہ عبداللطیف امام مسجد فتحپوری دہلی

الدنیا مزرعة الآخرة

۷۸۶ بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جبکہ ایک شخص

مستقیم امام نماز پڑھاتا ہے تعین وقت نماز کی ہوا ہے اب

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں بینوا توجروا

خادم محمد یاسین خان ... لودھیانوی دہلی

هو الموفق

اگر نماز میں بھی اکثر وقت خون آجاتا ہے اور وہ معذور ہے تو اس کے پیچھے تندرست

لوگوں کی نماز درست نہیں ہوگی فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان اس مسئلہ میں
جو کہ قرآن سے ثابت ہے چھٹا پارہ چھوان لا یحب اللہ

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ

کیا اس کلام پاک کے ترجمہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اور بزرگان دین کا وسیلہ ثابت ہوا یا نہیں جواب کی طلب
ماں باپ جو نیک ہوں انکا وسیلہ جائز ہے یا نہیں

الجواب

صالحین سے توسل کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن بہتر ہمیشہ یہ ہے کہ براہ راست اللہ سے دعا کی جائے

اکثر مفسرین کے نزدیک وسیلہ سے مراد عبادات ہیں فقط واللہ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

دار الافتاء مسجد فتحپوری

۵۶۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین و مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے جنازہ پر پہلی مرتبہ پچاس آدمیوں نے نماز پڑھی دوسری مرتبہ ستر آدمیوں نے تیسری مرتبہ بیس آدمیوں نے دفنانے کے بعد ایک شخص آیا جو پہلے دو نمازوں میں شامل نہ تھا نماز پڑھی۔ بکر کہتا ہے کہ تین نمازیں جنازہ کی جائز ہیں اور دلیل میں یہ پیش کرتا ہے کہ حضور پر نور سید یوم النشور ... سید المرسلین کے جنازہ اقدس پر کئی مرتبہ نماز پڑھی گئی۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب

جب ولی میت نماز جنازہ پڑھ لے تو پھر دوسری مرتبہ نہیں ہو سکتی ... اس جنازہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ... ولی تھے ... ان سب نے پڑھی ...

وان صلی الولی علی المیت لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والتنفل بها غیر مشروع ولهذا رأینا الناس ترکوا عن آخرهم الصلاة علی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهو الیوم کما وضع۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

الجواب صحیح
فقیر محمد ... غفرلہ

۵۶۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ اور قربانی کے جانوروں کی کھال کی قیمت مدرسہ اسلامیہ کے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں۔ فقط والسلام بندہ ناصر الصدیق حسن

الجواب

ہاں یہ رقم مدرسہ کے مستحق طلبہ کے وظائف میں دی جا سکتی ہے یا اس رقم سے ادویہ لحاف وغیرہ خرید کر دیے جا سکتے ہیں۔ فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین بیچ اس مسئلہ کے

کہ زید نے اپنی حیات میں اپنی جائداد اپنی اولاد یعنی زوجہ اول اور زوجہ دوم کے لڑکوں میں تقسیم کر کے علیحدہ کر دی اور ہر ایک اولاد و اپنی جائداد پر قابض ہو گیا بعد ازاں ایک لڑکا جو زوجہ دوم کے بطن سے تھا فوت ہو گیا زید کی حیات میں اب فوت شدہ کا مال کس کو ملے گا اور کون لیوے دونوں مالک ہو گئے یا اکیلے سگے بھائی جو زوجہ دوم کے بطن سے ہیں

الجواب

اگر مرحوم کی نہ اولاد ہے نہ ماں تو اوسکا تمام ترکہ اوسکے والد کو ملیگا فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

٧٨٦

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قوم کا شیخ ہے اور اب وہ سید بن گیا اوسکے واسطے شرع محمدی کیا حکم دیتی ہے

الجواب

ایسا شخص گنہگار ہے لقولہ علیہ السلام من ادعی الی غیر ابیہ او تولی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین رواہ الترمذی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

۴۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں

کہ مسجد میں چیز ہارے یا آواز بلند پکارنا یا پڑھنا جیسے نعت خواں پڑھتے ہیں جائز ہے یا ناجائز ہیں بینوا

بینوا توجروا

الجواب

مذکورہ فعل مسجد میں مکروہ ہے لقوله علیه السلام من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل

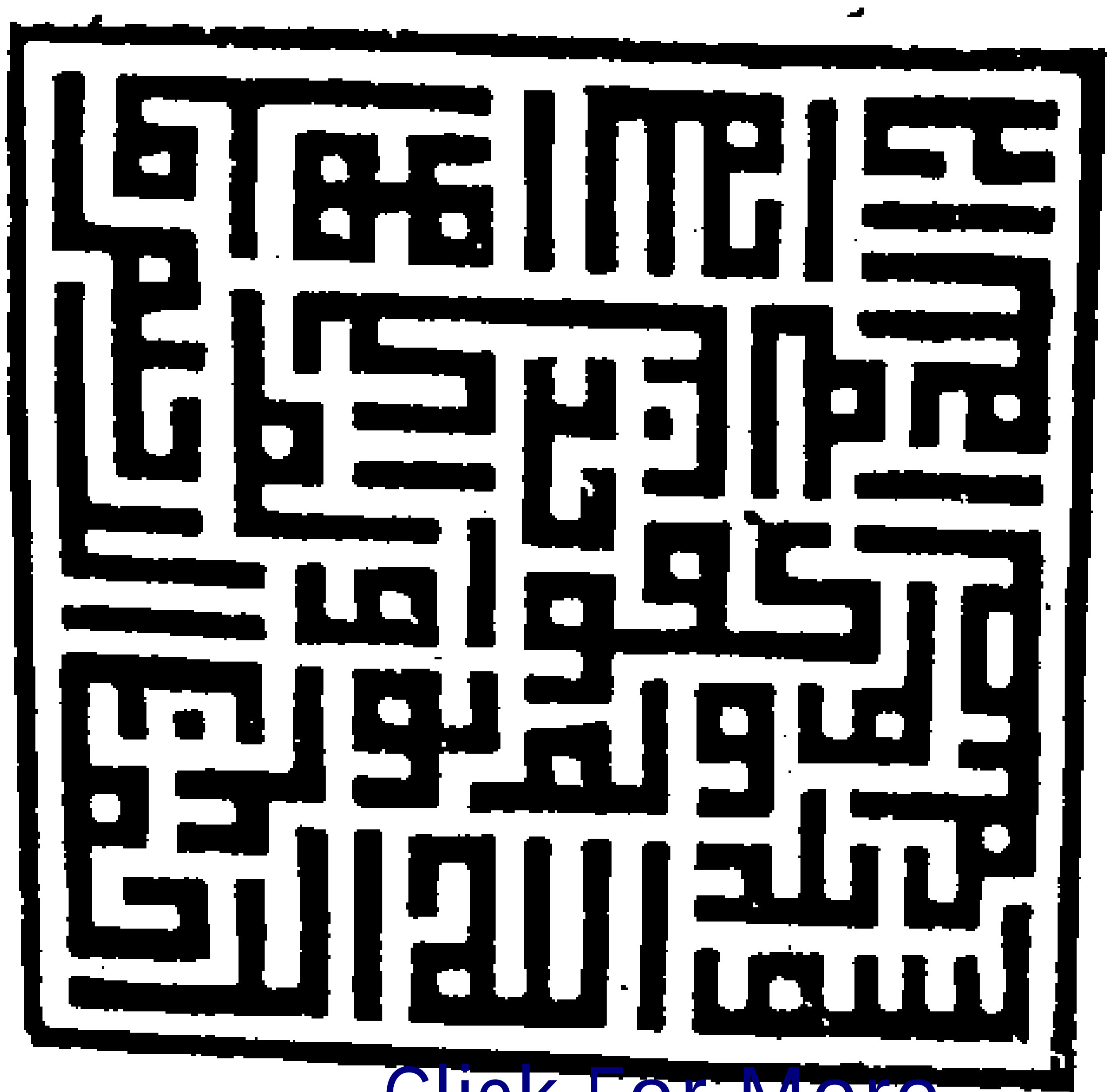
لا ردها الله علیک فان المساجد لم تبن لهذا رواه مسلم اور مکروہ ہے مسجد میں آواز بلند

مسجد میں مکروہ ہے۔ والسادس انه لا یرفع فیه الصوت من غیر ذکر الله تعالیٰ منقول

محمد عبد الرشید عفی عنہ

امام مسجد





۶۸۶

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ مالِ زکوٰۃ و مالِ ہبہ یعنی (بخشش) جمع کرکے رکھ لیا گیا ہے۔ پس اس مال مذکور سے کوئی جائداد یا تجارت کے (سیر) حصہ خرید کر منافع غرباء و مساکین پر تقسیم کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں نیز اس صورت میں زکات ادا ہو جائیگی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب ھو الموفق للصواب

مال زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے لہذا اس مال سے ایسی جائداد کی بنا جائز نہیں کما یجوز بناء المسجد کما لا تملیک فیہ کذا فی [illegible] اور مال ہبہ سو اگر موہوب لہ کا اس پر قبضہ نہیں ہوا تو ابھی یہ مال واہب کا ہے جو چاہے اس میں تصرف کرے اور اگر ہبہ تمام ہو چکا تو یہ مال موہوب لہ کا ہے دوسرے کو اس میں تصرف جائز نہیں مگر اس کی اجازت سے فقط

حررہ محمد منظور احمد عفی عنہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

جواب جو تحریر فرمایا ہے درست ہے مگر کوئی حصہ خریدنا مال زکوٰۃ سے [illegible]
درست ہے
احمد سعید عفی عنہ مدرس مدرسہ [illegible] فتحپوری دہلی

سوال = کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں = کہ زید نے نکاح کیا اور مہر پانچسو روپیہ کا قرار پایا تھا عرصہ پینتیس ۳۵ سال کے بعد زید مقروض ہو گیا۔ جو جائیداد تھی وہ بجائے پانسو روپیہ کے پانچ ہزار کا قرار دیکر جائیداد اپنی بیوی کے نام کر دی کیا یہ شرعاً جائز ہے۔

الجواب

اگر مہر صرف پانسو کا تھا۔ اور محض قرضخواہ سے بچانے کی وجہ سے زید نے اپنی بیوی کا پانچ ہزار قرار دیکر اس قیمت کی جائیداد اسکے نام کی ہے تو زید عند اللہ گنہگار رہے فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

۵۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ فوت ہوئی۔ اور اپنے خاوند۔ اور باپ اور چار حقیقی بھائی۔ اور دادا۔ دادی وارث چھوڑے ہیں۔ متوفیہ کا مہر اور زیور چڑھاوا و زیور جہیز۔ اور دیگر سامان جہیز کس طرح تقسیم ہوگا۔ اور کون کون حصہ دار ہوں گے۔

الجواب

مسئلہ ۲

زوج	اب	اخوہ	اب الاب	ام الاب
۱	۱	محروم	محروم	محروم

بعد تقدیم ما یقدم کل اورثہ ترکہ متوفیہ (جس میں مہر و زیورہ داخل ہے) نصف اونصا خاوند کا اور نصف اب باقی ترکہ محروم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

الجواب صحیح
فقیر محمد ... الدین غفرلہ

۴۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ مسجد میں [illegible] پکارنا باآواز بلند بچوں کا پڑھنا جب کہ نمازی پڑھتے ہیں اور نماز میں حرج ہو جائز ہے یا منع

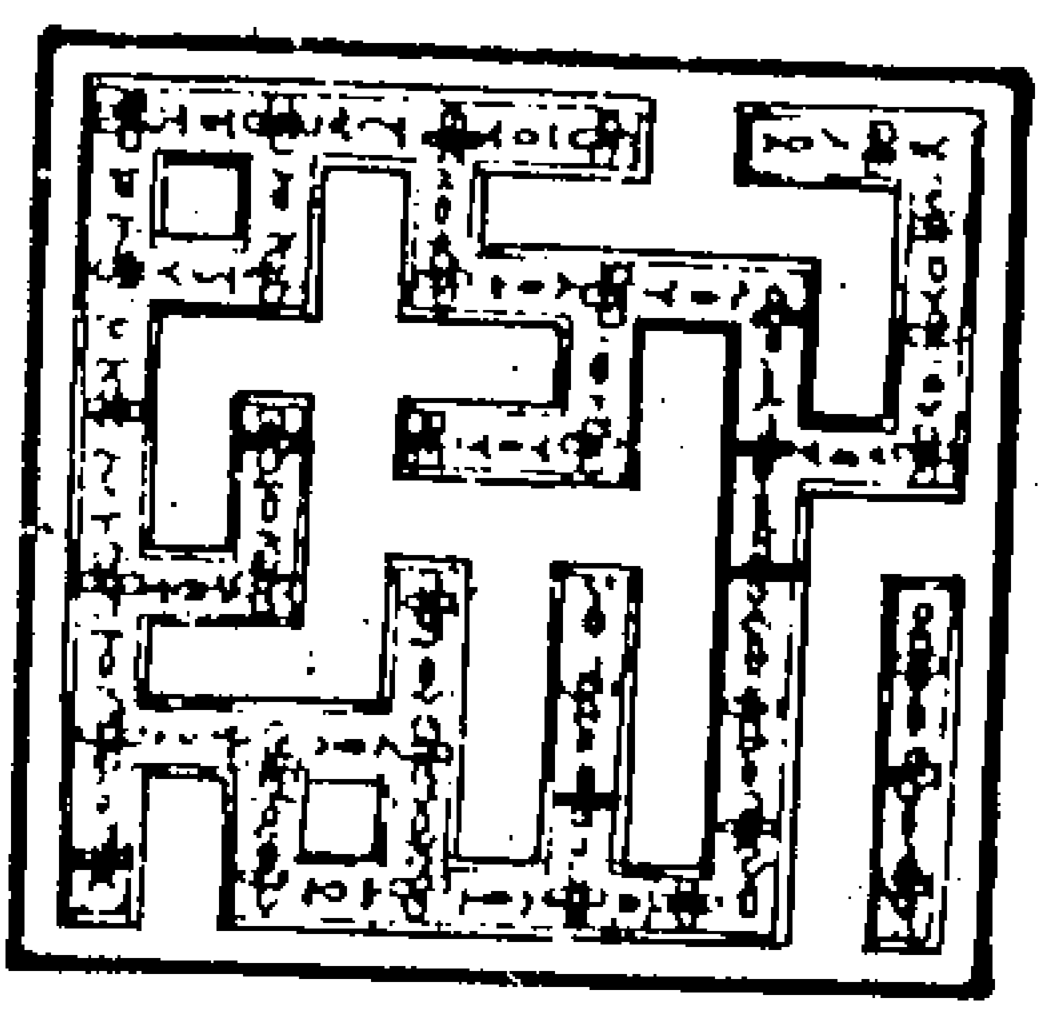
بینوا توجروا

الجواب

مذکورہ صورت میں مسجد میں مکروہ ہے لقوله عليه السلام من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا رواه مسلم اور عالمگیری میں ہے [illegible] مسجد میں مکروہ ہے والسادس ان لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالى [illegible]

محمد مظہر اللہ غفرلہ
مفتی [illegible]
امام مسجد فتحپوری





استفتا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مفتیان شریعت النظام اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ دختر عمر جس کی عمر بارہ سال
زید کے نکاح میں تھی اور ایک لڑکی زید کے صلب سے ۹ سال کی ہندہ کے پاس ہی اور ساڑھے چار سال سے
زید اپاہج ہو گیا تھا اور اس کا دھڑ یعنی جسم فالج زدہ یا مفلوج ہو گیا ہے زید کا اگر صرف خرچ
روٹیوں پر تھا وجود بار بار سمجھانے کہ زید ہندہ کو طلاق نہیں دیتا اور ساڑھے چار سال سے
ہندہ بہت مصیبت میں اور سخت تکلیف میں ہے کیونکہ ہندہ و اپنی لڑکی کو نان پارچہ سے بہت ہی تنگ حالی
ایسی صورت مذکورہ بالا ہندہ اپنا نکاح شرعاً دوسری جگہ کر سکتی ہے یا نہیں

الجواب

جب تک ہندہ کے زید سے طلاق حاصل نہ کر لیں اور اسکو دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں فقط

محمد مظہر اللہ غفرلہ
معظمی
امام مسجد فتحپوری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید [illegible] پانچ سال ہوئے زید نے حیات میں انتقال کیا اور اسنے دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی [illegible] عمر ایک کی سترہ سال [illegible] دوسرا لڑکا ۱۰ سال اور لڑکی ۸ سال کی چار سال ہوئے زید نے عقد کیا اب تین ماہ ہوئے کہ زید نے انتقال کیا متوفی نے ہندہ دوم جسکے دو بچے شیرخوار ایک ۶ ماہ دوسرا ڈیڑھ سال کے چھوڑے اور ہندہ دوم کا مہر [illegible] حسب [illegible] متوفی پر واجب ہے اور کچھ مال متوفی ہے جسکی بابت تنازعہ ہے لہذا بموجب احکام شریعت وہ مال اول وارثان میں تقسیم کیا جاوے یا پہلے ہندہ دوم کا مہر [illegible] اور اگر وارثان حصہ لیں اور مہر [illegible] تو اس کا [illegible] کون ہوگا [illegible] یا میت یا وارثان حصہ اور وارثان [illegible] حصہ [illegible] اور ہندہ دوم مہر کی طالب ہے اور [illegible] با قاعدہ [illegible] ہندہ دوم کے نام [illegible] احکام شریعت کے [illegible] اور ہندہ دوم کے دو بچے شیرخوار ہیں [illegible] اور [illegible] زید متوفی کی تجہیز و تکفین [illegible] بینوا توجروا [illegible] کہ وارثان مستحق مال کے [illegible] ایام عدت کے [illegible] فقط

الجواب

اگر ہندہ [illegible] مہر متوفی کے ذمہ زوجہ ثانیہ ثابت ہو تو تقسیم ترکہ سے پیشتر متوفی کی جائداد سے [illegible] وارثان [illegible] نہیں [illegible] اور ترکہ [illegible] تو اس صورت میں اگر [illegible] وارثان متوفی [illegible] اور [illegible] زوجہ ثانیہ [illegible] شیرخوار [illegible] حصہ [illegible] متوفی [illegible] زوجہ کی عدت کا نفقہ خود اسی پر ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد [illegible] اللہ [illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہتا ہے چونکہ
مگر چونکہ زید کے پاس پیسے سات ہزار روپیہ زر مہر اپنی بیوی کا ادا کرنے کو نہیں ہے۔ اس لئے
وہ چاہتا ہے کہ اگر اس کی بیوی زر مہر معاف کر دے تو زید اپنی زوجہ کو طلاق دیدے۔ اور زید کے
دو بچے ہیں ایک چار سال کا لڑکا اور ایک دو ماہ کی بچی ہے از روئے شرع شریعت زید کے ذمہ
بچوں کا نان نفقہ درکار ہے اور دونوں بچے بعد طلاق زید کے پاس رہنے چاہئیں یا اپنی ماں کے پاس
اگر اپنی ماں کے پاس رہیں تو کتنے عرصہ تک اور زید کو ان کا نان نفقہ کس قدر مقدار سے ماہوار
ادا کرنا چاہئے ~~[illegible]~~ اگر زید نان نفقہ میں کمی کرے تو اولاد کس کے پاس رہنی چاہئے۔ بینوا توجروا

الجواب

بعد طلاق بچوں کا نان نفقہ زید پر ہے اور اس کا اندازہ زید کی حیثیت پر ہے۔ اور لڑکا سات سال کی عمر تک
یہ بچے ماں کی پرورش میں جتنے سال لکھے ہیں رہیں گے بشرطیکہ نا محرم سے نکاح نہ کرے۔ اگر باپ بچوں کا
نفقہ نہ دے تو ماں کو اختیار ہے کہ بچوں کو باپ کے سپرد کر دے فقط

محمد منظور احمد غفرلہ
[illegible]
امام مسجد محبوب [illegible]

جواب صحیح ہے مگر طلاق ابغض المباحات ہے
عند اللہ ہے جس کے لئے زوجین میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
مفتی اہل السنۃ [illegible] فقط

فقیر محمد [illegible] عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں [illegible]
[illegible] تو وہ [illegible] یا مشتبہ [illegible]
جائز ہے یا نہیں اور [illegible] ہو جاتی ہے یا نہیں =

بینوا توجروا =

الجواب

[illegible] سے پاک ہو جاتی ہے [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

جواب صحیح ہے [illegible]
[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین [illegible]

[illegible]

الجواب

جبکہ یہ جگہ تمام ہے جہاں مسجد اور عیدگاہ کی صورت میں وقف کسی زمانہ میں اور احکام کا لحاظ نہیں رکھا جا سکتا نیز اسکی ہیئت کی تغییر میں واقف کی منشا کی بھی مخالفت ہے جو ناجائز ہے پھر بلا تغییر ہیئت اس وقت تک اس میں نماز عید بھی ادا کی جاتی رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تغییر کی کچھ ضرورت بھی نہیں ہے بنا بریں اس مسجد کو اسکی ہیئت ہی پر رکھنا ضروری ہے البتہ اگر کسی وقت اسکی ضرورت ہو تو اور زمین شامل کر کے اسکو بڑا کیا جا سکتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر بھی عیدگاہ بنانے کی ضرورت نہیں کہ اس صورت میں مسجد مذکور کی تعطیل لازم آتی ہے اور وہ بھی ناجائز ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد منظور اللہ غفرلہ
امام مسجد [illegible]

الجواب صحیح
مظفر احمد غفرلہ
امام مسجد [illegible]

الجواب صحیح
اشرف [illegible] احمد غفرلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درمیان اس مسئلہ کے
عرصہ پانچ سال کا ہوا کہ زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ بعوض مہر ایک ہزار روپیہ عند الطلب ہوا تھا
اس وقت زید کی عمر تیرہ سال اور ہندہ کی چھ سال کی تھی اور نکاح نامہ پر زید کے
دستخط اور زید کے باپ کے اور ہندہ کے والد کے دستخط بطور وکیل اور دو گواہوں کے ہیں
اور روز نکاح سے تا ہنوز رخصت وداع نہیں ہوئی اور زن و شوہر یعنی آپس میں خلوت بھی
نہیں ہوئی اب وداع نہ ہونے سے زید کا نکاح دوسری جگہ ہو گیا ہے اور ہندہ جہیز واپس دیکر
اور مہر معاف کر کے طلاق مانگتی ہے مگر زید نہیں چھوڑتا ہے اس صورت میں
ہندہ اپنا مہر شرعاً کس طریق سے وصول کر سکتی ہے آیا سارا مہر لے سکتی ہے
بالتفصیل حکم خدا اور رسول کا جو عند اللہ ہو اس سے مطلع فرمایا جاوے
اور نیز شرعاً لڑکا اور لڑکی کس عمر میں بالغ ہو سکتے ہیں اور اس کی کیا علامت
بالغ ہونے کی ہے اور لڑکا اور لڑکی نابالغ کی حالت میں ان کے والد اپنی ولایت
اور اجازت سے جو نکاح کر دیتے ہیں بالغ ہونے کے بعد وہ اپنا نکاح شرعاً فسخ کر سکتے ہیں
یا نہیں۔ بالتفصیل اس سے بھی مطلع فرمایا جاوے خدا آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے

الجواب

نابالغہ کا باپ اگر اس کا نکاح کر دے تو بعد بلوغ اس کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا پس یہ نکاح تو لازم ہو گیا
البتہ چونکہ [illegible] خلوت نہیں ہوئی ہے [illegible] نصف [illegible]
[illegible] اور لڑکی
[illegible] سال [illegible]
کہا جاتا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک مقدمہ نکاح انجمن اتحاد مسلم ڈوگران بارہ کے پیش ہوا انجمن نے تاریخ مقرر کر کے جمع کیا تو تخمیناً تیس چالیس آدمی اور معززین موجود تھے اور چند بزرگ صاحبان بطور ثالث ایک مولوی صاحب کو منجانب مجلس مع فریقین فیصل مقرر کیا کہ جواب فیصلہ کریں [illegible] مولوی صاحب نے گواہان سے حقانی بیان لینے شروع کیے کہ اس عورت نے [illegible] قبول [illegible] ایک حافظ جی صاحب کو اس نکاح سے بڑی دلچسپی تھی حافظ جی صاحب نے [illegible] زبان کو خراب کرتے ہو سچا معاملہ بیان کرو تو نکاح خواں نے [illegible] بیان کیا [illegible] اصل معاملہ یوں ہے کہ ہم پانچ آدمی اس عورت کو جبراً اٹھا کر لے گئے اور ایک مکان میں بند کر کے [illegible] نکاح [illegible] عورت نے انکار کیا [illegible] قتل [illegible] عورت رضا مند ہو گئی اور اپنی جان بچانے کے واسطے لفظ قبول قبول کہا جب لوگوں نے [illegible] دریافت کیا [illegible] عورت نے [illegible] جبراً نکاح [illegible] انکار کیا اور [illegible] صاحب نے اس مقدمہ کو [illegible] اضطراب بیانات اور [illegible] ظاہری [illegible] نکاح رد کیا اور [illegible] وقت [illegible] اب علمائے ربانی سے عرض ہے کہ شخص مذکور [illegible] اس عورت [illegible] اور یہ نکاح [illegible] تفصیل [illegible] کی [illegible] ہو سکتا [illegible] عورت [illegible] نکاح [illegible] اس وقت سے [illegible] الوقت تک بیٹھی ہوئی ہے

الجواب ھو الموفق للصواب

وجوہ متعددہ [illegible] فیصلہ مولوی صاحب موصوف [illegible] حاکم [illegible] نافذ ہے [illegible]

[illegible] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ محمد [illegible] امام مسجد [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) خداوند کریم کی مخلوقات میں سے خواہ اگلے ہوں یا بعد کے۔ نبی ہوں یا ولی یا غوث۔ آپ کے درمیان
ملک الملک۔ شہنشاہ دو جہاں۔ سردار دو جہاں۔ مالک کون و مکاں کہنا یعنی لفظ استعمال کرنا
شریعت محمدی میں کیسا ہے۔ اور اس شخص کی شرعی حیثیت کیا ہوگی فقط بینوا توجروا

الجواب

عن ابن عباس قال ان اللہ تعالیٰ فضل محمدا علی الانبیاء و علی اہل السماء رواہ الدارمی۔
یعنی حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء و ملائکہ سے افضل کیا۔
امام رازی تفسیر کبیر میں وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین فرماتے ہیں لما کان رحمۃ للعالمین لزم
ان یکون افضل من کل العالمین یعنی جب حضور تمام عالم کیلئے رحمت ہیں تو واجب ہوا کہ تمام عالم
سے افضل ہوں بلکہ خود حضور کا ارشاد ہے انا اکرم الاولین والاٰخرین علی اللہ ولا فخر رواہ الترمذی
یعنی میں تمام مخلوق اولین و آخرین سے زیادہ اللہ کے نزدیک عزیز و جلیل ہوں
اور فرمایا انا سید العالمین میں تمام عالم کا سردار ہوں۔ معلوم ہوا ان نصوص سے ثابت ہوا کہ حضور
سردار دو جہاں ہیں لیکن اگر کوئی شخص حضور کی شان میں ایسے کلمے کہے تو اس پر حرج نہیں
رہے وہ کلمات سو احتیاط یہی ہے کہ حضور کی شان میں بھی ان کا استعمال نہ کیا جائے کیونکہ
محاورات [illegible] ان کا استعمال [illegible] حقیقی معنی [illegible] لیکن
اگر کوئی [illegible] ان کلمات کا استعمال کرے تو [illegible] کہ یہ ترکیب [illegible]
مراد [illegible] کلمات [illegible] حقیقی ہے [illegible] مجازی [illegible] حضور کیلئے ثابت [illegible]
حضرت شاہ عبد العزیز تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ توریت کے سفر چہارم میں ہے قال اللہ تعالیٰ

لابراهیم ان هاجر تلد ویکون من ولدها من یده فوق الجمیع و ید الجمیع مبسوطة
الیه بالخشوع اور تو اللہ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرمایا بیشک ہاجرہ کے اولاد ہوگی
اور اس کے بیٹوں میں وہ ہوگا جس کا ہاتھ سب پر بالا ہے اور سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں
عاجزی کے ساتھ۔ اسی طرح زبور سے منقول ہے: الامم یخرون تحتک کتاب حق جاء
الله به من الیمن والتقدیس من جبل فاران وامتلأت الارض من تحمید
احمد وتقدیسه وملک الارض ورقاب الامم (یعنی) سب امتیں تیرے زیر
حکم گریں گی سچی کتاب لایا اللہ برکت والا یمن کی طرف سے اور پاکی کے ساتھ فاران کے پہاڑ سے بھر گئی زمین احمد کی حمد
اور اس کی پاکی بیان کرنے سے احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا —
زرقانی شرح مواہب میں ہے: من لم یرها ولایة الرسول علیه فی جمیع احواله و یرا نفسه فی ملکه
لا یذوق حلاوة سنته — جو شخص ہر حال میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور
کی ملک نہ جانے وہ سنت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلاوت نہ پائے گا — واللہ تعالیٰ اعلم
غرض حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے [illegible]
[illegible] واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد مظہر اللہ غفرلہ
[illegible]
امام مسجد فتحپوری

والی صورت میں جب خاوند سے طلاق چاہا اور اس وقت اس نے کہا کہ تو تین سو روپیہ لے لے اور مجھ کو طلاق دے دے مگر اس وقت اس نے طلاق کا

کچھ جواب نہ دیا اور پھر اسی محفل میں تین سو روپیہ لے لیے اور طلاق دے دی بعد اس کے خاوند نے تین سو روپیہ لے کر اس کو [illegible] طلاق دی اور

مسماۃ نے قبول کی بلکہ دو دن کے بعد دوسرے شخص سے [illegible] اور اسی [illegible] طلاق دی اور نہ طلاق دی ہی نہ دیا اور جب وقت طلاق دی

اس وقت مسماۃ نے قبول نہ کی اور نہ بولی بلکہ [illegible] معاف کیا چپ [illegible] رہی اور اس خاوند نے طلاق دے کر بلا یا اور چلے گئے

بعد مسماۃ نے پھر [illegible] خاوند کو بلایا اور وہ [illegible] رہے گا اور اس نے وہ تین سو روپیہ [illegible] اپنی بیوی کو [illegible]

مسئلے سے [illegible] قائم رہا یا نہ رہا اور اس کو طلاق ہوئی یا نہ ہوئی

[illegible] خاوند نے روپیہ لے [illegible] ایک طلاق دی یہ طلاق

[illegible] اس وقت [illegible] دو طلاق اور دو [illegible] اس وقت [illegible] ایک طلاق دی

[illegible] دو طلاق [illegible] اور کہا تینوں طلاق ہو گئی

ھو الموفق

صورت مذکورہ میں تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں اب سوائے حلالہ کے کوئی دوسری صورت نہیں جیسا کہ

یہ عبارت اس پر مدلل ہے قال فی العمادی والمضمرات فی منہاج السعودی المختلعۃ

یلحقہا صریح الطلاق اذا کان فی العدۃ انتہی ما فی الشامی فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد منظور [illegible]

امام مسجد [illegible]

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴۰۱

فتوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حامی شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالد ایک صاحب جائداد شخص ہے جس پر حج بیت اللہ شریف فرض ہو گیا ہے مگر بقدر روپیہ کا انتظام نہ ہونے کے باعث وہ زید سے مبلغ ایک ہزار روپیہ بطور قرض لیتا ہے اور اس ادائیگی کی وثیقہ حج کو چلا جاتا ہے۔ اور قضائے الٰہی سے وہیں انتقال ہو جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں جو روپیہ اس کے ورثا اور اس کی جائداد منقولہ غیر منقولہ پر ہے اس کی ادائیگی کی ذمہ دار قرار دی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ اور بلا ادائیگی روپیہ کے خالد کا حج ہو گیا یا نہیں۔ فقط اس کا جواب صحیح بحوالہ کتب معتبرہ مرحمت فرمائیں [illegible]

الجواب

ھو الموفق

بیشک سب سے اول متوفی کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اس کے بعد جو باقی بچے اس کو وارث آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں جیسا کہ سراجی میں ہے الاول یبدأ بتکفینہ وتجہیزہ ثم تقضی دیونہ من جمیع ما بقی من مالہ ثم [illegible] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

صورت مذکورہ میں خالد کا حج ادا ہو گیا فقط محمد [illegible]

حررہ محمد [illegible] عفی عنہ

امام مسجد [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسائل ذیل میں

(۱) کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا [illegible] اگر مکروہ ہے تو طلوع آفتاب سے قبل کتنے پہلے رکنا چاہئے اور بعد طلوع آفتاب کتنے دیر بعد [illegible] فرما دیا جائے

(۲) عصر و عشاء کے اوقات میں حنفیہ کا اختلاف [illegible]

(۳) [illegible] [illegible] اور لازم ہے ورنہ گناہ [illegible]

الجواب

(۱) آفتاب کا کنارہ چمکتے ہی ہر نماز ناجائز ہے تا وقتیکہ آفتاب بقدر نیزہ کے اونچا نہ ہو جس کا اندازہ بیس منٹ کیا گیا ہے یعنی آفتاب کو نکلے ہوئے جب بیس منٹ گزر جائیں جب نماز پڑھیں اور کنارہ چمکنے سے قبل صبح کے وقت میں کوئی وقت کراہت کا نہیں الا یہ کہ سنت فجر کے دو رکعت کے علاوہ نفل مکروہ ہیں اور صبح کے فرض پڑھنے کے بعد سنت فجر بھی مکروہ ہیں۔

(۲) عصر و عشاء کے اوقات میں مجتہدین کا اختلاف ہے لہذا احتیاط لازم ہے۔ پس جب کسی شے کا سایہ سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل ہو جائے اس سے پہلے پہلے ظہر ادا کر لیا جائے اور جب دو مثل ہو جائے تب عصر پڑھی جائے۔ اسی طرح جب مغرب بجانب آسمان کے کنارہ پر سرخی غائب ہو اس سے پہلے پہلے مغرب ادا کر لیا جائے اور جب سپیدی بھی غائب ہو جائے اس وقت نماز عشاء پڑھی جائے [illegible] [illegible]

(۳) عشاء سے پہلے [illegible] اور جماعت کے لئے جاگنے کا اہتمام ہو [illegible] مکروہ ہے [illegible]

الجواب صحیح [illegible]

الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفرلہ [illegible]

[illegible] ابو الحق [illegible]

الجواب صحیح

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح [illegible] مدرسہ فتحپوری

الجواب صحیح محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی

الجواب صحیح محمد مظہر احمد غفرلہ [illegible]

الجواب صحیح [illegible] نائب مفتی مسجد فتحپوری

الجواب صحیح [illegible]

بدوام حرمۃ الصلوۃ عند طلوع الشمس الی ان یذہب الاصفرار و تبیض الشمس

[illegible] المدینۃ المنورۃ

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم [illegible]

من اجاب فقد اصاب

الجواب صحیح [illegible]

الجواب صحیح

[illegible]

الجواب

[illegible]

الجواب صحیح

الجواب صحیح

واللہ تعالیٰ اعلم والیہ المرجع والمآب

الفقیر عبید المصطفیٰ محمد اعجاز احمد الکاظمی

ناظم مرکزی دار الافتاء آستانہ کراچی

الجواب صحیح

امام مسجد جامع

الجواب صحیح

الجواب صحیح

وقد اصاب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں

(1) کہ طلوع آفتاب کے وقت اگر نماز پڑھنا ہو تو طلوع آفتاب سے کتنی دیر پہلے رکنا چاہیئے اور بعد طلوع آفتاب کتنی دیر تک انتظار کرنا چاہیئے

(2) عصر و عشاء کے اوقات ... حنفی مذہب شروع ہوتے ہیں۔

(3) عشاء سے قبل سونا کیسا ہے۔

نقل لفظ بلفظ ملازم مسجد دواخانہ دھلی دا کرایا

الجواب

(1) آفتاب کا کنارہ چمکتے ہی ہر نماز ناجائز ہے تا وقتیکہ آفتاب بلند نہ ہو جائے اور اس کا اندازہ بیس منٹ کیا گیا ہے پس آفتاب کو نکلے ہوئے جب بیس منٹ گذر لیں جب نماز پڑھیں اور کنارہ چمکنے سے قبل صبح کے وقت میں کوئی نفل کراہت نہیں سوائے سنت فجر کے دوسرے نفل مکروہ ہیں بلکہ صبح کے فرض پڑھنے کے بعد سنت فجر بھی مکروہ ہیں۔

(2) ظہر و عصر کے اوقات میں مجتہدین کا اختلاف ہے لہذا احتیاط لازم ہے۔ پس جب کسی شے کا سایہ سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل ہو جائے اس سے پہلے پہلے ظہر ادا کر لیا جائے اور جب دو مثل ہو جائے تب عصر پڑھی جائے۔ اسی طرح جب مغرب کی جانب آسمان کے کنارہ پر سرخی غائب ہو جائے اس سے پہلے پہلے مغرب ادا کر لیا جائے اور جب سپیدی بھی غائب ہو جائے اس وقت نماز عشاء پڑھی جائے گھنٹوں کے اعتبار سے وقت معلوم کرنا ہو تو ہمارا نقشہ اوقات نماز ملاحظہ فرمایا۔

(3) عشاء سے پہلے بلا عذر اور جماعت کے لیے جاگنے کا اہتمام کئے بغیر سونا مکروہ ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ہذا ہو الحق الصریح والصدق القریح
انا المؤید الفقیر ... عفی عنہ
الجواب صحیح

الجواب صحیح
محمد مظہر اللہ غفرلہ

الجواب صحیح

الجواب صحیح
حبیب المرسلین عفی عنہ
نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح خادم العلماء
محمود عفی عنہ مدرسہ فتحپوری

الجواب صحیح
محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ ... دہلی

الجواب صحیح
محمد مظفر احمد غفرلہ
نائب امام مسجد فتحپوری

الجواب صحیح
نائب مفتی مسجد فتحپوری دہلی

الجواب درست ہے
الجواب صواب
محمد ...

[illegible] مستقل [illegible] اور [illegible]

آپ کے [illegible] اور [illegible]

رحیم النساء [illegible] افضل [illegible] مرحوم [illegible]

مرزا [illegible]

اور ایک صاحبزادی حمید النساء چھوڑیں [illegible] انکے بعد بیوی [illegible] کا انتقال ہوا جنہوں نے ایک زوجہ

حمید بیگ چھوڑیں جنکے [illegible] انکے ذمہ [illegible] اور تین بھائی [illegible]

اسکے بعد حمید بیگ کا انتقال ہوا جنہوں نے ایک ماں فضل النساء، اور تین بہنیں محفوظ النساء، مجید النساء

حفیظ النساء اور ایک علاتی بھائی حبیب [illegible] چھوڑا [illegible] بھائی [illegible] اپنے والد [illegible] ترکہ سے

اپنے حق سے زیادہ لے چکے تھے اسلئے انہوں نے اپنا یہ حصہ بہنوں پر چھوڑ دیا اسکے بعد افضل النساء

کا انتقال ہوا جنہوں نے تین لڑکیاں [illegible] اور ایک بہن رحیم النساء چھوڑیں [illegible] سے

محفوظ النساء، حفیظ النساء اور مجید النساء [illegible] بیوی [illegible] حبیب [illegible] سعید [illegible]

یہ جیسے بیان ہوئے۔ رحیم النساء نے چونکہ افضل النساء کے خاوند حافظ عبدالعزیز صاحب مرحوم کا

ترکہ بہت کچھ [illegible] لیا تھا اسلئے انہوں نے اسکے عوض میں حصہ [illegible] صاحبزادی [illegible] دیدیا

اور افضل النساء کے ذریعہ جو کچھ [illegible] ملا تھا [illegible] اپنا [illegible] حصہ [illegible]

لہذا [illegible] اس حصہ کی مستحق صرف حافظ صاحب کی بیٹیاں [illegible] محفوظ النساء، حمید النساء

مجید النساء، حفیظ النساء ہوئیں اسکے بعد فضل بیگم کا انتقال ہوا جنہوں نے [illegible] اولاد

حمید النساء [illegible] جب انتقال ہوا تو [illegible] اس حصہ کی وارث (جو حافظ صاحب سے پہنچا تھا) [illegible]

افضل النساء [illegible] تین بہنیں محفوظ النساء، مجید النساء، حفیظ چھوڑیں اسکے بعد [illegible]

انتقال ہوا جنکے ذمہ [illegible] ہزار [illegible] اور وارث [illegible]

ایک زوجہ مجید بیگ اور دو لڑکیاں سعیدہ بانو اور حمیدہ بانو چھوڑیں۔ اسکے بعد [illegible]

عبدالرشید کا انتقال ہوا جنہوں نے ایک لڑکا [illegible] اور [illegible] چھوڑا [illegible]

ترکہ الٰہی بخش مرحوم کا کیونکر تقسیم ہوگا فقط بینوا توجروا

دستخط ۔ دستخط ۔ دستخط ۔ دستخط

نشان انگوٹھا مجیبہ و افضل النساء ۔ محمد حبیب اللہ خاں ۔ محمد الیاس بقلم خود ۔ محمد ادریس ولد مولوی محمد ابراہیم بقلم خود

عرض ہے اعتراض یہ کہ والد صاحب مرحوم نے مشترکہ صورت میں حصہ محمد ذوالنون و حبیب اللہ کا اپنی خریدا مگر انہوں نے مجھ کو اپنے آپ دو حصے خریدے ہیں

جناب شرع شریف و کتاب وسنت کی روشنی میں ہونا چاہیے ۔ محمد ادریس بقلم خود

الجواب

مسئلہ ۴	الٰہی بخش صاحب مرحوم	ترکہ ۱۴۰۰۰
ابن ادریس مرحوم	بنت رحیم النساء	بنت افضل النساء
۳ / ۱۰۵۰۰	ساقط ہوا بوجہ ابن مرحوم	۱ / ۳۵۰۰

مسئلہ ۸ ۔ مافی ید مرحوم ۱۰۵۰۰

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
افضل بیگم	رحمت سید	عبد المجید	عبد الرشید	حبیب	سعیدہ
۹	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷
۱۳۱۲-۸-۰	۲۰۴۱-۱۰-۵	۲۰۴۱-۱۰-۸	۲۰۴۱-۱۰-۸	۲۰۴۱-۱۰-۸	۱۰۲۰-۱۳-۴

مسئلہ ۳ — حمیدالنساء ۲۲۲-۵-[illegible]

ام	اخت	اخت	اخت
افضل النساء	محفوظ النساء	حمیدالنساء	حفیظ النساء
۳ ام مَن	۱	۱	۱
	۴۴-۱۲-۵ ۱/۳	۴۴-۱۲-۵ ۱/۳	۴۴-۱۲-۵ ۱/۳

مسئلہ ۳ — حسیبہ حصہ حمیدالنساء [illegible]

	عبدالرشید	حبیب اللہ	سعیدالنساء
	۱	۱	۱
از حمیدالنساء	۲۵۹-۴-۱ ۴/۹	۲۵۹-۴-۱ ۴/۹	۲۵۹-۴-۱ ۴/۹

مسئلہ ۳ — تناسخ — حصہ حسیبہ محفوظ النساء و حفیظ النساء ۱۵۵۵-۸-۱۰ ۲/۳

مولوی عبدالرشید	مولوی حبیب اللہ	سعیدالنساء
۱	۱	۱
۵۱۸-۸-۳ ۵/۹	۵۱۸-۸-۳ ۵/۹	۵۱۸-۸-۳ ۵/۹

مجموعہ حصص ۱۲۰۰۰

حصہ	حصہ	حصہ
مولینا عبدالرشید	مولینا حبیب اللہ	مسماۃ سعیدالنساء
۲۴۰۲-۱۳-۸ [illegible]	۲۴۸۴-۱۳-۸ [illegible]	۱۴۶۲-۰-۱۰ [illegible]
حصہ	حصہ	حصہ
مسماۃ محفوظ النساء	مسماۃ حمیدالنساء	مسماۃ حفیظ النساء
۹۸۱-۴-۰	۳۴۰۶-۱۳-۶ ۲/۳	۹۸۱-۴-[illegible]
حصہ	حصہ حسیبہ مسماۃ محفوظ النساء و حفیظ النساء (متناسخ)	
مسماۃ [illegible]	۱۵۵۵-۸-۱۰ ۲/۳	
۲۲۲-۵-۴		

مسئلہ ۲ — [illegible] معہ ۲۱۲۰۱۰ [illegible]

زوجہ حمیدالنساء	اخ عبدالمجید	اخ عبدالرشید	اخ حبیب اللہ	اخت سعیدالنساء
۶	۲	۲	۲	۳
۲۰۱۰-۶-۸	۸-۱۴-۱۰ ۲/۳	۸-۱۴-۱۰ ۲/۳	۸-۱۴-۱۰ ۲/۳	۲-۶-۵ ۱/۳

مسئلہ ۳ — حمیدالنساء معہ [illegible]

ام افضل النساء کالعدم	اخت محفوظ النساء	اخت حمیدالنساء	اخت حفیظ النساء	[illegible] عبدالسلیم کالعدم
	۱	۱	۱	
	۶۶۰-۲-۲ ۲/۳	۶۶۰-۲-۲ ۲/۳	۶۶۰-۲-۲ ۲/۳	

افضل بیگم ۱۳۱۲-۸-[illegible]

ابن عبدالمجید	ابن عبدالرشید	ابن حبیب اللہ	بنت سعیدالنساء
۳۲۵-۰-۰	۳۲۵-۰-۰	۳۲۵-۰-۰	۱۶۲-۸-۰

مسئلہ ۴ — افضل النساء ۲۵۰۰

بنت محفوظ النساء	بنت حمیدالنساء	بنت حفیظ النساء	اخت رحیم النساء
۲	۲	۲	۳
۶۶۶-۱۲-۵ ۱/۳	۶۶۶-۱۲-۵ ۱/۳	۶۶۶-۱۲-۵ ۱/۳	۱۱۶۶-۱۰-۸

مسئلہ ۵ — [illegible] معہ ۱۱۶۶-۱۰-[illegible]

زوجہ افضل النساء کالعدم	بنت امراؤ خانم	بنت محفوظ النساء	بنت حمیدالنساء	بنت جمیلہ النساء	اخت حفیظ النساء
	۱	۱	۱	۱	۱
	۲۳۳-۵-۴	۲۳۳-۵-۴	۲۳۳-۵-۴	۲۳۳-۵-۴	۲۳۳-۵-۴

حصہ ——— حصہ

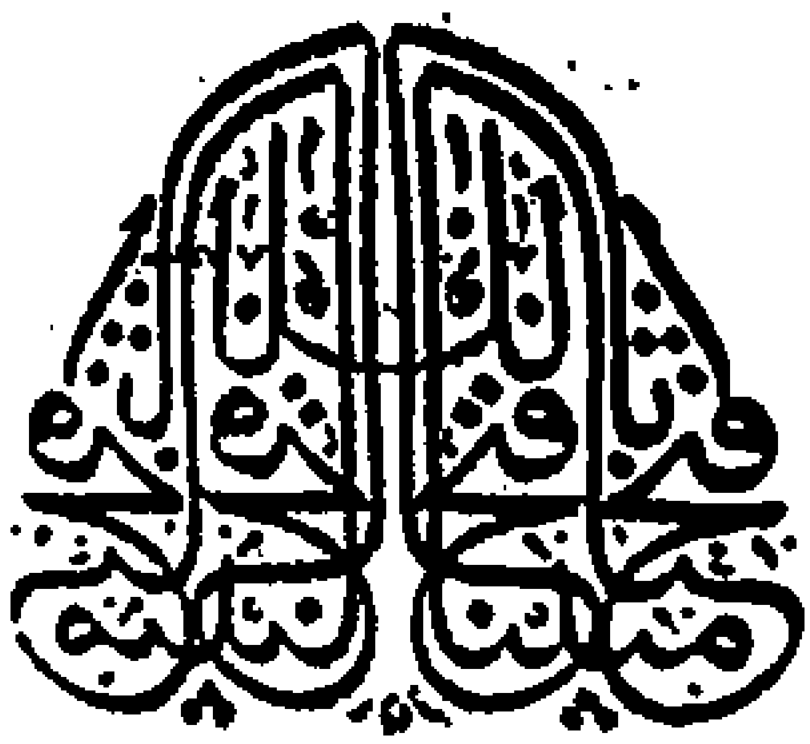
مسماۃ امراؤ بیگم ——— حصص حمیدہ مسماۃ محمودہ بیگم حفیظ بیگم

۲۳۳ — ۵ — ۲ ——— ۱۵۵۵ — ۸ — ۱۰ ۳/۴

مبلغ چھ ہزار روپیہ میں سے جو آپ کا حصہ دار کردہ رقم ملے گی جو زیر تجویز حصص جو آپ کے نام کے نیچے لکھی گئی ہے۔ اور مولینا عبدالحکیم صاحب مرحوم کا حصہ ۳/۴ ۶-۹ ـ ۲۲۲۵ از ... جو حصہ ... سب اور ورثا اور ان کے عوض اولاد کی زوجہ مسماۃ مجیدہ بیگم کے حصہ میں لگ دیا گیا۔ اور مسماۃ منور بیگم و حفیظ بیگم کا وہ حصہ جو انہوں نے ... ہے اور منشا ... ہے ... اگر ... ہو جائے ... مرحوم نے عزیزان ... سب اولاد حصہ میں جمع کر کے ... صاحبزادہ ... بیگ ... ۳/۴ ۲ — ۸ — ۵۱۰ — اور اسی قدر مولینا ... مسماۃ ... فقط ...

محمد مظہر اللہ
امام مسجد فتحپوری دہلی





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید

عرصہ بیس سال ہوئے لاپتہ ہو گیا ہے معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مر گیا اور زندگی ۸۰ سال یا ۸۸ سال

ہو چکی ہے اس وقت اس کے حقیقی رشتہ دار حسب ذیل ہیں مطابق شرع

ترکہ متوفی کس قدر کس کو پہنچتا ہے اور ہر حصہ دار کو کس قدر ترکہ ملے گا اور

وارثوں کو کون محروم الارث ہوگا

چچا زاد بھائی	چچا زاد بہن	خالہ زاد بھائی
3	4	2

الجواب

اگر یہ ثابت ہو کہ واقعی زید کا اور اس کی اسی سال کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ نہ معلوم ہو کہ

کون کس کے بعد فوت ہوا تو اس صورت میں زید کا ترکہ تین حصہ کر کے ہر ایک حصہ ان تینوں چچا زاد

بھائیوں کو ملے گا باقی لوگ محروم ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

۵۹۷

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید کا انتقال ہو گیا۔ زید نے حسب ذیل وارث چھوڑے۔ زید کا ترکہ زید کے

وارثوں میں تقسیم فرمائیں۔ مسمی کنہیا لڑکا۔ فتنی۔ لڑکا۔ سرداری۔ لڑکا۔ بختاور بہن حقیقی۔ شیرا بھائی حقیقی

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ترکہ تین حصے ہو کر ہر ایک لڑکے کو ایک حصہ ملے گا۔ بہن بھائی محروم ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد مظہر اللہ غفرلہ
امام مسجد فتحپوری دہلی

مصنّف کی اہم مطبوعات

① تمدنِ ہند پر اسلامی اثرات	لاہور	۱۹۶۴ء
② موجِ خیال	کراچی	۱۹۷۷ء
③ محبت کی نشانی	کراچی	۱۹۸۰ء
④ آخری پیغام	کراچی	۱۹۸۶ء
⑤ فتاویٰ مسعودی	کراچی	۱۹۸۷ء
⑥ جانِ جاناں	کراچی	۱۹۹۰ء
⑦ قیامت	کراچی	۱۹۹۲ء
⑧ جانِ جاں	کراچی	۱۹۹۳ء
⑨ علم غیب	کراچی	۱۹۹۳ء
⑩ تعظیم و توقیر	کراچی	۱۹۹۴ء
⑪ نسبتوں کی بہاریں	کراچی	۱۹۹۴ء
⑫ نئی نئی باتیں	کراچی	۱۹۹۵ء
⑬ عورت اور پردہ	کراچی	۱۹۹۵ء
⑭ قبلہ	کراچی	۱۹۹۵ء
⑮ مصطفوی نظامِ معیشت	کراچی	۱۹۹۶ء
⑯ فاروقِ اعظم کا غیر مسلموں سے حسنِ سلوک	کراچی	۱۹۹۶ء
⑰ آئینۂ حقائق	لاہور	۱۹۹۷ء
⑱ صراطِ مستقیم	کراچی	۱۹۹۷ء
⑲ روحِ اسلام	کراچی	۱۹۹۷ء

وکونوا مع الصادقین

اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ